
اندھیری مسافتیں
اسلم راہی ایم اے

پیش لفظ

''اندھیری مسافتیں'' ایسے مسافروں کی داستانِ حیات ہے جو روشنی کی تلاش میں ظلمتوں اور تاریکیوں میں سرگرداں رہے۔ جس وقت عرب کے صحراؤں میں اسلام بڑی تیزی سے ارتقا پذیر تھا۔ جب کسریٰ ایران کا قصرِ ابیض ایک خوفناک زلزلے کی گرفت میں آ گیا اور اس کے فلک بوس محل کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے۔

جب دریائے ساوہ جہاں آتش پرست اپنے نومولود بچوں کو غسل دیا کرتے تھے۔ خشک ہو گیا۔ آتش کدۂ فارس جو صدیوں سے فروزاں تھا، ٹھنڈا ہو گیا۔ ایسے میں وہ مسافر عرب کے صحراؤں سے دور کشمکش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آخر جب کسریٰ ایران خسرو پرویز حضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق قتل ہو گیا، صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی، مجوسیت کا شیرازہ تار تار ہو گیا، شجرِ نصرانیت کے اوراق خزاں رسیدہ ہونے لگے۔

عرب کے صحرا سے توحید کا غلغلہ اُٹھا تو راہ گم کردہ وہ مسافر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور تیغ زنی کے جوہر دکھائے۔ اس ناول میں وہ واقعات بھی آئیں گے جب کسریٰ ایران نے حضور ﷺ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ اس عشقیہ داستانوں کا مرکزی کردار شیریں بھی دکھائی دے گی۔

کسریٰ ایران کی حسین و پُرجمال بیٹی آذرمی دخت محبت کرتی اور حکمرانی کرتی دکھائی دے گی۔ آذرمی دخت کو اندھا کر کے قتل کرنے والوں کے پیچھے موت بھاگتی

دکھائی دے گی۔ ایرانی سالار رستم ظلم وستم کرتا دکھائی دے گا۔ ایسے دو گمنام مسافروں کی کہانی جن میں ایک رستم کو موت کے گھاٹ اُتارتا ہے اور دوسرا موت بن کر آذرمی دخت کے قاتلوں کے تعاقب میں لگ جاتا ہے۔

ایک منفرد اور جاندار کہانی جو آپ کی پسندیدگی کا باعث بنے گی۔

اسلم راہی۔ ایم۔ اے

سن 614ء کا سرما اپنے عروج پر تھا۔ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز اپنے مرکزی شہر مدائن کے قصر میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ دائیں، بائیں دو غلام مگس رانی میں مصروف تھے۔ اس کے بائیں جانب اس کی دونوں بیویاں شیریں اور مریم بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں بیویوں کے ساتھ اگلی نشستوں پر ان کے بیٹے اپنی اپنی عمر کے لحاظ سے بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ خسرو پرویز کے دائیں جانب اس کی انتہائی خوب صورت اور حسین اور کم عمر بیٹیاں پوراں دخت اور آذرمی دخت بیٹھی ہوئی تھیں۔ سامنے جو نشستیں تھیں ان میں سے نمایاں نشستوں پر خسرو پرویز کا سپہ سالار شاہین، دوسرا سالار شہرباز خسرو پرویز کے محافظ دستوں کا سالار فرخ، اس کے بعد مملکت کے دوسرے اُمراء اور منصب دار بیٹھے ہوئے تھے۔

ایسے میں ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کا چوبدار قصر کے اس کمرے میں داخل ہوا۔ اپنے آپ کو اپنے عصا سمیت زمین کی طرف خوب خم کرتے ہوئے اس نے خسرو پرویز کو تعظیم دی، کورنش بجا لایا، پھر سیدھا کھڑا ہوا اور انتہائی با ادب ہوتے ہوئے خسرو پرویز کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''شہنشاہِ محترم! آپ کا کاتب اور ترجمان زید بن عدی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔''

اپنے چوبدار کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم اس موقع پر خسرو پرویز کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ آخر وہ اپنے چوبدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''زید بن عدی کو لاؤ تا کہ میں جانوں وہ کیا چاہتا ہے۔''

خسرو پرویز کے ان الفاظ پر چوبد نے دوبارہ زمین کی طرف جھکتے ہوئے اسے

تعظیم دی، پھر خسرو پرویز کی طرف پیٹھ کئے بغیر الٹا چلتا ہوا وہ قصر کے اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے درمیانی عمر کے ایک شخص کو خسرو پرویز کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ وہ زید بن عدی تھا۔

اس زید کا باپ عدی ایک شاعر تھا۔ بنیادی طور پر عرب تھا لیکن ایران کی پہلوی زبان پر بھی مہارت رکھتا تھا۔ وہ خسرو پرویز کے دربار میں مترجم کی حیثیت سے خدمات انجام دیا کرتا تھا۔ یہ عدی حیرہ کا رہنے والا تھا۔ حیرہ کے حکمران نعمان نے عدی کو کسی ذاتی رنجش کی بناء پر قتل کرا دیا تھا۔ اس کے بعد عدی کا بیٹا زید خسرو پرویز کے دربار کا مترجم مقرر ہوا چنانچہ اسی زید بن عدی نے اب ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک سازش کی تکمیل کرنا چاہی۔ اس طرح وہ حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر سے اپنا انتقام لینا چاہتا تھا۔

جہاں تک حیرہ کی عرب سلطنت کا تعلق تھا تو حیرہ دریائے فرات اور بیت المقدس کو جدا کرنے والے ریگستان کے دائیں کنارے پر واقع تھی اور اس کا حکمران ان دنوں نعمان بن منذر ایک عرب سردار تھا۔

زید کسی اور طرح سے اپنے باپ کا انتقام تو نہیں لے سکتا تھا لہٰذا اس نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرنا چاہا کیونکہ وہ خسرو پرویز کے دربار میں مترجم تھا لہٰذا وہ خسرو پرویز ہی کو عرب ریاست حیرہ کے حکمران نعمان کے خلاف حرکت میں لانا چاہتا تھا۔

چنانچہ جب خسرو پرویز کے چوبدار نے زید بن عدی کو اس کے سامنے پیش کیا تب خسرو پرویز نے اسے مخاطب کیا۔

”زید! کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اگر تمہیں کسی سے اذیت پہنچی ہے، تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو جس وقت تم مترجم کی حیثیت سے میرے ساتھ کام کرتے ہو اسی وقت وہ بات کہہ دی ہوتی۔“

اس پر زید نے ایک بار پھر اپنے آپ کو جھکاتے ہوئے خسرو پرویز کو تعظیم دی، پھر کہنے لگا۔

”شہنشاہِ معظم! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں، بھرے دربار میں اسے کہنے کی میری خواہش ہے۔ اسی بناء پر میں نے آپ کو زحمت دی ہے۔ آپ جانتے ہیں میں اور میرا

باپ حیرہ کے رہنے والے ہیں۔ حیرہ کا حکمران ان دنوں نعمان ہے۔ میں حضور کے سامنے یہ گزارش کروں گا کہ حیرہ کے عرب حکمران کی ایک انتہائی پُر جمال اور خوبصورت بیٹی ہے۔ نام اس کا حذیفہ ہے۔ ان علاقوں میں کوئی بھی نوجوان لڑکی اس جیسی نہ حسین ہے نہ پُرکشش۔“

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے سامنے حیرہ کے عرب حکمران نعمان کی بیٹی کی خوبصورتی کی تعریف کر کے ایک طرح سے ایک سازش اور چال چلی گئی تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ عرب رؤساء اپنی بیٹیوں کا رشتہ ایرانیوں کو دینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اسی بناء پر زید نے خسرو پرویز کے سامنے آ کر نعمان کی بیٹی کے حُسن، اس کی خوب صورتی کی جب تعریف کی تو خسرو پرویز کے منہ میں پانی بھر آیا۔ زید جانتا تھا کہ جب وہ حذیفہ کی خوبصورتی کی تعریف کرے گا تو یقیناً خسرو پرویز نعمان سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگے گا کیونکہ عربوں میں یہ روایت رہی ہے کہ وہ ایرانیوں کو اپنی بیٹیوں کا رشتہ نہیں دیتے۔ چنانچہ اس روایت کو قائم رکھتے ہوئے نعمان خسرو پرویز کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دے گا۔ جب ایسا ہو گا تو خسرو پرویز اس کے خلاف غضب ناک ہو گا اور فوراً اس پر لشکر کشی کرتے ہوئے اس کی مملکت کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اس طرح زید کو اپنے باپ عدی کا انتقام حیرہ کے عرب حکمران نعمان سے لینے کا موقع مل جائے گا۔

زید جب خاموش ہوا، تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے خسرو پرویز کہنے لگا۔

”تمہارے خیالات میں، میں کسے حیرہ کے حکمران نعمان کی طرف سفیر بنا کر بھیجوں جو میرے معاملے کو اس کے سامنے احسن طریقے سے پیش کر سکے کہ نعمان اس رشتے سے انکار نہ کرے؟“

جواب میں زید کے چہرے پر بڑی عیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

”مالک! بنو طے سے تعلق رکھنے والے ایاس سے بہتر یہ کام کوئی کر ہی نہیں سکتا۔“

زید بن عدی کے ان الفاظ پر کچھ دیر تک خسرو پرویز مسکراتا رہا، پھر اپنے چوبدار کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”ایاس کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی چوبدار مدائن کے اس قصر کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

عربوں کے قبیلے طے سے تعلق رکھنے والے ایاس کے تعلقات ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز سے پرانے تھے۔ قبیلہ طے کے اس رئیس کے خسرو پرویز پر ماضی میں کچھ احسانات بھی تھے جن کی بناء پر خسرو پرویز اس عرب رئیس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار اور اعتماد کرتا تھا۔ ماضی میں ان دونوں کے تعلقات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

خسرو پرویز اپنے باپ ہرمز کے قتل ہونے پر ایران کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ اپنے باپ کے قتل کے موقع پر وہ آذربائیجان میں تھا۔ چنانچہ آذربائیجان سے فوراً وہ اپنے باپ کے قتل کی خبر سن کر ایران کے مرکزی شہر مدائن پہنچا۔ یوں اپنے باپ کے قتل کے بعد وہ ایران کے تاج و تخت کا مالک ہوا۔ اس نے جب عنانِ حکومت سنبھالی تو ملکی فضا انتہا درجہ کی بگڑی ہوئی تھی۔ باغیوں اور سرکشوں کے حوصلے بلند تھے۔ اُمراء اپنا تسلط جمانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ اس ناموافق صورتِ حال کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ خسرو پرویز کی حکومت کتنے دن چلے گی۔

ان حالات میں خسرو پرویز نے چاہا کہ سب سے پہلے اپنے ایک سالار بہرام چوبین کو اطاعت پر آمادہ کرے۔ اس نے بغاوت اور سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس خیال سے اس نے مشفقانہ لہجے میں بہرام کو مراسلہ بھیجا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

''میرا باپ ہرمز جس سے تمہیں اختلاف تھا، اب اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ اگر تم اطاعت قبول کر لو، پایہ تخت واپس آ جاؤ تو تمہیں لشکریوں کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے گا۔ اس طرح تمہیں بادشاہ کے بعد دوسرے درجے کا منصب مل جائے گا۔''

بہرام نے خسرو پرویز کے اس مشفقانہ مراسلے کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور نہایت گستاخانہ جواب لکھ بھیجا۔ جو جواب اس نے لکھا وہ کچھ اس طرح تھا:

''تُو نے اپنے باپ سے وحشیانہ سلوک کیا۔ تُو نے لوگوں کو آمادہ کر کے اسے اندھا کروایا، تخت و تاج سے محروم کیا اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔ بیٹا کبھی باپ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتا۔ تم اپنا تاج اتار کر میرے حضور میں آؤ تا کہ تمہیں کسی ایرانی صوبے کی حکومت سونپ دوں۔''

خسرو پرویز نے اس گستاخانہ مراسلے سے قطع نظر کرتے ہوئے پھر بہرام کو مراسلہ

بھیجا۔ جس میں یہ لکھا:

''ہرمز کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک ہوا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔''

اس کے علاوہ اس نے ہر طرح سے بہرام کی دلجوئی اور دلداری کی۔ لیکن اس کا بھی بہرام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

آخر خسرو خود لشکر لے کر باغی سالار کے مقابلے کے لئے نکلا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ جنگ ہو، خسرو پرویز نے پھر بھی صلح کی گفت و شنید کرنی چاہی۔ لیکن بہرام کسی صورت مصالحت کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ وہ خود ایران کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس لئے کہ وہ ایران کے نامور خاندان مہران کا فرزند تھا اور خاندانِ مہران کا دعویٰ تھا کہ وہ اشکانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بہرام چوبین کو ایران کا بادشاہ بننے کا خیال آیا۔

خسرو پرویز کے ساتھ وہ کسی قسم کی گفت و شنید کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور بڑے فاتحانہ انداز میں رے سے چل کر مدائن آیا۔

چنانچہ خسرو پرویز خود اس کے مقابلے کے لئے لشکر لے کر میدانِ جنگ میں اُترا لیکن جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے تو حالات نے عجیب ہی پلٹا کھایا۔ پہلے خسرو پرویز کو امید تھی کہ وہ بہرام کو شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا۔ اس طرح ایران کی مملکت میں حالات اس کے حق میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب دونوں لشکریوں کے درمیان جنگ ہوئی تو خسرو پرویز کے جنگ میں پاؤں نہ جمے۔ اسے بہرام کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ راہِ فرار اختیار کی اور دریائے فرات کو عبور کر کے بھاگا۔

بہرام پایۂ تخت میں داخل ہوا۔ امراء نہیں چاہتے تھے کہ ایک ایسا شخص وارثِ تخت و تاج بنے جو ساسانی بادشاہوں کی نسل سے نہیں۔ لیکن اس نے امراء کے رجحان کو کوئی اہمیت نہ دی اور شاہی تاج پہن کر اپنے نام کے سکے جاری کر دیئے۔

جب خسرو پرویز شکست اٹھا کر بھاگ گیا تب مشہور مؤرخ طبری کے مطابق بہرام چوبین نے اپنے رفقاء سے پوچھا۔

''خسرو نے کہاں جانے کا فیصلہ کیا ہوگا اور کس راستے سے گیا ہوگا؟''

اس پر اس کے سالاروں میں سے ایک نے جواب دیا۔

"وہ شام سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ جائے گا تاکہ قیصرِ روم سے کمک حاصل کرے۔"

یہ سن کر بہرام نے اپنے ایک سالار جس کا نام بھی بہرام تھا، چار ہزار سواروں کا لشکر لے کر خسرو کے تعاقب میں بھیجا۔

خسرو پرویز میدانِ جنگ سے بھاگنے کے بعد دوپہر کو ستانے کے لئے اپنے ہمراہیوں سمیت عیسائیوں کے معبد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ لوگ تھکے ہارے تھے۔ پڑتے ہی گہری نیند سو گئے۔

دفعتہً معبد کے راہب نے انہیں بیدار کیا اور کہا۔

"ایک لشکر چلا آ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے تمہیں گرفتار کرے۔"

خسرو نے پوچھا۔

"کتنی دور ہوگا؟"

اس نے جواب دیا۔

"تقریباً دو فرسنگ کے فاصلے پر ہوگا۔"

اس لشکر کی آمد کی اطلاع سے خسرو پرویز اور اس کے ساتھیوں پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور سمجھ گئے کہ بہرام کا لشکر ان کے تعاقب میں آیا ہے۔

اس پر خسرو نے کہا۔

"اب کیا تدبیر کی جائے؟ اور تمہاری کیا رائے ہے؟ اس لیے کہ عقل مند آدمی کسی حالت میں بھی ناامید نہیں ہوتا۔"

اس پر خسرو پرویز کے ماموں بندوی نے کہا۔

"میں تو اب ایک ہی تدبیر چاہتا ہوں کہ تمہیں رہائی دلا دوں اور خود اپنی جان دے دوں۔"

اس پر خسرو پرویز نے کہا۔

"محترم! ممکن ہے اس چارہ گری میں تمہاری جان بھی بچ جائے۔ اس چارہ گری کا نتیجہ یقیناً تمہارے حق میں انتہا درجہ کا بہتر ہوگا۔ لیکن اگر تم ہلاک بھی ہو جاؤ تو تمہاری ہلاکت کے لئے یادگار رہے گی اور اگر تم بچ جاؤ تو تمہارا خطرے کو قبول کرنا تمہارے لئے جاہ و منزلت کا موجب بن جائے گا۔"

خسرو پرویز کے ماموں بندوی نے خسرو پرویز کو کہا۔

"اپنا لباس اتار کر مجھے دے دو۔ خود سادہ لباس پہن کر ہمراہیوں کے ساتھ نکل جاؤ اور تعاقب کرنے والوں کو مجھ پر چھوڑ دو۔"

چنانچہ خسرو پرویز نے شاہانہ پوشاک اتار کر اپنے ماموں بندوی کے حوالے کی اور خود اپنے دوسرے ماموں بسطام اور دیگر رفقاء کے ساتھ سوار ہو کر وہاں سے نکل گیا۔

بندوی نے شاہی پوشاک زیب تن کی اور راہب کو دھمکی دی کہ یہ ہمارا راز ہے اور تم ہمارے راز کو افشاء نہ کرنا ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

جواب میں راہب کہنے لگا۔

"تم جو چاہو کرو۔ میں کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔"

اتنے میں بہرام کا لشکر آ پہنچا۔ بندوی نے شاہی پٹکا سر پر باندھا، معبد کا دروازہ اندر سے مقفل کیا اور خود معبد کی دیوار پر چڑھ آیا۔

اہلِ لشکر نے دیکھا، کوئی شخص زرکار اور شاہی لباس زیب تن کئے دیوار پر کھڑا ہے۔ اس کا لباس آفتاب کی روشنی میں جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ انہیں یقین ہوگیا کہ یہ خسرو پرویز ہے چنانچہ انہوں نے معبد کے اردگرد گھیرا ڈال دیا۔

بندوی دیوار سے نیچے اُتر آیا۔ شاہی لباس اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے اور پھر دیوار پر چڑھ آیا اور لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اے اہلِ لشکر! میں بندوی ہوں۔ آپ اپنے امراء سے کہہ دیجئے کہ دیوار کے قریب آ جائیں تاکہ میں انہیں کسریٰ کا پیغام پہنچا دوں۔"

چنانچہ وہ لشکری دیوار کے پاس آ گئے۔ بندوی نے انہیں سلام کیا اور بولا۔

"کسریٰ کی طرف سے آپ کو سلام پہنچے۔ کسریٰ نے کہا ہے یزدان پاک کا لشکر ہے کہ ہمارا پیچھا کرنے والے آپ ہیں۔ آپ ہمارے ہی آدمی ہیں۔"

اس لشکر کا سالار بہرام سیاؤ شان تھا۔ چنانچہ اس نے بندوی کو پہچانتے ہوئے کہا۔

"بے شک، میں کسریٰ کا غلام ہوں۔"

اس پر خسرو پرویز کا ماموں بندوی کہنے لگا۔

"کسریٰ نے یہ پیغام دیا ہے کہ میں تین دن اور رات سے گھوڑا دوڑاتے چلا آ رہا ہوں۔ اس وقت سخت پریشان اور ماندہ ہوں۔ میں جانتا ہوں مجھے تمہارے ساتھ تو بہرام چوبین کے پاس جانا ہوگا اور اپنے آپ کو قضاء یزدان کے سپرد کرنا ہوگا۔ لیکن

اگر آپ نامناسب نہ سمجھیں تو میں کچھ دیر ستا لوں۔ آپ اور آپ کے ہمراہی بھی آرام کریں۔ شام ہوتے ہی چلے چلیں گے۔"

بہرام سیاؤشان یہ سن کر بولا۔

"یہ بڑی مناسب بات ہے۔ میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔ بادشاہ کا یہ مجھ پر حق ہے اور مجھے یہ حق ادا کرنا ہوگا۔"

چنانچہ شام کو بندوی پھر دیوار پر آیا اور بہرام سیاؤشان سے کہا۔

"اب بادشاہ نے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ نے شام تک آرام کیا ہے۔ اب رات ہونے کو آئی ہے، تاریکی چھانے لگی ہے۔ اگر ممکن ہو تو رات بھر اور صبر کر لو۔ تمہاری یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے چل دیں گے۔"

بہرام بولا۔

"جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔"

یہ سن کر بہرام نے اپنے لشکر کو معبد کے اردگرد پھیلا دیا اور انہیں ہر طرف سے خبردار رہنے کا حکم دیا۔

صبح ہوئی، سورج نکلا تو بہرام نے اپنے لشکریوں کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ اتنے میں خسرو پرویز کا ماموں بندوی پھر دیوار پر آیا اور بہرام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اب چلنا چاہئے۔"

بندوی نے کہا۔

"جانا تو ہوگا۔ لیکن سورج کچھ اوپر آ جائے تو چلیں گے۔"

اس طرح دوپہر ہو گئی اور بندوی نے پھر استدعا کی کہ دوپہر ڈھل جائے تو چلیں گے۔

اس پر بہرام نے بے صبری کا اظہار کیا تو بندوی نے معبد کا دروازہ کھول دیا اور خود معبد سے باہر نکل آیا اور بولا۔

"یہاں تو تنہا میں ہوں۔ خسرو پرویز کل کا یہاں سے جا چکا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اسی حیلے سے ایک دن اور ایک رات روکے رکھوں تاکہ خسرو پرویز تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے۔ اب اگر تم اس کا تعاقب کرو بھی تو تمہاری کوشش رنگ نہیں لائے گی۔ رائیگاں جائے گی۔ اب میں حاضر ہوں۔ مجھے جہاں چاہے لے جاؤ۔"

یہ سن کر بہرام ششدر رہ گیا اور سوچا کہ اگر بندوی کو یہاں قتل کر دیتا ہوں تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ اس کو بہرام چوبین کے پاس لے چلوں۔ آخر اسے اسیر کر کے واپس ہوا۔

ایران کے نئے حکمران بہرام چوبین کو صورتِ حال کا علم ہوا تو بندوی کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے فاسق اور فاجر انسان! کیا یہ کافی نہ تھا کہ تم نے خسرو پرویز کے باپ ہرمز کی آنکھیں نکلوا کر اسے قتل کیا۔ اب خسرو کو ہماری دسترس سے باہر کر دیا ہے۔ تمہیں اسی ذلیل موت مروایا جائے گا کہ اس کے ذکر سے لوگوں کو عبرت ہوگی۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب تمہارا بھائی بسطام جو خسرو پرویز کے ساتھ بھاگ گیا ہے، وہ بھی ہمارے قابو میں آ جائے گا۔ جو خسرو پرویز کے باپ ہرمز کو قتل کرنے میں برابر کا شریک تھا۔

بہرام نے بندوی کو بہرام سیاؤشان ہی کے سپرد کر دیا کہ زندان میں ڈال دے۔ یہاں تک کہ سب حریف ہمارے ہاتھ لگ جائیں۔ بہرام سیاؤشان نے اسے زندان میں ڈالنے کی بجائے اپنے گھر میں رکھا اور وہاں اسے نظر بند کر دیا۔

بہرام سیاؤشان کے دل میں بندوی کا احترام تھا۔ اس لئے بندوی کو اسے اپنا ہمنوا بنانے میں زیادہ کوشش نہ کرنی پڑی۔ آخر دونوں نے سازش کی کہ بہرام چوبین کو چوپان کھیلتے ہوئے قتل کر دیا جائے۔

دوسرے دن بہرام سیاؤشان نے زرہ بکتر پہنی اور چوگان کھیلنے کے لئے لباس زیب تن کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ اتنے میں بہرام سیاؤشان کی بیوی نے جو بہرام چوبین کی بھانجی تھی، متنبہ کر دیا کہ آج میرا شوہر چوگان کھیلنے نکلا ہے لیکن لباس کے نیچے اس نے زرّہ بکتر پہنا ہے۔ معلوم نہیں اصل معاملہ کیا ہے۔ اس سے خبردار رہنا۔

آخر راز فاش ہو گیا اور بہرام چوبین نے بہرام سیاؤشان کو قتل کر دیا۔ جبکہ بندوی کسی نہ کسی طرح بچ کر فرار ہو گیا اور آذربائیجان کی طرف چلا گیا۔

دوسری طرف خسرو پرویز مملکتِ ایران سے نکل چکا تھا۔ اب اس کا بھائی شہریار تخت و تاج کا وارث موجود تھا۔ بہرام چوبین کو یقین تھا کہ شہزادے کی موجودگی میں اس کا اپنی مملکت کو برقرار رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ اب اس نے چال چلی اور لشکر سے کہا کہ

مملکت کا بادشاہ اب شہریار ہو گا۔ لیکن ابھی وہ بچہ ہے۔ جب تک وہ جوان ہو، میں اس کے نام پر حکومت کروں گا۔ لیکن اس یقین دہانی کے باوجود بعض لوگ خسرو پرویز ہی کے حق میں تھے۔ بہرام کو لوگوں کی اس رائے کا علم ہوا تو اس نے مخالفین کو وہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دی چنانچہ مشہور مؤرخ طبری کے مطابق بیس ہزار مخالفین نکلے اور آذربائیجان کا رخ کیا جہاں یہ لوگ خسرو پرویز کے ماموں بندوی سے جا ملے۔

خسرو پرویز کو بھاگ نکلنے کا کافی وقت مل گیا تھا۔ اب فرار کی اسی کارروائی کے دوران خسرو پرویز کی ملاقات عربوں کے قبیلے طے کے رئیس ایاس سے ہوئی۔ چنانچہ ایاس کی رہنمائی میں خسرو پرویز نے قسطنطنیہ کا رخ کیا اور اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ پہنچا۔ رومنوں نے خسرو پرویز کا شاندار استقبال کیا۔ قیصرِ روم مارس نے اپنے مشیروں کے ساتھ کافی عرصہ تک صلاح مشورہ کرنے کے بعد اعلان کر دیا کہ قیصرِ روم اس معزز مہمان کو اپنا فرزند سمجھتا ہے اور بہرام چوبین کے ساتھ جنگ کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کی جائے گی۔

اس مدد کے بدلے میں رومن یہ چاہتے تھے کہ ایران آرمیدیا پر رومنوں کے تسلط کو قبول کرے اور دارا اور مارٹیرو پولس یعنی میا صارقین کے علاقے رومنوں کے حوالے کر دیئے جائیں۔

خسرو پرویز نے یہ شرائط قبول کر لیں۔ پھر اپنے میزبان سے رخصت ہونے کے لئے وہ قیصرِ روم کے دربار پہنچ گیا تو مارس نے اسے یہاں تک سرفراز کیا کہ اپنی بیٹی مریم کو اس سے بیاہ دیا۔

قیصرِ روم مارس نے خسرو پرویز کو جو امداد دینے کا وعدہ کیا تھا اس کی خبر ایران تک میں پھیل گئی تھی۔ بہرام چوبین کے مخالفین خوش ہوئے۔ امراء اور اشراف کو ایسے آدمی کا ساسانی تخت و تاج حاصل کرنا گوارا نہ تھا جس کی رگوں میں شاہی خون نہیں تھا۔

لشکر میں بہرام کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ عوام اپنے حقیقی بادشاہ کا خیر مقدم کرنے کے لئے مضطرب تھے۔ اچانک خبر آئی کہ موسمِ بہار میں خسرو پرویز رومن لشکر کی معیت میں دریائے دجلہ کو عبور کر آیا ہے۔ بہرام چوبین کا ایک سالار

رومنوں کے مقابلے کے لئے نکلا۔ لیکن رومنوں کے لشکر کے سامنے اس کے پاؤں نہ جم سکے۔ آخر اسے شکست دے کر رومنوں نے گرفتار کر لیا۔ چنانچہ بہرام چوبین کے اس سالار کے خسرو پرویز نے ناک اور کان کٹوا کر سرِ عام اس کی نمائش کی اور آخر کار اسے قتل کرا دیا۔

دوسری طرف خسرو پرویز کے ماموں بندوی نے آذر بائیجان میں جب اپنے بھانجے خسرو پرویز کی آمد کی خبر سنی تو وہ آذربائیجان سے ایک لشکر لے کر نکلا اور اپنے بھانجے خسرو سے جا ملا۔

چنانچہ خسرو پرویز نے اپنے ماموں کے ساتھ پیش قدمی کی اور سلیو کیا اور مدائن کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بہرام چوبین ان شکستوں سے سخت ہراساں ہوا۔ آخر آخری بازی لگانے کے لئے لشکر لے کر خود میدان میں آیا۔

دونوں لشکریوں کا آمنا سامنا ہوا۔ خسرو کا لشکر بہرام چوبین کے قلبِ لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ بہرام کے لشکر نے مقابلے کی تاب نہ لا کر راہِ فرار اختیار کی اور بہرام بچ کر کوہستانی سلسلوں کی طرف نکل گیا۔

خسرو نے اس کا تعاقب کیا۔ پہاڑی علاقے میں بہرام چوبین نے رومنوں کو کافی نقصان پہنچا کر پسپا کر دیا۔ لیکن رات کی تاریکی چھائی تو وہ اپنی جمعیت کی کمزوری محسوس کرتے ہوئے کردستان کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور کنزاتنا یعنی دشیز کے مشہور قلعے میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔

خسرو پرویز کے راستے میں بہرام سب سے بڑا کانٹا تھا۔ اس لئے اس نے بہرام کا تعاقب جاری رکھا۔ آخری مرتبہ بہرام اور خسرو پرویز کے مابین جنگ ہوئی جس میں ہاتھیوں کا سوار دستہ بہرام کی کمک کے لئے آیا اور مؤرخین لکھتے ہیں اس جنگ میں بہرام نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ رومنوں کے دائیں بازو کو پسپا کرنے کے لئے پے درپے حملے کئے لیکن رومن سالار نرسس نے دائیں بازو کو کمک پہنچا کر دفاع کو مضبوط کر لیا۔ آخر رومنوں نے پھر بہرام کے قلب پر حملہ کیا جس سے بہرام کے لشکریوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اس کے لشکر نے راہِ فرار اختیار کی۔ بہرام بھاگ کر ترکوں کے ہاں چلا گیا۔

مشہور مؤرخ طبری نے بہرام چوبین کی شخصیت اور اس کے فرار کی سرگزشت

بڑی تفصیل سے لکھی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو شاہی خاندان سے کتنی عقیدت تھی۔ کوئی باغی خواہ کتنا ہی طاقتور ہو مگر اس کی رگوں میں ساسانی خون نہ ہو تو تخت و تاج حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ باغی بہرام ایک شخص گشتاسب کا بیٹا تھا۔ وہ رے شہر کا رہنے والا تھا اور خاندانِ مہران کا رئیس تھا۔ اس زمانے میں ایران بھر میں اس سے زیادہ نڈر، شجاع اور صاحبِ تدبیر کوئی اور شخص نہ تھا۔ وہ سیاہی مائل، دراز قامت، دُبلا پتلا شخص تھا۔ دُبلا ہونے کی وجہ سے اُسے چوبین کہتے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ اس کا لقب چوبین نہیں بلکہ شوبین تھا۔ اس لقب کی وجۂ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں رے کے کسی شخص سے اس کی لڑائی ہو گی۔ اس نے اپنے مخالف کو تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وہ سر سے لے کر گھوڑے کی زین تک کٹ کر رہ گیا۔

لوگ حیران کھڑے دیکھتے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا۔

''شوبین! آں ضربت۔'' (یعنی اس ضرب کو تو دیکھو)

پس اسی دن سے اسے شوبین کہنے لگے جو رفتہ رفتہ چوبین ہو گیا۔

مؤرخین بہرام کے فرار کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ وہ فرار کے دوران ہمدان پہنچا اور ایک دہقان کے گھر میں ستانے کے لیے ٹھہر گیا۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے اس کا خیر مقدم کیا۔ بہرام نے اپنا کھانا نکال کر ناشتہ کیا۔ پھر شراب پینے کے لیے عورت سے برتن مانگا۔

عورت ایک ٹوٹا ہوا کدو لے آئی اور کہا۔

''ہم تو اسی میں پانی پیتے ہیں۔ یہ حاضر ہے۔''

بہرام نے کدو میں شراب ڈال کر پی۔ اس کے بعد بہرام چوبین نے اس عورت سے کھانے کے لیے برتن مانگا تو وہ عورت مٹی کی ایک رکابی لائی جس میں گوبر اٹھایا جاتا تھا اور کہا ہم تو اسی پر روٹی رکھ کر کھا لیتے ہیں۔

بہرام دو ایک جام پی چکا تو بڑھیا سے پوچھا۔ ''کہو، دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے؟''

جواب میں بڑھیا کہنے لگی۔

''سنتے ہیں خسرو پرویز رومنوں کے بادشاہ سے لشکر لایا ہے اور بہرام سے اس کی

جنگ ہوئی جس میں بہرام شکست کھا کر کہیں بھاگ گیا ہے۔''

بڑھیا کے اس جواب پر بہرام نے اس سے پوچھا۔

''اچھا تو بہرام نے جو کچھ کیا وہ درست ہے یا غلط؟''

عورت کہنے لگی۔

''کہتے ہیں اس نے غلطی کی۔ بہرام کو بھلا سلطنت سے کیا واسطہ؟ کیونکہ وہ شاہوں کی نسل سے نہیں۔ بہرام کو چاہیے تھا کہ آرام سے بادشاہ کی نوکری کر لیتا تاکہ امن اور چین سے زندگی بسر کرتا۔''

بڑھیا کے ان الفاظ کے جواب میں بہرام کہنے لگا۔

''ہاں...... یہی وجہ ہے کہ میری نیند سے کدو کی بُو آ رہی ہے۔ میرے اکل سے گوبر کی بُو آتی ہے۔''

چنانچہ اس عورت کے ہاں سے نکل کر بہرام ترکستان پہنچ گیا۔ وہاں کے خاقان نے اس کی آؤ بھگت کی لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ترکستان ہی میں کسی نے اسے قتل کر دیا۔ اس طرح خسرو کو ایک بہادر اور خطرناک دشمن سے نجات مل گئی تھی۔

ایسا ہونے کے بعد خسرو پرویز فاتحانہ انداز میں اپنے مرکزی شہر مدائن میں داخل ہوا اور اپنے بزرگوں کا تخت و تاج حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنی پہلی فرصت میں رومنوں کے لشکر کی عزت افزائی کی اور تحفے تحائف دے کر اسے رخصت کر دیا۔

خسرو پرویز کی حکومت ابھی مستحکم نہ ہونے پائی تھی کہ اسے معلوم ہو گیا کہ رعایا اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ اس کے علاوہ آتش کدوں یعنی معبدوں کے رکھوالوں کے لیے بھی اس کا آنا خوشی کا موجب نہ تھا کیونکہ وہ رومنوں کا احسان مند ہونے کی وجہ سے قوم کی نظروں میں گر گیا تھا۔ اس کے علاوہ قسطنطنیہ میں قیام کرنے اور قیصرِ روم کی نصرانی بیٹی مریم سے شادی کرنے کے بعد خسرو پرویز عیسائیوں کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اس کا جھکاؤ ان کی طرف زیادہ ہو یا تھا۔ اُس کے اس جھکاؤ اور توجہ کی دو وجوہات تھیں۔

پہلی یہ کہ اس کی بیوی مریم قیصرِ روم کی بیٹی تھی۔ وہ نصرانی تھی لہٰذا اس کا بھی خسرو پرویز پر اثر تھا۔

چنانچہ پہلی کے بعد خسرو پرویز نے دوسری شادی پُر جمال وحسین شیریں سے کی۔ وہ بھی چونکہ نصرانی تھی لہٰذا اس کی وجہ سے بھی خسرو پرویز کا جھکاؤ نصرانیوں کی طرف تھا۔ ان حالات میں خسرو پرویز اپنے لیے خطرات محسوس کرنے لگا تھا۔ اس لیے اس نے ایک ہزار لشکریوں کا دستہ اپنی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے باپ کے قاتلوں کی طرف رجوع کیا اور انہیں چن چن کر مروایا۔ یہاں تک کہ اس نے کسی حیلے بہانے سے اپنے ماموں بندوی اور دوسرے ماموں بسطام کو بھی تہہ تیغ کرا دیا۔ کیونکہ وہ دونوں اس کے باپ کے قتل میں شریک تھے۔

❁ ❁ ❁

عربوں کے قبیلے بنو طے کا سردار ایاس، خسرو پرویز کی نگاہوں میں اس لیے عزت اور وقار رکھتا تھا کہ ایاس نے بدبختی کے زمانے میں خسرو پرویز کو بہرام چوبین کے چنگل سے بھاگ نکلنے میں مدد کی تھی اور اسے باحفاظت قسطنطنیہ پہنچایا تھا۔ تب سے خسرو پرویز اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ چنانچہ جب زید بن عدی نے حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر کی بیٹی حذیفہ کے حُسن اور جمال کی تعریف کی تب اس کام کو نکالنے کے لیے بھی خسرو پرویز نے ایاس ہی کو طلب کیا تھا۔ چنانچہ جب خسرو پرویز کے چوبدار کے ساتھ وہ مدائن کے اس قصر کے کمرے میں داخل ہوا تب خسرو پرویز بڑی خوش طبعی سے اس کے ساتھ پیش آیا اور جس مقصد کے لیے اسے بلایا تھا اس کی تفصیل بھی اس سے کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر ایاس نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر خسرو پرویز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''شہنشاہِ معظم! یہ بڑا معمولی کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کام میں آپ کے لیے کر گزروں گا۔''

خسرو پرویز مسکرایا۔ شاید ایاس کی اس گفتگو سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر کی بیٹی حذیفہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی جمالیاتی نشے میں اس نے اسی روز ایاس کی روانگی کا اہتمام کیا اور ایاس مدائن سے نکل کر حیرہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

قبیلہ طے کا سردار ایاس ایک روز اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حیرہ شہر میں داخل ہوا اور سیدھا حیرہ کے قصر کا رخ کیا۔ جہاں تک حیرہ شہر کا تعلق تھا تو یہ عربوں کے قبیلے بنو لخم کے حکمرانوں کا دارالسلطنت ہوا کرتا تھا اور یہ حیرہ شہر کوفہ سے مغرب میں موجودہ مشہد سے جنوب مغرب کی جانب نجف کی جھیل کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ شہر تمدن کے ایک خاص معیار کو پہنچ گیا تھا اور بادشاہوں کے دربار میں شعراء جمع رہتے تھے۔ حیرہ کے لوگ فنِ کتابت بھی بخوبی جانتے تھے اور وہیں سے یہ فن پورے عرب میں پھیلا تھا۔ خسرو پرویز کے دور میں حیرہ کا حکمران نعمان بن منذر تھا۔

بعد میں ایرانی حکمرانوں نے آزاد اور باج گزار سرداروں کا نظام ختم کر کے وہاں ایرانی گورنروں کو مقرر کیا اور عرب سرداروں کو ان کا ماتحت بنا دیا۔ 633ء تک یہی نظام قائم رہا تاوقتیکہ حضرت خالدؓ بن ولید نے مسلم افواج کے ساتھ حیرہ پر حملہ کیا تو اس شہر نے بغیر جنگ کے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد اس شہر کی اہمیت ختم ہوتی گئی۔ کیونکہ اس شہر کے قریب ہی نیا شہر کوفہ آباد کر دیا گیا تھا۔ کوفہ کی روز افزوں ترقی نے اس شہر کو رفتہ رفتہ اور بھی پس پشت ڈال دیا۔

خلیفہ ہارون رشید کچھ دنوں حیرہ میں مقیم رہا تھا۔ وہاں اس نے کچھ عمارتیں بھی تعمیر کروائی تھیں مگر اس سے کوفہ والے ناراض ہو گئے۔ اس لیے ہارون رشید نے شہر کی اقامت چھوڑ دی۔

دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں یہ شہر بہت وسیع مگر بہت کم آباد تھا۔ پورے ضلع کے زوال اور انحطاط کی وجہ سے حیرہ پر اتنا سخت اثر پڑا کہ آخر وہ روئے زمین سے معدوم ہو کر رہ گیا۔ اس کی جائے وقوعہ پر ایک چراگاہ ہے جہاں چند ٹیلے اور ٹھیکریوں کے ڈھیر اس کے ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔

ایاس جب حیرہ شہر میں داخل ہوا اور اپنی آمد کی اطلاع کی تو حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر نے فوراً اسے اپنے پاس طلب کر لیا۔ چنانچہ ایاس جب نعمان بن منذر کے پاس پہنچا تو اس وقت نعمان کے پاس اس کے لشکر کے چند سالار بیٹھے ہوئے تھے۔

ایاس جب اس کمرے میں داخل ہوا تو نعمان بن منذر اور سالاروں دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایاس کا استقبال کیا۔

جب ایاس بیٹھا تو سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد نعمان نے ایاس کی

طرف دیکھتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگا۔

"قبیلہ طے کے سردار ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی طرف سے تمہارا میرے پاس آنا کسی علت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ دیکھو تمہید مت باندھنا۔ مختصر کہو تم کس مقصد کے تحت میری طرف آئے ہو؟"

اس پر ایاس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

"میں تمہید نہیں باندھوں گا، نہ ہی تمہیں پہیلیوں میں ڈالوں گا۔ زید بن عدی جوان دنوں خسرو پرویز کا کاتب اور اس کا ترجمان ہے، اس نے تمہاری بیٹی حذیفہ کے حُسن اور اس کے جمال کی بڑی تعریف کی ہے۔ لہٰذا خسرو پرویز نے مجھے تمہاری طرف اس مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ تم سے تمہاری بیٹی حذیفہ کا رشتہ خسرو پرویز کے لیے مانگو۔ اب تمہیں اختیار ہے، چاہے تو ہاں کر کے عزت افزائی حاصل کر لو، چاہے انکار کر کے اپنی تباہی اور بربادی کو آواز دو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ایاس جب خاموش ہوا تب گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے نعمان بن منذر بول اٹھا۔

"ایاس! میں جانتا ہوں تم خسرو پرویز کی نگاہوں میں کتنی قدرومنزلت رکھتے ہو۔ خسرو پرویز کی طرف سے کوئی اور میری بیٹی کا رشتہ مانگنے کے لیے آتا تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا جتنا مجھے تمہاری آمد پر ہوا ہے۔ تم بنی طے کے سردار ہو، عرب ہو۔ تم جانتے ہو عرب اپنی بیٹیاں عجمیوں کے ہاں بیاہنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ یہ بات تمہارے ذہن میں بھی تھی۔ اس کے باوجود تم خسرو پرویز کے لیے میری بیٹی حذیفہ کا رشتہ مانگنے کے لیے آ گئے۔"

ایاس نے چند لمحوں تک گھور کر نعمان بن منذر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"اپنی رسم ورواج اور اپنی عادات اور خصلت کو وہاں قائم اور دائم رکھا جا سکتا ہے جہاں طاقت ہو، قوت ہو۔ جہاں اتنی سکت نہ ہو کہ دوسرے کا مقابلہ کیا جا سکتا ہو وہاں جھکنا ہی بہتر ہے۔ دیکھو، ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی بہت بڑی طاقت اور قوت ہے۔ اس کے مقابلے میں تم نہ ہونے کے برابر ہو۔ لہٰذا ایک عرب ہونے کی حیثیت سے میں تم پر انکشاف کروں گا کہ اپنی بیٹی حذیفہ کا رشتہ خسرو پرویز کو دے دو۔ اسی میں تمہاری عزت، اسی میں تمہارے جاہ وجلال کا راز پنہاں ہے۔"

جب تک ایاس بولتا رہا، نعمان بن منذر اس کی طرف غصے کے عالم میں دیکھتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تب وہ بول اٹھا۔

"سن ایاس! میں اپنی بیٹی حذیفہ کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ تو کر سکتا ہوں لیکن میں اسے ایک عجمی حکمران خسرو پرویز کے حرم میں داخل نہیں کر سکتا جبکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے حرم میں اس کی ان گنت بیویاں ہیں۔" (کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ خسرو پرویز کی لگ بھگ بارہ ہزار کے قریب ازواج تھیں)

نعمان بن بن منذر دم لینے کے لیے رکا پھر ایاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم بنی طے کے سردار ہو، عرب ہو۔ اس لحاظ سے ہم تمہاری بڑی عزت، تمہارا بڑا وقار رکھتے ہیں لیکن جو پیغام تم لے کر آئے ہو یہ اچھا نہیں اور یہ پیغام لے کر کم از کم تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اب آ ہی گئے ہو تو دو دن ہمارے ہاں قیام کرو اور تیسرے دن واپس جا کر ایران کے بادشاہ سے کہہ دینا کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دینے سے انکار کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ایاس نے وہاں سے اٹھ کر دو روز وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد وہ حیرہ سے نکل کر مدائن کی طرف روانہ ہو گیا تھا جو جواب ابنِ منذر نے بھیجا تھا وہ پیغام اس نے خسرو پرویز کو سنایا تھا۔

خسرو پرویز کو جب خبر ہوئی کہ حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر نے اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دینے سے انکار کر دیا ہے تب اس کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے خسرو پرویز نے مملکت حیرہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خسرو پرویز بڑی تیزی سے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینے لگا تھا۔

مدائن کے قصرِ ابیت کے ایک کمرے میں ایران کی ملکہ شیریں بیٹھی گہری سوچوں میں غرق تھی۔ وہ کمرہ اس کی خواب گاہ تھا۔ کبھی اس کی گردن جھک جاتی، گہری سوچوں میں ڈوب جاتی اور کبھی انتظار آمیز نگاہوں سے وہ اس کمرے کے دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

جہاں تک شیریں کا تعلق تھا تو شیریں فارسی ہی نہیں، اُردو ادب کے باب میں بھی اضافے کا باعث بنی تھی۔ شیریں ایران کے ایک معمولی گھرانے کی نصرانی لڑکی تھی۔

اپنی خوبصورتی، اپنے جمال اور حُسن میں یکتا اور بے مثال تھی۔ اس کی خوبصورتی اور جمال ہی سے متاثر ہو کر ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے اسے اپنی ملکہ اور اپنے حرم کی زینت بنا لیا تھا۔

ایران کے امراء کے نزدیک اس قدر ادنیٰ اور معمولی گھرانے کی لڑکی کا شاہی حرم میں یوں جگہ بنانا ان کے لیے سخت ناپسندیدگی اور ناگواری کا باعث تھا۔ چنانچہ یہ کھچڑی اندر ہی اندر پکتی رہی۔ ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کو اس کے مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ اس کے امراء، شرفاء اور اکثر سالار اس کی ملکہ شیریں کو پسند نہیں کرتے تب خسرو پرویز نے اپنے امراء اور شرفاء کا دل شیریں کی طرف، سے صاف کرنے کے لیے ایک عجیب وغریب عربہ استعمال کیا۔

اس نے ایک روز اپنے سارے امراء، شرفاء اور سرکردہ لوگوں کا اجلاس طلب کیا اور پھر اس نے حکم دیا کہ بلور کے ایک خوبصورت اور قیمتی جام کو خون سے بھرا جائے اور اس میں میل کچیل ڈال دی جائے۔

خسرو پرویز کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی او خون اور آلائش سے بھرا ہوا جام پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔

”یہ جام کیسا ہے؟“

اس پر اس کے امراء اور شرفاء نے بیک زبان کہا۔

”سخت غلیظ اور ناپاک ہے۔“

خسرو پرویز اپنے امراء کا یہ جواب سن کر خوش ہوا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس جام کو خاکستر اور الکلی سے صاف کیا جائے اور اسے مشک وعنبر کی دھونی دی جائے۔

چنانچہ اس کے حکم پر اس جام کو خاکستر اور الکلی سے صاف کیا گیا۔ مشک وعنبر کی دھونی بھی دی گئی۔ اس کے بعد اس کے حکم پر انتہائی قیمتی اور پسندیدہ شراب ڈال دی گئی۔ جب ایسا ہوا تب خسرو پرویز نے اپنے امراء کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”اب یہ جام کیسا ہے؟“

سب نے کہا۔

”بہت صاف اور گوارا ہے۔“

اپنے امراء کا یہ جواب سن کر خسرو پرویز نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

”شیریں بھی ایسی ہی ہیں۔ جب تک وہ ہمارے پاس نہ تھی، جام کی اولین صورت میں تھی۔ اب جبکہ وہ شاہی حرم کی زینت بن چکی ہے تو اس نے دوسرے جام جیسی صاف اور گوارا صورت اختیار کر لی ہے۔“

خسرو کی اس دلیل سے سب امراء خاموش اور ایک طرح سے مطمئن ہو گئے تھے۔

اس واقعہ کے بعد جوں جوں وت گزرتا گیا۔ خسرو کی توجہ شیریں کی طرف بڑی تیزی سے ہوتی چلی گئی اور وہ وقت بھی آ گیا کہ عام گھرانے کی یہ عیسائی لڑکی خسرو پرویز کے دل کی حکمران بن بیٹھی اور جب قصرِ روم کی بیٹی جو خسرو کی ملکہ تھی، فوت ہوئی تو شیریں محل سرا میں مختارِ کل ہو گئی تھی۔ مریم کی موت سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیریں نے اسے زہر دے کر مروا دیا تھا۔

خسرو اور شیریں کی محبت کے افسانے قدیم زمانے ہی میں بہت مشہور ہو گئے تھے۔ اس نسبت سے فریاد اور شیریں کی داستان بھی قدیم اور پرانی ہے۔ بعد میں تو یہ داستان عشقیہ شاعری کا مقبول عام موضوع بن گئی۔ نظامی کی مثنوی شیریں خسرو، امیر خسرو کی مثنوی خسرو شیریں کی محبت کی یادگار ہیں۔

شعر و ادب کے علاوہ شیریں کی ایک یادگار کھنڈرات کی صورت میں بھی نظر آتی ہے جو قصرِ شیریں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کھنڈرات ایران کے اندر اب بھی موجود ہیں۔ خسرو کے محل سرا میں دو نامور بیگمات مریم اور شیریں کے علاوہ چار ہزار کے لگ بھگ کنیزیں بھی تھیں۔ مزید یہ کہ چند ہزار لونڈیاں اس کے علاوہ تھیں جو رقص و سرود کے فن میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔

بہرحال شیریں اپنی خواب گاہ میں اس حالت میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کبھی اس کی گردن جھک جاتی، کبھی سوچوں میں کھو جاتی اور بڑی بے چینی اور بے قراری میں اپنی خواب گاہ کے دروازے کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ ایسے میں اس کی خواب گاہ کے دروازے پر اس کا بیٹا مردان شاہ اور بہن رجینا نمودار ہوئے تھے۔ مردان شاہ بڑا اور رجینا چھوٹی تھی اور ابھی دونوں ہی کمسن تھے۔ جہاں تک شیریں کا تعلق تھا وہ اپنے حُسن، اپنی خوبصورتی میں لاجواب اور بے مثال خیال کی جاتی تھی۔ لیکن اس کی بہن رجینا جو ابھی کم سن تھی اپنے چہرے، نقش و نگار، جسمانی ساخت میں اپنی بہن شیریں سے بھی زیادہ حسین، خوبصورت اور پُرکشش تھی۔ دونوں یعنی مردان شاہ اور رجینا

مسکراتے ہوئے شیریں کی خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ پھر رجینا نے اپنی کھنکتی اور خوشگوار آواز میں شیریں کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''میری بہن! آپ نے ہم دونوں خالہ بھانجے کو بلایا ہے؟''

اپنے بیٹے مردان شاہ اور بہن رجینا کو دیکھتے ہوئے شیریں کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی، پھر اپنے پہلو میں نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرے بچو! یہاں آ کر بیٹھو۔ میں نے تم دونوں کو انتہائی اہم کام کے سلسلے میں بلایا ہے۔''

مردان شاہ اور رجینا دونوں جب وہاں بیٹھ گئے تب شیریں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''میرے بچو! قصر کے اندر ان دنوں ایک کشمکش اور رسہ کشی چل رہی ہے۔ اگر میں نے اس میں دخل اندازی نہ کی تو تم دونوں بہن بھائی کا مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔''

شیریں کے ان الفاظ پر مردان شاہ اور رجینا دونوں نے چونکنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر مردان شاہ نے پوچھا۔

''اماں! آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟ ہمارے مستقبل کو کیا ہوا؟''

اس پر شیریں نے پہلے باری باری مردان شاہ اور رجینا کا شانہ تھپتھپایا، پھر کہنے لگی۔

''دیکھو! تمہاری بڑی اماں مریم اس وقت تگ و دو میں ہے کہ اپنے بیٹے کو ایران کی مملکت کا ولی عہد مقرر کرا دے۔ اس کے لیے وہ امراء اور بہت سے شرفاء کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن میں بھی اس سے پیچھے نہیں۔ اس کی نسبت زیادہ امراء میرے ہمنوا ہیں۔ تم دونوں کو میں نے اس لیے بلایا ہے کہ آج سے بالکل محتاط ہو جانا۔ اپنے رویے، اپنے اخلاق اور کردار سے قصر کے اندر ہی نہیں، مدائن شہر کے اندر بھی کسی کی دل شکنی نہ کرنا۔ لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آنا۔ جہاں تک ہو سکے لوگوں کی مدد کرنا۔ مردان شاہ! میرے بیٹے! اگر تم دونوں ایسا کرو گے تو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ مریم کے بیٹے کی بجائے اپنے باپ خسرو پرویز کے ولی عہد تم ہو گے اور ایک بار تمہارے باپ خسرو پرویز نے تمہیں اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تو آنے والی نسلوں

تک تمہارا شجرۂ نسبت لہلہاتا اور زندہ رہے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ جس طرح تمہارے دادا کے باپ نوشیروان نے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کیا تھا اسی طرح تمہارا باپ تمہیں ولی عہد مقرر کر دے۔ جس دن ایسا ہو گیا، میں سمجھوں گی میں نے اپنی زندگی کا مقصد اور مدعا حاصل کر لیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شیریں جب خاموش ہوئی تو اس کی بہن رجینا نے اپنا بازو شیریں کے کندھے پر رکھا، پھر کہنے لگی۔

''مردان شاہ کے دادا کے باپ نے ہمارے بیٹے کو کیسے اور کس طرح اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اگر وہ ولی عہد مقرر ہوئے تو کس بنا پر کیسے اور کس نے انہیں قتل کر دیا؟ ہم نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ ان کے قتل میں بھائی خسرو پرویز شامل تھا۔ کیا آپ کو اس سلسلے میں کچھ حالات یاد ہیں؟ اگر ہوں تو آپ ہماری رہنمائی کے لیے ضرور کچھ کہیں۔''

رجینا کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم شیریں کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر کہنے لگی۔

''میں ضرور تمہیں وہ حالات بتاتی جو جانتی ہوں۔ اس کے بعد میں تمہارے ساتھ ایک اور اہم موضوع پر بھی گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ جہاں تک مردان شاہ کے دادا ہرمز کا تعلق ہے تو جب اس کا باپ نوشیروان وفات پا گیا تو ہرمز تخت نشین ہوا۔ اس کی جانشینی کے متعلق نوشیروان نے اپنی زندگی ہی میں وصیت کر دی تھی۔ ہرمز ترکوں کے خان کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ ہرمز نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی اپنے لشکر کو منظم کیا اور رومنوں سے جنگ شروع کی جس کا آغاز اس کے باپ نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب اس جنگ کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا، رومنوں نے صلح کے لیے گفت و شنید کرنی چاہی، اس کی خواہش یہ تھی کہ دارا نام کا قلعہ جو ایرانیوں کا تھا اور ان دنوں رومنوں کے قبضے میں تھا۔ رومن چاہتے تھے کہ وہ قلعہ ایرانیوں کے حوالے کر دیں اور ارزانین کا قلعہ جسے رومن اپنا قلعہ خیال کرتے تھے وہ ایرانیوں سے لے لیں۔

چنانچہ اس سودے کے لیے مذاکرات شروع کیے لیکن ہرمز کے نزدیک یہ سودا خسارے کا تھا۔ اس لیے گفت و شنید ناکام رہی۔ اس ناکامی کی خبر رومن سالار مارس کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا۔

رومنوں کے اس جرنیل مارس کے متعلق میں تمہیں بتا دوں کہ تمہاری بڑی اماں مریم

کا باپ تھا جو بعد میں رومنوں کا شہنشاہ بھی بنا۔ چنانچہ مارس جو اس وقت رومنوں کا سالار تھا، لشکر لے کر آگے بڑھا اور دریائے دجلہ کو عبور کر کے بین النہرین میں اس نے حملہ آور ہوتے ہوئے چاروں طرف اودھم اور تباہی پھیلا کر رکھ دی۔ مارس کی فتوحات کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے میں ان دنوں کوئی ایرانی لشکر موجود ہی نہیں تھا۔ چنانچہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مارس نے آس پاس کے علاقوں کی فصلوں کو تباہ و برباد کیا اور دیہات کو نقصان پہنچایا۔

اس سے مارس کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے ایک سال بعد ہی بحری بیڑا تیار کیا اور ایرانیوں کی بندرگاہ پر لا کھڑا کیا۔ ساتھ ہی اس نے ریگستانِ عرب کے قبائل کو ملانا چاہا جس میں اسے کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن بعد میں عرب قبائل نے رومنوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ہرمزان حالات سے بڑا پریشان ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنی جنگی تیاریوں کی تکمیل کی۔ اپنے علاقوں کی تباہی اور بربادی کا انتقام لینے کے لیے اس نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کی ٹھانی۔ حملہ بھی کیا لیکن مارس نے مقابلہ کر کے ایرانیوں کی پیش قدمی روک دی اور ایرانی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس طرح رومنوں کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو گیا اور ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے لیکن اسی دوران رومن لشکر میں بغاوت کے آثار پیدا ہوئے جس سے رومنوں کی دفاعی قوت کمزور ہو گئی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب ایرانی علاقوں پر رومنوں نے حملہ کیا تو ایرانیوں نے آسانی سے حملہ آور ہو کر انہیں مار بھگایا اور ارزاتین کے قلعے پر رومنوں کو قبضہ نہ کرنے دیا۔

اس کے بعد رومنوں اور ایرانیوں میں مارٹیرو پولس کے مقام پر ایک جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی اور یہ قلعہ رومنوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اگلے ہی سال رومنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی جس کی وجہ سے ایرانیوں نے قلعہ پر حملہ آور ہو کر دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا۔

اس پر رومن سالار سیخ پا ہوئے چنانچہ انہوں نے اپنے ایک سالار فلپی کس کو ایرانیوں پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا۔ فلپی کس نے وہ قلعہ واپس لینے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ چنانچہ اس ناکامی کی وجہ سے فلپی کس کو لشکر کی

کمانداری سے ہٹا دیا گیا اور ایک شخص ہرکولیس کو جو فلپی کس کا نائب ہوا کرتا تھا، کمانداری سونپی گئی۔ چنانچہ جب جنگ ہوئی تو ایرانی سالار مارا گیا اور رومنوں کو ایک بار پھر فتح نصیب ہوئی۔

اس تگ و دو کے بعد دریائے دجلہ اور فرات کے بیچ میں ایرانی اور رومن ایک بار پھر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اس بار صورتحال یہ ہوئی کہ کبھی ایرانی پیش قدمی کرتے اور کبھی میدان رومنوں کے ہاتھ چلا جاتا۔ فیصلہ ہار جیت کے بغیر ہی رہا۔ یوں رومن اور ایرانی اسی تگ و دو میں تھے کہ کوئی شاندار فتح حاصل کر کے اپنی کامیابی کو یقینی بنائیں کہ اس دوران ایک انقلاب اٹھا اور وہ یہ کہ ترکستان کے حکمران ساوہ شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک لشکر تیار کیا اور ایرانی علاقوں کا رخ کیا۔ پہلے اس نے بلخ کو اپنا ہدف بنایا۔ بلخ فتح کرنے کے بعد اس نے ایران کے دوسرے علاقوں پر چڑھائی شروع کر دی تھی۔

اس خبر سے ایرانی لشکر نے دریائے دجلہ اور فرات میں اپنی سرگرمیاں ملتوی کر دیں اور ترکوں کے حکمران ساوہ شاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

چنانچہ ترکوں کے حکمران ساوہ شاہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تمہارے دادا ہرمز نے اپنے بہترین سالار بہرام چوبین کا انتخاب کیا۔ یہ وہی بہرام چوبین تھا جس کی تمہارے باپ کے ساتھ چپقلش ہو گئی جس نے ایک بار تمہارے باپ کو تخت و تاج سے محروم کر دیا تھا اور تمہارا باپ قسطنطنیہ بھاگنے پر مجبور ہوا تھا۔ یہ بہرام چوبین اس وقت آذربائیجان کا حاکم تھا اور وہ ایران کے امراء کے مشہور خاندان کا رئیس بھی تھا۔

مردان شاہ! میرے بیٹے! تمہارے دادا ہرمز کے حکم پر بہرام لشکر لے کر ترکوں کے مقابلے پر گیا۔ نہایت خونریز جنگ کے بعد ساوہ شاہ مارا گیا اور ترک واپس چلے گئے۔ اس موقع پر ترکوں کے بادشاہ ساوہ شاہ کا بیٹا جس کا نام پرمودہ تھا، وہ ایک لشکر کے ساتھ بیکند شہر میں مقیم تھا۔ اپنے باپ کے مرنے کی خبر اس نے سنی۔ تب تازہ دم لشکر لے کر مقابلے میں آیا لیکن لڑتے لڑتے اسیر ہو گیا۔

چنانچہ ترکوں نے جب اپنے بادشاہ ساوہ شاہ کے بیٹے پرمودہ کی اسیری کی خبر سنی تو راہِ فرار اختیار کی۔ ایرانیوں نے تعاقب کر کے ترکوں کا قتل عام کیا۔ اس فتح میں بہرام چوبین کو لاتعداد مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ مالِ غنیمت کی جو اشیاء بادشاہ کے لائق تھیں وہ

مدائن بھیج دی گئیں۔ زر و مال جو ہاتھ لگا تھا وہ بہرام نے لشکر میں تقسیم کر دیا جس کی وجہ سے وہ لشکر میں بے حد مقبول ہو گیا۔

ترکوں کو نہایت تباہ کن شکست بہرام چوبین کے ہاتھوں سے ہوئی تھی جس سے بہرام کی بہادری اور جان بازی کی شہرت ایران کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ بہت کم سالاروں کو اتنی مقبولیت حاصل ہوتی تھی جتنی کہ بہرام کو حاصل ہوئی۔ آخر یہی مقبولیت اس کی بربادی کا موجب بھی بن گئی۔

بہرام کی مقبولیت تمہارے دادا کو گوارا نہ ہوئی۔ آخر اس نے بہرام کو لازیکا شہر پر حملہ کرنے کے لیے نامزد کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر اسے فتح ہوئی تو ایران کی عظمت میں اضافہ ہو گا اور اگر شکست ہوئی تو بہرام کی مقبولیت ختم ہو جائے گی۔

حسب حکم بہرام لشکر لے کر لازیکا کی طرف بڑھا۔ لازیکا اس وقت رومنوں کے قبضے میں تھا۔ رومن چوکس اور ہوشیار تھے۔ بہرام جب ان پر حملہ آور ہوا تو انہوں نے اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ جواب دیا۔ بہرام نے ہرچند اپنی روایتی بہادری کے جوہر دکھائے لیکن میدان میں اس کے پاؤں جم نہ سکے۔ آخر اسے شکست ہوئی اور راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔

ہرمز بھی یہی چاہتا تھا کہ بہرام کو کوئی شکست ہو اور اس کی شہرت کو نقصان پہنچے۔ چنانچہ جب رومنوں کے مقابلے میں بہرام کو شکست ہوئی تو بہرام کی مقبولیت میں کمی واقع ہوئی جس سے ہرمز بڑا خوش ہوا چنانچہ جب بہرام کی میدانِ جنگ سے پسپائی کی خبر مدائن پہنچی تو ہرمز غیظ و غضب سے بھڑک اٹھا اور بہرام پر طرح طرح سے بہتان تراشی کرتے ہوئے کہا۔

''اس نے لازیکا کے میدان میں جانبازی سے گریز کیا۔ ملک اور قوم کا فرض جو اس پر عائد ہوتا تھا اسے انجام دینے میں اس نے کوتاہی کی۔ اپنی اور اہلِ لشکر کی جانوں کو ملکی آبرو پر ترجیح دی۔''

آخر ہرمز نے ایک طوق، تکلا، روئی اور عورت کا لباس بہرام کو بھیجا ساتھ ہی ایک تذلیل آمیز مراسلہ بھی بہرام کو روانہ کیا۔ اس خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

''یہ خیانت جو تم نے کی ہے اس کے صلے کے طور پر میں تمہیں یہ طوق بھیج رہا ہوں۔ اسے تم اپنے گلے کی زینت بناؤ۔ تکلا اور روئی

عورتوں کے استعمال کی چیز ہے اور تم ان سے بھی بدتر ہو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شیریں رکی، کچھ سوچا، پھر دوبارہ اپنے بیٹے مردان شاہ اور رجینا کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہی تھی۔

''رجینا! گو تم میری بہن ہو لیکن تمہاری حیثیت میرے ہاں بیٹی کی سی ہے۔ مردان شاہ کے دادا ہرمز کے ایلچی جب بہرام کے پاس پہنچے اور بہرام نے تمہارے دادا کا خط پڑھا اور تحفے قبول کر لیے، دوسرے دن اس نے ہرمز کا بھیجا ہوا طوق گلے میں پہنا، تکلہ، رُوئی اور عورت کا لباس لے کر لشکر کے سامنے آیا۔ اہلِ لشکر نے پوچھا۔

''یہ ہم کیا دیکھتے ہیں؟''

جواب میں بہرام نے کہا۔

''یہ میری جانثاری کا صلہ ہے جو ایران کے بادشاہ کے لیے میں نے کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں ان تحفوں کو تم بھی دیکھ لو۔''

پھر اس نے وہ پیغام بھی کہہ سنایا جو بادشاہ نے اس کے نام ارسال کیا تھا۔

پیغام سن کر اہلِ لشکر کے دل دہل گئے اور آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور سب بہ یک وقت کہہ اٹھے۔

''اگر آپ کی جانبازیوں کا یہ صلہ ہے تو ہمیں کیا صلہ ملے گا؟ وہ بھی ظاہر ہے ہم ایسے بادشاہ سے بیزار ہیں۔''

بہرام نے دیکھا کہ لشکر اس کے ساتھ ہے تو اس نے ہرمز کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کا تہیہ کیا۔ اسے اب ڈر تھا تو ہرمز کے بیٹے خسرو پرویز کا تھا۔ لہٰذا بہرام نے خسرو کو ہرمز سے بدگمان کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ اس نے رے شہر میں خسرو کے نام کے فرضی سکے جاری کرا دیئے اور سوداگروں کے ہاتھ انہیں مدائن بھیجا۔

یہ سکے جب ہرمز تک پہنچے تو اس نے رے شہر کے سوداگروں کو اپنے حضور طلب کیا۔ وہ جو سکے لے کر آئے تھے ان سے دریافت کیا کہ تم یہ سکے کہاں سے لے کر آئے ہو؟

جواب میں ان سوداگروں نے ہا۔

''یہ سکے رے شہر میں خسرو پرویز نے اپنے نام کے جاری کیے ہیں۔ لہٰذا آپ کے شہزادے خسرو پرویز کے سکوں سے انکار کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ اب جو آپ کا

حکم ہو ہم اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

ہرمز یہ سن کر سخت برہم ہوا اور سکے جاری کرنے سے متعلق خسرو پرویز سے استفسار کیا۔ خسرو پرویز نے ہرچند اپنی بے گناہی کا اظہار کیا لیکن ہرمز کو یقین نہ آیا۔ آخر خسرو پرویز اپنے باپ کی سخت گیری سے ڈر کر آذربائیجان چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ آذر گشتسب کے معبد میں پناہ گزین ہو گیا۔ ہرمز کو خیال تھا کہ خسرو پرویز کے دونوں ماموں بندوی اور بسطام اس سازش میں شریک ہیں اس لیے ہرمز نے خسرو پرویز کے دنوں ماموؤں یعنی بندوی اور بسطام کو زندان میں ڈال دیا۔

خسرو پرویز اپنے باپ سے الگ ہو کر آذربائیجان میں جا کر مقیم ہو چکا تھا جبکہ آذربائیجان میں جس قدر لشکر تھا، سارے کا سارا بہرام کے ساتھ تھا۔ اس کے علاوہ دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان جو ایرانی لشکری مقیم تھے وہ بھی بہرام کے حق میں تھے۔ اب حالات سازگار دیکھ کر بہرام نے رے شہر میں علمِ بغاوت بلند کیا۔

شاہی لشکر مردان دارا سے بددل تھا۔ عوام کے دلوں میں بھی اس کی ہردلعزیزی نہیں رہی تھی چنانچہ جب ہرمز لشکر کی وفاداری سے محروم ہوا تو دوسری طرف رعایا کی ہمدردیاں بھی ختم ہو گئیں۔ ہر طرف سے ہرمز کے خلاف نعرے بلند ہونا شروع ہوئے۔ آخر کار نتیجہ یہاں تک نکلا کہ لوگوں نے زندان کو توڑ کر خسرو پرویز کے ماموں بندوی اور بسطام کو وہاں سے نکالا۔ اس کے بعد لوگوں نے ہرکز کو مجبور کیا کہ وہ تاج و تخت سے دستبردار ہو جائے۔ آخر جب اختلافات مزید بڑھے تو امراء نے آگے بڑھ کر نہ صرف ہرمز کو تخت و تاج سے محروم کر دیا بلکہ اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور بعد میں خسرو پرویز کے دونوں ماموؤں یعنی بندوی اور بسطام نے تمہارے دادا کو قتل کر دیا۔

جہاں تک ہرمز کا تعلق ہے وہ برا نہیں، ایک اچھا انسان تھا۔ وہ کمزوروں اور مظلوموں پر مہربانی کرتا تھا لیکن امراء کے ساتھ سخت سلوک روا رکھتا تھا۔ اس کے متعلق کہنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہرمز نہایت مہذب تھا۔ غرباء اور مساکین پر بہت مہربانی کرتا تھا لیکن امراء کے ساتھ سختی سے پیش آتا تھا اس وجہ سے وہ اس کے مخالف ہو گئے تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ عدل و انصاف کا احساس بھی اسے حد سے زیادہ تھا۔ ہرمز اصل میں اپنے باپ نوشیروان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا تھا لیکن اس میں وہ دوراندیشی نہ تھی جو نوشیروان میں تھی۔ امراء تو اس کے خلاف تھے لیکن عیسائیوں

سے جو اس نے رواداری برتی اس کی وجہ سے آتش کدوں کے معبد بھی اس کے خلاف ہو گئے۔ آخر وہ امراء اور معبدوں کے ہاتھوں مارا گیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد چند لمحوں تک شیریں خاموش رہی، پھر اپنے بیٹے مردان شاہ اور رجینا کو مخاطب کرتے ہوئے دوبارہ کہنے لگی۔

''میرے بچو! ہرمز سے متعلق جو حالات تم نے سننا چاہے تھے وہ میں نے تم سے کہہ دیئے ہیں۔''

شیریں مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا مردان شاہ بول اٹھا۔

''اماں! آپ نے کہا تھا میرے دادا کے حالات سنانے کے ساتھ ساتھ آپ ایک اور انتہائی اہم موضوع پر بھی ہم سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں جبکہ میں اور میری بہن رجینا بھی ایک موضوع پر آپ سے گفتگو کرنے کے خواہش مند ہیں۔''

جواب میں شیریں مسکرائی اور کہنے لگی۔

''میں خوش ہوں کہ تم رجینا کو خالہ نہیں بہن کہہ کر مخاطب کرتے ہو جبکہ رجینا بھی تمہیں بھانجے کی بجائے بھائی کہہ کر پکارتی ہے۔ میرے بچو! اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم دونوں بہن بھائی اس موضوع پر مجھ سے کیا گفتگو کرنا چاہتے ہو؟''

اس پر مردان شاہ کہنے لگا۔

''اماں! ہم تو حیرہ کے بادشاہ نعمان سے متعلق آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

جواب میں شیریں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔

''پھر تو بات ہی بن گئی۔ اس لئے کہ میں بھی اسی موضوع پر تم دونوں بہن بھائیوں سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

شیریں جب خاموش ہوئی تب مردان شاہ تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اماں! ہمارے بابا یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ حیرہ کے حکمران نعمان ہم پر حملہ آور ہوں گے اور جب میں اور رجینا دونوں بہن بھائی آپ کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں ہمیں ایک سالار نے یہ بھی بتایا کہ بابا نے طاقِ سسراں میں اپنے سارے سالاروں اور امراء کا اجلاس طلب کر لیا ہے تاکہ اس لشکر کی روانگی کا اہتمام کیا جا سکے جس نے حیرہ پر حملہ آور ہونا ہے۔ میں اور رجینا اس لئے فکر مند ہیں کہ حیرہ سے متعلق ہم نے سن رکھا ہے کہ اس کی بڑی طاقت اور قوت ہے۔ اگر حیرہ کے حکمران نعمان کے ہاتھوں ہمیں

شکست کا سامنا کرنا پڑا تو پھر ہماری اُمت کا کیا بنے گا؟ بابا کو چاہئے تھا کہ حیرہ کے حکمران نعمان کی بیٹی حذیفہ کا خیال اپنے دل میں نہ لاتا۔ اگر وہ خوبصورت ہے تو کم از کم ہماری ماں سے تو زیادہ خوبصورت نہیں ہوگی۔ پھر ہمارے بابا کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ اور سب سے زیادہ فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر نعمان نے بابا کے لشکر کو شکست دے دی اور نعمان یلغار کرتا ہوا ہمارے مرکزی شہر مدائن کی طرف آیا تو پھر ہم لوگوں کا کیا بنے گا؟''

یہاں تک کہنے کے بعد مردان شاہ جب خاموش ہوا تب شیریں کہنے لگی۔

''تم دونوں بہن بھائی کو اس سلسلے میں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی حیرہ کے حکمرانوں کی بڑی طاقت اور قوت ہوا کرتی تھی اور وہ ایران کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن اب حالت ایسی نہیں ہے۔ حیرہ کے حکمران اب ایران کی مملکت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حیرہ کی طاقت اور قوت اس وقت اپنے عروج پر تھی جب حیرہ کا حکمران منذر تھا جو موجودہ حکمران نعمان کا باپ تھا۔ منذر کی طاقت ان دنوں ایسی پھیلی ہوئی تھی کہ چاروں طرف اس کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔

حیرہ کے اسی حکمران یعنی منذر نے اپنی سلطنت میں وسعت پیدا کرنے کے لئے شام کے رومنوں پر حملہ کیا اور انطاکیہ کے سارے علاقوں کو پامال کرتا چلا گیا۔ رومنوں کو اس نے بدترین شکستیں دیں اور لگ بھگ چار سو نصرانیوں کو اس نے جنگ کے دوران گرفتار کیا اور عربوں کی دیوی العزاں کی قربان گاہ پر انہیں بھینٹ چڑھا دیا۔ اس کے اس اقدام سے رومنوں کی مملکت کے طول و عرض میں غیض و غضب کی لہر دوڑ گئی تھی۔

منذر کی اس طاقت اور قوت کو دیکھتے ہوئے بعد میں ایرانی لشکر نے منذر کے ساتھ مل کر شام پر حملہ کیا۔ شام کے اکثر علاقوں کو پامال کیا۔ لیکن اسی دوران رمنوں کا سالار بلی سارس اس موقع پر آن پہنچا اور خون ریز لڑائی کے بعد ایرانی اور منذر کے لشکر کو پسپا کر دیا۔ اس پسپائی کے بعد نہ صرف ایرانیوں کی مملکت کو زک اٹھانا پڑی بلکہ حیرہ کے حکمران کی طاقت بھی کمزور پڑ گئی۔ اور اب نعمان حکمران ہے۔ جو علاقے اس کے باپ کے دور میں حیرہ کی سلطنت میں شامل تھے، ان میں سے اکثر چھن چکے ہیں۔ لہٰذا

تم دونوں بہن بھائی کی اطلاع کے لئے میں یہ کہتی ہوں کہ ایرانیوں کے مقابلے میں نعمان کو یقیناً پسپائی اختیار کرنا پڑے گی۔ لہٰذا تم دونوں بہن بھائی کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شیریں جب خاموش ہوئی تب اس کا بیٹا مردان شاہ بڑے غور سے شیریں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اماں! آپ بالکل بے فکر رہیں۔ جو ہدایات آپ نے ہم دونوں بہن بھائی کے لئے جاری کی ہیں، اس پر ہم عمل کریں گے۔ کسی کی دل شکنی نہیں کریں گے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ اپنے بابا کے بعد میں ہی ان کا اصل وارث بننے کا حقدار ہوں۔''

مردان شاہ کی اس گفتگو سے شیریں خوش ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مردان شاہ اور رجینا دونوں شیریں کی خواب گاہ سے نکل گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے حیرہ کے عرب حکمران نعمان پر حملہ آور ہونے اور اپنے لشکر کو آخری شکل دینے کے لئے اپنے سالاروں اور متعلقہ امراء کا اجلاس طاقِ کسراں میں طلب کرلیا تھا۔

جہاں تک طاقِ کسراں کا تعلق تھا تو یہ ایران کی بہترین عمارتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اسے خسرو پرویز کے دادا نوشیروان نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ لوگ ساسانی کہلاتے تھے اس لئے ان کے عہد کو بھی ساسانی عہد کہا جاتا ہے۔ طاقِ کسراں ایرانی عہد کی عمارتوں میں سب سے زیادہ مشہور عمارت خیال کی جاتی تھی۔ یہ ایک طرح سے نوشیروان کے تعمیر کردہ محل میں دربار کا ہال تھا جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ محل اور اس کے متعلقات کے کھنڈرات کا مجموعی رقبہ چار سو گز لمبا اور تین سو گز چوڑا ہے جس میں ایک تو طاق ہے اور اس کے مشرق کی جانب تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک عمارت کی کچھ ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف ایک ٹیلہ ہے جس کو طاقِ کسراں کہتے ہیں اور شمال کی طرف بعض عمارتوں کے ڈھیر ہیں جو ایک جدید قبرستان کے نیچے آ گئے ہیں۔ ان تمام عمارات میں سے صرف طاق ایک ایسا حصہ ہے جس کے کافی آثار اب تک باقی ہیں۔

اس کے سامنے کا رخ جو مشرق کی جانب کو ہے، نو گز اونچا ہے۔ اور اس میں ایک دیوار ہے جس میں کوئی کھڑکی نہیں لیکن برجستہ ستونوں اور محرابوں سے آراستہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی محرابوں کی قطاریں چار منزلوں میں بنی ہوئی ہیں۔ اس قسم کی دیواروں کے نمونے مشرق کے ان شہروں میں جہاں یونانیت کا اثر زیادہ ہوا، موجود تھیں۔
خصوصیت کے ساتھ پالمیرہ شہر میں ایسے آثار ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ اس عمارت

کے سلسلے کے رخ پر شاید رنگین استر کاری کی گئی تھی یا سنگ مرمر کی تختیاں منڈھی گئی تھیں جیسا کہ بعض جدید مصنفوں نے دعویٰ کیا ہے کہ تانبے کے پترے چڑھے ہوئے تھے جن پر سونے یا چاندی کی استر کاری کی گئی تھی۔

1880ء تک اس قصر اور تاک کے سامنے کا رخ اور مرکزی ہال کمرہ اپنی جگہ قائم تھے لیکن اس سال شمالی بازو خراب ہو چکا تھا اور اب جنوبی بازو بھی گرنے کو تھا۔ سامنے کی دیوار کے وسط میں بیضوی شکل کی عظیم الشان محراب کا دہانہ تھا جس کی گہرائی محل کی عمارت کے آخر تک چلی گئی تھی۔ یہ دربار کا ہال کمرہ تھا، اسی کو طاق کہتے تھے۔ اس کی لمبائی ترتالیس میٹر اور چوڑائی پچیس میٹر تھی۔

سامنے کی طرف کے دونوں بازوؤں کے عقب میں پانچ پانچ کمرے تھے جو اونچائی میں طاق سے بہت کم تھے اور جن پر محراب دار چھتیں تھیں اور باہر کی طرف ایک بلند دیوار سے گھری ہوئی عمارت کے مغربی دیوار کے پیچھے غالباً وسط میں ایک مربع شکل کا ہال کمرہ تھا جو دربار کے کمرے کا جوڑ تھا۔ اس کے دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ تمام محرابیں اور دیواریں اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں اور ان حصاروں کی چوڑائی غیر معمولی تھی۔ زمانۂ حال میں جو ان کھنڈرات کی کھدائی کی گئی ہے اس سے عہد ساسانی کی آرائشی استر کاری کے قطعات بھی برآمد ہوئے ہیں۔

طاق کسراں کی ساخت تمدن کے ابتدائی مدارج کا نمونہ تھی۔ اور دیکھنے والوں کو اپنی مجموعی شکل یا جزئیات کی خوبصورتی سے اس قدر حیرت اور رعب میں نہیں ڈالتی جتنا کہ اپنی جزئیات اور اپنے طول و عرض سے متاثر کرتی تھی۔ خسرو پرویز عموماً اسی عمارت میں رہتا تھا۔

مشہور عرب شاعر بحتری نے اسی ایوانِ کسراں کی شان میں چند اشعار بھی لکھے تھے جو اس کی عظمت اور شوکت کی گواہی دیتے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

> ”محل کی حیرت انگیز بناوٹ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی میں تراشا گیا ہے۔ وہ اتنا بلند ہے کہ گویا اس کی دیواروں کے کنگرے کوہِ قدس پر اٹھائے گئے ہیں۔ پتہ نہیں چلتا کہ آیا اس کو آدمیوں نے جنوں کے رہنے کے لئے بنایا ہے یا جنوں

نے آدمیوں کی رہائش کے لئے تعمیر کیا ہے۔''

بہر حال طاق کسراں میں جب سارے ایرانی سالار اور معززین پہنچ گئے تو خسرو پرویز انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''حیرہ کے حکمران نعمان نے جو ہمارے ساتھ گستاخی اور توہین آمیز رویہ روا رکھا ہے اس کی سزا اسے ضرور دی جائے گی۔ لہٰذا میں یہ کام اپنے سالار شہر براز اور شاہین کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ ایک لشکر تیار کر کے حیرہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کریں۔ اس لشکر کی تیاری کے لئے میں صرف دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس دس دن کے اندر اندر ایک لشکر حیرہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا جانا چاہئے اور دس دن کے بعد میں حیرہ کی طرف سے اچھی خبر سننا پسند کروں گا۔''

شاہین اور شہر براز کے ذمے یہ کام لگانے کے بعد خسرو پرویز نے یہ بھی احکامات جاری کئے کہ حیرہ کی مملکت میں داخل ہونے کے بعد کیا کارروائیاں کرنی ہیں، کس کس شہر کو لوٹنا ہے، کہاں کہاں تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا ہے۔ ان سارے احکامات کی تکمیل کے بعد اس نے یہ اجلاس ختم کر دیا تھا۔

دوسری طرف حیرہ کے عرب حکمران نعمان کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز اس پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ یہ خبر ملنے کے بعد نعمان اپنے اہلِ خانہ اور اپنی مملکت کے سارے خزانے کو لے کر شعبانی قبائل کے رئیس ہانی کے ہاں گیا جو اس کا ہمسایہ تھا۔ نعمان نے اپنا سارا خزانہ اس کے سپرد کیا۔ اُس کی اس کارروائی سے شعبانی قبائل کا رئیس اور سردار بڑا حیران اور پریشان ہوا۔ چنانچہ اسی حیرانی اور پریشانی میں شعبانی قبیلے کا سردار ہانی نعمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نعمان! میں سمجھتا ہوں کہ یہ تم نے انتہائی قدم اٹھایا ہے۔ ابھی ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے تم پر حملہ آور ہونے کے دور دور تک کوئی آثار نہیں۔ لہٰذا تم پہلے ہی اپنا سارا خزانہ اور اپنے اہل خانہ کو لے کر میرے پاس پہنچ گئے ہو تا کہ میں ان کی حفاظت کروں۔ دیکھو! مجھے تم بڑے عزیز ہو۔ میں اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک بھی تمہاری حفاظت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن یہ بھی تو سوچو، ہو سکتا ہے خسرو پرویز تم پر حملہ آور ہی نہ ہو۔ لہٰذا میں یہ کہوں گا کہ تمہارا یہ اقدام قبل از وقت ہے۔''

جواب میں نعمان کہنے لگا۔

''ہانی! میرے عزیز بھائی! میں جانتا ہوں تم میرے ساتھ کس قدر محبت رکھتا ہے۔ میرے لئے کیسا مخلص اور وفادار ہے۔ لیکن جو خبریں میرے مخبر مجھے دے چکے ہیں ان کے مطابق خسرو پرویز مجھ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ مت خیال کرنا کہ اپنا خزانہ اور اپنے اہلِ خانہ کو تمہارے پاس رکھ کر میں خسرو پرویز کا مقابلہ کروں گا۔ مجھ میں ایسی سکت نہیں ہے اور سکت ہوتی بھی تو میں اپنے عوام کے خلاف دشمنی نہیں کرنا چاہتا اس لئے کہ خسرو پرویز میرے علاقوں پر چڑھ دوڑے گا۔ جس طرف جائے گا، تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلتا چلا جائے گا جس سے نہ صرف میرے علاقے آتش کی نظر ہوں گے بلکہ میرے عوام کو بھی نقصان پہنچے گا۔ اس بناء پر میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ کہ اپنے ان سارے خزانوں اور اہل خانہ کو تمہارے سپرد کرنے کے بعد میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کروں گا۔ سیدھا مدائن کا رخ کروں گا۔ وہاں خسرو پرویز کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے معذرت طلب کروں گا۔ اس سے کہوں گا کہ وہ اپنا غصہ تھوک دے، مجھے معاف کر دے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب نعمان خاموش ہوا تب شعبانی قبیلے کا سردار ہانی تفکرات بھرے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو؟ یہ خسرو پرویز کے پاس جا کر معذرت کرنے کی تمہیں کیسے سوجھی؟ شاید تم اس کے مزاج، اس کی طبیعت سے واقف نہیں۔ وہ بڑا بدبخت، بڑا غصیلا اور انتقام لینے والا شخص ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا بلکہ نقصان پہنچائے گا۔''

اس پر نعمان کہنے لگا۔

''ہانی! میرے عزیز بھائی! تم فکر نہ کرو۔ میں خسرو پرویز کو کسی نہ کسی طرح راضی کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اسی میں میری بہتری ہے اور مجھے امید ہے کہ جب میں معذرت کروں گا تو وہ مجھے معاف کر دے گا۔ اس کے بعد میں تمہارے پاس لوٹوں گا اور جو امانتیں تمہارے پاس رکھوا کر جا رہا ہوں، وہ میں لے کر واپس اپنے مرکزی شہر حیرہ کی طرف چلا جاؤں گا۔''

اس موقع پر ہانی نے نعمان کو بڑا سمجھایا لیکن نعمان اس بات پر اڑا رہا کہ وہ خسرو پرویز کے پاس جائے گا اور خسرو پرویز سے معافی مانگ کر اس متوقع جنگ کو ٹالنے کی

کوشش کرے گا۔ چنانچہ نعمان نے صرف ایک شب ہانی کے ہاں قیام کیا۔ دوسرے روز وہ شعبانی قبیلے سے نکل کر مدائن کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔

شعبانی قبیلے کے سردار ہانی کے اندازے، اندیشے درست ثابت ہوئے۔ حیرہ کا حکمران نعمان جب مدائن میں خسرو پرویز کی خدمت میں حاضر ہوا تو خسرو پرویز نے اسے دیکھتے ہی سخت غصے اور غضب ناکی کا اظہار کیا۔ نعمان نے معذرت بھی طلب کی لیکن خسرو کا غضب اور غصہ فرو نہ ہوا۔ خسرو نے نعمان کو تین دن اپنے ہاں روکے رکھا اور چوتھے دن اس کے حکم سے اس کے کارندوں۔ نے حیرہ کے حکمران نعمان کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچل کر اس کا خاتمہ کرا دیا۔ خسرو پرویز کی طرف سے یہ ایک انتہائی اقدام تھا۔ نعمان کا کوئی قصور نہ تھا اس کے باوجود اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی، اس پر ظلم کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

نعمان کا خاتمہ کرنے کے بعد خسرو پرویز نے پھر اپنے سالاروں سے مشورہ کیا اور اپنے کچھ قاصد شعبانی قبیلے کے سردار ہانی کی طرف روانہ کئے تاکہ اس سے نعمان کے خزانے اور اس کے اہلِ خانہ کو طلب کرے۔

شعبانی قبیلے کا سردار ہانی ایک روز کھلے میدان میں اپنے قبیلے کے کچھ دانش وروں، جوانوں اور کچھ لڑکوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ سب کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! ہمارے لئے سب سے بری خبر یہ ہے کہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے حیرہ کے حکمران نعمان کو قتل کر دیا ہے حالانکہ نعمان اس کے پاس معذرت کے لئے گیا تھا لیکن اس کی معذرت قبول کرنے کی بجائے اسے اس نے موت کے گھاٹ اتا دیا ہے۔ اب میرا اندیشہ ہے کہ خسرو پرویز ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا۔''

ہانی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ اس کے قبیلے کا ایک نوجوان اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نعمان کا خاتمہ کر کے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اگر اس نے ہم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو ایسا وہ صرف ہم سے نعمان کے خزانے حاصل کرنے کے لئے کرے گا۔ لیکن ہمیں خسرو پرویز کے سامنے جھکنا نہیں چاہئے۔''

اس نوجوان کے ان الفاظ پر ہانی نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''خسرو پرویز کے سامنے جھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نعمان اپنے خزانے اور اپنے اہلِ خانہ کو میرے پاس امانت کے طور پر رکھ کر گیا تھا اور میں ایک امین کی حیثیت سے اس کی سب اشیاء کی خوب حفاظت کروں گا۔

عزیز ساتھیو! خسرو پرویز اگر ہم پر حملہ آور ہوتا ہے تو ہمیں پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ قبیلے کے نوجوانوں کو ابھی سے اس ٹکراؤ کی تیاریوں کو اپنے عروج پہ پہنچا دینا چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شعبانی قبیلے کا سردار ہانی رکا، کچھ سوچا پھر اپنے سامنے بیٹھے ایک نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ عاصم بن حارث اور عدی بن کعب کہاں ہیں؟''

اس پر جس قدر لوگ اس وقت ہانی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کے اندر سے دو لڑکے اٹھ کھڑے ہوئے جو ابھی جوانی اور شباب کی حدود میں داخل نہیں ہوئے تھے، نوعمر تھے۔ ان میں سے ایک عاصم بن حارث اور دوسرا عدی بن کعب تھا۔ جب دونوں اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے تو ہانی ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا، پھر ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو اپنے قریب آنے کے لئے کہا۔

اس پر عاصم بن حارث اور عدی بن کعب دونوں لوگوں کے ہجوم سے نکل کر ہانی کے پاس آئے۔ ہانی نے باری باری پہلے دونوں کی پیٹھ تھپتھپائی، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں تم دونوں سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہوں۔ آنے والے دور میں اگر کسی موقع پر ہمارا ٹکراؤ ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے ساتھ ہوتا ہے تو میرے بچو! تم اپنی عمر کے سارے لڑکوں کو تیار کر کے رکھو۔ اگر تم خسرو پرویز کے جنگجوؤں کا مقابلہ تیغ زنی میں نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک طرف رہ کر تم تیر اندازی کر کے دشمن کو نقصان پہنچا سکتے ہو۔ اور پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں تیغ زنی میں لاجواب ہونے کے ساتھ ساتھ بے خطا تیر اندازی بھی کر سکتے ہو۔ تم دونوں کے ذمے میں یہ کام لگاتا ہوں کہ سارے نوجوانوں کو منظم کر کے رکھو تاکہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو بتایا جائے کہ ہم کوئی نہتے نہیں کہ وہ جب اور جس وقت چاہے، ہم پر چڑھ دوڑے۔''

یہاں تک کہتے کہتے شعبانی قبیلے کے سردار ہانی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ تین گھڑسوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ ہانی کے قریب آ کر وہ رکے۔ ہانی کے قبیلے کا ایک شخص ان تینوں کی راہنمائی کر رہا تھا۔ گھوڑوں سے اترنے کے بعد جو نوجوان ان کی راہنمائی کر رہا تھا اس نے ہانی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ہمارے قبیلے کے سردار ہانی ہیں۔''

اتنی دیر تک ہانی بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ وہ تینوں قریب آئے پھر ان میں سے ایک ہانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہمیں آپ کی طرف ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے روانہ کیا ہے۔ شعبانی قبیلے کے سردار! تم جانتے ہو حیرہ کے حکمران نعمان نے خسرو پرویز کی اہانت کی تھی۔ اسے اپنے سامنے ہیچ اور کمتر خیال کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعمان اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ ہمارے بادشاہ کو یہ خبر ہو چکی ہے کہ نعمان نے ہمارے مرکزی شہر مدائن کی طرف جانے سے پہلے اپنے کچھ خزانے اور اہل خانہ کو آپ کے ہاں امانت کے طور پر رکھا تھا لہٰذا تمہارے نام ہمارے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ نعمان بن منذر کے سارے خزانے ہمارے بادشاہ کے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہ نعمان کے بعد ان سب چیزوں کا مالک اور وارث ہمارا شہنشاہ ہے۔''

آنے والا وہ قاصد جب خاموش ہوا تب ہانی کچھ دیر تک کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''تمہارے بادشاہ نے یہ کیسے دعویٰ کر دیا کہ وہ نعمان کے خزانے کا حق دار ہے۔ نعمان حیرہ کا حکمران تھا۔ ہم اس کے ہمسائے ہیں۔ وہ ہمارا عرب بھائی تھا۔ خسرو پرویز نے عربوں کے خلاف جنگ کی طرح ڈال کر اپنے زوال، اپنی بربادی کو دعوت دی ہے۔ خسرو پرویز اگر یہ خیال کرتا ہے کہ صحرائے عرب کے رہنے والے یہ قبائل اس کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کر دیں گے اور وہ ہم پر اپنے مطالبات مسلط کر کے من مانی کرتا رہے گا تو یہ اس کی خوش فہمی ہے۔ واپس جا کر اپنے بادشاہ خسرو پرویز سے کہنا کہ میں شعبانی قبیلے کا سردار ہانی، حیرہ کے حکمران نعمان کے خزائن اس کے حوالے کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ اور اگر اس نے اس انکار کو وجہ بنا کر ہمارے خلاف لشکر کشی کرنے

کی کوشش کی تو اسے پہلے سے بتا دینا۔ ہم اس کے منہ پر ایسا طمانچہ، اس کے سر پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ صحرائے عرب کا ذرّہ ذرّہ اس کی شکست، اس کی بدنامی کا گواہ بن کر رہ جائے گا۔ اس سے زائد میں تمہارے ساتھ گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ جو پیغام میں نے تمہیں دیا ہے وہ اپنے بادشاہ تک پہنچانا۔ اس کے بعد وہ جو بھی کارروائی کرے گا، ہم اس کا خوب جواب دیں گے۔''

یوں خسرو پرویز کے قاصد شعبانی قبیلے کے سردار ہانی کے پاس سے ناکام اور نامراد واپس چلے گئے اور ہانی نے جو جواب انہیں دیا تھا، وہی جا کر انہوں نے اپنے بادشاہ خسرو پرویز سے کہہ دیا تھا۔

ہانی کا جواب سن کر خسرو پرویز بڑا غضب ناک ہوا۔ انتہائی برہمی اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس نے اسے اپنے لئے اہانت بلکہ اپنی بےعزتی خیال کیا کہ صحرائے عرب کا ایک چھوٹا سا سردار جو اس کے مقابلے میں چھوٹے سے ایک قبیلے کی نمائندگی کرتا ہے، اس کی اہانت کا باعث بن رہا ہے اور یہ بھی دھمکی دے رہا ہے کہ اگر خسرو پرویز نے اس کے خلاف لشکر کشی کرنے کی کوشش کی تو صحرا کا ذرّہ ذرّہ اس کی شکست کا گواہ بن جائے گا۔

یہ الفاظ خسرو پرویز کے لئے ناقابل برداشت تھے لہٰذا اس نے وقت ضائع نہیں کیا۔ ایک لشکر اس نے تیار کیا اور اس لشکر کو اس نے شعبانی قبیلے اور اس کے سردار ہانی پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔

خسرو پرویز کا لشکر جب شعبانی قبیلے کی حدود میں پہنچا تو انہوں نے دیکھا شعبانی قبیلے کا لشکر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد تھا۔ اور پھر شعبانی قبیلے کے سردار ہانی نے یہ دانش مندی کی کہ خسرو پرویز کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے آس پاس کے ہمسایہ عرب قبائل سے بھی مدد طلب کر لی تھی اور اس کی مدد کے لئے مختلف عرب قبائل کے جنگجو اور تیغ زن بھی پہنچ گئے تھے۔

خسرو پرویز کے لشکر نے جب دیکھا کہ شعبانی قبیلے کا سردار تو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے تیار ہے تب سب سے پہلے انہوں نے لشکر کا پڑاؤ کیا۔ ان کے پاس لشکر کی ضروریات کے سامان کے انبار کے علاوہ اسلحے کے ڈھیر تھے۔ پڑاؤ قائم کرنے کے بعد ایرانی سالاروں نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنی شروع کر دی تھیں۔ شاید وہ

جلد جنگ کی ابتداء کر کے کامیابی اور فوزمندی اپنے نام کر کے واپس جا کر اپنے بادشاہ خسرو پرویز کو یہ خوشخبری سنا کر انعام حاصل کرنے کے طالب ہونا چاہتے تھے۔

چنانچہ صفیں درست کرنے کے بعد انہوں نے اپنی کارروائی کی ابتداء کی۔ دوسری طرف شعبانی قبیلے کا سردار بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی صفیں درست کر چکا تھا۔ ایرانیوں نے جنگ کی ابتداء کی۔ پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے افق کے دل میں لمحوں کو منجمد کرتے مصائب کے ہجوم، بکھری نوائے پریشان میں خطرات کی ہولناک قوتوں اور فکر و کردار کی ترتیب کو منتشر اور پراگندہ کر دینے والی خوف اور اندیشوں کی ہولنا کی اور جدائی کے گہرے گھاؤ کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

ایرانیوں کا یہ حملہ بڑا شدید اور جان لیوا تھا لیکن شعبانی قبیلے کے سردار اور اس کے لشکریوں نے بھی ردِعمل کا خوب اظہار کیا۔ وہ بھی پہلے دشت و بیابان میں پل پل سلگتے حادثوں اور باطل کی رزم گاہ میں قدرت کے قہر کی طرح حرکت میں آئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے عرب قبائل کا وہ لشکر خسرو پرویز کے لشکر پر موت کے ہولناک سائے دراز کرتی محرومیوں کی دلدل، رگ رگ سے بدن کا خون چوس لینے والے وحشتوں کے مناظر اور درد کی خاک اُڑاتے رینگتے، زہر آلود لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

صحرائے عرب میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے ٹھہرے وقت کے جلال میں کھولتے لاوے، گرسنہ شریانوں میں وحشتوں کے آسیب کھڑے ہونے لگے تھے۔ عقل کی معراج، ادراک کا شوق، کردار کی رگیں لہولہو ہونے لگی تھیں۔ دونوں جانب کے لشکری ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگے تھے۔ زبانیں پتھر کی سل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ضمیر کی پستیاں ہر شے کا ذائقہ تلخ کرنے لگی تھیں۔

کچھ دیر تک دونوں لشکریوں کے درمیان ہولناک ٹکراؤ ہوتا رہا۔ ایرانی اس ظن و گمان میں تھے کہ ان کے مقابلے میں عربوں کے لشکر کی تعداد کم ہے لہٰذا ہم بہت جلد ان پر غالب آنے کے بعد اپنی فتح مندی کا اعلان کریں گے لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد رزم گاہ میں چاروں طرف ایرانیوں کی لاشیں بکھری دکھائی دینے لگی تھیں۔

یہ صورتِ حال یقیناً ایرانی سالاروں اور ان کے لشکریوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ پھر آہستہ آہستہ خسرو پرویز کے لشکر کی حالت پُرآشوب نا امیدیوں، بوڑھی اُداس

گلیوں، اندھیروں کی طغیانیوں اور وہم وحشت کے لمحوں سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

شعبانی قبیلے کے سردار ہانی اور اس کے حمایتیوں اور حلیفوں نے جب دیکھا کہ ان کے تیز حملوں کے باعث ایرانی لشکر کی حالت ابتر ہونا شروع ہو گئی ہے تو اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی بلکہ انہوں نے اپنے حملوں میں انتہا درجہ کی شدت پیدا کر لی تھی۔ ایرانیوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے عربوں نے پہلے کچھ دیر تک قہر و شور کی آتشی صداؤں، زندگی کے ہر حصار کو توڑتی گرجتی، دھاڑتی آندھیوں کی طرح نعرے بلند کئے تھے۔ اس کے بعد اپنے حملوں میں شدت اور تلخی پیدا کرتے ہوئے وہ ایرانیوں پر بے کراں صحراؤں کی ویرانیوں میں بھورے لاوے کی اگلتی ندیوں، جلوہ در جلوہ بجلیوں کی کڑک، طوفانوں کے زور اور بے حسی کا طلسم پھیلاتے بگولوں کے مہیب جھکڑوں کی طرح ضربیں لگانے لگے تھے۔

ایرانی سالاروں نے جب دیکھا کہ عربوں کے مقابلے میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تب انہوں نے اپنے لشکر کو پھیلانا شروع کیا۔ اس لئے کہ عربون پر انہیں عددی فوقیت حاصل تھی۔ سامنے کی طرف لشکر کا ایک حصہ رہنے دیا۔ باقی لشکریون کے بازو پھیلاتے ہوئے انہوں نے دائیں بائیں پیش قدمی شروع کی اور ایک طرح سے عربوں کے لشکر کو گھیرنے کی کوشش کی۔ اس دوران انہوں نے شعبانی قبیلے کے سردار ہانی کے لشکر میں تیر اندازی کرنے والے اور بعض مواقع پر تیغ زنی سے کام لینے والے کچھ لڑکوں اور نوجوانوں کو اپنا اسیر بھی بنا لیا تھا لیکن ایرانیوں کی بدقسمتی کہ وہ عربوں کا گھیراؤ نہ کر سکے اس لئے کہ عربوں نے دائیں بائیں حملے کرتے ہوئے ان کی پیش قدمی کو روک دیا تھا اور تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد عربوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ایرانی لشکر شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

عرب قبائل کے ہاتھوں ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے لشکر کی یہ بدترین شکست تھی۔ شکست خوردہ وہ لشکر جب مدائن پہنچا تو خسرو پرویز نے انتہائی غضب اور غصے کا اظہار کیا۔ جن سالاروں کو اس نے شعبانی قبیلے کے سردار ہانی پر حملہ آور ہونے اور نعمان کے خزائن حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا ان پر اس نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر خسرو پرویز نے ان نوجوانوں اور لڑکوں کا بھی جائزہ لیا جو جنگ کے دوران

ایرانیوں کے ہاتھ آ گئے تھے اور جنہیں ایرانیوں نے اپنا قیدی اور اسیر بنا لیا تھا۔

اُن سارے لڑکوں کا جائزہ لینے کے بعد خسرو پرویز نے آخر یہ فیصلہ کیا کہ ان سب نوجوانوں اور لڑکوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے۔

اس موقع پر خسرو پرویز کے دونوں بڑے سالاروں شاہین اور شہر براز نے خسرو پرویز کو مشورہ دیا کہ ان لڑکوں اور نوجوانوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہئے۔ وہ تیغ زنی اور جنگ کا اچھا خاصا تجربہ رکھتے ہیں اور آنے والے دور میں انہیں ایرانی لشکر میں شامل کر کے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

خسرو پرویز نے اپنے سپہ سالار شاہین اور شہر براز کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ عربوں کے جن نوجوانوں اور لڑکوں کو جنگ کے دوران اسیر بنایا گیا تھا، خسرو پرویز نے ان سب کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا تھا۔

ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز شاید عربوں کے قبیلے شعبانی کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد جوابی کارروائی کرتا اور عربوں سے اپنی اس شکست کا انتقام لینا لیکن اسی دوران ایران کے لئے حالات پلٹا کھا گئے۔

دراصل خسرو پرویز کے شروع کے دور میں رومنوں کا شہنشاہ مارس تھا۔ مارس نہ صرف خسرو پرویز کی بیوی مریم کا باپ تھا بلکہ خسرو پرویز، مارس کا احسان مند بھی تھا کہ جب وہ بہرام کے آگے آگے بھاگتا پھرتا تھا تو مارس نے ہی اسے اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ یوں خسرو پرویز قیصر روم مارس کا احسان مند بھی تھا کہ جب وہ بہرام کے آگے آگے بھاگتا پھرتا تھا تو مارس نے ہی اسے اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ یوں خسرو پرویز قیصر روم مارس کا احسان مند تھا۔ لہٰذا جب تک مارس زندہ رہا، ایران اور رومنوں کے تعلقات خوشگوار رہے لیکن جب رومنوں کے اندر سے بعض سیاسی قوتوں نے قیصرِ روم مارس کو قتل کر دیا تب اس کے قتل کا خسرو پرویز کو انتہائی صدمہ ہوا۔ اس لئے کہ مارس نہ صرف اس کا محسن اور مربی تھا بلکہ اس کا سسر بھی تھا۔ ساتھ ہی رومنوں کا سالار نرسس جس کی مدد سے خسرو نے بہرام کو شکست دی تھی۔ اس وحشیانہ قتل پر سخت ناراض تھا۔ چنانچہ اس نے نئے قیصرِ روم فوقاس کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور عدیسہ شہر میں قیصر روم یعنی فوقاس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔

ان حالات میں خسرو پرویز نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور رومنوں کے علاقے میں اس نے پیش قدمی شروع کی۔ رومن ان دنوں افراتفری کا شکار تھے جس کے نتیجے میں خسرو پرویز اپنے لشکر کے ساتھ رومنوں کی سرزمین کے اندر جہاں بھی گیا اسے فتح نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ خسرو پرویز مشہور و معروف اور تاریخی قلعے دارا کی طرف

بڑھا۔ دارا کو ایرانی اپنا قلعہ سمجھتے تھے جبکہ رومنوں نے زبردستی اس پر قبضہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ آگے بڑھ کر خسرو پرویز نے دارا نام کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا۔ آخر اہلِ قلعہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ قلعے کے اندر جس قدر رومن تھے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس طرح یہ مضبوط اور مستحکم قلعہ خسرو پرویز کے تصرف میں چلا گیا تھا۔

دارا نام کے قلعے کو فتح کرنے کے بعد رومنوں کے خلاف ایرانیوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ چنانچہ خسرو پرویز نے مزید پیش قدمی شروع کی اور آمدہ شہر کی طرف بڑھا۔ یہ وہی شہر ہے جسے بعد کے دور میں دیارِ بکر کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ چنانچہ اس شہر کو بھی فتح کرنے میں خسرو پرویز کو کوئی زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی۔ اس طرح خسرو پرویز نے اپنے جرار لشکر کے ساتھ رومنوں کے دو مقامات پر حملہ آور ہو کر انہیں اپنی مملکت میں شامل کرلیا تھا۔

اس کے بعد خسرو پرویز کے حوصلے ایسے بڑھے کہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان جس قدر رومنوں کے قلعے تھے، ان کی مضبوط قلعہ بندیاں اور شہر تھے، خسرو پرویز یکے بعد دیگرے ان پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان پر قبضہ کرتا چلا گیا تھا۔

فتوحات کا یہ سلسلہ ایسا پھیلا اور خسرو پرویز نے کچھ ایسی تیزی سے پیش قدمی کی کہ رومن کہیں بھی جم کر اس کا مقابلہ نہ کر پائے۔ یہاں تک کہ خسرو پرویز نے دو انتہائی اہم اور مشہور قدیم تاریخی شہروں کو بھی فتح کرلیا۔ ان میں سے ایک شہر عدیسہ اور دوسرا حران تھے۔

رومنوں کو پے در پے شکستیں دینے کے بعد لگتا تھا ایرانی لشکریوں کے حوصلے تو بلند ہوئے ہی تھے، ان فتوحات نے خسرو پرویز پر بھی ایک جنون کا سا عالم طاری کر دیا تھا۔ لہٰذا خسرو پرویز نے دریائے فرات کو عبور کیا اور بیرو یولس شہر کی طرف بڑھا۔ یہ وہی شہر ہے جسے آج کل حلب کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ حلب پر بھی قبضہ کرنے میں خسرو پرویز کو زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی اور اس کے بعد بہت سے دوسرے شہروں پر بھی خسرو پرویز نے حملہ آور ہو کر انہیں اپنی مملکت میں شامل کرلیا تھا۔ اس طرح خسرو پرویز پے در پے حملہ آور ہوتے ہوئے رومنوں کے بہت سے شہروں کو اپنی مملکت میں سمیٹتا چلا گیا تھا۔

دجلہ اور فرات کے درمیانی حصے اور دریا کے کنارے کے مختلف قلعوں اور اہم

شہروں پر قبضہ کرنے کے بعد ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کی نگاہیں اب آرمینیا پر جم گئی تھیں۔ آرمینیا رومنوں کا بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ کہلاتا تھا۔ خسرو پرویز چاہتا تھا کہ آرمینیا پر قبضہ کر کے رومنوں کو مکمل طور پر اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔

چنانچہ خسرو پرویز نے اپنا ایک لشکر آرمینیا کی طرف روانہ کیا۔ سب سے پہلے خسرو پرویز کا لشکر آرمینیا کے ایک شہر ''کاپا دوکیا'' پر حملہ آور ہوا۔ یہ شہر زیادہ دیر تک ایرانیوں کے سامنے اپنا دفاع قائم نہ رکھ سکا اور ایرانیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے گئے۔ یہاں بھی رومنوں کا خوب قتل عام ہوا۔

''کاپا دوکیا'' کو فتح کرنے کے بعد ایرانی لشکر آرمینیا کے دو انتہائی اہم اور بڑے شہروں کی طرف بڑھا۔ ایک کا نام فریگیا اور دوسرے کا نام گلیشیا تھا۔ چنانچہ ایرانی یکے بعد دیگرے ان شہروں پر حملہ آور ہوئے اور ان شہروں کو فتح کر کے یہاں تباہی و بربادی کا وہ کھیل کھیلا کہ رومن سکتے میں آ گئے تھے۔

رومنوں کی بدقسمتی اور بدنصیبی، اُن کا شہنشاہ فوکاس ایک کمزور، کم دل اور بزدل شخص تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ لشکر لے کر اپنے مرکزی شہر قسطنطنیہ سے نکلتا اور ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کی پیش قدمی کو روکتا۔ لیکن وہ ایسا بودا نکلا کہ اپنے مرکز میں بیٹھ کر خسرو پرویز کی پیش قدمی کو دیکھتا رہا اور اسے روکنے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔

قیصرِ روم فوکاس کے اس ردِعمل کو رومنوں نے انتہا درجہ کا ناپسند کیا جس کے نتیجے میں رومنوں کے مشرقی ممالک میں بھی بحرانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ خسرو نے اپنی یلغار کو یہاں تک بڑھایا کہ سائیکس کے بیان کے مطابق قسطنطنیہ کے رہنے والوں نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ میں بیٹھ کر بحیرہ فاسفورس کے اس پار اناطولیہ کے میدانوں میں اپنے دیہات اور قصبوں کو جلتے ہوئے دیکھا تھا۔

ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے اس طرح حملہ آور ہونے، رومنوں کے شہروں کو برباد کرنے اور بہت سے علاقوں کو اپنی مملکت میں شامل کر لینے کی وجہ سے رومنوں کی مملکت میں خانہ جنگی کا دور دورہ شروع ہو گیا تھا۔ قیصرِ روم فوکاس کمزور شخص تھا۔ حالات پر قابو پانے کا اہل نہ تھا۔ اس نے ایرانی پیش قدمی کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس طرح یہ کیفیت طاری ہوگئی جو لوگوں کی برداشت سے باہر ہوتی چلی گئی۔

یہاں تک کہ رومنوں کے سرکردہ امراء، دانشوروں اور سالاروں نے ایرانیوں کے شہنشاہ خسرو پرویز کا مقابلہ کرنے کے لئے افریقہ میں وہاں کے رومن گورنر ہرکولیس کو اپنے مرکزی شہر طلب کر لیا۔

رومیوں کی سینٹ نے ارادہ کیا تھا کہ فوکاس کا خاتمہ کر کے ہرکولیس کو اپنا شہنشاہ بنا لیا جائے گا۔ ہرکولیس جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ ایرانیوں کے شہنشاہ خسرو پرویز کا خوب مقابلہ کرے گا۔

انہی ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے رومی سینٹ نے ہرکولیس کو طلب کیا تھا تا کہ فوکاس کے خلاف مہم کا آغاز کرے۔

چنانچہ ہرکولیس افریقہ سے بحری بیڑہ لے کر رومنوں کے مرکزی شہر پہنچا۔ بظاہر تو ہرکولیس اس ارادے سے آیا تھا کہ رومن شہنشاہ فوکاس پر فتح پا کر رومنوں کو اس سے نجات دلائے گا لیکن فوکاس نے مقابلہ کرنے کی بجائے تخت و تاج سے دستبردار ہونے کو ترجیح دی۔ آخر اس کے آپ سے آپ تخت چھوڑنے کی وجہ سے رومنوں نے ہرکولیس کو اپنا شہنشاہ بنا لیا۔

اب فوکاس کی بجائے ہرکولیس رومنوں کا قیصر تھا اور تخت نشین ہوتے ہی اس نے رومنوں کے نازک حالات کی طرف توجہ دینا شروع کی اور نظم و نسق درست کرنے میں مصروف ہوگیا۔ یہی وہ حالات تھے جو اب نئے انداز میں رونما ہو رہے تھے اور جن کی وجہ سے خسرو پرویز نے عربوں سے ٹکرانا مناسب نہ سمجھا۔ اب وہ اپنی پوری طاقت اور قوت کو رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس پر مرکوز رکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

❁ ❁ ❁

ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز ایک روز اپنی بیوی شیریں، اس کے بیٹے مردان شاہ، شیریں کی بہن رجینا، دوسری بیوی مریم کی بیٹی بوراں دخت اور اس کی چھوٹی بہن آذرمی دخت کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا چوبدار اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ پہلے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے عصا کو زمین کی طرف خم کیا، پھر اپنے جسم کو دہرا کرتے ہوئے زمین کی طرف جھک گیا تھا۔ یوں اس نے خسرو پرویز کو تعظیم دی۔ اس کے بعد سیدھا کھڑا ہوا اور خسرو پرویز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مالک! عربوں کے قبیلے شعبانی سے ٹکراتے ہوئے جو عرب نوجوان اور لڑکے ہم نے اسیر کئے تھے، جنہیں ہم نے اپنے لشکر میں شامل کیا تھا ان میں سے ایک نے آپ کے عزیز اور رشتہ دار نرسی پر حملہ آور ہو کر اسے زخمی کر دیا ہے۔''

نرسی، خسرو پرویز کا نہ صرف اچھا سالار تھا بلکہ بقول ابن خلدون وہ اس کا خالہ زاد بھی تھا۔ لہٰذا اس کے زخمی ہونے کا سن کر خسرو پرویز چونکا اور اپنے چوبدار کو مخاطب کرتے ہوئے کسی قدر غصیلی آواز میں اس نے پوچھ لیا۔

''نرسی پر کتنے لڑکوں نے حملہ کیا اور اسے زخمی کیا؟''

اس پر چوبدار سہمے سہمے سے انداز میں کہنے لگا۔

''شہنشاہِ معظم! آپ کے خالہ زاد نرسی پر ان عرب لڑکوں میں سے صرف ایک ہی نے حملہ کیا۔ اس کا نام عتبہ بن ہشام ہے۔ اس کے ساتھ اس کا ایک انتہائی قریبی دوست بھی ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ ہی اسیر اور گرفتار ہو کر آئے تھے۔ دوسرے ساتھی کا نام ہلال بن علقمہ ہے۔ اس موقع پر ہلال بن علقمہ نے نرسی کے خلاف اپنے ساتھی عتبہ بن ہشام کی مدد کرنا چاہی لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ عتبہ بن ہشام نے اپنے ساتھی ہلال بن علقمہ کو نرسی کے خلاف اپنی مدد کرنے پر سختی سے منع کر دیا۔ اس طرح اس اکیلے لڑکے نے ہی نرسی کو زخمی کر دیا جس کا نام عتبہ بن ہشام ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو پرویز کا چوبدار جب خاموش ہوا تب خسرو پرویز حیرت اور غصے میں ملی جلی آوازوں میں چوبدار کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

''اس تنازعے، اس جھگڑے، اس ٹکراؤ کی وجہ کیا ہے؟''

جواب میں چوبدار نے پھر اپنے آپ کو خم کرتے ہوئے خسرو پرویز کو تعظیم دی۔ ساتھ ہی کہنے لگا۔

''اس ٹکراؤ کے وقت ہمارے بڑے سالاروں میں سے شاہین اور شہربراز موجود تھے۔ میرے خیال میں وہ بہتر انداز میں آپ کو اس تنازعے کی تفصیل بتا سکتے ہیں۔''

خسرو پرویز جواب میں کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا، پھر اپنے چوبدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو سارے سالاروں، سارے امراء اور مملکت کے سرکردہ لوگوں کو قصر ابادان میں جمع ہونے کا حکم دو۔ میں بھی اپنے سارے اہل خانہ کے ساتھ تھوڑی

دیر تک وہیں پہنچتا ہوں۔"

خسرو پرویز کے ان الفاظ کے ساتھ ہی چوبدار نے پھر اسے تعظیم دی اور الٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ خسرو پرویز قصرِ ابادان میں داخل ہوا۔ قصرِ ابادان ایرانی شاہی عمارتوں میں سے اہم اور سب سے بڑی عمارت خیال کی جاتی تھی۔ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی ابادان کے کھنڈرات اپنے اندر بڑی دلچسپی اور عظمت رکھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔

ان آثار کو دیکھ کر انسانی تخیل محل کی تصویر بنانے میں تو شاید کامیاب ہو سکے لیکن اس پر کتنی دولت صرف ہوئی ہوگی اور کتنے کاریگروں اور مزدوروں نے کام کیا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

ایران کے قدیم بادشاہ داریوس کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ اس محل میں جو نیلے رنگ کا پتھر استعمال ہوا تھا وہ شمالی ترکستان کے شہر سندیانہ سے لایا گیا تھا جو وہاں سے لگ بھگ دو ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ اس محل کی کھدائی میں شکاگو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کیمرون نے ایک مٹی کی لوح برآمد کی تھی جس میں درج ہے کہ ساز و سامان، کاریگر اور مزدور مملکت کے گوشے گوشے سے منگوائے گئے تھے۔ کاریگروں اور مزدوروں کو ان کی استعداد کے مطابق چاندی، شراب اور گوشت کی صورت میں معاوضہ دیا جاتا تھا۔

ابادان کی کھدائی سے 1937ء میں سونے کی دو تختیاں بھی برآمد ہوئیں جو اب تہران کے نوادرات کے عجائب خانہ میں رکھی گئی ہیں۔ ان پر خطِ میخی میں جو عبارت درج ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ عمارت ایران کے بادشاہ داریوش کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی۔

اس کھدائی سے سونے کے کچھ پترے بھی نکلے تھے جن سے پتہ چلتا ہے کہ محل کے دروازوں پر سونے کے کچھ پترے چڑھے تھے۔ کچھ رنگین ٹائلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ محل کے در و دیوار پر ٹائلوں کا کام بھی ہوا تھا۔ سونے کے پترے اور ٹائلیں بھی عجائب خانہ ایران میں محفوظ ہیں۔

ابادان کی کرسی سطح سے چار گز اونچی رکھی گئی تھی۔ اس پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں

بنائی گئی تھیں۔ اس محل کا ایوانِ عام پینسٹھ گز مربع اور اس کے ستون 72 تھے۔ جن میں سے بعض جوں کے توں کھڑے ہیں اور بعض کے کچھ حصے گر چکے ہیں۔

محل کی سیڑھیاں جو کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں اب بھی موجود ہیں۔ ان پر طرح طرح کی اُبھرواں تصویریں ہیں۔ ان تصویروں میں مختلف ممالک کے نمائندے تحائف لاتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ ایک تصویر میں گھوڑے رتھ کھینچ رہے ہیں جبکہ ایک دوسری تصویر میں کوئی شہ سوار گھوڑے پر بیٹھا ہے۔ کہیں کہیں ایران کے بادشاہ داریوش کو اپنے سونے کے تخت پر جلوہ افروز بھی دکھایا گیا تھا۔

خسرو پرویز قصرِ ابادان کی بلند شہہ نشین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف اس کی ہردلعزیز بیوی شیریں، اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن رجینا، اس کے ساتھ شیریں کا بیٹا اور رجینا کا بھانجا جو عمر میں رجینا سے بڑا تھا اور نام جس کا مردان شاہ تھا، نشست سنبھالے ہوئے تھا۔ خسرو پرویز کے دوسری جانب اس کی دوسری بیوی مریم بیٹھی تھی جو رومن شہنشاہ مارس کی بیٹی تھی۔ اس کے ساتھ خسرو پرویز کی بڑی بیٹی بوراں دخت، بوراں دخت کے ساتھ چھوٹی بیٹی آذرمی دخت اپنی اپنی نشستیں سنبھالے ہوئے تھیں اور سامنے کی نشستوں پر خسرو پرویز کے نامور سپہ سالاروں میں سے شاہین، شہربراز اور دوسرے ان گنت چھوٹے بڑے سالار اور امراء اپنے اپنے منصب اور مرتبے کے مطابق نشستیں سنبھال چکے تھے۔

ایسے میں خسرو پرویز نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے لشکریوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ شاہین کو بلایا۔

شاہین اپنی نشست سے فوراً اٹھا اور خسرو پرویز کی طرف بڑھا۔ اس موقع پر ہاتھ کے اشارے سے دوسرے بڑے سالار شہربراز کو بھی بلایا۔ چنانچہ شاہین کی طرح وہ بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر شہہ نشین کی طرف بڑھا تھا۔

دونوں خسرو پرویز کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے تھے۔ خسرو پرویز نے انہیں مزید اپنے قریب ہونے کو کہا۔ جب وہ ایسا کر چکے تب انتہائی رازدارانہ انداز اور انتہائی دھیمی آواز میں خسرو پرویز شاہین اور شہربراز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں نے یہ اجلاس اپنے خالہ زاد نرسی کے مقابلے میں طلب کیا ہے۔ اسے ان لڑکوں میں سے ایک نے زخمی کیا ہے جو لڑ کے شعبانی قبائل کے ساتھ ٹکراؤ کے نتیجے میں

گرفتار ہوئے تھے اور جنہیں ہم نے اپنے لشکر میں شامل کر لیا ہے اور جن کی تربیت کا بھی بہترین اہتمام کیا گیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جس وقت نرسی کو زخمی کیا گیا تھا اس وقت تم دونوں وہاں موجود تھے۔ میں شاید کسی اور کی بات پر اعتماد اور بھروسہ نہ کروں لیکن تم مجھے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟ نرسی پر کیوں حملہ کیا گیا؟ زیادتی کس کی ہے؟ اور جس لڑکے نے نرسی کو زخمی کیا ہے، اس کا نام کیا ہے؟''

اس موقع پر شاہین اور شہر براز دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر شاہین خسرو پرویز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جس لڑکے نے آپ کی خالہ زاد نرسی کو زخمی کیا ہے اس لڑکے کا نام عتبہ بن ہشام ہے۔ جہاں تک میں اندازہ لگا چکا ہوں وہ بلا کا ہنرمند، تیغ زن ہے۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تیغ زنی میں اس کا مقابلہ عام تیغ زن کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا اور نرسی کا جھگڑا میرے اور شہر براز کی موجودگی میں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف آج کا نہیں ہے، نرسی اس لڑکے کے خلاف نفرت کا جھکاؤ رکھتا تھا۔ ایسا اس لئے ہے کہ چند روز پہلے جب تیغ زنی کے مقابلے ہو رہے تھے تو مقابلے کے دوران ایک بار اسی لڑکے عتبہ بن ہشام نے نرسی کو اپنے سامنے زیر کر دیا تھا۔ تب سے نرسی نے اپنے دل میں اس کے خلاف نفرت پالنا شروع کر دی تھی اور آج ایک معمولی سی بات کو وجہ بناتے ہوئے نرسی نے اس لڑکے عتبہ بن ہشام کے منہ پر زوردار کئی طمانچے دے مارے تھے۔ وہ لڑکا طمانچوں کو برداشت کر گیا لیکن ساتھ ہی اس نے نرسی سے یہ جواب طلب کیا کہ نرسی نے اس پر کیوں ہاتھ اٹھایا؟ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس پر نرسی کہنے لگا وہ جب اور جس وقت چاہے اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ نرسی کا یہ جواب سن کر وہ لڑکا آپے سے باہر ہو گیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار کھینچ لی۔ نرسی بھی شاید یہی چاہتا تھا۔ اس نے بھی تلوار بے نیام کر لی۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں عتبہ بن ہشام نے نرسی کو زیر کر لیا اور زیر کرنے کے دوران نرسی اس کے ہاتھوں زخمی ہو گیا۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی معاملہ نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شاہین جب خاموش ہوا تب خسرو پرویز نے شاہین اور شہر براز دونوں کو اپنی نشستوں پر بیٹھنے کو کہا۔ تھوڑی دیر تک وہ گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر اپنے چوبدار کو اس نے حکم دیا کہ عتبہ بن ہشام اور نرسی کو طلب کیا جائے۔

چوبدار باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کے ساتھ خسرو پرویز کے خالہ زاد نرسی کے علاوہ دو لڑکے بھی تھے۔ ایک عتبہ بن ہشام تھا جس نے نرسی کو زخمی کیا تھا اور دوسرا اس کا ساتھی ہلال بن علقمہ۔

تینوں کو چوبدار نے جب خسرو پرویز کے سامنے لا کھڑا کیا تب خسرو پرویز نے تینوں کا جائزہ لیا پھر اپنے چوبدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نرسی کے ساتھ یہ جو دو لڑکے کھڑے ہیں ان میں عتبہ بن ہشام کون ہے؟''

چوبدار کے بولنے سے پہلے ہی عتبہ بن ہشام نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! میں عتبہ بن ہشام ہوں۔''

خسرو پرویز نے اس بار پھر اپنے چوبدار کو مخاطب کیا۔

''اور دوسرا لڑکا کون ہے؟ اور اسے کیوں میرے سامنے پیش کیا گیا ہے؟''

اس بار چوبدار، خسرو پرویز کو مخاطب کر کے بول اٹھا۔

''مالک! دوسرے لڑکے کا نام ہلال بن علقمہ ہے۔ یہ دونوں لڑکے اکٹھے رہتے ہیں۔ گرفتار بھی دونوں اکٹھے ہوئے تھے۔ میں نرسی کے ساتھ عتبہ بن ہشام ہی کو لانا چاہتا تھا لیکن ہلال بن علقمہ نے ضد کی کہ یہ بھی عتبہ بن ہشام کے ساتھ جائے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر عتبہ بن ہشام کو سزا ملنی ہے، اس کا خاتمہ کیا جانا ہے تو ہم دونوں اکٹھے اور ایک ساتھ مرنا پسند کریں گے۔ اس بناء پر یہ میرے منع کرنے کے باوجود عتبہ بن ہشام کے ساتھ چلا آیا ہے۔

خسرو پرویز کے چہرے پر اس موقع پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے کہ یہ دونوں لڑکے ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہیں، ایک دوسرے کے لئے جانثار اور وفادار ہیں۔''

پھر یک بہ یک خسرو پرویز کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ آنکھوں کے اندر غصے اور ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے خالہ زاد نرسی کو مخاطب کیا تھا۔

''نرسی! کیا تمہیں معلوم ہے یہ دونوں لڑکے ہمارے لشکر کا حصہ ہیں۔ کیا تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو؟''

نرسی نے پہلے اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے خسرو پرویز کو تعظیم دی، پھر کہنے لگا۔

"آپ درست کہتے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے لشکر کا حصہ ہیں۔"

خسرو پرویز اس بار پہلے کی نسبت زیادہ غصیلے لہجے میں بول اٹھا۔

"تم نے عتبہ بن ہشام کے منہ پر طمانچے کیوں مارے؟ کیا تم اس کی کوئی وجہ بیان کرو گے؟ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم میرے رشتہ دار ہو اور میرے لشکر میں جس کو تم چاہو اپنا ہدف اور نشانہ بناتے پھرو تو یہ تمہاری حماقت اور غلطی ہے۔ تمہیں اس کی کڑی سزا بھی مل سکتی ہے۔ تمہاری آمد سے پہلے میں اس سارے معاملے کی تحقیق کر چکا ہوں۔ قصور اس لڑکے کا نہیں، تمہارا ہے۔ اگر سزا سے بچنا چاہتے ہو تو اس لڑکے سے معذرت کرو۔ اگر اس نے تمہیں معاف کر دیا تو پھر تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

خسرو پرویز کے ان الفاظ کے جواب میں نرسی عجیب سے شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ اپنے کسی ردِعمل کا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

"اے بادشاہ! جس وقت اس نے مجھے طمانچے مارے تھے، اس کے بعد جب میرا اور اس کا تیغ زنی کا ٹکراؤ ہوا تھا اور یہ میرے ہاتھوں زخمی ہوا تھا، میں نے اس وقت ہی اسے معاف کر دیا تھا۔ اب اسے مجھ سے معذرت کرنے اور معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری آپ سے صرف اتنی گزارش ہے کہ ہم آپ کے لشکر کا حصہ ہیں لہٰذا جس طرح دوسرے لشکریوں کی عزت کی جاتی ہے، ایسی ہی عزت ہمیں بھی ملنی چاہئے تا کہ ہم پورے خلوص اور پوری دیانت داری کے ساتھ آپ کی خدمت کر سکیں۔"

خسرو پرویز چند ساعتوں تک مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتا رہا، پھر ایک سنجیدہ نگاہ اس نے نرسی پر ڈالی اور کہنے لگا۔

"نرسی! یہ اس لڑکے کی زندہ دلی اور اس کی فراخ دلی ہے کہ اس نے تمہیں بھرے دربار میں معافی مانگنے اور معذرت طلب کرنے سے بچا لیا ہے۔ کیونکہ اس نے تمہیں معاف کر دیا ہے لہٰذا تمہارے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی جاتی۔ تم جا سکتے ہو۔"

خسرو پرویز کے ان الفاظ پر نرسی نے سکون سا محسوس کیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے ہٹ کر ایک نشست پر ہو بیٹھا تھا۔ خسرو پرویز کچھ دیر تک بڑے غور سے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتا رہا، پھر اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

"کیا تم دونوں کا تعلق شیبانی قبیلے سے ہے؟"

اس پر عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

"اے بادشاہ! ہمارا تعلق شعبانی قبیلے سے نہیں ہے۔ میں اور ہلال بن علقمہ نے اپنے اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ عارضی طور پر شعبانی قبیلے میں قیام کر رکھا تھا۔ جب شعبانی قبیلے کا ٹکراؤ آپ کے لشکر کے ساتھ ہوا تو اس میں جہاں میرا باپ اور بھائی مارے گئے وہاں ہلال بن علقمہ بھی اپنے باپ اور بھائیوں سے محروم ہو گیا۔ اس کے بعد ہم دونوں کو گرفتار کر کے یہاں لے آیا گیا۔ بس یہی ہماری حقیقت ہے اور یہی ہماری زندگی کی داستان ہے۔"

عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب خسرو پرویز اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تمہارا نام عتبہ بن ہشام اور تمہارے ساتھی کا نام ہلال بن علقمہ ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم دونوں میں سے اچھا تیغ زن کون ہے؟ اگر تم دونوں کا مقابلہ کرایا جائے تو تیغ زنی میں کون کس کو زیر کر سکتا ہے؟"

خسرو پرویز کو فوراً مخاطب کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

"اے بادشاہ! ہم دونوں ایک دوسرے سے مقابلہ نہیں کریں گے۔ ساتھ ہی میری آپ سے التماس ہے کہ ہم دونوں کے مقابلے کا اہتمام نہ کیجئے گا۔ اگر آپ ہم دونوں کا مقابلہ کروا کے یہ چاہتے ہیں ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو زیر کرے تو میں پہلے ہی آپ سے کہے دیتا ہوں کہ تیغ زنی کے فن اور مہارت میں میرا ساتھی ہلال بن علقمہ مجھ سے بالا اور اعلیٰ ہے۔ گو ہمارے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں اس کے باوجود ہم دونوں ایک دوسرے کو سگے بھائیوں جیسا چاہتے ہیں۔ لہٰذا میری آپ سے التماس ہے کہ ہمارا آپس میں تیغ زنی کا مقابلہ نہ کرائیے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب اس کا ساتھی اور دوسرا عرب لڑکا ہلال بن علقمہ بول اُٹھا۔

"اے بادشاہ! عتبہ بن ہشام گو عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے لیکن میں جھوٹ نہیں کہوں گا، یہ تیغ زنی کے علاوہ تیر اندازی میں بھی مجھ سے بہتر اور اچھا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد ہلال بن علقمہ رکا، اس کے بعد وہ دوبارہ خسرو پرویز کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اے بادشاہ! میں غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا۔ اس سے پہلے جو عتبہ بن ہشام نے گفتگو کی وہ اس کی مجھ سے محبت کو ظاہر کرتی ہے لیکن میں نے سچ بات آپ سے کہہ دی

ہے۔ ساتھ ہی میں آپ سے یہ بھی گزارش کرتا ہوں کہ........''

یہاں تک کہتے کہتے ہلال بن علقمہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ خسرو پرویز، عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

''تمہارا ساتھی لگتا ہے سچی بات کہہ رہا ہے۔ عمر میں تم سے تھوڑا ہی بڑا ہوگا۔ لیکن وہ تیغ زنی اور تیر اندازی میں تمہاری مہارت اور تمہاری فوقیت کو تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو ہمارے ہاں بھی شاہی خاندان کا ایک لڑکا ہے۔ عمر میں تم سے چند برس ہی بڑا ہوگا۔ وہ اپنی عسکری تربیت مکمل کر چکا ہے۔ اس کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ وہ بھی عمدہ قسم کا تیغ زن اور لاجواب تیر انداز ہے۔ اگر ہم تمہارا اس سے تیغ زنی کا مقابلہ کرائیں تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ اس لڑکے کا نام شنوم ہے۔''

خسرو پرویز کے اس استفسار پر عتبہ بن ہشام کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر خسرو پرویز کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''اے بادشاہ! تیغ زنی کے مقابلے سے انکار کیسا؟ شنوم نام کے جس لڑکے کا آپ نے ذکر کیا ہے اگر وہ مجھ سے دو سال بڑا ہے تو کیا ہوا، میں تو نزی جیسے جوان شخص سے بھی تیغ زنی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

عتبہ بن ہشام کا یہ جواب سن کر خسرو پرویز خوش ہو گیا تھا پھر اس نے اپنے چوبدار کو شنوم کی طلبی کا حکم دیا۔

چوبدار جب شنوم نام کے اس لڑکے کو بلانے چلا گیا تب خسرو پرویز نے اپنے سالار شاہین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''ان دونوں کے لئے تلواروں اور ڈھالوں کا انتظام کرو۔ تلواریں اور ڈھالیں ایسی ہونی چاہئیں جو جوان اور سرکش اور بہادر لشکری میدانِ جنگ میں استعمال کرتے ہیں۔''

جواب میں شاہین نے اپنے کسی چھوٹے سالار کو تلواریں اور ڈھالیں لانے کے لئے کہا اور خود اپنی نشست پر ہو بیٹھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد چوبدار لوٹا اور اس کے ساتھ شنوم نام کا وہ نوجوان تھا جو عتبہ بن ہشام سے کافی بڑا تھا۔ اتنی دیر تک تلواریں اور ڈھالیں بھی آ گئیں اور وہ بھی نشست گاہ کے درمیان میں جو کھلی جگہ تھی، وہاں رکھ دی گئی تھیں۔ پھر شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے شنوم کو مخاطب کرتے ہوئے خسرو پرویز کہنے لگا۔

''یہ جو دائیں جانب نوجوان کھڑا ہے، اس کا نام عتبہ بن ہشام ہے۔ اس سے تمہارا تیغ زنی کا مقابلہ ہے۔ تم دونوں میں سے جو جیتے گا، منصب کے لحاظ سے اس کا شمار میری سلطنت کے بڑے سالاروں میں کیا جائے گا۔ کیا تم اس مقابلے کے لئے تیار ہو؟''

شنوم کی چھاتی تن گئی۔ پھر کہنے لگا۔

''جس لڑکے سے آپ میرا مقابلہ کرا رہے ہیں، یہ مجھ سے چھوٹا ہے۔ کیا اس سے کوئی بڑا نہیں؟ کوئی ایسا جو بچپنے کی حدود کو ترک کر کے جوانی کی حدود میں داخل ہو رہا ہو۔ تاکہ میں بھی جانوں کہ میرا تیغ زنی کا فن کہاں تک پہنچا ہے۔''

خسرو پرویز مسکرایا اور کہنے لگا۔

''تم یہی سمجھو کہ یہ لڑکا تم سے بڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تم سے کافی چھوٹا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہونا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی خسرو پرویز نے عتبہ بن ہشام کے ساتھی ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے ابنِ علقمہ! اس قصر میں جو بھی نشست خالی ہے، وہاں بیٹھ جاؤ تاکہ مقابلے کی ابتداء کی جائے۔''

اس پر ہلال بن علقمہ حرکت میں آیا اور قریب ہی ایک خالی نشست پر ہو بیٹھا تھا۔

خسرو پرویز نے عتبہ بن ہشام اور شنوم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''تم دونوں میں سے جو مقابلہ جیتے گا اسے نہ صرف یہ کہ انعام و اکرام سے مالا مال کیا جائے گا بلکہ اس کا شمار ہمارے بڑے سالاروں میں کیا جائے گا اور اسی منصب کے مطابق اسے مراعات بھی فراہم ہوں گی۔ اور میرے دربار میں بھی اس کا مقام اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔''

پھر خسرو پرویز نے شاہین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''شاہین! ان دونوں کے مقابلے کے منصف تم ہو گے۔ اپنی جگہ سے اُٹھو اور ان کے مقابلے کا اہتمام کرو۔''

اس پر شاہین اُٹھا۔ دونوں کے پاس آیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

''تم دونوں ہی مجھے عزیز ہو۔ اس لئے کہ دونوں ہی اچھے تیغ زن ہو اور اچھے تیغ

زنوں سے میں محبت کرتا ہوں۔ دونوں سامنے رکھی ہوئی تلواروں میں سے ایک ایک تلوار، ایک ایک ڈھال اٹھالو۔ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے میں تمہیں بتادوں کہ کسی کو زخمی کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ تیغ زنی میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنا ہے اور بغیر کسی کو زخمی کئے ہوئے زیر کرنا ہے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تم اس صورتِ حال کو کہاں تک اپناتے ہو۔ اب اپنے ہتھیار اُٹھاؤ تا کہ میں تمہارے مقابلے کی ابتداء کراؤں۔''

عتبہ بن ہشام اور شنوم دونوں نے ایک ایک تلوار اور ڈھال سنبھالی۔ پھر شاہین پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

''جونہی میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کروں تم دونوں مقابلے کی ابتداء کر دینا۔''

اس پر عتبہ بن ہشام اور شنوم نے اثبات میں گردنیں ہلائیں۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد شاہین نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ اس پر عتبہ بن ہشام اور شنوم دونوں اپنی ڈھالوں پر گرفت کرتے اور تلواریں لہراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ عتبہ بن ہشام کے قریب جا کر شنوم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دیکھ! تُو ان سرزمینوں میں اجنبی ہے۔ غریب الوطن ہے۔ جبکہ میں یہیں کا رہنے والا ہوں۔ ہم دونوں میں سے جو مقابلہ جیتے گا، خسرو پرویز نے اس کے لئے بڑے بڑے انعامات کا اعلان کیا ہے اور اسے اپنی مملکت کے بڑے سالاروں کی صف میں بھی کھڑا کرے گا۔ لہٰذا تیرے لئے بہتر ہے کہ میرے سامنے سرنگوں ہو جا۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو یاد رکھنا میں تجھ پر خوفناک حملے کرتے ہوئے تیری حالت شکن شکن ہوتے سنگ وخشت کے جمود، آتش سیال کا شکار کرتے ہوئے آسیب اور چھلاووں اور زوال پذیری کا شکار وہم و وحشت کی سی بنا کر رکھ دوں گا۔ سن ابنِ ہشام! یہ عرب کا صحرا نہیں، خسرو پرویز کا قصر ہے۔ یہاں تجھے میرے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا۔ ورنہ جب میں اپنی تلوار سونت کر تجھ پر وارد ہوں گا تو رقص کرتی خونی گونجوں اور درد کے اُلجھے سایوں کی طرح تجھ پر چھاتے ہوئے تیری حالت افق کے دل میں منجمد لمحوں سے بھی بدتر بنا کر رکھ دوں گا۔ سو تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی اپنی ہار تسلیم کر لے تا کہ میں خسرو پرویز کے اچھے سالاروں میں شامل ہو جاؤں۔''

شنوم جب خاموش ہوا تب کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے

عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

''سن بدقسمت انسان! مقابلہ کئے بغیر ہی تُو اعلیٰ منصب پر جھپٹنا چاہتا ہے۔ یہ تیرا وہم ہے کہ تُو میری حالت اُفق کے دل میں منجمد لمحوں سے بھی بدتر بنا کر رکھ دے گا۔ ظالم کے بچے! جب میں بھی کڑے موسموں میں سرگرداں موت کے المناک سایوں، قانونِ فطرت کے ہولناک عذاب اور ریگ آلود تیز ہواؤں کی طرح حملہ آور ہوں گا تو اپنے سارے فن، اپنی ساری ہنرمندی کو بھول جائے گا۔ تُو کیا سمجھتا ہے کہ میں تیری دھونس دھمکی میں آ کر تیرے سامنے سرنگوں ہو جاؤں گا؟ تجھے مقابلہ کرنا ہو گا۔ اور میں تجھے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی بتائے دیتا ہوں کہ تیرے خیال وفکر کی دنیا میں، زندان کی ظلمت، قید تنہائی کے لمحوں، عذابوں کی موجوں اور اندھیرے کی طغیانیوں کا ہجوم بھر کر رکھ دوں گا۔ دیکھ، طویل گفتگو نہیں کرتے۔ آ، مقابلے کی ابتداء کرتے ہیں۔ پھر قدرت کے علاوہ یہ خسرو پرویز کا سالار شاہین فیصلہ کرے گا کہ شکست کس کا مقدر بنی اور کامیاب کون رہا۔''

عتبہ بن ہشام نے یہ الفاظ ختم کئے ہی تھے کہ شنوم فوراً حرکت میں آیا اور ویران اندھیری راتوں میں قہر مانی کی بے کراں آتشیں بے حسی کا طلسم پھیلاتے بگولوں کے مہیب جھکڑوں اور شب کی سلوٹوں میں آگ کے دریا، خون کی ندیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دوسری طرف عتبہ بن ہشام نے بھی جوابی کارروائی کی اور وہ بھی زندگی کے رنگوں اور خوابوں میں زہر گھول دینے والے چڑھتے عذابوں کی خونی موجوں، خواہشوں کے منہ زور سمندر میں تشنگی پھیلاتے انجانے سرکش جذبوں اور بے کراں صحرا کی ویرانیوں میں رگ رگ میں چبھو جانے والے خوف پھیلاتے پھورے لاوے کی اُبلتی ندیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں جم کر لڑتے رہے۔ شروع شروع میں دونوں نے اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھنے کی کوشش کی، اس کے بعد دونوں اپنے اپنے خول سے نکلنے لگے۔ آہستہ آہستہ جارحیت اختیار کرتے چلے گئے تھے۔ شنوم نے جس کا تعلق خسرو پرویز کے شاہی خاندان سے تھا، اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح عتبہ بن ہشام کو اپنے سامنے زیر کرے۔ اس نے ہر حربہ، ہر جتن آزمایا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ وہ عتبہ

بن ہشام سے عمر میں بڑا تھا، اس کی اُسے کچھ فوقیت بھی حاصل تھی لیکن عتبہ بن ہشام کے تیز حملوں کے سامنے لمحہ بہ لمحہ مایوسی اور افسردگیاں اس کے چہرے اور ناکامی کی چمک اس کی آنکھوں میں عیاں ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

مقابلے نے جب طول پکڑا تب اچانک عتبہ بن ہشام نے زوردار انداز میں شنوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''سن شنوم! اب تک تیرا میرا مقابلہ زیادہ تر دفاع تک محدود تھا۔ میں دفاع کی چادر اُتارنے لگا ہوں۔ اب تم میں ہمت ہے تو میرے حملوں کو روک کر دکھانا۔''

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام نے اپنے حملوں میں ایسی تیزی پیدا کی کہ طوفانوں، عذابوں اور آندھیوں کی طرح اس نے ایک تواتر کے ساتھ شنوم پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا جس کے جواب میں شنوم اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ اُس کی یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ اس نے کوئی فیصلہ کیا۔ اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کی اور شنوم کو اُلٹے پاؤں اپنے آگے آگے ہانکتا ہوا وہ شہ نشین کے قریب لے گیا۔ پھر اچانک اس نے ایک خطرناک وار شنوم پر کیا شنوم نے اسے اپنی ڈھال پر لیا۔ اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام نے اپنی ڈھال شنوم کے سر پر دے مارنا چاہی۔ شنوم نے فوراً اپنی تلوار آگے کی۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جس میں شنوم دھوکا کھا گیا۔ اس لئے کہ برق کے کوندے کی طرح عتبہ بن ہشام نے اپنی تلوار علیحدہ کی اور اپنی تلوار کا دستہ اس نے شنوم کے سر اور گردن کے درمیانی حصے پر دے مارا تھا۔ یہ ضرب ایسی شدید تھی کہ شنوم چکرایا اور شہ نشین کے قریب گر گیا تھا۔

عتبہ بن ہشام فوراً آگے بڑھا۔ اپنی تلوار کی نوک اس نے شنوم کی گردن پر رکھ دی۔ پھر شاہین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا میں یہ مقابلہ جیت چکا ہوں؟''

اس موقع پر چونکہ خسرو پرویز نزدیک تھا، وہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''یقیناً تم یہ مقابلہ جیت چکے ہو۔''

خسرو پرویز کے ان الفاظ کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شاہین آگے بڑھا اور اس نے شنوم سے تلوار اور ڈھال لے لی۔ اسی دوران عتبہ بن

ہشام خود آگے بڑھا۔ تلوار اور ڈھال اس نے شاہین کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد خسرو پرویز بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شاہین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''شاہین! آج سے اس عتبہ بن ہشام کا شمار ہمارے چوٹی کے سالاروں میں ہو گا۔ میرے دربار میں اس کی نشست بھی بڑے سالاروں میں ہو گی اور جو بڑے سالاروں کو میری طرف سے مراعات حاصل ہیں، وہ سب اسے بھی مہیا ہوں گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو پرویز کچھ دیر کے لئے رکا، اس کے بعد اس نے دوبارہ شاہین کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''شاہین! میں آج کی شام قصرِ شیریں میں ہوں گا اور تم عتبہ بن ہشام کو اپنے ساتھ وہیں لے آنا۔ میں اسے انعامات اور چند تحائف سے نوازوں گا جن کا شام تک اہتمام کر دیا جائے گا۔''

خسرو پرویز جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! آپ کی مہربانی، آپ کی ہمدردی کا میں ممنون اور شکرگزار ہوں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ جب محترم شاہین مجھے آپ کے پاس لے کر جائیں تو میں اپنے ساتھ اپنے ساتھی ہلال بن علقمہ کو بھی لے آؤں؟''

خسرو پرویز مسکرایا اور کہنے لگا۔

''تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔''

اس موقع پر عتبہ بن ہشام، خسرو پرویز کو مخاطب کر کے مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خسرو پرویز کے پہلو میں بیٹھی اس کی خوب صورت اور حُسن میں لاجواب بیوی شیریں اپنا منہ خسرو پرویز کے کان کے قریب لے گئی۔ پھر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ عتبہ بن ہشام نام کے اس لڑکے کی رہائش میرے قصر میں رکھی جائے؟ اگر ایسا ہو جائے تو یہ لڑکا میرے بیٹے مردان شاہ کے علاوہ میری بہن رجینا کے ساتھ ان کی تیغ زنی اور تیر اندازی میں بہترین تربیت دے سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس میں میری خوشی اور اطمینان ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شیریں نے جب اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا تب خسرو پرویز کے دوسری جانب جو اس کی دوسری بیوی مریم بیٹھی ہوئی تھی، اس نے بھی شاید شیریں کی

گفتگو سن لی تھی۔ لہٰذا شیریں نے جب اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا تب وہ اپنا منہ خسرو پرویز کے کان کے قریب لے گئی پھر انتہائی خوش کن اور مٹھاس بھری آواز میں کہنے لگی۔

''میں عتبہ بن ہشام نام کے اس لڑکے کا انتخاب قصر کے اس حصے کے لئے کر چکی ہوں۔ میں چاہتی ہوں یہ لڑکا ہمارے ساتھ رہے۔ میرے بیٹوں کے علاوہ میری دونوں بیٹیوں بوراں دخت اور آذرمی دخت کی تیغ زنی اور تیر اندازی میں تربیت کا کام سرانجام دے۔ یہ ان کا ہم عمر ہے لہٰذا میں خیال کرتی ہوں کہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے وہ تیغ زنی اور تیراندازی میں خوب مہارت حاصل کرلیں گے۔''

جب تک مریم بولتی رہی، خسرو پرویز مسکراتا رہا جبکہ خسرو پرویز کی مریم سے دونوں بیٹیاں بوراں دخت اور آذرمی دخت بھی بڑے غور سے یہ گفتگو سن رہی تھیں اور مسکرا رہی تھیں۔

جہاں تک آذرمی دخت کا تعلق ہے تو اس سے متعلق ایرانی مؤرخین یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ خوبصورتی، حُسن اور جمال میں اس لڑکی جیسی خوب صورت لڑکی ایران میں تھی ہی نہیں۔ دوسری طرف جہاں تک شیریں کی بہن رجینا کا تعلق تھا تو وہ معاملہ بھی بڑا اہم تھا۔ شیریں بذاتِ خود حُسن میں بے مثال اور لاجواب تھی جبکہ اس کی چھوٹی بہن رجینا حُسن، خوبصورتی اور جمال میں شیریں سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔

مریم جب اپنی گفتگو مکمل کر چکی تو خسرو پرویز نے اپنا رخ پھیرا۔ ایک نگاہ اس نے اپنے بیٹے مردان شاہ اور شیریں کی چھوٹی بہن رجینا پر ڈالی جو قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ مردان شاہ، رجینا سے عمر میں بڑا تھا۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے خسرو پرویز کہنے لگا۔

''کیا تم دونوں خالہ بھانجا بھی اس بات پر متفق ہو کہ عتبہ بن ہشام نام کا یہ لڑکا تمہارے قصر میں رہے اور تم دونوں کی تیغ زنی اور تیر اندازی میں تربیت کا کام سرانجام دے؟''

مردان شاہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رجینا اس سے پہلے چہکتے ہوئے انداز میں بول اُٹھی۔

''اگر یہ لڑکا جس کا نام عتبہ بن ہشام ہے، ہمارے ساتھ رہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہماری خوشی اور ہمارے لئے ایک سعادت ہوگی۔''

رجینا کا جواب سن کر خسرو پرویز نے مردان شاہ کی طرف غور سے دیکھا جس پر مردان شاہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''جو کچھ میری خالہ رجینا نے کہا ہے میرے بھی وہی خیالات ہیں۔''

ان دونوں سے مطمئن ہونے کے بعد خسرو پرویز نے اپنا رخ پھیرا۔ پہلے اپنی دونوں بیٹیوں بوراں دخت اور آذرمی دخت کی طرف دیکھا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جو گفتگو تمہاری ماں نے کی ہے وہ تم سب بہن بھائیوں نے بھی سنی۔ کیا تم اپنی ماں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتی ہو؟''

بوراں دخت بولنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی چھوٹی چاق و چوبند اور خوبصورت آذرمی دخت بول اُٹھی۔

''بابا! جو کچھ ہماری ماں نے کہا ہے یوں جانیں یہ ہمارے دل کی آواز ہے۔ اور اُمید ہے کہ آپ ہماری خواہش کو ٹھکرائیں گے نہیں۔''

اس کے بعد خسرو پرویز نے اپنی بیوی مریم کے بطن سے بچوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے جب آذرمی دخت کے خیالات سے اتفاق کیا تب خسرو پرویز چند لمحے تک بڑے غور سے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتا رہا، پھر ایک ساتھ وہ مریم اور شیریں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم دونوں نے اپنی اپنی خواہش اور اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا ہے۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔ شام تک تم دونوں کی خواہش کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ فی الحال میں رومنوں پر ضرب لگانے کے لئے اپنے سالاروں اور اپنے مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ جو خبریں اب تک ہمارے پاس آئی ہیں ان کے مطابق رومنوں کا شہنشاہ تبدیل ہو گیا ہے۔ اب انہوں نے فوکاس کی جگہ ہرکولیس کو قیصر بنایا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے ہرکولیس ہم سے اپنی ماضی کی شکستوں کا انتقام لینے کے لئے بڑے زور وشور سے اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو پرویز رکا، اس کے بعد اپنے سارے سالاروں، امراء اور مذہبی پیشواؤں کو جنہیں مغ کہا جاتا تھا، مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب تم سب مل کر صلح مشورہ کرو، اس کے بعد مجھے بتاؤ کہ رومنوں کی طاقت اور

قوت کو کمزور کرنے کے لئے مجھے کس سمت سے، کس طرف سے اور کہاں سے ان پر ضرب لگانے کی ابتداء کرنی چاہئے؟''

خسرو پرویز کے اس سوال کے جواب میں سارے سالار اور اُمراء آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ پھر آتش پرستی کا رکھوالا اور بڑا مذہبی پیشوا مغ خسرو پرویز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! ہم نے آپس میں مل کر جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق اگر ہم رومنوں کی کمر توڑنے کے لئے اور انہیں اپنے سامنے جھکانے کے لئے ان کے چار شہروں پر ضرب لگانے کی ابتداء کر دیں تو میرے خیال میں آنے والے دور میں رومن ہمارے سامنے سر اُٹھانے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

مغ جب خاموش ہوا تب اس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے خسرو پرویز کہنے لگا۔

''پہلے ان شہروں کے نام بتاؤ کہ وہ شہر کون سے ہیں؟ ساتھ ہی میں تم سے یہ بھی جاننا پسند کروں گا کہ ان شہروں کی کیا اہمیت ہے؟ تاریخی حوالے سے انہیں کیا فوقیت ہے کہ اگر ہم ان پر ضرب لگائیں، انہیں زیر کر لیں تو رومن ہمارے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

اس پر مغ نے گلا صاف کیا۔ اس کے بعد دوبارہ خسرو پرویز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! وہ چار شہر جن کا ہم نے مل کر انتخاب کیا ہے وہ دمشق، الرہا، انطاکیہ اور بیت المقدس ہیں۔ اگر حملہ آور ہو کر ان شہروں کو ہم فتح کریں اور وہاں جو رومنوں کی طاقت اور قوت ہے اس کا خاتمہ کر دیں تو رومن آپ سے آپ ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

خسرو پرویز کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

''پہلے باری باری ان شہروں کی تفصیل مجھ سے کہو۔ ان کی اہمیت بھی بتاؤ تاکہ میں یہ فیصلہ کروں کہ پہلے مجھے کس شہر کو اپنا ہدف بنانا ہے۔''

خسرو پرویز کے اس سوال پر مغ نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! دمشق ارضِ شام کا سب سے بڑا شہر اور دارالحکومت ہے۔ ماہرین

ارض کا تخمینہ ہے کہ سطح سمندر سے یہ سات سو میٹر بلند صحرا کی سرحد پر اور لبنان کے مشرقی کوہستانی سلسلے جبلِ قاسیون کے دامن میں واقع ہے۔ دمشق کے جنوب مشرق میں اب سرسبز میدان ہیں جہاں کبھی مزید شہر آباد تھے۔ یہ شہر پہلے بنی اسرائیل کے پیغمبر داؤدؑ کے ہاتھوں فتح ہوا لیکن ان کے بیٹے سلیمانؑ کے عہود میں دمشق کے بادشاہ نے شمال کے شاہانِ آشور اور جنوب کے مملوکِ اسرائیل کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ 732 قبل مسیح تک آشوری اس پر قابض رہے، اس کے بعد ساتویں صدی میں بابلیوں، چھٹی صدی عیسوی میں ایران کے ہخا منشیوں، چوتھی صدی میں یونانیوں اور پہلی صدی قبل مسیح میں بزنطینیوں کا دمشق پر یکے بعد دیگرے قبضہ رہا۔ چونسٹھ قبل مسیح میں دمشق رومن سلطنت کا ایک صوبہ بنا۔ بعد میں رومنوں کی جگہ بزنطینیوں نے سنبھال لی۔ چنانچہ 395ء میں یہ سلطنت شرقیہ کا ایک حصہ بن گیا۔ اب تک یہ شہر رومنوں کے قبضے میں ہے۔ یہ آس پاس کے وسیع علاقوں کا مرکز ہے اور یہاں رومنوں کا ایک خاصا بڑا لشکر ہے۔ یہ شہر اگر فتح ہو جائے تو ان علاقوں میں رومنوں کی کمر ٹوٹ سکتی ہے۔

اب یروشلم کی طرف آتے ہیں۔ اس شہر کو نصرانی اور یہودی یکساں متبرک خیال کرتے ہیں۔ یہودیوں کے پیغمبر داؤدؑ نے اس شہر پر 37 برس حکومت کی اور اس دور میں اس شہر میں بنی اسرائیل کی بھی کایا پلٹ گئی۔ بنی اسرائیل جو قبائلی عصبیت کا شکار تھے، مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک قوم بن گئے۔ داؤدؑ کی خواہش تھی کہ اس شہر میں وہ ایک معبد بنائیں لیکن اسرائیلی روایات کے مطابق انہیں خواب میں بتایا گیا کہ وہ معبد ان کے بیٹے سلیمان کے عہد میں تعمیر ہوگا۔ چنانچہ داؤدؑ کے بیٹے سلیمانؑ نے تخت نشین ہونے کے بعد اس معبد کی تعمیر شروع کروائی۔ اس عمارت کی تعمیر سات سال تک جاری رہی اور لگ بھگ دو لاکھ افراد اس کی تعمیر میں مصروف رہے۔

سلیمانؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل فواحش و حرام کاری اور عیاشی میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے بت پرستی شروع کر دی۔ اس شہر میں یہودیوں کی پہلی قومی تباہی بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں 598 قبل میں ہوئی۔ اس تباہی میں نہ صرف ان کے نبی اور بادشاہ سلیمانؑ کا بنایا ہوا ہیکل مٹا دیا گیا بلکہ یہودیوں کی اور بھی بہت سی اشیاء کو تہس نہس کر

دیا گیا۔

93 قبل مسیح میں رومن سالار پمپائی نے شہر کا محاصرہ کر کے یہودیوں کے معبد کو دوبارہ تباہ کر دیا لیکن بعد میں ہیرود اعظم کے دور میں رومیوں کے باج گزار کی حیثیت سے جب وہ بیت المقدس کا بادشاہ بنا تو اُس نے اس معبد کو دوبارہ استوار کیا۔ 70ء میں رومن سالار طیطس اس شہر میں داخل ہوا اور یہودیوں پر حملہ آور ہوا اور یہودیوں کا خوب قتل عام کیا اور یہودیوں کا تعاقب کرتے ہوئے طیطس معبد کے اندرونی حصوں تک گھستا چلا گیا۔ اسی دوران ایک یہودی نے جلتی ہوئی مشعل معبد کے اندر پھینک دی جس سے معبد میں آگ بھڑک اُٹھی اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ اس وران ان کے معبد کی تباہی خود ان کے ہاتھوں ہوئی۔

135ء میں یہودیوں نے معبد دوبارہ تعمیر کیا تو رومنوں نے پھر اسے گرا کر اس کی جگہ ہل چلا دیئے۔ 136ء میں رومن شہنشاہ ہیڈرین نے اسے دوبارہ آباد کیا اور شہر کا نام پہلے ایلیا، اس کے بعد ٹولیا قرار دیا گیا۔ اے بادشاہ! تب سے یہ شہر رومنوں کے قبضے میں ہے۔ اس شہر کی اہمیت اس بنا پر بھی زیادہ ہے کہ نصرانیوں کے پیغمبر نے اسی سرزمین میں جنم لیا اور یہودیوں کے ہاتھوں ان کے نبی یسوع کو اس سرزمین میں صلیب تک لے جایا گیا۔ اس شہر میں رومنوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ اس شہر کی حفاظت وہ مذہبی فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں اور یہاں انہوں نے ایک بہت بڑا لشکر رکھا ہوا ہے۔ اگر اس ہم شہر کو فتح کر لیتے ہیں تو یہ فتح رومنوں پر ایک ایسی ضرب ہو گی جو ان کی کمر کو دوہرا کر کے رکھ دے گی۔

تیسرا شہر انطاکیہ ہے۔ یہ بحیرہ روم کے ساحل سے لگ بھگ چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ 300 قبل مسیح میں رومن حکمران سلیوکس اول نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ 64 قبل مسیح میں رومن جرنیل پمپی نے اس شہر پر قابض ہونے کے بعد اسے ایشیا میں رومنوں کا سب سے اہم شہر اور سلطنت روما کی ایشیائی حدود کا صدر مقام قرار دیا تھا۔

اس شہر کے انحطاط کی تاریخ میں ہمارے ایرانی حکمرانوں کا بڑا دخل رہا ہے۔ ایرانی حکمرانوں کے حملوں نے دجلہ اور فرات کی وادی میں انطاکیہ کی سیاسی اور اقتصادی حیثیت کو کافی حد تک گھٹا دیا تھا۔ سب سے پہلے ہمارے ماضی کے عظیم حکمران شاہ پور

اوّل نے اسے 258ء میں اور پھر 260ء میں فتح کیا اور یہاں بہت سے بسنے والوں کو نکال کر دوسری جگہ آباد کیا۔ 266ء سے 274ء تک اس پر تدمر شہر کی ملکہ زنوبیہ قابض رہی۔ لیکن جلد ہی یہ شہر اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مسلسل داخلی جھگڑوں اور تباہ کن زلزلوں کے باوجود جو اس علاقے میں اکثر و بیشتر آتے رہتے تھے، اس شہر کی زیب و زینت قائم و دائم رہی۔ اس کے بعد دادا خسرو اوّل یعنی نوشیروان نے اس شہر کا محاصرہ کیا اور اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اب رومنوں نے پھر اس شہر کو آباد کر لیا ہے۔ اس شہر کو نہ صرف انہوں نے اپنا مذہبی مرکز قرار دے رکھا ہے بلکہ اپنی عسکری قوت کا مرکز بھی انہوں نے انطاکیہ ہی کو بنا رکھا ہے۔ لہٰذا انطاکیہ پر ضرب لگانا انتہائی ضروری ہے۔ اور انطاکیہ کو آپ فتح کرتے ہیں تو یوں جانیں ایشیا کے اندر رومنوں کی بساط لپیٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مغ جب خاموش ہوا اور اس نے چوتھے شہر الرہا کی تفصیل پیش کرنا چاہی تب اس کی بات کاٹتے ہوئے خسرو پرویز اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”الرہا سے متعلق تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس شہر سے متعلق میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو پرویز رکا، اپنے سامنے اور دائیں بائیں بیٹھے لوگوں کا بغور جائزہ لیا، پھر اپنے بڑے سرداروں میں سے شاہین اور شہر براز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تم لوگوں کو صرف ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں۔ اس دوران اپنی تیاری مکمل کر لو۔ میں لشکر لے کر نکلوں گا اور سب سے پہلے دمشق شہر کو اپنا ہدف بناؤں گا۔ اس کے بعد چار بڑے شہروں میں سے کسی دوسرے کا انتخاب کروں گا۔“

سارے سالاروں نے خسرو پرویز کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ تب خسرو پرویز نے وہ اجلاس ختم کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ قصرِ ابادان سے نکل گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

اسی روز شام کے قریب خسرو پرویز، قصرِ شیریں میں داخل ہوا۔ یہ قصر اُس کی ہر دلعزیز بیوی شیریں کی رہائش گاہ تھا جو قلعہ نما تھا۔ خسرو پرویز کے ساتھ قصرِ شیریں

میں آنے والوں میں اس کی پہلی بیوی مریم، اس کی دونوں بیٹیاں بوراں دخت اور آذرمی دخت، بہت سے بیٹے، سپہ سالارِ اعلیٰ شاہین، دوسرا سالار شہر براز ایک گروہ کی صورت میں قصرِ شیریں میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے کچھ مسلح جوان تھے جو نہایت عمدہ قسم کے دو گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہوئے تھے اور ان گھوڑوں پر مرصع ساز بھی پڑے ہوئے تھے۔

خسرو پرویز جب قصرِ شیریں میں داخل ہوا تو قصر سے نکل کر شیریں، اس کی بہن رجینا اور بیٹے مردان شاہ نے خسرو پرویز کا شاندار انداز میں استقبال کیا۔ سب قصر کے بڑے کمرے میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز خسرو پرویز نے کیا اور شیریں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم اور مریم دونوں نے ان خیالات کا اظہار کیا تھا کہ عتبہ بن ہشام جو اپنے آپ کو ایک عمدہ تیغ زن ثابت کر چکا ہے، وہ تمہارے بچوں کے ساتھ رہے اور انہیں تیغ زنی اور تیراندازی کی تربیت دے۔ اس لئے کہ وہ ان کا ہم عمر ہے۔ لہٰذا اس سے یہ جلدی سیکھیں گے۔ اس موقع پر اگر میں عتبہ بن ہشام کو قصرِ شیریں میں رہنے کی اجازت دیتا تو شیریں، رجینا اور مردان شاہ ضرور خوش ہو جاتے۔ لیکن مریم، بوراں دخت اور آذرمی دخت ضرور دُکھ اور افسوس کا اظہار کرتے۔ اور اگر میں عتبہ بن ہشام کو مریم کی رہائش گاہ میں متعین کرتا تب بوراں دخت، آذرمی دخت اور مریم تو خوش ہو جاتیں، مریم کے بیٹے بھی خوشی کا اظہار کرتے لیکن یہ بات شیریں، رجینا اور مردان شاہ کے لئے افسوس ناک ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بوراں دخت اور آذرمی دخت میری بیٹیاں ہیں اور مجھے بے حد عزیز ہیں۔ شیریں کی بہن رجینا ان کی ہم عمر ہے۔ مجھے وہ بھی ویسی ہی عزیز ہے۔ لہٰذا میں نے ایک درمیانی فیصلہ کیا ہے۔ مجھے امید ہے سب اس سے اتفاق کریں گے۔

ایک بات میں پہلے ہی بتاتا چلوں کہ جو کچھ میں کہنے لگا ہوں اس موضوع پر پہلے میں مریم، بوراں دخت، آذرمی دخت اور اپنے بیٹوں سے بات کر چکا ہوں۔ وہ اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر چکے ہیں۔ اب شیریں! رجینا! اور مردان شاہ! مجھے غور سے سنو۔ جیسا کہ تمہاری موجودگی میں اعلان کر چکا ہوں کہ ایک ہفتے تک لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ ہمارا پہلا ہدف رومنوں کا شہر دمشق ہو گا۔ میں نے عتبہ بن ہشام اور

اس کے ساتھی ہلال بن علقمہ دونوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا ہے۔ جہاں وہ بہترین تیغ زن ہیں وہاں عمدہ تیرانداز بھی ہیں اور وہ میرے لشکر میں رہتے ہوئے بڑے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔ دوسرا فیصلہ میں نے یہ کیا ہے کہ مریم اور شیریں دونوں لشکر میں شامل ہوں گی۔ رجینا، مردان شاہ، بوراں دخت اور آذرمی دخت اور میرے دوسرے بچے بھی لشکر میں شامل رہیں گے۔ ان کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے بھی ایک طرح کا حوصلہ رہے گا۔ لہٰذا میں لشکر میں رہتے ہوئے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں ہی رجینا، بوراں دخت اور آذرمی دخت کے علاوہ میرے دوسرے بیٹوں کی تیغ زنی اور تیراندازی میں تربیت کا کام بھی سرانجام دیتا رہے گا۔ اس لئے کہ مجھے اجلاس ختم کرنے کے بعد یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں ہی جہاں تیغ زنی میں بے مثل ہیں وہاں تیراندازی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو پرویز رکا، پھر شیریں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے خیال میں تم دونوں بہنوں کو میرے اس فیصلے سے اختلاف نہیں ہو گا۔ میرا بیٹا مردان شاہ بھی اس سے اتفاق کرے گا۔“

جب شیریں، مردان شاہ اور رجینا تینوں نے مسکراتے ہوئے اس سے اتفاق کیا تب خسرو پرویز خوش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے موضوع بدلا، شیریں اور رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں نے ایک شخص کو بھیج کر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو بلایا ہے۔ میرے پیچھے پیچھے جو لشکری دو گھوڑے لے کر آئے ہیں ان میں سے ایک گھوڑا عتبہ بن ہشام کے لئے، دوسرا ہلال بن علقمہ کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ شاہین کے پاس کچھ ایسے تحائف بھی ہیں جو میں ان دونوں کو دینا پسند کروں گا۔ اس لئے کہ ایسے تیغ زن آنے والے دور میں میرے لئے بہترین مددگار اور معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے خسرو پرویز کو رک جانا پڑا اس لئے کہ ایک لشکری کے ساتھ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ وہاں آئے تھے۔ ان کی آمد پر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔

پھر خسرو پرویز سب کے ساتھ قصر شیریں سے باہر نکلا۔ پہلے عتبہ بن ہشام اور

ہلال بن علقمہ کے حوالے وہ گھوڑے کیے گئے جو خسرو پرویز کے لشکری اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ ساتھ ہی شاہین نے خسرو پرویز کے کہنے پر وہ تحائف بھی دونوں کو دیئے جو خسرو پرویز اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس کے بعد شام کا کھانا سب نے قصرِ شیریں میں کھایا۔

پھر ایک ہفتے کے بعد خسرو پرویز اپنے لشکر کو لے کر دمشق پر حملہ آور ہونے کے لئے مدائن شہر سے نکلا تھا۔

❁ ❁ ❁

❁

خسرو پرویز کے دمشق پر حملہ آور ہونے کی خبریں رومنوں تک بھی جا پہنچی تھیں لہٰذا رومنوں کا شہنشاہ ہرکولیس ایک جرار لشکر لے کر قسطنطنیہ سے نکلا۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی بھی تھا جو جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا تھا اور رومنوں کے چند چوٹی کے سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کا نام تھیوڈور تھا۔

ہرکولیس اپنے جرار لشکر کے ساتھ خسرو پرویز کے دمشق پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا اور جبلِ قاسیون کے نواح میں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

ادھر خسرو پرویز کو بھی اس کے مخبر رومنوں کی لمحہ بہ لمحہ کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ ان کی ہر نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا خسرو پرویز جبلِ قاسیون کے نواحی علاقوں کی طرف گیا اور وہاں پہنچ کر ہرکولیس کے لشکر کے سامنے اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

ہرکولیس شاید ایرانی لشکر کے سفر اور سفر کے بعد تھکاوٹ سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لہٰذا جونہی ایرانی لشکر نے وہاں پڑاؤ کیا، ہرکولیس نے اپنے بھائی تھیوڈور اور دوسرے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد اپنے لشکر کے اندر جنگ کے طبل پیٹنے کا حکم دے دیا تھا۔

یہ حکم ملتے ہی لشکر کے اندر جو بڑے بڑے طبل اور بڑی بڑی دفیں تھیں ان پر چوٹ پڑی اور وہ طبل اور دفیں بڑی وحشت ناک آوازیں نکالنے لگے تھے۔

خسرو پرویز سمجھ گیا کہ رومن جنگ کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر کی ترتیب درست کی۔ خسرو پرویز لشکر کے وسطی حصے میں رہا۔ اسی حصے میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ بھی کام کر رہے تھے۔ لشکر کے دائیں حصے کی کمانداری ایرانی سپہ

سالارِ اعلیٰ شاہین کے ہاتھ میں اور بائیں حصے کی کمانداری دوسرے نمبر کے عظیم ایرانی سالار شہر براز کے زیرِ کمان تھی۔

ایرانیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہرکولیس نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصے میں وہ خود رہا، دائیں جانب اپنے بھائی تھیوڈور کو مقرر کیا اور بائیں جانب ایک اور رومن سالار کو ذمہ داریاں سنبھالنے پر مقرر کیا۔ اس کے بعد جنگ کی ابتداء خسرو پرویز کی طرف سے ہوئی تھی۔ خسرو پرویز نے اپنے لشکر کو ورق ورق پر لکھے حروف کو معدوم کرتی صحرا صحرا پھیلتی بکھرتی آگ اور طیش کے انگاروں میں شعلوں کی بے روک یلغار کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ رومنوں پر پُر خار راستوں پر دُکھ کے چڑھتے آسیبوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف رومنوں نے بھی اپنے شہنشاہ ہرکولیس اور سالاروں کی سرکردگی میں اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی سینوں کے ایمان تک میں دل آشوبی و کرب خیزی اور جھکڑوں، تاریکی اور وحشت بھرے میدانوں میں چیختی چلاّتی آندھیوں اور رقص کرتے قضا کے بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے دمشق کے نواح میں ٹکرانے سے امن کی بستیاں، حرمتوں کے نشانات مٹنے لگے تھے۔ تکلیف دہ وحشی صداؤں کے اندر سانسوں کی سلوٹ سلوٹ پر موت دستک دینے لگی تھی۔ سکوت سے لبریز طلسم میں چنگھاڑتے طوفانی جھکڑ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ میدانِ جنگ میں چاروں طرف ذلت کی آوازیں، بدبختی کے غار گونج اُٹھے تھے۔ کھنکتی ڈھالوں، چمکتی، اُٹھتی، گرتی تلواروں اور نوک دار نیزوں کی انیوں نے میدانِ جنگ کے اندر ایک خونی المیہ برپا کر کے رکھ دیا تھا۔

رومنوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ آہستہ آہستہ ایرانیوں پر اپنا زور بڑھاتے ہوئے اپنی فوقیت اور اپنی برتری کی مہریں ثبت کریں لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ایرانی اب بڑے وحشیانہ انداز میں نعرے بلند کرتے ہوئے رومنوں پر چھا جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

آخر کار ایرانیوں کے شدید حملوں کے باعث ہرکولیس کے لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا اور رومنوں کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے کھولتے اندھیروں میں زندان کے سنگین ماحول، جبر کی داستانوں، قتل کی خونی تحریروں، موت کے ہولناک سایوں

بھرے قصوں، تہذیب کے کالے سرطان اور آفتِ جان بنتی بے چینیوں سے بھی زیادہ قابلِ رحم ہو گئی تھی۔ آخر کار رومنوں کے قیصر ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈور نے جب یہ اندازہ لگایا کہ میدانِ جنگ میں زیادہ تر رومنوں ہی کی لاشیں بکھری پڑی ہیں اور یہ کہ رومن بڑی تیزی سے ایرانیوں کے ہاتھوں کٹ رہے ہیں تب انہیں یقین ہو گیا کہ اگر تھوڑی دیر مزید جنگ جاری رہی تو شکست ان کا مقدر بن جائے گی۔ لہٰذا ہرکولیس اور تھیوڈور شکست قبول کرتے ہوئے اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

خسرو پرویز نے بھاگتے رومنوں کا تعاقب نہیں کیا۔ رومنوں کے خلاف یہ اس کی پہلی کھلم کھلا یلغار تھی۔ لہٰذا وہ محتاط تھا جس کی بناء پر اس نے تعاقب نہیں کیا۔ اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ رومن کہیں بھی اگر خم ٹھونک کر اس کے سامنے آ گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے مقابلے میں ایرانیوں کی فتح شکست میں بدل جائے۔ اس بناء پر اس نے بھاگتے رومنوں کا تعاقب نہیں کیا اور اپنے پورے لشکر کے ساتھ وہ زخمیوں کی دیکھ بھال کے علاوہ رومنوں کے پڑاؤ کی ہر شے پر قبضہ کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

دمشق کے نواحی کوہستانی سلسلے جبلِ قاسیون سے چند میل دور جا کر ہرکولیس اور تھیوڈور دونوں بھائیوں نے اپنے لشکر کو روک دیا تھا۔ کیونکہ ایرانیوں نے تعاقب نہیں کیا تھا۔ لہٰذا بے فکر ہو کر انہوں نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ پھر ہرکولیس، تھیوڈور اور دیگر رومن چھوٹے بڑے سالار ایک جگہ جمع ہو گئے تو ہرکولیس انہیں مخاطب کرتے ہوئے انتہائی دُکھ اور درد بھری آواز میں کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! جس وقت میں قسطنطنیہ سے خم ٹھونک کر نکلا تھا اور ارادہ کیا تھا کہ میں خسرو پرویز کے خلاف حرکت میں آؤں گا اور خسرو پرویز کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا، لیکن مجھے مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ ایرانیوں کے مقابلے میں ہمیں ایسی بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب یہ شکست ہمارے لئے وبالِ جان اور ایرانیوں کے لئے اطمینانِ قلب کا باعث بن سکتی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہرکولیس رکا، پھر پہلے سے زیادہ دکھ بھرے انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

''دمشق مشرق میں ہماری قوت کا مرکز، ہماری طاقت، ہمارے استحکام کا محور تھا۔ شکست اُٹھا کر ہمارے اس طرف آنے کے بعد یقیناً ایران کا بادشاہ خسرو پرویز دمشق پر قبضہ کرے گا۔ دمشق میں اس وقت نہ کوئی لشکر ہے نہ ہی کوئی ایسی قوت جو خسرو پرویز کی راہ روکے۔ لہٰذا خسرو پرویز آسانی سے دمشق پر قبضہ کر کے اسے اپنی مملکت میں شامل کرے گا۔ جیسا کہ ہمارے مخبر اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ دمشق کو فتح کرنے کے بعد شاید ایران کا حکمران خسرو پرویز رومنوں کے شہر اڈیسہ کا رخ کرے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہرکولیس دم لینے کے لئے رُکا، کچھ سوچا، پہلے ایک گہری اور غائر نگاہ بھائی تھیوڈور اور دوسرے سارے چھوٹے بڑے سالاروں پر ڈالی، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جیسا کہ ہمارے مخبر پہلے سے یہ خبر دے چکے ہیں کہ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز ہمارے چار اہم شہروں پر ضرب لگانے کا تہیہ کر چکا ہے۔ ایک دمشق جس پر وہ اب تک قابض ہو چکے ہوں گے۔ دوسرا شہر اڈیسہ یا الرہا، تیسرا انطاکیہ اور چوتھا بیت المقدس۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ ہرکولیس اپنے سالاروں کے ساتھ چند روز تک دمشق میں قیام کرے گا اور شہر کے حالات اور واقعات درست کرے، شہر کا سارا انتظام اپنی مرضی کے مطابق استوار کرنے کے بعد وہ اڈیسہ (الرہا) کا رخ کرے گا۔ یاد رکھنا، دمشق کی طرح الرہا بھی ایک طرح سے ہمارے لئے مشرق اور مغرب کی تجارت کا سنگم ہے۔ دمشق کی طرح الرہا بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا تو پھر اپنے دل پر یہ جملہ بھی لکھ رکھو کہ ہم کبھی کسی بھی وقت جنگ کے دوران ایرانیوں کے سامنے ٹھہر نہ پائیں گے۔

میرے عزیز ساتھیو! ماضی میں چونکہ فوکاس کے دورِ حکومت میں ایرانیوں کو ہمارے مقابلے میں زیادہ تر فتوحات حاصل ہوتی رہی ہیں لہٰذا ایرانی لشکریوں کا حوصلہ بڑھا ہوا ہے۔ میں آپ کو یقین دلا دوں کہ ایک بار اگر ہم ایرانیوں کو پسپا کرنے یا ان پر شکست مسلط کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ایرانی کہیں بھی ہمارے سامنے جم کر لڑ نہیں سکیں گے۔ ان دنوں ان کے حوصلے بلند ہیں اس لئے کہ ماضی میں ہمارے حکمران کے دورِ حکومت میں انہوں نے من مانی کارروائیاں کیں اور ہر کارروائی میں انہوں نے کامیابی

اور کامرانی حاصل کی۔ اس بناء پر ایرانیوں کے حوصلے بلند ہیں۔ لیکن میں نے یہ بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ جب تک ایرانیوں سے ماضی کی اپنی شکستوں کا انتقام نہیں لے لیتا اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

میرے بھائیو! قبل اس کے کہ دمشق کا نظم و نسق درست کر کے خسرو پرویز اپنے لشکر کے ساتھ اڈیسہ کا رخ کرے، ہمیں یہیں سے بڑھ کر اڈیسہ (الرہا) شہر کا رخ کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی ہمیں اپنے لئے کمک بھی طلب کر لینی چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ الرہا کے نواح میں خسرو پرویز کے ساتھ ہمارا فیصلہ کن معرکہ ہو۔ اس معرکے میں اگر ہم نے خسرو پرویز کو شکست دے کر مار بھگایا تو پھر ایرانیوں کے مرکزی شہر مدائن تک کوئی بھی میرے لشکر کی راہ نہ روک پائے گا۔''

ہرکولیس کی تجویز سے اس کے سارے سالاروں نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ کچھ دیر وہاں قیام کر کے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس کے بعد ہرکولیس اپنے لشکر کے ساتھ اڈیسہ یعنی الرہا شہر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

دوسری طرف ایران کے کسریٰ خسرو پرویز کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ رومنوں کا قیصر اس کے ہاتھوں دمشق کے نواح میں شکست اٹھانے کے بعد الرہا شہر کی طرف گیا ہے اور یہ کہ اس نے ایرانیوں کے خلاف کامیابی اور فتح حاصل کرنے کے لئے مزید کمک اور رسد بھی طلب کر لی ہے۔

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے خسرو پرویز نے چند روز تک دمشق میں قیام کیا، وہاں کے حالات اپنے حق میں درست کئے، اس کے بعد لشکر کو لے کر نکلا۔ اب اس نے بھی بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ الرہا شہر کا رخ کیا تھا۔

الرہا شہر کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ حلب کے شمال میں ایک دن کے راستے پر واقع ہے۔ اس کی آب و ہوا عمدہ اور پانی میٹھا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں حشرات الارض نہیں ہوتے۔

مشہور مؤرخ ابوالفدا اس شہر کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ بڑا اہم شہر ہے۔ اسے عزاز کی بجائے اس نے آزاد بھی لکھا ہے۔ اس کے مضبوط اور مستحکم قلعے کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بھی لکھتا ہے کہ یہ حلب کے جنوب میں ذرا مغرب کی طرف ہٹ کر واقع ہے۔ نہایت

سرسبز، عمدہ اور خوبصورت ہے اور ایک خوشگوار ترین مقام ہے۔ اس کی مٹی سرخ ہے۔ یہاں کثرت سے کپاس بوئی جاتی ہے جو دوسرے شہروں کو بھیجی جاتی ہے۔ شہر اپنی سرسبزی کے باعث دُور ہی سے دکھائی دینا شروع ہو جاتا ہے۔

قیصر روم ہرکولیس کی بدقسمتی کہ اس نے جو کمک اپنے مرکزی شہر قسطنطنیہ سے بلائی تھی، اس کمک کے پہنچنے سے پہلے ہی خسرو پرویز دمشق کے حالات اپنے حق میں درست کرنے کے بعد الرہا پہنچ گیا۔ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہرکولیس اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچ چکا تھا۔ ہرکولیس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ دمشق کے نواح میں ایرانیوں کے ساتھ ٹکراؤ کے دوران اس سے جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی تھیں ان کی تلافی کرے گا اور الرہا میں وہ کوشش کرے گا کہ ایرانیوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں میں گھس کر ان کے مرکزی شہر کی طرف پیش قدمی شروع کرے۔ اس بناء پر اس نے لشکر کی ترتیب میں بھی کچھ تبدیلیاں کی تھیں تاہم اُسے اس بات کا دکھ اور افسوس ضرور تھا کہ اس نے قسطنطنیہ سے جو رسد طلب کی تھی وہ ابھی تک نہ پہنچی تھی۔ تاہم اس نے اپنی طاقت میں کچھ اضافہ ضرور کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ جو لشکر وہ لے کر قسطنطنیہ سے دمشق کی طرف آیا تھا، جنگ کے دوران اس لشکر کا کچھ نقصان ضرور ہوا تھا۔ لشکر کی تعداد پہلے سے کم بھی ہوئی تھی لیکن الرہا پہنچ کر اُس نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اس لئے کہ الرہا شہر کے اندر جو پہلے سے رومنوں کا لشکر تھا اسے بھی ہرکولیس نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ الرہا میں اس نے چند دستے فصیل کے اوپر متعین کئے تھے تاکہ وہ دستے شہر کے نظم و نسق پر نگاہ رکھیں۔

شہر کے دفاع کی طرف توجہ اُس نے اس لئے نہ دی تھی کہ وہ شہر سے باہر ایرانیوں سے ٹکرانا چاہتا تھا۔ پورے لشکر کے ساتھ اُس نے الرہا شہر سے باہر اس سمت پڑاؤ کیا تھا جس سمت سے ایران کے کسریٰ خسرو پرویز نے آنا تھا۔ لہٰذا ہرکولیس یہی چاہتا تھا کہ شہر سے باہر ہی ایرانیوں کو روکے تاکہ اس شہر کا دفاع کرنے کے لئے کسی لشکر کو متعین نہ کرنا پڑے۔ اس طرح جس قدر عسکری طاقت اور قوت وہاں موجود تھی، اس پوری قوت کے ساتھ ہرکولیس، خسرو پرویز پر ضرب لگانا چاہتا تھا۔ ہرکولیس کی اب سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ایک بار وہ ایرانیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے تو ایسا ہونے سے ایرانی لشکری بددل ہو جائیں گے جبکہ رومنوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور آنے

والے دور میں ایرانیوں کو یقیناً رومنوں کے مقابلے میں لگاتار شکستوں اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

شہر سے باہر پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ اس بار ہرکولیس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ایرانیوں پر حملہ آور ہونے میں پہل کر کے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہرکولیس چاہتا تھا کہ ایک بار کسی بھی میدان میں ایرانیوں کے پاؤں اُکھاڑنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح ان کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور ایرانی اس کے مقابلے میں پست دل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اپنے انہی ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس بار ہرکولیس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ ایرانیوں پر حملہ آور ہونے میں پہل کرے گا۔

چنانچہ دونوں لشکروں نے اپنی صفیں درست کیں اور دونوں لشکروں کے اندر بڑے بڑے طبل اپنی ہولناک آوازوں کے ساتھ بج اُٹھے تھے۔ ہرکولیس اپنے لشکر کو بے روک آندھیوں، بے تحاشا طوفانوں اور سرکش اور بھیانک شعلوں کی طرح حرکت میں لایا۔ اس کے بعد وہ دلوں کے کواڑوں پر دستک دیتے عذابوں کے کھولتے شرر اور روحوں کو بے چین کرتی مرگ کی تاریک کربناکیوں کی طرح ایرانیوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

خسرو پرویز نے بھی جوابی کارروائی کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ وہ بھی اتھاہ خاموشیوں میں زوال، فنا کے عناصر، درد و کرب کی بھڑکتی آگ اور اضطرابوں کے بھنور کی طرح رومنوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

الرہا شہر کے باہر ایک بار پھر کرب خیزیوں کے نہاں طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ روحوں کی نزہت گاہوں اور خیالات کی دنیا میں خشونت آمیزیاں اپنا رنگ جمانے لگی تھیں۔ زیست کے کپڑے پھاڑتی موت رزم گاہ میں چاروں طرف رقص کرنے لگی تھی۔

شہر سے باہر رومنوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ فتح کو اپنے نام کریں۔ ہرکولیس اپنے لشکر کے وسطی حصے میں رہتے ہوئے زور زور سے چلّاتے ہوئے اپنے لشکریوں کا حوصلہ بلند کر رہا تھا۔ انہیں یقین دلا رہا تھا کہ رومنوں کی فتح قریب ہے۔ لیکن رومن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ شکست اور ہزیمت ان سے تانک جھانک کر رہی ہے۔ ہرکولیس کی بدقسمتی کہ اس جنگ میں بھی خسرو پرویز کے ہاتھوں اسے

بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور شکست اٹھا کر اور اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر ہرکولیس انطاکیہ کی طرف بھاگ گیا۔

خسرو پرویز جس طرح فاتح کی حیثیت سے دمشق شہر میں داخل ہوا تھا، ایسے ہی فاتحانہ انداز میں الرہا شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے نظم ونسق کو اس نے درست کیا، اس کے بعد اس نے اپنے لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

الرہا شہر سے باہر خسرو پرویز نے شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد خیموں کا ایک شہر آباد کر دیا تھا اور اس میں اس کے لشکر نے قیام کر رکھا تھا۔

الرہا میں قیام کے دوران ایک روز عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں شہر کے نواح میں کھلے میدانوں کے اندر گھڑ دوڑ کے لئے نکلے تھے۔

اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اچانک دونوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے انہیں روک لیا تھا۔ اس لئے کہ سامنے کی طرف سے چار لڑکیاں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتی ہوئی ان کی طرف آئی تھیں۔ جب لڑکیاں گھوڑوں کو دوڑاتی ہوئی ان کے سامنے آ کر رُکیں تب انہوں نے دیکھا ان میں سے ایک شیریں کی چھوٹی بہن رجینا تھی جسے مدائن کے لوگ حُسن و جمال کی دیوی خیال کرتے تھے۔ دوسری آذرمی دخت تھی جس کے متعلق مؤرخین کا خیال تھا کہ وہ ایران کی حسین ترین لڑکی تھی۔ تیسری آذرمی دخت کی بڑی بہن بوراں دخت تھی جو حُسن و جمال میں آذرمی دخت سے کسی قدر کم تھی۔ چوتھی لڑکی عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کے لئے اجنبی اور ناآشنا تھی۔

جونہی وہ چاروں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے سامنے آئیں سب سے پہلے رجینا نے اپنی چہکتی ہوئی آواز میں عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''میرے خیال میں آپ لوگوں سے کچھ زیادہ ملنے جلنے سے پرہیز ہی کرتے ہیں۔''

جواب میں عتبہ دھیمے سے لہجے میں کہنے لگا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ایسی بات ہے۔'' رجینا نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''آپ کو یاد ہو گا، کسریٰ نے سب کے سامنے کہا تھا کہ کم از کم آپ مجھے اور آذرمی دخت کو خصوصیت کے ساتھ اور ہمارے دوسرے لواحقین کو تیغ زنی، تیر اندازی اور دوسرے حرب وضرب

کے ہنر میں تربیت دیا کریں گے۔ اس تربیت میں گھڑ سواری بھی آتی ہے۔ اور آپ نے ہمیں تیغ زنی یا تیراندازی کے متعلق تربیت دینا تو بہت دور کی بات، اس موضوع پر ہم سے کبھی گفتگو بھی نہیں کی۔ اور نہ ہی آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ چلو آپ ہمارے ساتھ گھڑ دوڑ میں ہی حصہ لے لیا کریں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رجینا جب خاموش ہوئی تب عتبہ بن ہشام اسے مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس دوران آذرمی دخت مسکراتے ہوئے بول اُٹھی۔ وہ بھی عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''جو کچھ رجینا نے کہا ہے میں بھی اس سے اتفاق کرتی ہوں۔ گویا میں اس کی ساری باتوں کی تائید میں ہوں۔ جب ایک بار معاملہ طے ہو چکا تو میرے خیال میں بابا کے کہنے پر اب آپ کو کچھ وقت نکالنا چاہئے تاکہ آپ ہمیں تیغ زنی، تیراندازی کے علاوہ گھڑ دوڑ میں بھی تربیت دیں۔''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم عتبہ بن ہشام کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''میں گھڑ دوڑ میں ابھی خود خام کار ہوں۔ میں کسی کو کیا تربیت دوں گا؟ اس کے علاوہ........''

عتبہ بن ہشام اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے حسین اور خوبصورت آذرمی دخت بول اُٹھی تھی۔

''جو لوگ اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے کام میں بڑے تاک اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ ج اپنی کسی ہنرمندی کی تعریف کرتے ہیں وہ اس سے خالی ہوتے ہیں اور خود ستائش کی باتیں کرتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو آپ کی طرح خام کار خیال کرتے ہیں، حقیقت میں وہی ہنرمند ہوتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آذرمی دخت رکی تو اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے بابا نے میرے ذمے آپ لوگوں کو تیغ زنی اور تیراندازی میں تربیت دینے کے کام پر مقرر کیا تھا اور آپ خود ہی دیکھیں، لشکر جب مدائن سے نکلا تو اس کے بعد ایسی کوئی فرصت ہی نہیں ملی۔ پہلے دمشق کے نواح میں رومنوں سے ٹکراؤ ہوا۔ اس ٹکراؤ میں آپ جانتی ہیں میں نے اور میرے ساتھی ہلال بن

علقمہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پھر وہاں چند دن ہی قیام کرنا پڑا۔ اس قیام کے دوران ہی شہر کے نظم و نسق میں سارا لشکر مصروف رہا۔ پھر الرہا کی طرف آ گئے۔ یہاں بھی رومنوں سے ٹکراؤ ہوا اور میرے خیال میں، میں اور ہلال بن علقمہ آج پہلے دن گھڑ دوڑ کے لئے نکلے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام دم لینے کے لئے رکا، پھر باری باری ایک غائر نگاہ اس نے آذرمی دخت اور رجینا پر ڈالی، اس کے بعد کہنے لگا۔

''آپ دونوں ہی گفتگو کئے جا رہی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بوران دخت خاموش ہے۔ شاید اسے ہماری یہ گفتگو ناپسند ہے۔''

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر بوران دخت چونکی اور کہنے لگی۔

''ابنِ ہشام! میرے بھائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ میں آپ لوگوں کی گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ یا آپ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔''

بوران دخت کے ان الفاظ کے جواب میں عتبہ بن ہشام پھر بول اُٹھا۔

''لیکن آپ لوگوں کی ہمارے ساتھ اس گفتگو پر میرے خیال میں کوئی کوفت اور بیزاری بھی محسوس کر رہا ہوگا۔''

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر رجینا نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''میں آپ کا اشارہ سمجھ گئی ہوں۔ آپ کا اشارہ میرے پہلو میں گھوڑے پر سوار لڑکی کی طرف ہے۔ آپ اپنی جگہ درست ہیں اس لئے کہ آپ نے اس سے پہلے اسے دیکھ نہیں رکھا۔ تاہم یہ آپ دونوں کو جانتی اور پہچانتی ہے۔ یہ قصر میں کم و بیش ہی رہتی ہے۔ اس کا نام البانہ ہے۔ میری سگی خالہ زاد ہے۔ اکثر و بیشتر اسی قصر میں میرے ساتھ قیام کرتی ہے جس قصر میں میری بڑی بہن شیریں قیام کرتی ہے اور جسے قصرِ شیریں کہتے ہیں۔ دراصل یہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ماں باپ اس کے فوت ہو چکے ہیں۔ اب یہ ہمارے اور میری بڑی بہن شیریں کے ساتھ رہتی ہے۔ ہم تینوں سگی بہنوں کی طرح رہتی ہیں۔ آپس میں کبھی ہم نے ایک دوسرے کے خلاف فرق محسوس نہیں کیا۔''

رجینا جب خاموش ہوئی تب البانہ نے پہلی بار زبان کھولی اور عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بھائی! آپ کا جو قصر کے اندر تیغ زنی کا مقابلہ ہوا تھا، وہ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن اپنی بہن رجینا سے سنا تھا۔ اس نے آپ کی تیغ زنی کی بہت تعریف کی تھی لہٰذا سب سے پہلے تو میں آپ کو اس کامیابی پر مبارک باد دیتی ہوں۔ ساتھ ہی میں آپ سے یہ التماس کرتی ہوں کہ جس طرح آپ رجینا اور آذرمی دخت کو تیغ زنی اور تیر اندازی میں تربیت دیں گے تو اس تربیت میں میرا نام بھی شامل کر لیں۔''

جواب میں عتبہ بن ہشام نے کچھ سوچا، پھر البانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''البانہ! میری بہن! آج سے ہم اس کام کو تقسیم کرتے ہیں۔ آج سے آذرمی دخت اور رجینا کی تربیت میرے ذمے جبکہ بوراں دخت اور تمہاری تربیت کا فرض میرا ساتھی ہلال بن علقمہ ادا کرے گا۔ میں آپ لوگوں پر انکشاف کروں کہ تیغ زنی اور تیر اندازی میں ہلال بن علقمہ کم از کم میرے جیسا بلکہ مجھ سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہو گا۔''

عتبہ بن ہشام مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مسکراتے ہوئے رجینا نے اس کی بات کاٹ دی اور کہنے لگی۔

''آپ یہاں کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں اور ایسا کرنے والے لوگ عموماً اپنی زندگی میں کامیاب اور کامران رہتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رجینا کچھ دیر کے لئے رکی، پھر دوبارہ اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''میں اس کے علاوہ بھی آپ سے ایک موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی رجینا اپنے گھوڑے پر سوار آذرمی دخت کی طرف جھکی۔ اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گئی۔ تھوڑی دیر مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ کھسر پھسر کرتی رہی۔ جواب میں آذرمی دخت کے خوبصورت ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

پھر رجینا علیحدہ ہوئی اور عتبہ بن ہشام کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں نے دو دن پہلے یہ سوچا تھا کہ کسی دن آپ دونوں کی دعوت کی جائے گی۔ اس سلسلے میں میری بہن آذرمی دخت بھی اتفاق کر رہی ہے۔ لہٰذا آپ دونوں آج شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ اس کھانے کا اہتمام آذرمی دخت، بوراں دخت اور

البانہ کریں گے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ ہماری اس پیشکش کو ٹھکرائیں گے نہیں۔''

اس موقع پر عتبہ بن ہشام نے ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''ابنِ علقمہ! میرے بھائی! ساری باتوں کا جواب میں ہی دے رہا ہوں۔ میرے عزیز! تم بھی تو کچھ بولو۔''

جواب میں ہلال بن علقمہ کے بھی چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ پھر وہ عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابنِ ہشام! میرے عزیز بھائی! میرے ذمے بوراں دخت اور البانہ کی تربیت کا کام لگایا گیا ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی مجھ سے کوئی سوال کرتا تو میں یقیناً جواب دیتا۔ کیونکہ آذرمی دخت اور رجینا کی تربیت اب تمہارے ذمے ہے۔ لہٰذا رجینا تم سے مخاطب ہے اور تمہیں ہی اس کی بات کا جواب دینا چاہئے۔''

ہلال بن علقمہ کا یہ جواب سن کر سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ عتبہ بن ہشام کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے البانہ جو آذرمی دخت اور رجینا جیسی ہی خوب صورت، پُرکشش اور دراز تھی، مسکراتے ہوئے بول اُٹھی اور ہلال بن علقمہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میں آپ کے ان الفاظ کی تائید کرتی ہوں۔ یہ معاملہ تو طے ہو چکا کہ آج آپ دونوں شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ میرے خیال میں اب ہمیں یہاں کھڑے ہو کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے بلکہ اکٹھے اور مل کر گھڑ دوڑ میں حصہ لینا چاہئے۔''

البانہ کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد سب حرکت میں آئے۔ ایک ساتھ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور انہیں ایک سمت سرپٹ دوڑانے لگے تھے۔

❀ ❀ ❀

الرہا شہر کی شاندار فتح نے خسرو پرویز ہی نہیں، اس کے لشکریوں کے حوصلے بھی بلند کر دیئے تھے۔

دوسری طرف رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس پر اس شکست کی وجہ سے ایک طرح کا سکتہ سا طاری ہو کر رہ گیا تھا۔ دمشق پہلے اس کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا، اب الرہا جیسا مضبوط قلعہ اور شہر بھی ایرانی تسلط میں چلا گیا تھا۔ اور پھر یہ خبریں آس پاس کے علاقوں میں گردش کرنے لگی تھیں کہ ایران کا کسریٰ اب الرہا سے نکل کر انطاکیہ پر ضرب لگائے گا۔

یہ خبریں ملنے کے بعد ہرکولیس نے اپنے تیز رفتار قاصد اپنے مرکزی شہر قسطنطنیہ روانہ کئے اور اپنے ایک سالار باہان کے نام اس نے پیغام بھجوایا کہ اپنی پوری عسکری قوت کو بحیرۂ اسود کے مشرقی حصوں میں منتقل کر دیا جائے تاکہ خسرو پرویز کا مقابلہ کر کے نہ صرف یہ کہ اس کے دامن میں شکست کے داغ ڈالے جائیں بلکہ اس سے اپنے علاقوں کو بھی واپس لیا جائے۔

دوسری طرف یہ ساری خبریں ایرانی مخبر اپنے شہنشاہ خسرو پرویز تک بھی پہنچا رہے تھے۔ چنانچہ خسرو پرویز نے بڑی برق رفتاری سے کام لیا۔ الرہا شہر سے وہ نکلا، انطاکیہ کا رُخ کیا۔ انطاکیہ مشرق میں رومنوں کا سب سے بڑا مرکز خیال کیا جاتا تھا اور یہاں ان کی عسکری قوت بھی خوب تھی۔

ہرکولیس چاہتا تھا کہ اپنے سالار باہان کے آنے کے بعد خسرو پرویز کے ساتھ جنگ کی ابتداء ہو۔ جبکہ خسرو پرویز یہ چاہتا تھا کہ رومنوں کے نئے سالار باہان کی آمد سے پہلے ہی پہلے انطاکیہ پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لے اور اس سلسلے میں خسرو پرویز

کافی حد تک کامیاب رہا۔ اُس نے ایسی برق رفتاری سے پیش قدمی کی کہ انطاکیہ میں ہرکولیس کو جا لیا۔ اس وقت تک ہرکولیس کا سالار اس کے لئے نئے لشکر کو لے کر نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ دریائے اورنٹس کے کنارے جو انطاکیہ نواح میں تھا ایک بار پھر خسرو پرویز اور ہرکولیس کے درمیان ہولناک معرکہ ہوا۔

اس معرکے میں بھی ہرکولیس کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ خسرو پرویز کامیاب رہا۔ اس طرح الرہا اور دمشق کی طرح انطاکیہ جیسا عظیم اور بڑا شہر بھی رومنوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ خسرو پرویز کا اس پر قبضہ ہو گیا۔ خسرو پرویز نے اپنے لشکر کے ساتھ انطاکیہ شہر میں قیام کر لیا تھا۔

انطاکیہ کے نواح میں بدترین شکست اٹھانے کے بعد ہرکولیس اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر یروشلم کی طرف بھاگا اس لئے کہ اُسے اُس کے مخبر اطلاع دے چکے تھے کہ خسرو پرویز سب سے پہلے رومنوں کے چار بڑے شہروں کو ہدف بنائے گا۔ ایک الرہا، دوسرا دمشق، تیسرا انطاکیہ اور چوتھا یروشلم۔ الرہا، دمشق اور انطاکیہ خسرو پرویز رومنوں سے چھین چکا تھا۔ اب چوتھا شہر یروشلم یعنی بیت المقدس رہتا تھا۔ چنانچہ بچے کھچے لشکر کو لے کر ہرکولیس یروشلم کی طرف گیا۔

دوسری طرف ہرکولیس کا سالار باہان قسطنطنیہ سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر آیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے خبر ملی کہ انطاکیہ کے نواح میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومنوں کو بدترین شکست ہوئی ہے اور رومنوں کا شہنشاہ شکست اٹھا کر یروشلم کی طرف بھاگا ہے۔

یہ خبریں سننے کے بعد رومن سالار باہان نے بھی اپنا رخ بدلا۔ انطاکیہ کی طرف جانے کی بجائے اس نے اپنا رخ موڑا۔ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے وہ یروشلم کی طرف بڑھا تھا۔

ہرکولیس اور اس کا بھائی تھیوڈور ابھی اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ راستے ہی میں تھے کہ باہان ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان سے جا ملا۔ باہان کی آمد پر ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈور نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور ایک جگہ جو یروشلم کے راستے میں پڑتی تھی، وہاں انہوں نے پڑاؤ کر لیا۔

جس روز باہان وہاں پہنچا تھا، اسی روز ہرکولیس نے اپنے بھائی تھیوڈور، باہان

اور دوسرے چھوٹے بڑے سب سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب سب اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تب کسی قدر اطمینان اور سکون کا اظہار کرتے ہوئے ہرکولیس کہنے لگا۔

''میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اب تک ایرانیوں کے ہاتھوں ہمیں تین بڑی شکستوں ک سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایرانی جو ماضی میں ہمارے سامنے ایسے ہی تھے جیسے بھیڑیے کے سامنے بکری اور ہر مرتبہ ہم نے اُنہیں مغلوب کیا، اب وہ ہم پر سوار ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان شکستوں کی کیا وجہ ہے؟ اس پر تو ہم بعد میں غور کریں گے، فی الحال ہمارے سامنے جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ یہ کہ ہم نے یروشلم کو ایرانیوں کے تسلط سے بچانا ہے۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تین بڑے شہروں کے ہاتھوں سے نکل جانے کے باعث ہمارے لشکریوں کے حوصلے یقیناً پست ہو چکے ہیں اور ان فتوحات کی وجہ سے ایرانی حکمران، اس کے سالار اور لشکریوں کے حوصلے بلند ہیں۔ لیکن ہم نے جنگ کا پانسہ ہر صورت میں پلٹنا ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھئے گا، رومنوں کی سلطنت زمین کی سطح سے نیست و نابود ہو کر رہ جائے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہرکولیس جب خاموش ہوا تب اس کا بھائی تھیوڈور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اب تک جو ایرانیوں کے ساتھ ہماری تین جنگیں ہوئی ہیں، ان میں عسکری قوت کے لحاظ سے ایرانیوں کو ہم پر فوقیت حاصل تھی۔ میں سمجھتا ہوں ہماری شکست کی اصل وجہ ہی یہ ہے کہ ایرانی ہمارے مقابلے میں بڑے بڑے لشکر لے کر آتے رہے ہیں۔''

تھیوڈور جب خاموش ہوا تب ہرکولیس کی طرف دیکھتے ہوئے نیا آنے والا رومن سالار باہان کہنے لگا۔

''میں محترم تھیوڈور کے ان الفاظ سے تھوڑا تھوڑا اتفاق کرتا ہوں۔ ہماری شکست کی صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ ایرانیوں کو ہم پر عددی فوقیت حاصل تھی، میں سمجھتا ہوں اس سے بھی بڑی وجہ ہمارے ماضی کے حالات ہیں۔ پہلی بات یہ کہ خسرو پرویز نے رومنوں کے ساتھ غداری کی ہے۔ یہ وہی خسرو پرویز ہے جسے اس کے سالاروں نے اپنی سرزمینوں سے مار بھگایا تھا۔ اس نے ہمارے ہاں پناہ لی تھی۔ ہمارے ماضی کے شہنشاہ

مارس نے نہ صرف اسے پناہ دی تھی بلکہ اپنی بیٹی مریم کو اس کی زوجیت میں دیا۔ آپ جانتے ہیں جب تک مارس زندہ رہا، خسرو پرویز اپنے علاقوں میں چپ چاپ دبکا بیٹھا رہا۔ جونہی مارس مرا، فوکاس حکمران ہوا تو چاروں طرف یہ خبریں پھیلنا شروع ہو گئیں کہ فوکاس ایک کمزور مزاج کا شخص ہونے کے ساتھ ساتھ جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا اور بزدل ہے۔

انہی خبروں نے خسرو پرویز کو شیر بنا دیا۔ چنانچہ اس نے رومنوں کے ساتھ ٹکرانے کا تہیہ کر لیا اور آپ جانتے ہیں کہ جب تک فوکاس رہا، خسرو پرویز پے در پے فتوحات حاصل کرتا رہا اور یکے بعد دیگرے جست و خیز کرتے ہوئے ہمارے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرتا چلا گیا۔

ان کارروائیوں کی وجہ سے ہمارے لشکریوں کے حوصلے پست ہوتے چلے گئے۔ ایرانی جو ماضی میں ہمارے ہاتھوں پٹتے رہے تھے، ان کے حوصلے بلند ہوتے چلے گئے۔ اسی تبدیلی سے خسرو پرویز کو فائدہ ہوا اور اس بلند حوصلگی کی وجہ سے خسرو پرویز ہم سے الرہا، دمشق اور انطاکیہ جیسے عظیم شہر چھیننے میں کامیاب ہو چکا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد باہان خاموش ہوا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ وہ ہرکولیس اور اس کے بھائی تھیوڈور کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اب ہمارے سامنے ایک بہت بڑا اور اہم موڑ ہے۔ اور وہ یروشلم شہر ہے۔ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں، ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز اب اپنی ترک تاز اور پیش قدمی کو روکے گا نہیں۔ الرہا، دمشق اور انطاکیہ سے اسے بہت سے فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ دولت اور ضروریات کی دوسری اشیاء کے ڈھیر کے ڈھیر اس کے ہاتھ لگے ہیں۔ اب وہ ہر صورت میں یروشلم شہر کا رخ کرے گا۔ اور اگر ہم یروشلم کو نہ بچا سکے، یہاں بھی انطاکیہ اور دمشق کی طرح ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو یوں سمجھئے گا کہ بحیرۂ فاسفورس کے مشرقی حصوں پر ہماری گرفت بالکل ختم ہو کر رہ جائے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد باہان رکا، کچھ سوچا، پھر خدشات بھری آواز میں کہنے لگا۔

''یروشلم کے نواح میں شہر کا دفاع کرتے ہوئے ہمیں دو خدشات کا سامنا کرنا ہو گا۔ ایک خسرو پرویز اور دوسرے یہودی۔ یاد رکھئے گا، ہم نے چونکہ یہ شہر یہودیوں سے چھینا ہے۔ یہودی بظاہر تو ہمارے مخلص اور ہمارے حمایتی نظر آتے ہیں لیکن

اندرونِ خانہ یہ پیٹھ میں خنجر گھونپنے والے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان یہودیوں کو جب خبر ہو گی کہ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز، یروشلم پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تو یہ یہودی اندر ہی اندر خفیہ طور پر قاصدوں کے ذریعے خسرو پرویز سے رابطہ قائم کریں گے اور اسے اپنی حمایت کا یقین دلائیں گے۔ اس طرح یروشلم کا دفاع کرتے ہوئے جہاں ہمیں خسرو پرویز پر ایسی کاری ضرب لگانا ہو گی کہ وہ شکست سے دوچار ہو کر بھاگے، وہاں ہمیں ان یہودیوں کی سازشوں سے بھی محتاط رہنا ہو گا۔ اس لئے کہ ماضی کے آئینے میں اگر جھانکا جائے تو یہودی ہمارے مخلص دکھائی نہیں دیتے۔"

(جہاں تک رومنوں اور یہودیوں کی آپس میں چپقلش اور دشمنی کا تعلق ہے تو یہ بہت عرصہ پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کافی عرصہ بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شہر میں وارد ہوئے تو اس شہر میں دولت کی ریل پیل تھی۔ شہزادوں اور حکمران خاندان کے دوسرے افراد اور تاجروں کی رہائش گاہیں آسمان کو چھوتی تھیں۔ ان کے پہلو بہ پہلو بازار اور دُکانیں تھیں۔ کرہ ارض کی ہر عیاشی کا سامان میسر آ سکتا تھا۔ سامانِ تعیش کثرت کے ساتھ تھا۔ شہر کی آبادی اس وقت بھی دو سے ڈھائی لاکھ تک پہنچ چکی تھی جو تقریباً چار سو بیس ایکڑ پر پھیلی ہوئی تھی۔ دولت کی فراوانی اور ایشیائے ضروریات کی ارزانی نے شہر میں بدکاری اور بد اخلاقی کو بڑا عروج دے دیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مخصوص گروہ کے علاوہ پوری قوم مکروہات محرمات کی شائق تھی اس کے باوجود اس کے نسلی تفاخر میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ واقعات شاہد ہیں کہ یہودی نے ہمیشہ خود کو دوسری اقوام سے بالاتر اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو گھٹیا تصور کیا ہے۔

یہودی اپنی مذہبی کتاب تلمود میں خود لکھتے ہیں:

"خدا نے یہود کو فرشتوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ یہود اور غیر یہود میں وہی فرق ہے جو انسان اور درندے میں ہے۔"

یہودیوں کا یہی ذہنی فتور بیت المقدس کی بار بار تباہی کا باعث بنا۔ رومنوں کے ساتھ بھی یہودیوں کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہوا۔ ہوا یوں کہ قیصرِ روم کا ایک نمائندہ یہودیوں میں رہتا تھا۔ ان پر حکومت کرتا تھا۔ یہودی رومنوں سے بیزار تھے اور ہمیشہ ان کی حکومت سے آزاد ہونے کی فکر میں رہتے تھے۔ چنانچہ 64ء اور 66ء میں انہوں نے

رومنوں کے خلاف زبردست بغاوتیں کیں لیکن ناکام رہے۔ اس وقت یروشلم یعنی بیت المقدس کا حاکم ہیرود اعظم کی اولاد سے تھا۔ اسی دوران یروشلم میں مسیحیت کی دعوت شروع ہوئی اور یہ دعوت سینٹ پال نے شروع کی تھی۔ یہودیوں نے اسے کافر قرار دیا اور اسے گرفتار کر کے حاکم کے پاس بھجوا دیا۔

یہودیوں نے رومنوں کے خلاف اپنے تسلسل کو یہیں تک ختم نہ کیا بلکہ 69ء میں بیت المقدس کے یہودیوں نے اپنے نسلی تفاخر کی آڑ میں ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔ دراصل ان دنوں قیصر روم نے ہیکل پر چڑھانے کے لئے نذرانے کے طور پر کچھ چیزیں بھجوائی تھیں۔ یہودیوں نے ان اشیاء کو رد کر دیا۔ یہ گویا قیصر روم کے خلاف ایک نئی بغاوت کا آغاز تھا۔

اس موقع پر رومنوں نے یہودیوں کی سرکشی کو دبانا یا ختم کرنا چاہا لیکن یہودی بپھر گئے اور انہوں نے جس قدر رومن ان کے علاقوں میں تھے، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس المناک واقعے کی خبر جب رومنوں کو ہوئی تو قیصر نے شام میں اپنے حاکم کو حکم دیا کہ وہ یروشلم کا رخ کرے اور یہودیوں کی اکڑی ہوئی گردن کو خم کرے۔

چنانچہ حاکم شام لشکر لے کر یروشلم کی طرف بڑھا۔ وہ ابھی شہر سے چھ میل کے فاصلے پر تھا کہ یہودیوں نے اس پر اچانک حملہ کر کے پانچ سو رومنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر رومن اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور ان کے جرنیل نے غصے اور غضبناکی میں بڑی تیزی سے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی۔

یروشلم کی طرف بڑھتے ہوئے رومن سالار نے مضافات کے بعض حصوں کو نذرِ آتش کر دیا لیکن یہودی ایک بہت بڑا لشکر لے کر سامنے آئے اور رومنوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس پسپائی کی خبر جب قیصر روم کو ملی تو اس نے اپنے مشہور اور معروف جرنیل طیطس کو یروشلم پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔

طیطس ایک بڑا لشکر لے کر آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ یہودی بڑی بے جگری سے لڑے لیکن کامیابی طیطس کے قدموں میں لوٹ رہی تھی۔ 9 اگست 70ء کو طیطس شہر میں داخل ہوا اور جب رومن لشکری یہودیوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہیکل کے اندرونی صحن میں داخل ہوئے تو ایک عجیب عالم تھا۔ چاروں طرف

یہودیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

اس حالت میں ایک یہودی نے جلتی ہوئی مشعل ہیکل کے اندر پھینک دی جس سے ہیکل میں آگ بھڑک اُٹھی۔ طیطس نے اس آگ کو بجھانے کی بھرپور کوشش کی لیکن آگ بجھ نہ سکی اور ہیکل جل کر راکھ ہو گیا۔

اتفاقِ زمانہ یہ ہوا کہ یہ وہی دن تھا جس روز چھ سو سال پہلے بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ہیکل سلیمانی کو برباد کیا تھا۔ لیکن اس دفعہ بربادی خود یہودیوں کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔

طیطس کے اس حملے کے سلسلے میں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب ہیکل جل رہا تھا، سپاہی برابر کشت و خون میں مصروف رہے۔ قربان گاہ کے پاس لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے اور خون دریا کی طرح بہہ نکلا تھا۔ ایک عجیب قسم کی شورش اور غلغلہ برپا تھا۔ فاتحین کے نعروں اور مفتوحان کی چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

رومنوں نے جب ہیکل کو راکھ ہوتے دیکھا تو انہوں نے عمارت کے باقی حصہ کو بھی آگ لگا دی۔ ہیکل کا خزانہ جس میں بے شمار سیم و زر اور قیمتی لباس، زیورات بلکہ قومِ یہود کا تمام مال و دولت جمع تھا، جل کر راکھ ہو گیا۔ صرف بیرونی حصے کے حجرے باقی رہ گئے تھے جن میں چھ ہزار سے زیادہ عورتیں، بچے اور مرد حفاظت کے خیال سے جمع تھے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ طیطس کوئی حکم دے، سپاہیوں نے ان کو بھی نذرِ آتش کر دیا اور سب لوگ بھی جل کر خاک ہو گئے۔

ہیکل کو آگ لگنے کے بعد اکثر لوگ بالائی شہر میں پناہ گزین ہو گئے۔ انہوں نے وہاں رومنوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ طیطس نے سات ستمبر کو شہر کے بالائی حصہ پر حملہ کیا اور وہاں بھی یہودیوں کا خوب قتل عام شروع ہوا۔ یہ قتل عام شام تک جاری رہا۔ تمام گلی کوچے کشت و خون اور بھوک سے مرے ہوئے لوگوں کی لاشوں سے پُر نظر آتے تھے۔ صبح ہوتے ہوتے شہر جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ جو لوگ قتل سے بچے رہے، انہیں غلام بنا لیا گیا اور انہیں غلام کی حیثیت سے بیچ دیا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو غلام بنایا گیا، ان کی تعداد 97 ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس کے بعد طیطس کے حکم سے شہر بالکل زمین کے برابر کر دیا گیا تھا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ رومن سالار طیطس نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو

دراز قد حسینائیں فاتحین کے لئے چن لیں۔ سترہ سال سے زائد عمر کے لڑکے مصر کی کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیئے گئے۔ کئی ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے مختلف شہروں میں بھجوا دیا گیا تاکہ رومن تھیٹروں میں جنگلی جانوروں سے مقابلہ کروا کر انہیں پھڑوایا جائے اور شمشیر زنوں سے کٹوانے یا خود آپس میں ایک دوسرے کے کاٹنے کے کام لایا جا سکے۔

دورانِ جنگ سترہ ہزار غدار یہودی بھی قید ہوئے جن میں سے گیارہ ہزار صرف اس وجہ سے مر گئے کہ ان کے نگہبانوں نے انہیں کھانے کے لئے کچھ نہ دیا تھا۔ ان کے علاوہ جنگ کے دوران جو قتل ہوئے ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سینتیس ہزار سات سو انچاس بتائی جاتی ہے۔

عیسائی مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہودیوں کو یہ سزا اس لئے ملی کہ اس حادثے سے چالیس سال قبل جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا تھا تو یہ ان کے مکافاتِ عمل کا نتیجہ تھا۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ یہ تباہی اتنی مکمل اور بڑی تھی کہ کوئی یہودی باقی نہ رہا تھا جو بتا سکتا ہو کہ ہیکل سلیمانی مغربی پہاڑی پر تھا یا مشرقی پر۔ اس بیان کی روشنی میں ہیکل کے بارے میں آج جو دعوے کئے جاتے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔

اس کے بعد اگرچہ مسیح کے پرستاروں کو یہودیوں کے ظلم و تشدد سے نجات مل گئی تھی لیکن ان کی مصیبتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ تیس چالیس برس کے بعد فلسطین میں چھپے ہوئے یہودیوں نے پھر سر نکالنا شروع کر دیا۔ انہی کی وجہ سے یروشلم کی راکھ سے ایک نیا شہر جنم لے چکا تھا۔ چنانچہ یروشلم کا شہر پھر آباد ہوا جو عیسائیوں کے لئے قیامت کا شہر بن گیا۔ یہودیوں نے عیسائیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ 135ء میں انہوں نے دوبارہ اپنا معبد تیار کیا تھا۔ چنانچہ رومن ایک بار پھر حملہ آور ہوئے اور یہودیوں کے معبد کو گرا کر اس پر ہل چلا دیئے۔

136ء میں رومن شہنشاہ ہیڈرین نے اسے دوبارہ آباد کیا اور اس شہر کا نام پہلے ایلیا، پھر ٹولینا قرار دیا۔ یوں اس شہر میں یہودی پھر آباد ہوئے۔

یروشلم میں مسیحیت کا آغاز باقاعدہ طور پر 238ء میں ہوا تھا لیکن عیسائیت قبول کرنے والوں پر یہودی ظلم توڑتے تھے جس کی بنا پر عیسائی پہاڑی غاروں میں جا کر

چھپ جاتے تھے۔ مگر جب قیصر روم قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لی اور رومی سلطنت کے داخلی جھگڑوں سے تنگ آ کر اس نے آبنائے فاسفورس کے قریب نیا شہر قسطنطنیہ آباد کر کے اسے اپنا دارالحکومت بنالیا تو عیسائیوں کا یہ دورِ ابتلا ختم ہوا۔

اسی قسطنطین نے 236ء میں بیت المقدس کو عیسائی ریاست میں شامل کر کے یہاں مشہد اور کلیسائے تشور تعمیر کروائے۔ ہزاروں نصرانی یورپ کے مختلف ملکوں سے زیارت کے لئے یہاں آنے لگے جن کے لئے مسافر خانے تعمیر ہوئے اور سارا شہر عیسائی ہو گیا۔ عیسائی روایت کرتے ہیں کہ قیصر قسطنطین کی ماں ہیلنا نے اصل صلیب پر سونے چاندی کا کام کروا کر اسے زرو جواہر سے آراستہ کیا اور یروشلم کے بڑے کلیسا میں سجا دیا گیا۔ جب کہ کچھ مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ قسطنطین بڑا ظالم تھا۔ اُس نے اپنی بیوی، بچے اور خسر کا گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا۔

395ء میں قیصر روم تھیوڈوسیس نے روما کی سلطنت کو اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کیا تو بیت المقدس روم کی مشرقی سلطنت بنا۔ اس وقت تک یہ شہر عام مسیحیت کی عقیدت اور ارادت کا مرکز بن چکا تھا لیکن خوشحالی کے ساتھ ساتھ اہلِ شہر اور یہودی بالخصوص عیش و عشرت میں ڈوب گئے تھے۔

437ء سے مسلسل ایک صدی تک یہودیوں کی وجہ سے شہر میں حرام کاری اور بدکاری عروج پر رہی۔ چنانچہ رومنوں کا موجودہ شہنشاہ ہرکولیس برسر اقتدار آیا تو اس نے بہت سے ان یہودیوں کو جو برائیوں اور بدکاریوں میں ملوث تھے، بیت المقدس سے نکال دیا تھا)

یہی وہ وجہ تھی جس کی بناء پر ہرکولیس کے سپہ سالار باہان نے اس شک و شبے کا اظہار کیا تھا کہ اگر ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز یروشلم شہر پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہاں کے یہودی اندر ہی اندر ہرکولیس کی بجائے خسرو پرویز کا ساتھ دیں گے۔ اس لئے کہ ہرکولیس نے بھی یروشلم کے شہریوں پر مظالم کئے تھے جن کی بناء پر ہرکولیس، اس کا بھائی تھیوڈو اور بڑا سالار باہان یہ اندیشہ اور فکر رکھتے تھے کہ یروشلم شہر کے یہودی ان کے مقابلے میں ایران کے کسریٰ خسرو پرویز کا ساتھ دیں گے۔

یہ سب اندیشے رکھنے کے باوجود ہرکولیس کے لئے یہ موقع نہیں تھا کہ وہ یہودیوں پر ظلم کرتا یا انہیں شہر سے باہر نکالتا۔ اس موقع پر اگر وہ یہ قدم اٹھاتا تو یقیناً یروشلم شہر میں

بغاوت اُٹھ کھڑی ہوتی۔ اور اگر بغاوت اُٹھتی تو پھر ہرکولیس، اس کا بھائی تھیوڈو اور سالار باہان کے لئے یروشلم شہر پر اپنی گرفت رکھنا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ اپنے ان اندیشوں کو انہوں نے راز ہی رکھا اور لشکر لے کر یروشلم شہر کی طرف بڑھے تھے۔

ہرکولیس نے یروشلم شہر سے باہر اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ اب اس کی عسکری طاقت میں خوب اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ اس کا سالار باہان ایک بہت بڑا لشکر لے کر قسطنطنیہ سے اس سے آن ملا تھا۔ اس کے علاوہ ہرکولیس نے یروشلم پہنچ کر یروشلم کے اندر جو رومنوں کا حفاظتی لشکر تھا اس میں سے آدھے لشکر کو تو اس نے شہر کے اندر ہی رکھا تا کہ شہر پناہ کی حفاظت کرتے رہیں، باقی آدھے کو اس نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس طرح ہرکولیس چاہتا تھا کہ اپنی زیادہ سے زیادہ عسکری قوت کو یکجا کر کے خسرو پرویز کا مقابلہ کرے اور ہر صورت میں اسے شکست دے کر واپس مدائن کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کرے۔

آخر ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز اپنے لشکر کے ساتھ یروشلم پہنچا۔ اس کی آمد سے پہلے ہرکولیس، تھیوڈو اور باہان نے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی۔ شہر کے باہر انہوں نے جنگی نقطہ نگاہ سے ایک انتہائی مناسب جگہ اپنے لشکر کا پڑاؤ قائم کیا تھا اور پھر سب سے بڑی بات کہ یروشلم کے اندر جو بڑے بڑے پادری اور راہب تھے، بڑے بڑے بشپ اور مذہبی پیشوا سب لشکر میں شامل تھے وہ لشکر کے درمیانی حصے میں تھے اور اُن میں سے کچھ مذہبی پیشوا وہ لکڑی کی صلیب اٹھائے ہوئے تھے جس پر سونے چاندی اور جواہرات کا کام کیا ہوا تھا اور جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس صلیب پر مصلوب کیا گیا تھا۔

صلیب کو اپنے اندر دیکھ کر نصرانی لشکر کے اندر ایک انوکھا جوش و جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جو مذہبی پیشوا صلیب اٹھائے ہوئے تھے وہ بار بار صلیب کو اس انداز میں بلند کرتے تھے کہ سارے لشکریوں کی نگاہ اس پر پڑے۔ ساتھ ہی وہ بڑے پُرجوش اور زہریلے لہجے میں تقریریں کرتے ہوئے ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے خلاف اپنے لشکریوں کو انگیخت کرنے لگے تھے۔

اس بار قیصر روم ہرکولیس کو پکی اور پختہ امید تھی کہ یروشلم شہر سے باہر وہ خسرو پرویز کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا اور ایسی امید وہ دو وجوہات کی بناء پر رکھتا تھا۔

اوّلین اور بڑی وجہ اس کے پاس یہ تھی کہ اس کی پشت پر یروشلم شہر تھا جس کی حفاظت کے لئے وہ آیا تھا۔ اس شہر میں ان کے پیغمبر کا مدفن تھا۔ لہٰذا اس کا خیال تھا کہ یروشلم چونکہ عیسائی دنیا کا مرکز ہے لہٰذا اپنے مرکز کی حفاظت کرتے ہوئے نصرانی لشکری کٹ مریں گے اور اس وقت تک ہتھیار نہیں پھینکیں گے جب تک ایرانیوں کے مقابلے میں انہیں شاندار اور مکمل فتح نصیب نہیں ہوتی۔

اسے اپنی فتح مندی کی دوسری وجہ یہ دکھائی دیتی تھی کہ اس بار اس کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی۔ اس سے پہلے ہرکولیس اپنے بھائی تھیوڈو اور کچھ سالاروں کے ساتھ خسرو پرویز کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ اب حالت مختلف تھی۔ اب ہرکولیس کا سالار بابان ایک بہت بڑا لشکر لے کر اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس طرح جہاں ہرکولیس یہ اُمید رکھتا تھا کہ یروشلم کی حفاظت میں اسے کامیابی ہوگی وہاں وہ یہ اُمید بھی لگائے ہوئے تھا کہ اس بار چونکہ اس کے لشکر کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا وہ ہر صورت میں خسرو پرویز کو شکست دے کر مار بھگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

آخر دونوں طرف کے لشکریوں نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کیں۔ ہرکولیس نے اس بار پہلے کی طرح اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ وسطی حصے میں خود رہا، دائیں جانب اپنے بھائی تھیوڈور کو رکھا اور بائیں جانب کے لشکر کی کمانداری اپنے بڑے سالار بابان کے سپرد کی تھی۔

ہرکولیس کے مقابلے میں ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ وسطی حصے میں وہ خود رہا، دائیں جانب کے حصے کی کمانداری شاہین کو سونپی گئی اور بائیں پہلو کی کمانداری دوسرا بڑا سالار شہر براز کر رہا تھا۔

ہرکولیس کو اس بات کا بھی گمان تھا کہ یروشلم ان کے لئے مقدس ہے اور مقدس شہر کی حفاظت کے طور پر خسرو پرویز کے سامنے آیا ہے لہٰذا اس کی فتح یقینی ہے۔

دونوں لشکروں میں کچھ دیر تک بڑے بڑے طبل ہولناک آوازوں کے ساتھ گونجتے رہے۔ لشکریوں کے اندر جوش و جذبے اُبھرتے رہے، خون کھولتا رہا۔ اس کے بعد اپنے ظن اور اپنے گمان کو عملی شکل دینے کے لئے ہرکولیس نے حملہ آور ہونے میں پہل کی تھی۔ سو وہ خسرو پرویز کے لشکر پر دل و ذہن کی محرابوں میں زہر گھول دینے والے ہولناک عناصر، سانسوں کے خود کار عمل کو غبار آلود حبس میں بدل دینے والے بھڑکتے،

برستے سنگِ گراں اور رموزِ حیات کی چھاؤں تک کو جھیر جھیر کر دینے والے وحشتوں کے بے اماں سیل کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

خسرو پرویز نے بھی جوابی کارروائی کرنے میں تاخیر اور تامل نہ کیا اور وہ بھی ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے ہرکولیس کے لشکر پر زندگی کے قرینوں کو تہس نہس کرتی سیال لمحوں کی خوفناک حدت، وقت کے سیاہ نگار خانے میں جسموں کی فصیلوں کو شکستہ کرتی آلام کی ہولناک کثرت، نظر نظر میں سیراب، جسم جسم میں موت کی وحشتوں کا رقص برپا کرتی گراں مسافتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یروشلم کے نواح میں دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے جسم ریزہ ریزہ، جذبے لخت لخت، حوصلے کرچی کرچی ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہر قدم پر قضا و وحشت کی شوریدہ لہریں کھڑی کرنے لگی تھی۔ زندگی کے شکستہ کواڑوں پر دستک دیتی آندھیوں کی طرح موت ہر شے پر برہمی کی ضربیں لگانے لگی تھی۔ میدانِ جنگ کے اندر چارسُو درد کے شرارے، تشنگی کی دھوپ، مایوسی کے بھنور، دکھ کی تپتی کرب خیزیاں، خزاں کے خونی پیغام ناچ اُٹھے تھے۔ بے جہت کرتی مرگ بڑی تیزی سے پورے میدانِ جنگ کا طواف کرنے لگی تھی۔

ہرکولیس، اس کا بھائی تھیوڈور اور سالار بابان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ زوردار حملے کرتے ہوئے خسرو پرویز کے مقابلے میں اپنی کامیابی اور فتح کو یقینی بنائیں لیکن ان کی بدقسمتی کہ یروشلم کے باہر انہیں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں بھی خسرو پرویز فاتح رہا۔ خسرو پرویز کے ہاتھوں لگ بھگ ہرکولیس کے بیس ہزار لشکری موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یوں ہرکولیس ایک بار پھر خسرو پرویز کے مقابلے میں شکست اُٹھا کر بھاگا اور بیت المقدس سے بائیں جانب بھاگتا ہوا وہ اناطولیہ کے میدانوں کی طرف چلا گیا تھا جبکہ خسرو پرویز اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ فتح کی حیثیت سے آگے بڑھا اور یروشلم پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

یروشلم سے باہر لڑی جانے والی جنگ کے نتیجے میں نصرانیوں کو دوہرا نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک تو ان کے حکمران ہرکولیس کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، دوسرے نصرانیوں سے ان کی اصل صلیب بھی چھن گئی تھی۔

صلیب کو اس جنگ میں لشکر کے بیچ رکھا گیا تھا اور اس کے اردگرد ان گنت مذہبی

پیشوا طواف کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کو جنگ پر اُبھار رہے تھے۔

ایرانیوں کے تیز اور جان لیوا حملوں کے باعث نصرانیوں کے بہت سے مذہبی نمائندے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کی اصل صلیب بھی ایرانیوں کے ہاتھ چلی گئی۔ اس طرح اصلی صلیب جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیح نے جان دی تھی، مجوسیوں اور آتش پرستوں نے ان سے چھین لی تھی۔

خسرو پرویز نے اس صلیب کو بیت المقدس سے اپنے مرکزی شہر مدائن پہنچا دیا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کے اندر ذکریا نام کا لارڈ پادری تھا، اسے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ شہر کے تمام بڑے بڑے کلیساؤں کو خسرو پرویز نے مسمار کر دیا۔

بیت المقدس یعنی یروشلم کو فتح کرنے کے بعد خسرو پرویز پر اس کامیابی کا ایک عجیب سا نشہ چڑھا۔ اس پر گھمنڈ اور تکبر سوار ہوگیا جس کا اظہار اس نے اپنے خط میں بھی کیا جو اس نے یروشلم کے باہر ہرکولیس کو شکست دینے کے بعد اس کے نام لکھا تھا۔

"دیوتاؤں کے دیوتا اور کرۂ ارض کے بادشاہ خسرو پرویز کی طرف سے اس کے بے حیا پاجی غلام ہرکولیس کی طرف۔

تم کہتے ہو کہ تمہارا خدا پر یقین ہے تو پھر تمہارے خدا نے بیت المقدس کو میرے ہاتھ سے کیوں نہ بچایا؟ تم مسیح سے بے فائدہ امید لگا کر اپنے آپ کو فریب میں مبتلا نہ رکھو جو خود بھی حکمرانوں کے ہاتھوں سے بچ نہ سکا تھا اور صلیب پر لٹکا کر اس کے جسم میں کیل ٹھونک کر اسے مار دیا گیا تھا۔"

دوسری طرف بیت المقدس کے نواح میں شکست اٹھانے کے بعد ہرکولیس اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ اناطولیہ کے میدانوں کی طرف بھاگا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ خسرو پرویز نے اس کا تعاقب نہیں کیا تب اس نے اپنے لشکریوں کو ستانے کا موقع دینے کے لئے ایک جگہ پڑاؤ کرلیا تھا۔

اسی پڑاؤ کے دوران ایک روز جبکہ ہرکولیس اپنے خیمے میں اپنے بھائی تھیوڈور، بڑے سالار باہان اور دوسرے چھوٹے بڑے سالاروں کے ساتھ جنگی امور پر گفتگو کر رہا تھا کہ ہرکولیس کا چوبدار خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا اور ہرکولیس کو تعظیم دیتے ہوئے

کہنے لگا۔

"مالک! ہمارے دو مخبر ابھی ابھی لشکر گاہ میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے پاس کچھ ایسی خبر ہے جسے وہ اچھی بلکہ خوشخبری کہتے ہیں اور آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

اپنے چوبدار کے ان الفاظ پر ہرکولیس چونکا اور پھر چوبدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر ہمارے مخبر کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہیں تو انہیں ہمارے پاس بھیجو۔"

چوبدار پیچھے ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دو مخبر خیمے کے دروازے پر نمودار ہوئے۔ وہیں کھڑے کھڑے انہوں نے ہرکولیس کو تعظیم دی۔ اور جب ہرکولیس نے انہیں خیمے میں داخل ہونے کی اجازت دی، تب وہ خیمے میں داخل ہوئے۔ ہرکولیس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ ہرکولیس نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میرے چوبدار نے بتایا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو۔ اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو کہو، خبر کیا ہے؟"

ہرکولیس کے ان الفاظ کے جواب میں دونوں قاصدوں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف غور سے دیکھا، پھر ان میں سے ایک اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"مالک! اس میں کوئی شک نہیں کہ ایرانیوں کے ہاتھوں ہمیں پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن ہم کچھ ایسی عجیب وغریب خبر لے کر آئے ہیں جس سے ہم رومنوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ مجوسیوں کے خلاف جاسوسی کا کام کرتے ہوئے اور ان کی نقل و حرکت، ان کے جنگی امور کی مخبری کرتے ہوئے ہماری ملاقات کچھ عربوں سے ہوئی۔ اُنہی عربوں سے ہمیں عجیب وغریب اور انوکھی خبر ملی ہے جو ہم لوگوں کے لئے حوصلہ مندی اور تقویت کا باعث بن سکتی ہے۔

مالک! عرب کے صحراؤں کے اندر ایک محترم شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والی اس عظیم شخصیت نے اعلان کیا ہے، گو ان دنوں رومن مغلوب ہو رہے ہیں لیکن فتح رومنوں ہی کی ہوگی۔ مالک! جو کچھ ہمیں بتایا گیا ہے اس کے مطابق یہ اعلان اس عظیم شخصیت نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اس پر کائنات کے مالک کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور اسی وحی کے ذریعے ہماری کامیابی ا

فتح مندی کی خوشخبری دی گئی ہے۔''

(رومنوں سے متعلق ان کی کامیابی اور کامرانی کی یہ خوشخبری قرآنِ مقدس کی سورہ روم میں دی گئی۔ اس میں ایک کے بجائے دو پیش گوئیاں تھیں۔ ایک یہ کہ رومنوں کو غلبہ نصیب ہوگا۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح مندی حاصل ہوگی۔ بظاہر دُور دُور تک اس کے آثار موجود نہ تھے کہ ان میں سے کوئی ایک پیش گوئی بھی پوری ہو جائے۔ ایک طرف مٹھی بھر مسلمان تھے اور دوسری طرف کفار اور مشرکین کی بے پناہ قوت تھی۔ دوسری پیش گوئی میں ایک ف رومن تھے جن کی مغلوبیت اور مظلومیت بڑھتی چلی جا رہی تھی اور ان کے مقابلے میں ایرانی تھے جن کا غلبہ اپنے عروج کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا۔

قرآنِ مقدس کی یہ آیات جن میں رومنوں کے لئے خوشخبری تھی، جب نازل ہوئیں تو کفار نے مسلمانوں کا خوب مذاق اُڑایا اور ابی بن خلف نے اس سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شرط باندھی کہ اگر رومن غالب آ گئے تو دس اونٹ میں دوں گا ورنہ دس اونٹ تم کو دینے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا دس سال کے اندر کی شرط رکھو اور اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف سے بات کی اور نئے سرے سے یہ شرط طے ہوئی کہ دس سال کے اندر فریقین میں سے جس کی بات غلط ہوگی، وہ سو اونٹ دے گا۔ آخر کار بعد میں آنے والے دور میں قرآنِ مقدس کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی)

ہرکولیس کے مخبر نے جب یہ تفصیل ہرکولیس سے کہی تو ہرکولیس نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر اپنے مخبر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''صحرائے عرب کے جس پیغمبرؐ نے وحی کے ذریعے وصول ہونے والی یہ پیش گوئی کی ہے اس کے پیروکاروں کا ایرانیوں سے متعلق کیا خیال ہے؟''

اس پر ہرکولیس کو مخاطب کرتے ہوئے مخبر کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! عرب کے صحراؤں میں اب دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ جو آنے والے اس رسول محترم (ﷺ) کے پیروکار ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو بت پرستی اور شرک کی طرف مائل ہیں۔ یہاں یہ بھی انکشاف کروں کہ اس محترم رسول (ﷺ) کے

پیروکاروں کی ہمدردیاں رومنوں کے ساتھ ہیں جبکہ ان کے دشمن جنہیں کفار اور مشرک کہتے ہیں ان کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ ہیں اور اس صورتِ حال کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ ایرانیوں نے اس لڑائی کو مجوسیت اور مسیحیت کی لڑائی کا رنگ دے دیا ہے۔ وہ ملک گیری کے مقصد سے تجاوز کر کے اسے مجوسیت پھیلانے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد خسرو پرویز نے جو خط آپ کے نام لکھا اس میں اس نے صاف طور پر اپنی فتح کو مجوسیت کے حق میں ہونے کی وجہ قرار دیا تو اسے بھی لوگوں نے ناپسند کیا ہے۔

اے بادشاہ! اصولی اعتبار سے مجوسیوں کا مذہب صحرائے عرب کے مشرکین کے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی توحید کے منکر ہیں۔ جبکہ ایرانی بھی توحید کے ماننے والے نہیں۔ وہ دو خداؤں کو مانتے ہیں اور آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ اس بناء پر صحرائے عرب کے مشرکین کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ ہیں جبکہ دوسرے گروہ کی ہمدردیاں ہم نصرانیوں کے ساتھ ہیں۔ اس لئے کہ مسیح خواہ کتنے ہی بتلائے شرک ہو گئے ہوں لیکن وہ خدا کی توحید کو اصل دین مانتے ہیں۔ آخرت کے قائل ہیں، وحی اور رسالت کو سرچشمۂ ہدایت تسلیم کرتے ہیں۔ اس بناء پر ہمارا دین اپنی اصل کے اعتبار سے صحرائے عرب کے نئے پیغمبر (ﷺ) کے پیروکاروں سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ وہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں اور یہی مسلمان قدرتی طور پر ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

اے بادشاہ! دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک نبی کی آمد سے پہلے جو لوگ سابق نبی کو مانتے ہوں وہ اصولاً مسلمانوں کی ہی تعریف میں آتے ہیں اور جب تک بعد کے آنے والے نبی کی دعوت انہیں نہ پہنچے اور وہ اس کا انکار نہ کر دیں، ان کا شمار مسلمانوں ہی میں رہتا ہے۔ اس لئے مسلمان عیسائیوں کا شمار کافروں میں نہیں کرتے۔ البتہ یہودی ان کی نگاہوں میں کافر ہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کر چکے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تب اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے ہرکولیس بول اٹھا۔

''کیا تم اس نئے دین کے متعلق مجھے کچھ تفصیل بتا دو گے؟''

اس پر مخبر نے کچھ سوچا، پھر ہرکولیس کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''اے بادشاہ! عربوں سے ملنے کے بعد نئے دین سے متعلق جو معلومات ہم حاصل کر سکتے ہیں ان کے مطابق اس دین کی بنیاد حق تعالیٰ کی وحدانیت پر ہے جو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ زمینوں، آسمانوں میں جو کچھ ہے، اسی کی مخلوق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ خدا کا کوئی اور شریک نہیں۔ وہ کسی ایک قبیلے کا خدا نہیں بلکہ پوری کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اور ساتھ ہی اس نئے دین میں خدائے خیر کے مقابلے میں خدائے شر کا کوئی تصور نہیں ہے۔

ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بعض کا انتخاب کر کے انہیں نبوت سے سرفراز کیا اور وحی کے ذریعے انہیں لوگوں کی ہدایت پر مامور کیا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے رسول جن کا نام محمد (ﷺ) ہے، وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مختلف وقتوں میں انبیاء کرام نے جو دین پیش کیے ان کا اصل الاصول ایک ہے اور سب نبیوں نے اپنی اپنی امت کو اسی اصل الاصول یعنی توحید پرستی کی تلقین کی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس مادی دنیا کے علاوہ دنیائے عقبیٰ بھی ہے جہاں انسانوں کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اعمال کے مطابق جزا اور سزا ہوگی۔ چنانچہ خدا کی واحدانیت، نبوت پر ایمان اور آخرت کا یقین وہ اپنے دین کی اساس خیال کرتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر رکا، پھر اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوا ہرکولیس کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

''ان کا دین اطاعتِ خداوندی کے علاوہ اخلاقِ حمیدہ پر بھی زور دیتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقرب وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو، عادل اور احسان کرتا ہو، وعدے کو ایفا، یتیموں کی دستگیری کرنے والا ہو، سختی کے وقت صبر و استقلال کرتا ہو، غلبہ حاصل کرنے میں عفو کا مظاہرہ کرتا ہو۔ اے بادشاہ! ان کے اندر ایک نئی چیز بھی ہے کہ ان کے ہاں رہبانیت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ اچھی خوراک، اچھے لباس سے بھی منع نہیں کرتے۔

اے بادشاہ! اس دین نے عربوں کے اندر ایک انقلاب برپا کرنا شروع کر دیا

ہے اور اس دین نے عربوں کے فکر اور اخلاق پر بہت گہرا اثر ڈالنا شروع کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب محض حسب و نسب کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے لیکن اس نئے دین کو اپناتے ہوئے وہ اس نقطۂ نظر کو تسلیم کرتے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں۔ بحیثیت انسان چھوٹے بڑے کا کوئی لحاظ نہیں۔ کوئی برتری اگر کسی کو ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ حسب و نسب، قبیلہ بندی کے تعصبات جو باہمی دشمنی اور نفرت کا سبب بنتے ہیں، اس دین نے انہیں یکسر ختم کر دیا ہے۔ اہلِ عرب جو اس دین سے پہلے انتقام اور خون خرابے کو بہترین انسانی صفت سمجھتے تھے، اس دین کو اپنانے کے بعد وہ عفو و نیکی کو انسانی صفت سمجھنے لگے ہیں۔ قبیلے کے خداؤں کی جگہ دو عالم کے خدا نے لے لی ہے جو اچھائی اور برائی کو پرکھنے والا ہے۔ اے بادشاہ! اس کے علاوہ وہ لوگ اپنے دین کی اشاعت کو اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بھی خیال کرتے ہیں۔''

اپنے مخبر سے یہ ساری تفصیل جان کر ہرکولیس بے حد خوش ہوا۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جو باتیں تم نے کہی ہیں، یہ باتیں واقعی ایک سچے دین ہی کی ہو سکتی ہیں۔ بہر حال اب میں بڑی بے چینی سے اس پیش گوئی کے سچا ہونے اور اس کے اپنے انجام کو پہنچنے کا انتظار کروں گا۔''

❁ ❁ ❁

خسرو پرویز کے پڑاؤ میں ایک روز عتبہ بن ہشام اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ خیمے میں حسین اور خوب صورت رجینا داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔

رجینا خیمے میں داخل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور ابن ہشام کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا یہاں تک کہ مٹھاس برساتی اپنی آواز میں رجینا، ابنِ ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''کیا آپ مجھے بیٹھنے کے لئے نہیں کہیں گے؟''

عتبہ بن ہشام چونک سا پڑا۔ رجینا کو جب اس نے بیٹھنے کے لئے کہا تب رجینا مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے عتبہ بن ہشام بھی ہو بیٹھا تھا۔ پھر گفتگو کا آغاز رجینا نے کیا۔ کہنے لگی۔

''اس وقت تو میں اکیلی آئی ہوں اور تھوڑی دیر بعد کچھ اور مہمان بھی آپ کے خیمے میں آنے والے ہیں۔''

عتبہ بن ہشام چونکا اور کہنے لگا۔

''میرے پاس کون سے مہمان آ سکتے ہیں؟''

جواب میں رجینا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''ابھی تھوڑی دیر میں وہ آئیں گے تو آپ کو خود ہی خبر ہو جائے گی کہ آنے والے کون لوگ ہیں۔ بہر حال آپ کو ایک خوشخبری سنانے کے ساتھ آپ کا شکریہ بھی ادا کرنے آئی ہوں۔''

عتبہ بن ہشام چونکا اور پوچھا۔

''کیسا شکریہ؟''

رجینا نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''اس بات کا شکریہ کہ آپ نے کم از کم تیغ زنی میں مجھے پہلے کی نسبت زیادہ پختہ کار اور مشاق بنا دیا ہے۔ پہلے الرہا، پھر دمشق، اس کے بعد انطاکیہ اور بعد میں یروشلم اور اب یہاں جو آپ مجھے اور آذرمی دخت کو تیغ زنی کی تربیت دیتے رہے ہیں، اس نے اپنا رنگ دکھایا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے خسرو پرویز نے میرا اور آذرمی دخت کا مقابلہ کچھ تیغ زنوں سے کرایا اور حیرت کی بات کہ ہم دونوں تیغ زنی میں کامیاب اور کامران رہیں۔ اس صورت حال پر خسرو پرویز نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور اس اظہار میں اس نے آپ کی بھی تعریف کی کہ آپ نے ہم دونوں کی تیغ زنی میں تربیت کرتے ہوئے ہم دونوں کو مشاق اور پختہ کار بنا دیا ہے۔

قبل اس کے کہ آپ کے مہمان آپ کے خیمے میں آئیں، میں آپ سے یہ معاملہ طے کرنا چاہتی تھی کہ اگر میں اور آذرمی دخت آپ کی اجازت کے بغیر یا آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے خیمے میں آ جایا کریں تو آپ برا تو نہیں مانیں گے؟ ساتھ ہی میں یا آذرمی دخت آپ کے استعمال یا آپ کے کھانے پینے کی کوئی چیز لایا کریں تو آپ اسے قبول کر لیا کریں گے اور خفا تو نہ ہوں گے؟''

یہاں تک کہنے کے بعد شیریں کی چھوٹی بہن جب خاموش ہوئی تب اس کے الفاظ کے جواب میں عتبہ بن ہشام کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ چونک سا پڑا۔ اس لئے کہ اسی لمحہ خیمے کے دروازے پر خسرو پرویز کی بیٹی اور مملکتِ ایران کی شہزادی آذرمی دخت نمودار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک خادمہ بھی تھی جو اپنے دونوں ہاتھوں میں کچھ سامان اٹھائے ہوئے تھی۔

آذرمی دخت اپنی خادمہ کے ساتھ عتبہ بن ہشام کے خیمے پر آن رکی۔ پھر انتہائی شیریں آواز میں عتبہ بن ہشام کو مخاطب کرتے ہوئے اور بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بول اٹھی۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟''

اس موقع پر عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے رجینا بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب عتبہ بن ہشام نے اندر آنے کی اجازت چاہی تب

آذرمی دخت اپنی خادمہ کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئی، رجینا کے پہلو میں آئی۔ سب بیٹھ گئے۔ خادمہ بھی قریب ہی ہو بیٹھی۔ پھر گفتگو کا آغاز آذرمی دخت نے کیا۔ عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اس وقت آپ کے دوست اور ہمارے بھائی ہلال بن علقمہ میری بہن بوران دخت اور رجینا کی خالہ زاد البانہ کو تیغ زنی کی مشق کرا رہے ہیں۔ اپنی آمد سے پہلے میں نے ہی رجینا کو آپ کی طرف روانہ کیا تھا اس لئے کہ آج ہمارے باپ نے ہمیں تیغ زنی میں مہارت حاصل کرنے پر نہ صرف شاباش دی بلکہ مجھے اور رجینا دونوں کو انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ آپ کی کارگزاری سے خوش ہوتے ہوئے آج نہیں تو کل وہ آپ کی طرف بھی کچھ تحائف روانہ کریں گے۔ لیکن میں نے اور رجینا نے مل کر آپ کے لئے کچھ چیزوں کا اہتمام کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ انہیں قبول کرنے سے انکار نہیں کریں گے۔“

آذرمی دخت جب خاموش ہوئی تب عتبہ بن ہشام بڑی عاجزی اور انکساری سے کہنے لگا۔

”خاتون! میں بڑا بے ضرر سا انسان ہوں۔ ہم لوگ صحرائے عرب کے رہنے والے لوگ ہیں جہاں ضروریاتِ زندگی بڑی مختصر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ.......“

عتبہ بن ہشام اپنی بات مکمل نہ کر سکا اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے آذرمی دخت بول اٹھی تھی۔

”کوئی شخص بھی ضرورت کے بغیر نہیں ہے۔ اور پھر سب سے بڑی بات کہ اب آپ صحرائے عرب میں زندگی بسر نہیں کر رہے، ہمارے لشکر میں شامل ہیں۔ لشکر میں آپ کی اپنی ایک اچھی اور اعلیٰ حیثیت ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر آپ کے ساتھ میرا اور رجینا کا تعلق اور واسطہ ہے۔ اس تعلق اور واسطے کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس بناء پر آپ کی ضروریات کا خیال رکھنا میرا اور رجینا دونوں کا فرض بنتا ہے۔ ہم دونوں آپ سے تیغ زنی اور تیر اندازی میں بہت کچھ سیکھ رہی ہیں لہٰذا اس ناتے کو سامنے رکھتے ہوئے میں اور رجینا اگر آپ کی خدمت کرنا چاہیں تو مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے ارادوں، ہماری خواہشات کو رد نہیں کریں گے۔“

اس کے ساتھ ہی آذرمی دخت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھ آنے والی

اپنی خادمہ کو اشارہ کیا اور جو سامان وہ لے کر آئی تھی وہ کھول کر دکھانے لگی تھی۔

ان چیزوں میں عتبہ بن ہشام کے لئے لباس اور کھانے پینے کی انواع و اقسام کی اشیاء تھیں۔

عتبہ بن ہشام تھوڑی دیر تک ان چیزوں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران حسین اور خوبصورت آذرمی دخت اور پُر جمال رجینا مسکراتے ہوئے کبھی لائے جانے والے سامان کی طرف دیکھتی تھیں، کبھی ایک دوسرے پر نگاہیں گاڑ دیتی تھیں اور کبھی میٹھی میٹھی نگاہوں کا رخ عتبہ بن ہشام کی طرف کر دیتی تھیں۔

ساری چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد عتبہ بن ہشام کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ بڑی پیاری آواز میں آذرمی دخت بول اٹھی۔

”میں آپ پر یہ بھی انکشاف کروں کہ جو چیزیں ہم آپ کے لئے لے کر آئی ہیں، ویسی ہی قسم کی اشیاء بوران دخت اور البانہ کی طرف سے آپ کے ساتھی اور ہمارے بھائی ہلال بن علقمہ کو بھی پیش کی جا چکی ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی آذرمی دخت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے رجینا اور ساتھ آنے والی خادمہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر آذرمی دخت عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں اور رجینا اب جاتی ہیں۔ شام کو پھر آئیں گی۔ جاتے جاتے میں اپنی اور رجینا کی اس خواہش کا اظہار کروں گی کہ شام کو آپ ان لباسوں میں سے ایک لباس زیب تن کیجئے گا۔ کھانے کی ساری اشیاء ہم اپنے ساتھ لے کر آئیں گی اور آپ کے خیمے کے اندر ہی سب مل کر کھانا کھائیں گے۔“

اس وقت تک عتبہ بن ہشام بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آذرمی دخت کے ان الفاظ کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ آذرمی دخت نے نگاہوں ہی نگاہوں میں رجینا کو مخصوص اشارہ کیا۔ پھر دونوں مسکراتی ہوئی خادمہ کے ساتھ خیمے سے نکل گئی تھیں۔

❁ ❁ ❁

بیت المقدس یعنی یروشلم کو فتح کرنے اور وہاں قیام کے دوران خسرو پرویز نے تین اہم اقدامات کئے۔

پہلا یہ کہ اس نے اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک خاصا بڑا لشکر

دے کر اپنے سہ سالار شہر براز کو مصر پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔

شہر براز ارضِ شام اور مصر کے درمیانی صحرا کو عبور کر کے وادی نیل کے مشہور شہر اسکندریہ جا پہنچا اور اسے مسخر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس فتح کا اس وقت کی دنیا پر عجیب وغریب اثر ہوا۔ کیونکہ صدیوں پہلے مصر کا تمام علاقہ ایرانیوں کے تسلط سے آزاد ہو چکا تھا اور ساسانی بادشاہوں کی انتہائی تمنا تھی کہ ساسانی سلطنت ان کے آباؤ اجداد کے دور تک کی حدود تک پھیلے۔ آخر خسرو پرویز کے دور میں ایرانیوں کی سلطنت پھر انہی حدود کو جا پہنچی جو نو صدیوں پہلے تھی جب مصر ایران کے تحت ہوا کرتا تھا۔

اس کامیاب مہم سے یقیناً ایرانی حکومت کے جاہ و جلال میں اضافہ ہوا اور خسرو پرویز کی حکومت اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

دوسرا قدم خسرو پرویز نے یہ اٹھایا کہ ایک لشکر اپنے دوسرے بڑے سالار شاہین کو دے کر اناطولیہ کے میدانوں کی طرف روانہ کیا تا کہ ہرکولیس کا تعاقب کرے اور اسے شکست دے کر ایشیا سے نکل کر یورپ کی طرف جانے پر مجبور کر دے۔

تیسرا قدم خسرو پرویز نے یہ اٹھایا کہ وہ بیت المقدس سے نکل کر لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اپنے مرکزی شہر مدائن کی طرف چلا گیا تھا۔

خسرو پرویز نے جو چوتھا قدم اٹھایا وہ ہندوستان پر لشکر کشی تھا۔ وہ اس طرح کہ ایران کی مشرقی سرحد پر کشتانیوں کے حکمران نے جو چتالی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، حملہ کیا لیکن آرمینیا کے سپہ سالار نے ان کی سرکوبی کی، ان کی یلغار کو روک دیا اور اس ٹکراؤ میں چتالیوں کا حکمران مارا گیا۔ اس کے بعد خسرو پرویز نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقے پر حملہ کیا اور اسے زیر نگیں کر لیا جس کا ثبوت خسرو پرویز کے بعد سکوں سے ملتا ہے جو اس علاقے میں پائے گئے۔

اپنے سپہ سالار شہر براز کو مصر اور دوسرے سپہ سالار شاہین کو اناطولیہ کے میدانوں کی طرف روانہ کرنے کے بعد خسرو پرویز نے جب اپنے مرکزی شہر مدائن کا رخ کیا تو اس نے دو عجوبہ قسم کے کاموں کو اپنے انجام تک پہنچایا۔ ان میں سے پہلا عجوبہ جو اس کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا اسے حجاری طاقِ بوستان کہتے ہیں۔

خسرو پرویز طاقت اور قوت حاصل کرنے اور اپنی سلطنت کو عجیب وغریب وسعت دینے کے بعد چاہتا تھا کہ وہ بھی اپنے آباؤ اجداد جیسی شان و شوکت حاصل کرے اور

انہی جیسے کارنامے سرانجام دے۔ اس سلسلے میں جو اس نے پہلا عظیم کام کیا اسے حجاری طاقِ بوستان کا نام دیا گیا۔

دراصل ایران کے پہلے بادشاہوں یعنی خسرو پرویز کے آباؤ اجداد میں سے شاہ پور نام کا ایک بادشاہ گزرا تھا جس نے غار کے اندر اپنی سلطنت کے کارناموں کو پتھروں پر کندہ کرایا تھا۔ اس چیز کو دیکھتے ہوئے خسرو پرویز بھی چاہتا تھا کہ اس کی جنگوں کے حالات، اس کے شکار کے مناظر، شاہی کارناموں کے خدوخال چٹانوں میں محفوظ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ خسرو پرویز نے ایک وسیع غار چٹان کے اندر کھدوایا جس کا دہانہ محراب کی شکل کا تھا۔ محراب دو ستونوں پر قائم تھی جن پر آرائشی کام کیا گیا تھا۔

اس چٹان پر خسرو پرویز نے جو کارنامے سرانجام دیئے ان کی تفصیل کندہ کی جو کچھ اس طرح تھی کہ اس چٹانی محراب پر ایک درخت دکھایا گیا تھا جس کی لہراتی ہوئی شاخیں تناسب اور ترتیب کے ساتھ ستونوں کے گرد لپٹی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں میں خوبصورت پتے دکھائی دیتے تھے۔ غالباً وہ درخت زندگی کا نمونہ تھا جو بہت قدیم انسانوں میں مذکور رہا ہے۔ اس کے متعلق عقیدہ تھا کہ وہ تمام بیماریوں سے شفا دیتا ہے۔ دونوں ستونوں کے اوپر جس جگہ محراب کے پائے شروع ہوتے تھے، شکن دار فیتوں کے سرے بنائے گئے تھے جو ساسانی بادشاہوں کے لباس کا جزو ہوا کرتے تھے۔

محراب کے نصف دائرے کے اوپر دونوں طرف کونوں میں دو فرشتوں کی شکلیں بنائی گئی تھیں جن کی وضع اور لباس میں بالکل ایرانی طرز نمایاں تھی۔ دونوں کے ہاتھوں میں فتح مندی کے تاج تھے۔ محراب کے اوپر عین وسط میں ایک ہلال بنایا گیا تھا جس کے دونوں کونے اوپر کی جانب تھے۔

مربع غار کی پچھلی دیوار پر دو بڑی اُبھرواں تصویریں اوپر نیچے دو منزلوں میں بنائی گئی تھیں۔ نیچے کی منزل میں دونوں طرف دو ستون پتھر سے تراش کر نکالے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ نیچے کی منزل کی چھت کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ اوپر کی تصویر میں عطائے منصبِ شاہی کا منظر دکھایا گیا تھا۔ بادشاہ درمیان میں کھڑا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ پر آہورا فردا جس نے بادشاہ کی طرف تاج بڑھا رکھا تھا اور بادشاہ اسے داہنے ہاتھ میں لے رہا تھا۔ دراصل آہورا فردا کو ایرانی خدا تسلیم کرتے تھے۔

دوسری طرف یونانی دیوی اناہیدا تھی جو خسرو پرویز کو ایک تاج دے رہی تھی۔

بادشاہ کا لباس ایک آستین دار قبا پر مشتمل تھا اور ایک بڑی شلوار تھی جس میں شکن پڑے ہوئے تھے۔ دونوں جواہرات سے مرصع تھے۔

بادشاہ نے گلے میں موتیوں کے ہار ڈالے ہوئے تھے۔ آہورا فردا نے ایک لمبی قبا پہن رکھی تھی لیکن اس کے اوپر ایک فراخ جبہ بھی تھا جس کے کناروں پر موتی جڑے ہوئے تھے۔ پاؤں میں موزے تھے جن کے سرے شلوار کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔ اس کی لمبی اور نوک دار داڑھی اور اس کے فیتے دار تاج میں قدیمانہ وضع پائی جاتی تھی۔

اس کے علاوہ اس تصویر میں ایک عورت بھی دکھائی گئی تھی جو بادشاہ کے دائیں طرف تھی۔ یہ پانی کی دیوی اناہیدہ تھی۔ اس نے یونانی وضع کی قبا پہن رکھی تھی۔ اس کے اوپر ایک جبہ تھا جس پر ستاروں کے نشان بنے ہوئے تھے اور اس کا تاج آہورا فردا کے تاج کے مشابہہ تھا جس کے نیچے سے اس کے بالوں کی چار لٹیں اس کے سینے اور کندھوں پر لٹک رہی تھیں۔

غار کی پچھلی دیوار کے نچلے حصے میں ایک اُبھرواں تصویر بنی ہوئی تھیں جو اس وقت شکستہ حالت میں ہے۔ اس میں خسرو کو ہتھیار سجے گھوڑے پر سوار دکھایا گیا تھا۔ سر پر خود تھا جس پر تاج رکھا ہوا تھا۔ تاج پر پَر لگے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر ہلال دکھایا گیا تھا۔ بدن پر لوہے کے حلقوں کا بنا ہوا زرہ بکتر تھا۔ اس گھوڑے اور سوار کی اُبھرواں تصویروں کے متعلق اسلامی روایت یہ ہے کہ خسرو پرویز اور اس کے محبوب گھوڑے شبدیز کی تصویر ہے اور حقیقت میں صنعتِ حجاری کا شاہکار ہے جس میں تناسب اور جزئیات کو خوب دکھایا گیا ہے۔

دوسری عجوبہ چیز جس کا اہتمام خسرو پرویز نے کیا تما وہ اس کا تختِ طاؤس تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ ایک عجوبہ روزگار تھا۔ مشہور مؤرخ ثعالبی لکھتے ہیں کہ گنبد کی شکل کا یہ تخت ہاتھی دانت اور ساگوان سے بنایا گیا تھا جس کے پترے اور کٹہرے سونے اور چاندی کے تھے۔ اس کی لمبائی ایک سو چالیس ہاتھ، چوڑائی ایک سو تیس ہاتھ اور اونچائی پندرہ ہاتھ تھی۔ سیڑھیاں نہایت قیمتی بنائی گئی تھیں۔ سیڑھیوں کے اوپر سونے کا گنبد تھا۔ تخت کا طاق سونے اور لاجورد کا تھا جس میں آسمان ستاروں، برجوں اور ہفت اقلیم کی شکلیں بنائی گئی تھیں۔

بادشاہوں کی تصویریں، رزم بزم کے مناظر بھی اس میں دکھائے گئے تھے۔ اس

میں ایک آلہ تھا جس سے دن کے وقتوں کا پتہ چلتا تھا۔ تخت پر بچھانے کے لئے زربفت کے قالین تھے جو چار موسموں کو ظاہر کرتے تھے۔ یہ قالین یاقوتوں اور مروارید سے مرصع تھے۔ تاج سونے کا تھا اور اس میں چڑیا کے انڈوں کے برابر مروارید اور انار کے دانوں کے برابر یاقوت جڑے ہوئے تھے جو رات کے وقت صبح کا سماں پیدا کرتے تھے۔ گنبد کی چھت سے طلائی زنجیر آویزاں تھی جس کے ساتھ تاج بندھا ہوا تھا جو بادشاہ کے عین سر پر لٹکتا تھا۔

جن دنوں خسرو پرویز مدائن میں مقیم تھا اور مختلف امور کی انجام دہی میں مصروف تھا، اس کا ایک سالار شہر براز ایک طرح سے مصر کو فتح کرنے کے بعد اسکندریہ میں قیام کئے ہوئے تھا جبکہ دوسرا بڑا سالار شاہین ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ بیت المقدس سے اناطولیہ کے میدانوں کی طرف بڑھا تھا۔

شاہین نے پہلے مشہور تاریخی شہر ''کاپادوکیا'' کا رخ کیا جو اناطولیہ کے میدانوں کے اندر تھا اور اس شہر کی بڑی اہمیت تھی۔ یہ شہر اس وقت رومنوں کے قبضے میں تھا۔ یہاں جو رومن لشکر تھا وہ شاہین کا مقابلہ نہ کر سکا لہٰذا شہر خالی کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح بغیر لڑے ہی اس شہر پر شاہین کا قبضہ ہو گیا۔

شاہین نے اب مزید پیش قدمی کی اور اناطولیہ کے میدانوں کو روندتا ہوا وہ کانسیڈوئین کے مقام پر جا پہنچا اور یہ مقام رومنوں کے مرکزی شہر قسطنطنیہ سے بالکل نزدیک اور بحیرہ اسود کے جوار میں تھا۔

اناطولیہ کے میدانوں میں شاہین کی اس پیش قدمی کی اطلاع جب ہرکولیس کو ہوئی تب اس نے اپنے عزیز و اقارب کے علاوہ اپنے امراء، اپنے سالاروں سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ اس سلسلے میں شاہین سے بات کی جائے اور شاہین کے ذریعے ایران کے کسریٰ خسرو پرویز سے صلح کی گفت و شنید کی جائے تاکہ رومنوں اور ایرانیوں کے درمیان امن قائم ہو جائے۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد تیز رفتار قاصد ہرکولیس کی طرف سے شاہین کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ شاہین اس وقت اناطولیہ کے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ شاید وہ خسرو پرویز کے مزید احکامات کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک روز اس کے ایک سالار نے ہرکولیس کے تین قاصدوں کے آنے کی اطلاع دی۔

شاہین مزاجاً صلح جو تھا چنانچہ جب اسے اطلاع دی گئی کہ ہرکولیس کے قاصد آئے ہیں تب اس نے انہیں فوراً بلا لیا۔

جب وہ خیمے میں آئے تو شاندار انداز میں شاہین نے ان کا استقبال کیا، ان کی عزت افزائی کی۔ جب قاصد شاہین کے سامنے بیٹھ گئے تب شاہین نے انہیں مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

"مجھے صرف تمہاری آمد سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے۔ اگر تمہارے شہنشاہ ہرکولیس نے بھیجا ہے تو کہو وہ کیا چاہتا ہے؟"

اس پر ان تینوں میں سے ایک شاہین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہم جانتے ہیں آپ ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نہ صرف یہ کہ اچھے سالاروں میں سے ہیں بلکہ اس کے لشکریوں کے سپہ سالار بھی ہیں۔ اسی بناء پر ہمارے شہنشاہ ہرکولیس نے آپ کے ساتھ گفت وشنید کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ہم اپنے شہنشاہ کا کوئی لمبا چوڑا یا بڑا پیغام لے کر نہیں آئے۔ اس کا آپ کے نام صرف یہی پیغام ہے کہ ایرانیوں اور رومنوں کے درمیان صلح ہو جانی چاہئے۔ اب تک ہم طویل جنگوں سے گزر چکے ہیں، اب ان کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ ہرکولیس کچھ نہیں چاہتا۔"

قاصد کے ان الفاظ کو شاہین نے پسند کیا تھا۔ شاہین خود چاہتا تھا کہ رومنوں کے ساتھ صلح ہو جائے تاکہ یہ طویل جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ایک طرح سے شاہین رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس کا ہم خیال تھا۔ چنانچہ جب رومن قاصدوں نے ہرکولیس کا پیغام اس کے سامنے پیش کیا تب ان کی ہر بات شاہین نے غور سے سنی۔ جب قاصد خاموش ہوا تب ان تینوں کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

"ہرکولیس کے محترم سفیرو! میں تمہاری عزت، تمہارا احترام کرتا ہوں۔ میں خود لگاتار جنگ نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں ہم نے جو ایک دوسرے کے خلاف کر لیا ہے، اسی پر اکتفا کر لینا چاہئے۔ آپ لوگ اپنے ذہن میں یہ بات بھی بٹھا کر رکھیں کہ میں لشکریوں کا سالار ہوں، حکمران نہیں ہوں۔ ہرکولیس نے جو صلح کے لئے مجھے ذریعہ بنایا ہے تو اس کے لئے میں ہرکولیس کا شکرگزار ہوں لیکن میں آخری فیصلہ کرنے کا تو مجاز نہیں ہوں۔ بہرحال میں تمہارے سامنے اپنے ان خیالات کا اظہار کرتا ہوں کہ میں اس صلح کے حق میں ہوں۔ دونوں اقوام کے درمیان صلح ہو جانی چاہئے۔"

شاہین جب خاموش ہوا تو اس بار دوسرا قاصد بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یوں جانو ہم اپنے شہنشاہ ہرکولیس کی طرف سے ہراول دستہ ہیں۔ وہ آپ سے ملاقات کرنے کا بھی خواہش مند ہے اور چاہتا ہے کہ یہاں آ کر وہ تفصیل کے ساتھ آپ سے گفتگو کرے تاکہ دونوں اقوام کے درمیان صلح جوئی کا کوئی راستہ نکل سکے۔"

شاہین نے اس پر بھی خوشی کا اظہار کیا۔ اس نے قاصدوں پر واضح کر دیا کہ اگر رومنوں کا شہنشاہ ہرکولیس اناطولیہ کے میدانوں میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو یہ شاہین کی خوش قسمتی ہو گی اور شاہین شاندار انداز میں قیصر روم کا استقبال کرے گا۔

چنانچہ شاہین کے کہنے پر دو روز ان کے قاصدوں نے اس کے پڑاؤ میں قیام کیا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنے مرکزی شہر قسطنطنیہ چلے گئے تھے۔

❀❀❀

قاصدوں کی جو گفتگو شاہین کے ساتھ ہوئی تھی، وہ ہرکولیس کے سامنے پیش کی گئی۔ ہرکولیس اس صورتِ حال سے خوش ہوا۔ چنانچہ اپنے کچھ امراء اور سالاروں کے ساتھ وہ قسطنطنیہ سے نکلا اور اناطولیہ کے میدانوں میں داخل ہوا۔

ہرکولیس جب شاہین کے پڑاؤ میں داخل ہوا تو شاہین نے شاندار انداز میں اس کا استقبال کیا۔ اس کی راہنمائی کرتے ہوئے اور اسے بہترین عزت دیتے ہوئے اپنے خیمے میں لے گیا۔ اس موقع پر جہاں ہرکولیس کے ساتھ اس کے کچھ امراء اور سالار تھے، وہاں شاہین کے ساتھ بھی اس کے دوسرے سالار آن جمع ہوئے تھے۔

کچھ دیر تک قیصر روم، ہرکولیس اور شاہین کے درمیان گفتگو ہوتی رہی اور اس گفتگو کا لب لباب یہ نکلا کہ ایرانیوں اور رومنوں کے درمیان صلح ہو جانی چاہئے۔ ساتھ ہی یہ بھی تجویز پیش کی گئی کہ کچھ ایرانی رہنماؤں کے ساتھ ہرکولیس کے ایک سفیر کو مدائن میں خسرو پرویز کی طرف روانہ کیا جائے اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے اور سفیر اسے یہ تجویز پیش کرے کہ اب تک جو کچھ ہوا اسے فراموش کر کے ایرانیوں اور رومنوں کے درمیان صلح ہو جانی چاہئے۔

چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد ہرکولیس واپس قسطنطنیہ چلا گیا اور جو راہبر اور راہنما شاہین نے مہیا کئے تھے، ان کے ساتھ ہرکولیس کا ایک سفیر اناطولیہ کے میدانوں سے نکل کر مدائن کی طرف روانہ ہوا تھا۔

مؤرخین کے بقول ہرکولیس کا سفیر مدائن میں خسرو پرویز کے سامنے پیش ہوا تو خسرو پرویز ان دنوں چونکہ اپنی فتوحات کے نشے میں سرشار تھا، اس نے سفیر کے ساتھ کسی مذاکرے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس

نے رومن سفیر پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اسے زندان میں ڈال دیا۔

خسرو پرویز اپنی فتوحات کی وجہ سے کچھ بدمزاج بھی ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ اس نے جہاں رومن سفیر کو قید میں ڈال دیا، وہاں اس نے تیز رفتار قاصد اپنے سپہ سالار شاہین کی طرف روانہ کئے اور اسے تنبیہ کی کہ اس نے کیوں صلح کی گفت وشنید کی اور کیوں اس نے ہرکولیس کے قاصد کو اس کی طرف بھجوایا۔ اس موقع پر خسرو پرویز نے جو پیغام اپنے سالار شاہین کو بھجوایا، وہ کچھ اس طرح تھا:

”تم نے ہرکولیس کو بیڑیاں پہنا کر ہمارے پاس کیوں نہ بھیجا؟
ایسا کر کے تم نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس غلطی کی سزا موت ہے۔“

خسرو پرویز کے اس پیغام کو شاہین نے ناپسند کیا لیکن وہ سالار تھا۔ پس خسرو پرویز کے ان نازیبا الفاظ کو برداشت کر گیا۔

دوسری طرف رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس کو جب خبر ہوئی کہ خسرو پرویز نے نہ صرف اس کے سفیر کو مدائن میں قید کر لیا ہے بلکہ شاہین کو اس نے تنبیہ کی ہے اور ایک طرح سے اس کی بے عزتی کی ہے کہ اس نے کیوں ہرکولیس سے ملاقات کی؟ اگر اس نے ملاقات کی تو ہرکولیس کو گرفتار کر لینا چاہئے تھا اور اسے پابہ زنجیر کر کے مدائن میں خسرو پرویز کے پاس بھیج دینا چاہئے تھا۔

خسرو پرویز کے اس ردِعمل سے نہ صرف ہرکولیس کو مایوسی ہوئی بلکہ رومنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان حالات میں رومن سلطنت کی عظمت شہنشاہِ ایران کے سامنے جھک گئی تھی۔ رومن آرمینیا، آذر بائیجان اور دیگر اہم ترین علاقوں سے محروم ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ایشیائے کوچک کے تمام ممالک شام، فلسطین اور مصر ایرانی مملکت کے تسلط میں چلے گئے تھے۔ رومنوں کے اس صرف قسطنطنیہ، ایشیائے کوچک کے چند شہر اور بندرگاہیں، اطالیہ کا کچھ حصہ، یونان اور افریقہ کے بعض علاقے رہ گئے تھے۔

ایرانیوں کے ہاتھوں رومنوں کو جب پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور ایرانیوں کے ہاتھوں ان کی تذلیل ہوئی اور ان کی عسکری طاقت کمزور ہو گئی تب مختلف قبائل نے بھی رومنوں کے خلاف سر اٹھانا شروع کیا اور آئے دن حملہ آور ہو کر وہ رومنوں کی مصیبت میں اضافہ کرنے لگے تھے۔ انہی باغی قبائل نے ترا کیا کو لوٹا اور اب

وہ خشکی کے راستے پایہ تخت قسطنطنیہ کی طرف جانے والی شاہراہوں پر لوٹ مار کرنے لگے تھے۔

رومنوں کے حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ ان کا سنبھالنا بظاہر مشکل نظر آتا تھا۔ ہرکولیس گوایک جواں ہمت حکمران تھا لیکن ناموافق حالات کی وجہ سے وہ کچھ ایسا بے بس ہوا کہ اس نے پایہ تخت قسطنطنیہ کو چھوڑ کر افریقہ میں رومنوں کے مرکزی شہر قرطاجنہ کی طرف فرار ہونے میں ہی اپنی بہتری خیال کی۔ اس لئے کہ قرطاجنہ سے ہی آ کر ہرکولیس قسطنطنیہ میں رومنوں کا شہنشاہ بنا تھا۔

چنانچہ اپنے اس مقصد کو آخری شکل دینے کے لئے ہرکولیس نے رومن سلطنت کا خزانہ کشتیوں پر لاد کر قسطنطنیہ سے قرطاجنہ کی طرف روانہ کر دیا اس کے بعد وہ خود فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے فرار ہونے کا راز کھل گیا۔ چنانچہ عوام نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ روحانی پیشواؤں نے عوام کی ہم نوائی کی اور ہرکولیس کو بلا کر انہوں نے کلیسا میں حلف لیا کہ وہ رومن عوام کو اپنے حال پر چھوڑ کر افریقہ نہیں جائے گا اور کسی بھی صورت قسطنطنیہ سے نکلے گا نہیں اور نہ ہی پایہ تخت کو چھوڑے گا۔

اب ہرکولیس کی عجیب حالت تھی۔ عجیب سے شش و پنج اور کشمکش کی حالت میں تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے رومنوں کی مملکت کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ عیسائیوں کی مقدس صلیب اس کے سامنے ایرانی چھین کر مدائن لے گئے تھے اور تو اور خود قیصر روم نے پایہ تخت کو خیرباد کہنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایسی حالت میں کون کہہ سکتا تھا کہ ہرکولیس کے اُکھڑے ہوئے قدم پھر جم جائیں گے۔ اس کے مُردہ جسم میں پھر روح دوڑے گی۔ لیکن عالمی تاریخ نے یہ معجزہ بھی کر دکھایا۔ ہرکولیس کو اس کے ضمیر نے جھنجھوڑا۔ عزت اور اقتدار کے نقصان نے اس کی غیرت کو بیدار کیا اور کچھ ایسی ڈرامائی تبدیلیاں ہوئیں کہ رومن سلطنت کی گرتی ہوئی دیواریں دفعتہً سنبھل گئیں۔

گو رومنوں کے بہت سے وسائل ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے لیکن بحری طاقت ابھی تک ان کے پاس تھی۔ یہی ان کا آخری حربہ اور آخری سہارا تھی۔ ہرکولیس اب اس کو بھی داؤ پر لگا دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنا بحری بیڑہ لے کر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا اس خیال سے کہ یا تو یورپ کو ایرانی تسلط سے بچالے گا یا رومنوں کی رہی سہی سلطنت کو بھی پاش پاش کر کے رکھ دے گا۔

ہرکولیس نے جب اپنے امراء اور سالاروں کے کہنے پر قسطنطنیہ سے نکل کر افریقہ میں قرطاجنہ کی طرف جانے کا ارادہ بدل دیا تب اس نے تیز رفتار کشتیوں میں کچھ دستے روانہ کئے تاکہ جو خزانہ اس نے قسطنطنیہ سے قرطاجنہ روانہ کیا ہے اسے واپس لایا جائے۔ لیکن چند ہی دن بعد خسرو پرویز کو ایک انتہائی بری خبر ملی۔

وہ یہ کہ جو خزانہ ہرکولیس نے کشتیوں میں لاد کر قسطنطنیہ سے قرطاجنہ کی طرف روانہ کیا تھا اس خزانے میں سونا، جواہرات، یاقوت، مروارید اور گوناگوں اشیاء تھیں۔ اتفاق سے تیز اور تند ہوائیں سمندر میں چلیں اور پھر سمندر کو طغیانی نے آن لیا۔ چنانچہ کشتیوں میں لدا ہوا ہرکولیس کا وہ خزانہ بہتا ہوا خلیج فارس کے ساحل پر آ لگا اور خسرو پرویز کے ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ اسے جب خبر ہوئی کہ یہ خزانہ حقیقت میں رومنوں کا تھا جسے ہرکولیس نے قسطنطنیہ سے قرطاجنہ کی طرف روانہ کیا تھا تب خسرو پرویز قہقہہ لگا کر کہنے لگا۔

"اس خزانے کا زیادہ حق دار میں ہوں۔ کیونکہ ہوا اسے مجھ تک لے آئی ہے۔"

چونکہ اس خزانے کو تیز ہوائیں ایران کی طرف لے آئی تھیں لہٰذا اس خزانے کا نام خسرو پرویز نے گنج بادآورد رکھا تھا۔

خسرو پرویز کا خزانہ اب بھرپور ہو گیا تھا۔ اس کے پاس پہلے ہی بڑا مال و دولت تھا اور بہت سے خزانے موجود تھے۔ اس کا ایک خزانہ جو بہت قیمتی تھا، اس کا نام اس نے گنج گاؤ رکھا ہوا تھا۔ مؤرخ ثعالبی نے اس خزانے کی تفصیل یوں پیش کی ہے:

"کہتے ہیں ایک ایرانی دہقان اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ اتفاقاً ہل کی نوک ایک مٹکے کے دستے میں اُلجھ گئی جو اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسان نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر یہ سرگزشت بیان کی۔ چنانچہ خسرو پرویز نے حکم دیا کہ سارے کھیت کو کھودا جائے اور جو مال و دولت وہاں سے نکلے، حاضرِ دربار کیا جائے۔

چنانچہ کھیت کھودنے پر سونا چاندی اور جواہرات سے بھرے ہوئے ایک سو مٹکے برآمد ہوئے جو سکندر اعظم نے کسی دور میں زمین میں گڑوا دیئے تھے۔ ان پر سکندر کے نام کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ یہ خزانہ پا کر خسرو بہت خوش ہوا اور اس نے ایک مٹکا کسان کو بطور انعام دیا، باقی

سارے مٹکے اس نے اپنے خزانے میں داخل کر دیئے تھے۔ چونکہ بیلوں کے جوتنے والے کسان کے ذریعے یہ خزانہ اسے حاصل ہوا تھا چنانچہ اس کا نام اس نے ''گنج گاؤ'' رکھا۔''

مؤرخین اس کے ایک اور خزانے کا بھی ذکر کرتے ہیں:

''کہتے ہیں خسرو پرویز ایک بڑا زور پسند انسان تھا۔ جہاں اپنے جاہ و جلال کو نمایاں کرنا مقصود ہوتا وہاں بے دریغ دولت خرچ کرتا جس کا نقش اس کے تمام ہم عصر بادشاہوں کے دل پر تھا۔ اس کے شاہی خزانوں کا اکثر ادیب اور شاعر ذکر کیا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سنار سونے سے سبزیوں کے نمونے تیار کرتے تھے اور جب مہمان کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھتے تو یہ سبزیاں بھی جنہیں زرین ترہ کہتے تھے، دستر خوان پر چن دی جاتی تھیں اور جب مہمان رخصت ہوتے تو یہ سبزیاں بھی جو سونے چاندی کی ہوتی تھیں انہیں دے دی جاتی تھیں۔''

مؤرخین نے خسرو کے ترنج زر کا بھی ذکر کیا ہے۔ ترنج زر کو زرشت فشار کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ سونے کی نارنگی تھی جو ہاتھ کے دبانے سے دب جاتی تھی۔ اکثر خسرو پرویز یہ نارنگی اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ اس کی دستار کی یہ خصوصیت تھی کہ اگر اس پر دھبے پڑ جائیں تو دستار آگ میں ڈال دی جاتی تھی آگ کی جلن سے دھبے تو دور ہو جاتے لیکن دستار پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔

بہر حال خسرو پرویز کے پاس پہلے ہی بہت سے خزانے تھے اور جب سمندر میں تیز ہواؤں کے ساتھ بہتا ہوا ہرکولیس کا خزانہ بھی اسے مل گیا تب اس کے مال و دولت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

❀

ہرکولیس نے اب خسرو پرویز پر کاری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اپنے بحری بیڑے کو حرکت میں لانے کے بعد اس نے بحیرہ فاسفورس کو عبور کیا اور اپنے بحری بیڑے کے ساتھ وہ ایسوس شہر پہنچ گیا۔ یہ وہی مقام ہے جو کسی دور میں سکندر اعظم اور ایران کے شہنشاہ داریوش (دارا) کا میدانِ جنگ بنا تھا۔ خسرو پرویز کو جب خبر ہوئی کہ ہرکولیس اپنے بحری بیڑے کو حرکت میں لایا ہے، اس کے ذریعے وہ ایسوس پہنچا ہے اور وہاں کے کھلے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ اس نے پڑاؤ کیا ہے تب ہرکولیس کی راہ روکنے اور ماضی کی طرح اسے شکست سے دوچار کرنے کے لئے خسرو پرویز نے ایک خاصا بڑا لشکر اپنے سالار شہر براز کو مہیا کیا اور اسے رومنوں کی طرف روانہ کیا تاکہ ہرکولیس سے ٹکرائے اور ماضی کی طرح ہرکولیس کو شکست دے کر مار بھگائے۔

ہرکولیس اور رومن سالار شہر براز کے درمیان آرمینیا کی سرحد پر پہلی مڈبھیڑ ہوئی اور اس لڑائی نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے محترم پیغمبر ﷺ نے وحی کے ذریعے ملنے والی جس خبر کو لوگوں تک پہنچایا تھا اس کی سچائی کا وقت آ گیا تھا اس لئے کہ اس مقابلے میں پہلی بار ہرکولیس نے ایرانیوں کے سالار شہر براز کو بدترین شکست دی۔ اس معرکے اور اس ٹکراؤ نے رومنوں کی تقدیر کا پانسہ پلٹ دیا۔

فوکاس کے بعد ہرکولیس کے دور میں ایرانیوں کے خلاف یہ رومنوں کی پہلی فتح تھی۔ یہ فتح حاصل کرنے کے بعد ہرکولیس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ مزید فتوحات کے سلسلے کو قائم و دائم رکھنے کے لئے مزید آگے بڑھنے کی بجائے موسم سرما گزارنے کے لئے وہ قسطنطنیہ واپس چلا گیا تھا۔

ہرکولیس کے ہاتھوں اپنے لشکر کی اس شکست اور تباہی کا خسرو پرویز کو بڑا دکھ اور صدمہ ہوا چنانچہ اس نے ہر صورت میں ہرکولیس کو بدترین شکست دے کر اپنی اس شکست کا انتقام لینے کا تہیہ کرلیا۔

دوسری طرف ہرکولیس بھی سرما گزارنے کے بعد حرکت میں آیا۔ اپنے بحری بیڑے کو وہ لازیکا کے ساحل پر لے آیا اور وہاں سے سیدھا اپنے لشکر کے ساتھ اس نے آرمیلیا کا رخ کیا۔ دراصل ہرکولیس آرمیلیا فتح کرنے کے بعد ایرانیوں کی بدبختی کا در کھولنا چاہتا تھا۔

خسرو پرویز نے اس وقت اپنے ایک جرار لشکر کے ساتھ آذر بائیجان کے شہر شیز میں قیام کیا ہوا تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ ہرکولیس اپنے بحری بیڑے کو حرکت میں لایا ہے، بحری بیڑہ اس نے لازیکا کی بندرگاہ پر کھڑا کر دیا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ آرمیلیا کی طرف بڑھا ہے تب اس کی راہ روکنے کے لئے خسرو پرویز نے پیش قدمی کی۔

اس کا ارادہ تھا کہ وہ بذاتِ خود ہرکولیس سے ٹکرائے گا اور اسے بدترین شکست دے گا تاہم بدترین حالات سے بچنے کے لئے اس نے تیز رفتار قاصد اپنے سالار شہر براز کی طرف بھی روانہ کر دیئے جو ایک خاصا بڑا لشکر لے کر دوسرے مقام پر مقیم تھا۔ دراصل خسرو پرویز چاہتا تھا کہ ایک طرف سے وہ خود حملہ آور ہو، دوسری طرف سے اس کا سالار شہر براز ہرکولیس پر ضرب لگائے۔ اور اس طرح دو طرفہ حملے سے ہرکولیس اور اس کے لشکر کو کچل مسل کر رکھ دیا جائے۔

دوسری طرف ہرکولیس بھی بڑا محتاط ہو رہا تھا۔ ایرانیوں کے خلاف ایک فتح حاصل کرنے کے بعد نہ صرف اس کے حوصلے بلند تھے بلکہ اس کے سالاروں اور اس کے لشکریوں نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ اب حالات کا رخ تبدیل ہو رہا ہے اور شکستیں اور بربادیاں ایرانیوں کا مقدر بنیں گی۔

چنانچہ فیصلہ کن معرکہ سر کرنے کے لئے ہرکولیس نے اپنے لشکر کے ساتھ آرمیلیا کی حدود میں ایک جگہ پڑاؤ کرلیا تھا۔ اسی پڑاؤ کے دوران اسے خبر ملی کہ چالیس ہزار کا لشکر لے کر خود خسرو پرویز آذر بائیجان سے آرمیلیا کا رخ کر رہا ہے جبکہ ایرانیوں کا ایک اور لشکر خسرو پرویز کے حکم پر اس کے سالار شہر براز کی سرکردگی میں آرمیلیا کے رخ پر پیش

قدمی کئے ہوئے ہے۔

جب ہرکولیس کو اپنے مخبروں کے ذریعے یہ خبر ملی تب اس نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس اپنے خیمے میں طلب کرلیا تھا۔

جب سارے سالار ہرکولیس کے پاس پہنچ گئے تب ایک غائر نگاہ اس نے باری باری سب پر ڈالی، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''عزیز ساتھیو! جس مقصد کے لئے تمہیں بلایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت دشمن کے دو بڑے لشکر ہماری طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ ایک کی کمانداری خود خسرو پرویز کر رہا ہے۔ وہ آذر بائیجان کی طرف سے آ رہا ہے۔ دوسرا جنوب مغرب کے رخ سے۔ شہر براز آرمیلیا کی طرف آ رہا ہے۔ اس کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر ہے۔ اس موقع پر میں نے ایک فیصلہ کیا ہے لیکن میں اپنا فیصلہ تم پر مسلط نہیں کرنا چاہتا۔ وہ معاملہ پہلے میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تم اس سے متفق ہو گئے تو آج ہی اپنی کارروائی کی ابتداء کر دی جائے گی۔

میں چاہتا ہوں کہ جس سمت سے خسرو پرویز آ رہا ہے، اس سمت ہم اپنی پوری رفتار اور آنے والی شب کو انتہائی تیزی اور سرعت کے ساتھ اس رخ پر پیش قدمی شروع کر دیں۔ رات کی تاریکی میں یہ سفر جاری رہے گا۔ ہمارے پاس کافی راہنما ہیں جو ان سارے علاقوں سے واقف ہیں۔ وہ ہماری راہنمائی کریں گے۔ اس طرح میں چاہتا ہوں کہ آذر بائیجان کی طرف کچھ فاصلوں کو خسرو پرویز سمیٹے اور کچھ کو ہم طے کریں۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ شہر براز کے آنے سے پہلے پہلے ہم خسرو پرویز کے ساتھ ٹکرا جائیں اور اسے شکست سے دوچار کریں۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا شہر براز پر ہم ضرب لگائیں گے تو وہ ہماری ضرب برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے کہ اس وقت تک شہر براز اور اس کے لشکریوں کے پاس یہ خبر پہنچ چکی ہو گی کہ ہم نے ان کے شہنشاہ خسرو پرویز کو شکست دے کر مار بھگایا ہے۔ چنانچہ یہ خبر سن کر شہر براز ہی نہیں اس کے لشکریوں کے بھی حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان حالات میں انہیں شکست دینا ہمارے لئے بڑا آسان اور سہل ہو کر رہ جائے گا۔ یہی معاملہ میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اور اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بولے۔''

ہرکولیس کی اس تجویز کے خلاف کسی نے کوئی اعتراض کھڑا نہ کیا جس کی وجہ سے

ہرکولیس نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آنے والی شب کے پہلے ہی حصے میں ہرکولیس نے اپنا پڑاؤ ختم کر دیا اور بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ وہ آذربائیجان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

اب صورت حال عجیب شکل اختیار کر گئی تھی۔ خسرو پرویز اپنی جگہ مطمئن تھا کہ رومن شہنشاہ ہرکولیس چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پسنے والا ہے۔ اس لئے کہ ایک لشکر کو لے کر وہ آذر بائیجان سے آرمینیا کا رخ کئے ہوئے تھا۔ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے سفر کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے مخبروں نے یہ بھی اطلاع کر دی تھی کہ ان کا سالار شہر براز اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے ہرکولیس کا رخ کئے ہوئے تھا۔

لیکن خسرو پرویز کی بدقسمتی، پیشتر اس کے کہ دونوں ایرانی لشکر ایک دوسرے سے مل سکتے، رومنوں کا شہنشاہ ہرکولیس، اس کا بھائی تھیوڈور اور سالار بابان بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس کے سر پر جا پہنچے۔ خسرو پرویز کے پاس پہنچتے ہی ہرکولیس نے وقت ضائع نہیں کیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایرانیوں کا ایک اور لشکر بھی اس کے درپے ہے۔ لہٰذا خسرو پرویز کے سامنے جاتے ہی ہرکولیس نے خونخوار انداز میں ایرانی لشکر پر حملہ کر دیا۔ کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا جس کے نتیجے میں رومنوں نے خسرو پرویز کو بدترین شکست دی۔ چنانچہ خسرو پرویز اپنے شکست خوردہ اور بچے کھچے لشکر کو لے کر میدان جنگ سے بھاگا اور زاگروس کے کوہستانی سلسلوں کی طرف چلا گیا تھا۔

خسرو پرویز کو شکست دینے کے بعد ہرکولیس انتقامی کارروائی پر اتر آیا تھا۔ ماضی میں اسے ایرانیوں کے ہاتھوں پے در پے شکستیں ہوتی رہی تھیں اور اب اس نے ماضی کی اپنی شکستوں کا انتقام لینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ خسرو پرویز کے بھاگنے کے بعد وہ آس پاس کے شہروں اور قصبوں پر وحشیانہ انداز میں حملہ آور ہوا اور جو بھی بستی، شہر اور قصبہ اس کے سامنے آیا اسے تباہ و برباد کرتا چلا گیا تھا۔

اسی بربادی کے دوران جس وقت ہرکولیس اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کر رہا تھا۔ ایک قصبے کے بعد دوسرا قصبہ ایک شہر کے بعد دوسرا شہر، ایک بستی کے بعد دوسری بستی کو برباد اور آگ لگاتے ہوئے وہ پیش قدمی کر رہا تھا۔ ہرکولیس کے مخبروں نے اسے یہ اطلاع دی کہ ان علاقوں میں دو چیزیں ایسی ہیں اگر ان پر ضرب لگائی جائے تو خسرو

پرویز کی پوری سلطنت کے اندر بددلی پھیل جائے گی۔

ان مخبروں نے حملہ آور ہونے کے لئے جس پہلی چیز کی طرف اشارہ کیا وہ زرتشت کا مولد تھا اور مخبروں نے اس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ دوسرا مقام جس کی طرف راہنمائی ان مخبروں نے کی تھی وہ ایران کا قدیم آتش کدہ آذر گشتاسب تھا۔ مخبروں نے ہرکولیس کو ترغیب دی کہ ان دونوں مقامات پر حملہ آور ہو کر انہیں نیست و نابود کیا جائے۔ اس لئے کہ دونوں مقامات ایرانیوں کے ہاں بڑے معتبر اور مقدس خیال کئے جاتے ہیں اور ان کی بربادی پر ایران کے طول و عرض میں ماتم کی سی کیفیت پھیل جائے گی۔

اپنے مخبروں کے ان مشوروں پر ہرکولیس نے عمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے ارومیہ کا رخ کیا تھا۔ ارومیہ پر وہ حملہ آور ہوا اور اپنی انتقام کی آگ سرد کرتے ہوئے ارومیہ کو اس نے تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔

اس کے بعد ایرانیوں کے قدیم آتش کدے آذر گشتاسب کا رخ کیا گیا، اسے بھی مسمار کر دیا گیا۔ ہرکولیس نے یہیں تک بس نہ کی، اس علاقے میں جس قدر چھوٹے بڑے آتش کدے تھے سب کو اس نے سرد اور خاموش کر کے رکھ دیا۔

خسرو پرویز کے سالار شہر براز کو جب پتہ چلا کہ خسرو پرویز کو تو ہرکولیس نے بدترین شکست دی ہے اور خسرو پرویز شکست اٹھا کر بچے کھچے لشکر کے ساتھ کوہستانِ زاگروس کی طرف چلا گیا ہے تب اس نے اپنی پیش قدمی ترک کر دی۔

ہرکولیس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایرانیوں کے علاقوں میں جی بھر کر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلا اور ان تباہ کاریوں سے فارغ ہو کر ہرکولیس نے اپنے لشکریوں کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے آرمینیا کے ایک مقام البانیہ میں جا قیام کیا تھا۔

دوسری طرف ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کو ہرکولیس کے ہاتھوں اپنی شکست کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ وہ زاگروس کے کوہستانی سلسلے سے نکلا اور مدائن کا رخ کیا۔ مدائن کی طرف جاتے ہوئے اس نے اپنے سالار شہر براز کو حکم دیا کہ وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ البانیہ کا رخ کرے، ہرکولیس سے ٹکرائے اور اسے ایرانی علاقوں میں مزید پیش قدمی نہ کرنے دے۔

شہر براز، ہرکولیس سے ٹکرایا لیکن خسرو پرویز اور ساتھ ہی شہر براز کی بدقسمتی کہ اسے بھی ہرکولیس کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

مدائن میں قیام کے دوران جب تک خسرو پرویز کے سالار ہرکولیس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جرار لشکر تیار کرتے رہے، خسرو پرویز شکست کے داغ کو بھولنے کے لئے دو چیزوں سے دل بہلاتا رہا۔ ایک یہ کہ وہ لشکر کے لئے مختلف جانور جمع کرتا رہا، دوسرے موسیقی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

جہاں تک جانوروں کا تعلق ہے تو مؤرخین لکھتے ہیں خسرو پرویز کے پاس لگ بھگ پچاس ہزار گھوڑے، بارہ ہزار شتر اور ایک ہزار ہاتھی ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ شب دیز نام کا ایک انتہائی عمدہ اور نایاب گھوڑا تھا جو خسرو پرویز کی سواری میں رہتا تھا۔ کہتے ہیں یہ گھوڑا بڑا تیز رو اور خوبصورت تھا۔ مشہور مؤرخ ثعالبی کے مطابق وہ گھوڑا آب و آتش کی صفات کا مالک تھا۔ جس طرح رستم کی وجہ سے اس کے گھوڑے رخش نے شہرت پائی، اسی طرح خسرو پرویز کی وجہ سے اس کے گھوڑے شب دیز نے شہرت حاصل کی تھی۔ اس کے گھوڑے کے متعلق مشہور روایت ہے کہ یہ گھوڑا خسرو کو اس قدر عزیز تھا کہ وہ کہتا تھا:

''جس کسی نے بھی کبھی شب دیز کے مرنے کی خبر دی، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔''

آخر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ شب دیز بیمار ہو گیا اور مر گیا۔ اب خسرو پرویز کے سالاروں میں ایک طرح کی بے چینی اور خوف طاری ہو گیا۔ کوئی بھی بادشاہ کے گھوڑے کی خبر دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جانتے تھے کہ جس نے بھی یہ خبر بادشاہ سے کہی، اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ آخر خسرو پرویز کے ذہن میں شب دیز کے مرنے کی خبر ڈالنے کے لئے باربد نام کے ایک شاعر کا سہارا لیا گیا۔

باربد نے خسرو پرویز کے سامنے کچھ اشعار پڑھے۔ ان اشعار کا مفہوم یہ تھا:

''شب دیز اب نہ دوڑ سکے گا، نہ چل سکے گا، نہ سو سکے گا۔''

یہ سن کر خسرو پرویز چونک کر بولا۔

''تو کیا شب دیز مر گیا؟''

بادشاہ کے یہ الفاظ سن کر باربد نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''حضور ہی یہ فرما رہے ہیں تو کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔''

باربد کے یہ الفاظ سن کر خسرو پرویز نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''بہت خوب.... تم نے اپنے آپ کو بھی بچا لیا اور دوسروں کو بھی۔''

جہاں تک خسرو کے موسیقی اور شاعری میں دلچسپی لینے کا تعلق تھا تو اس کے دربار میں دو اہم موسیقار تھے۔ ایک سرگس اور دوسرا باربد۔ دونوں ہی اس کے دربار سے وابستہ تھے اور دونوں ہی موسیقی کے ماہر خیال کئے جاتے تھے لیکن باربد کو سرگس کے مقابلے میں بالا خیال کیا جاتا تھا۔

مشہور مؤرخ ثعالبی، باربد کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہے جس کے ذریعے باربد خسرو پرویز کے دربار میں پہنچا۔

کہا جاتا ہے کہ خسرو کے دربار کا شاعر اور بہترین موسیقار سرگس تھا۔ چنانچہ مروہ شہر کے ایک شخص باربد کو بادشاہ کی فن شناسی کا حال معلوم ہوا تو اس نے پایہ تخت کا رخ کیا۔

چنانچہ خسرو پرویز کے درباری موسیقار سرگس کو جب معلوم ہوا کہ مروہ شہر کا ایک موسیقار آیا ہے جو عود بہترین انداز میں بجاتا ہے۔ ساتھ ہی خود گاتا ہے، شاعری بھی کرتا ہے اور سننے والے کو مسحور کر کے رکھ دیتا ہے۔''

باربد کا نام سن کر اسے خیال آیا کہ اگر باربد نے بادشاہ کے دربار میں رسائی حاصل کر لی تو کہیں وہ اپنے ساز نغمے سے بادشاہ کو مسحور نہ کر دے اور دربار میں اس کی حیثیت کم نہ ہو جائے چنانچہ اس نے تہیہ کر لیا کہ باربد کو دربارِ شاہی میں آنے نہیں دے گا۔

چنانچہ اس نے باربد کو دربارِ شاہی سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ اس غرض کے لئے اس نے درباریوں اور خادموں میں بے دریغ دولت صرف کی۔ چنانچہ کافی عرصہ تک باربد کو دربارِ شاہی میں رسائی حاصل نہ ہو سکی اور وہ بے چارہ کسمپرسی کی حالت میں دن گزارتا رہا۔

آخر بادشاہ کے روز و شب کا حال معلوم کر کے باربد کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ بادشاہ کے باغبان کے پاس گیا اور اسے اپنے حال زار سے آگاہ کیا اور کچھ نذرانہ بھی پیش کر کے استدعا کی کہ اس سے پیشتر کے بادشاہ باغ میں آئے اور مے نوشی میں

مشغول ہو، اسے بادشاہ کی مجلس کے قریب درخت پر چڑھنے کی اجازت دے دے۔

باغبان اس پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ بادشاہ کے باغ میں آنے کا وقت ہوا تو باربد سبز ریشمی لباس پہن کر ایک قریبی درخت پر چڑھ گیا۔

چونکہ وہ سبز رنگ کا ریشمی لباس پہنے ہوئے تھا چنانچہ وہ درخت کے ہرے پتوں میں چھپ سا گیا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے مے نوشی شروع کی۔ اپنی مخصوص کرسی کو زینت دی۔ سامنے ندیم اور مصاحب حلقہ باندھ کر اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ساقیانِ خوبرو نے مے کے جام پیش کرنے شروع کیے۔ جونہی خسرو پرویز نے شراب کا جام لیا، باربد نے درخت پر بیٹھ کر ایک راگنی گانی شروع کر دی۔

حاضرین اس کی دلنشین آواز سے بہت محظوظ ہوئے۔ خسرو پرویز اس راگنی سے بہت متاثر ہوا اور پوچھا۔

''کون گا رہا ہے؟''

سب نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کچھ نہ پتہ چل سکا کہ گانے والا کون ہے اور کہاں ہے؟ چنانچہ خسرو پرویز نے شراب کا دوسرا جام لیا۔

دوسری طرف باربد نے ایک دوسری راگنی چھیڑی۔ وہ راگنی سن کر خسرو پرویز کی حیرانی کی انتہا نہ رہی اور پکار اٹھا۔

''کتنا دل نشین نغمہ ہے۔ دل چاہتا ہے تمام جسم سراپا گوش بن جائے۔''

ساتھ ہی خسرو پرویز نے اپنے ندیموں سے کہا۔

''جس طرف سے یہ سہانی آواز آ رہی ہے ادھر کچھ لوگ جا کر دیکھیں۔''

چنانچہ وہ گئے لیکن موسیقار کہیں نظر نہ آیا۔

اتنے میں خسرو پرویز نے تیسرا جام لیا۔

باربد نے بھی ایک تیسری راگنی چھیڑی۔ اس راگنی کو سن کر بادشاہ تڑپ اٹھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

''شاید کوئی فرشتہ ہے جسے خدا نے بھیجا ہے تاکہ ہم اس کے نغموں سے لطف اندوز ہوں۔''

اس کے بعد با آواز بلند خسرو پرویز کہنے لگا۔

''اے گانے والے نیک شخص! سامنے آ۔ تُو نے ہمیں اپنے نغموں سے لذتِ غشی

دی ہے۔ اب ہمیں اپنا چہرہ بھی دیکھ لینے دے۔''

باربد یہ سن کر درخت سے نیچے اُتر پڑا۔ بادشاہ کے سامنے آ کر زمین بوس ہوا۔ خسرو پرویز نے اس کی کیفیت سن کر اُس کی بہت عزت افزائی کی۔ اسے اپنے ساتھ رکھا اور ہمیشہ اس کے فن سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ آخر میں خسرو نے اسے اپنے گویوں کا رئیس مقرر کر دیا تھا۔ اس کے حالات کے آخر میں مؤرخ ثعالبی یہ بھی لکھتا ہے کہ آخر کار دوسرے موسیقار سرگس نے باربد کو زہر دے کر اس کا کام تمام کر دیا۔ بہرحال جب تک خسرو پرویز کے لشکری جرار لشکر تیار کرنے میں مصروف رہے، خسرو پرویز عمدہ قسم کے جانور جمع کرنے کے ساتھ ساتھ موسیقی سے بھی دل بہلاتا رہا۔

❁ ❁ ❁

رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس کے حوصلے اب بڑھ گئے تھے۔ چنانچہ اس نے ایرانیوں کے خلاف جارحیت اختیار کرنے کا عزم کرلیا تھا۔ اپنے اس عزم کی تکمیل کے لئے وہ لشکر لے کر نکلا۔ سب سے پہلے اس نے ایرانیوں کے شہر ارزانین کا رخ کیا۔ اس شہر پر وہ حملہ آور ہوا۔ وہاں جو ایرانی لشکر شہر کی حفاظت پر مقرر تھا، اسے بدترین شکست دے کر ان کا قتل عام کیا اور شہر پر قبضہ کرلیا۔

ہرکولیس نے اب ایرانیوں کے خلاف زخمی سانپ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ارزانین شہر کو فتح کرنے کے بعد اس کے لشکریوں کے حوصلے مزید بلند ہوئے۔ ساتھ ہی انہیں ارزاین سے ملنے والے مال سے بھی بہت کچھ ملا۔ چنانچہ حرص و ہوس میں بھی خوب اضافہ ہوا۔ اس کے بعد ہرکولیس نے آمدہ شہر کا رخ کیا تھا جسے بعد میں دیار بکر کا نام دیا گیا تھا۔

اس شہر میں ایرانیوں کا جو لشکر تھا اس نے مزاحمت کی لیکن بالکل ناکام رہے۔ ہرکولیس نے اپنے لشکر کے ساتھ انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ یوں دیار بکر پر بھی رومنوں کا قبضہ ہوگیا۔ اب ہرکولیس نے ایک طوفانی صورت اختیار کر لی تھی۔ ارزانین اور دیار بکر کو فتح کرنے کے بعد بڑی تیزی سے وہ میٹروپولس کی طرف بڑھا۔ اس شہر کو تاریخ کے اوراق میں بعد کے دور میں میافارقین کا نام دیا گیا تھا۔ اس پر بھی رومن حملہ آور ہوئے اور بغیر کسی مزاحمت کے اسے فتح کر کے اس پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔

خسرو پرویز کے مقابلے میں اب ہرکولیس نے ایک طرح سے عقابی صورت اختیار کر لی تھی۔ فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا وہ دریائے فرات کی طرف بڑھا۔ اس وقت دریائے فرات کے کنارے ہی خسرو پرویز کا سالار شہر براز ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ

ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ چنانچہ بڑی بے فکری سے ہرکولیس نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کو عبور کیا۔ شہر براز اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے ہولیا اور اس کے پیچھے ہی دریائے فرات کو عبور کر کے ہرکولیس کا اس نے تعاقب شروع کر دیا۔

ہرکولیس نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کو عبور کیا۔ شہر براز اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے ہولیا اور اس کے پیچھے ہی دریائے فرات کو عبور کر کے ہرکولیس کا اس نے تعاقب شروع کر دیا۔

ہرکولیس نے اپنے لشکر کے ساتھ پہلے ایرانیوں کے شہر کیلیا کا رخ کیا۔ اسے بھی اس نے روند کر رکھ دیا۔ اتنی دیر تک پشت کی طرف سے تیزی کے ساتھ یلغار کرتا ہوا شہر براز بھی قریب آ گیا تھا۔ اس وقت تک ہرکولیس سارس نام کے میدانوں میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں دونوں لشکریوں کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی اور ایک خون ریز معرکہ ہوا۔ اس جنگ میں ہرکولیس نے شہر براز کو بدترین شکست دی اور وہ بچے کھچے لشکر کو لے کر ہرکولیس کے سامنے سے بھاگ نکلا۔

ہرکولیس کی ان پے در پے فتوحات اور جنگ کا پانسہ ایرانیوں کے خلاف پلٹ جانے کی وجہ سے خسرو پرویز کو بڑا دکھ اور صدمہ تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس بار اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کی تیاری میں اس نے تمام ملکی وسائل کو وقف کر کے رکھ دیا۔ کچھ جنگجو قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ یوں اپنی تیاری مکمل کرنے کے بعد خسرو پرویز نے دو لشکر تیار کئے۔ ایک لشکر اپنے سالار شاہین کی سرکردگی میں دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہرکولیس کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ دوسرے لشکر کو اس نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کر دیا۔ اس طرح اپنی طاقت اور قوت کو استعمال کرتے ہوئے خسرو پرویز، رومنوں کے مرکزی شہر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

ہرکولیس کے مخبر بھی اسے ساری خبریں پہنچا رہے تھے۔ چنانچہ ہرکولیس کو خسرو پرویز کے ان ارادوں کا علم ہوا تو اس نے اپنے سارے عساکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو اس نے اپنے مرکزی شہر قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے متعین کیا، دوسرے لشکر کو اپنے بھائی تھیوڈور کی کمانداری میں دیا۔ تیسرا لشکر اپنے پاس رکھا اور لازیکا کا رخ کیا تاکہ اس کے اردگرد جو ایرانیوں کے مقبوضہ جات تھے، ان پر قبضہ کر لیا جائے۔

لازیکا میں تو ہرکولیس کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن اس کے بھائی تھیوڈور نے ایرانی سالار شاہین کو بدترین شکست دی۔ شاہین اس ذلت آمیز شکست کو برداشت نہ کرسکا اور خودکشی کرلی۔

اسی عرصے میں ایرانیوں کے دوسرے لشکر نے پیش قدمی کرتے ہوئے آگے جا کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا تھا۔ اس ایرانی لشکر کو جس میں جنگجو قبائلی بھی شامل تھے، ایران کی طرف سے وافر تعداد میں کمک اور رسد بھی ملتی رہی لیکن ایرانیوں کی بدقسمتی کہ جس وقت وہ قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، رومنوں کا بحری بیڑہ بھی وہاں آن پہنچا۔ اب شہر کے اندر سے رومن لشکر ایرانیوں کو اپنا ہدف بنانے لگا۔ باہر سے رومنوں کے بحری بیڑے نے ایرانی لشکر پر حملے شروع کر دیئے تھے۔ اس طرح ایرانی لشکر شہر کا محاصرہ ترک کرنے پر مجبور ہوا۔ یوں ہرکولیس کے خلاف ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کی یہ مہم بھی ناکام ثابت ہوئی۔

اب حالات کے اندر ایک عجیب اور انوکھی سی تبدیلی رونما ہو رہی تھی اور یہ تبدیلی رومنوں کے موافق اور ان کے حق میں تھی۔ ایرانیوں نے ماضی میں جس قدر فتوحات اور کامیابیاں حاصل کی تھیں وہ ساری ان کے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی تھیں۔ پے در پے اور لگاتار فتوحات نے جہاں ایرانیوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے، وہاں رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس اور اس کے لشکریوں کے جذبے جوان ہو کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ ایرانیوں پر مزید اور کاری ضرب لگانے کے لئے اس بار ہرکولیس نے ایرانیوں کے ایک اہم شہر دست گرد پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

ہرکولیس نے دست گرد پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ ان دنوں ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے دست گرد نام کے قلعے کے اندر ہی قیام کر رکھا تھا۔ یہ قلعہ ایران کے مرکزی شہر مدائن سے ستر میل کے فاصلے پر تھا۔

چنانچہ دست گرد پر حملہ آور ہونے کے لئے ہرکولیس اپنے لشکر کے ساتھ جب قدیم شہر نینوا کے کھنڈرات کے قریب پہنچا۔ تب ایرانی لشکر نے دست گرد سے نکل کر ہرکولیس کی طرف پیش قدمی شروع کی اور ارادہ کیا کہ دست گرد سے دور ہی ہرکولیس کے لشکر کو روک دیا جائے۔

چنانچہ دست گرد سے دور ہی ایرانیوں اور رومنوں کے درمیان خون ریز جنگ

ہوئی۔ خسرو پرویز نے اپنے جس سالار کو اس لشکر کی کمانداری دے کر ہرکولیس کی راہ روکنے کے لئے بھیجا تھا وہ سپہ سالار اس ٹکراؤ کے دوران مارا گیا۔ اپنے سالار کے مارے جانے کی وجہ سے ایرانی لشکر کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدانِ جنگ سے دست گرد کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ صورتِ حال خسرو پرویز کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ جو لشکر شکست اٹھا کر واپس اس کے پاس آیا تھا اسے بھی ساتھ لیا اور جس لشکر کو لے کر وہ دست گرد میں قیام کئے ہوئے تھا اسے بھی اپنے ہمراہ لیا۔ دست گرد سے نکلا اور شہر کے قریب ہی ایک گہری ندی کے کنارے جو براز رود کے نام سے پکاری جاتی تھی اپنے لشکر کے ساتھ ڈیرے ڈال دیئے۔

چنانچہ ہرکولیس بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ پہلی ہی جھڑپ میں خسرو پرویز نے نام و ناموس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کیا اور اپنے پایہ تخت مدائن کی طرف بھاگا۔

اس موقع پر ہرکولیس کے ہاتھ بے شمار دولت لگی۔ تین سو ایرانی جھنڈے بھی رومنوں کے ہاتھ لگے۔ ان کے علاوہ چاندی کی کثیر مقدار کم خواب کے فرش اور ریشمی ملبوسات کے ڈھیر ہرکولیس کو ملے۔

خسرو کے فرار کے باوجود ایرانی لشکر نے میدان نہ چھوڑا اور رومنوں کا مقابلہ کیا۔ اس موقع پر خسرو پرویز نے بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ اگر وہ اپنے لشکریوں کے ساتھ براز رود ندی کے کنارے رومنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا تو شاید فتح اس کا مقدر بنتی لیکن قدرت چونکہ اس کے خلاف فیصلہ دے چکی تھی لہٰذا بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا۔

خسرو پرویز کی غیر موجودگی میں اس کے جس لشکر نے رومنوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ اسے ایک کمک بھی مل گئی۔ یہ کمک دو سو جنگی ہاتھیوں کی صورت میں تھی۔ جس وقت خسرو پرویز مدائن کی طرف بھاگا تھا، ہرکولیس نے ارادہ کیا تھا کہ مدائن تک اس کا تعاقب کرے گا اور اسے گرفتار کرے گا۔ لیکن جو ایرانی لشکر اس کے ساتھ برسرِ پیکار تھا اسے دو سو جنگی ہاتھیوں کی کمک مل گئی۔ تب ہرکولیس نے خسرو کے تعاقب کا ارادہ بدلا اور مدائن کا محاصرہ کرنے کا ارادہ بھی اس نے ترک کر دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ گویا اس

نے انہی فتوحات پر اکتفا کرلیا جواب تک اسے حاصل ہو چکی تھیں۔

چنانچہ اپنے لشکر کو لے کر ہرکولیس پیچھے ہٹا اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کنزا کے مقام پر جا قیام کیا اور اپنی سرگرمیوں کو اس نے موسم سرما کے اختتام تک ملتوی کر دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کو اب مدائن شہر میں خسرو پرویز کی طرف سے اچھی رہائش مل گئی تھی۔

عتبہ بن ہشام اس رہائش گاہ میں ایک روز اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ ہلال بن علقمہ اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اندر داخل ہوا۔ چھوٹا سا اصطبل جو اس رہائش گاہ کے ایک طرف تھا، وہاں اس نے اپنے گھوڑے کو باندھا۔ زین، دھانا اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ وہاں پہلے سے عتبہ بن ہشام کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ گھوڑے کے آگے ہلال بن علقمہ نے چارہ ڈالا اور پھر اندرونی حصے کی طرف گیا جہاں عتبہ بن ہشام بیٹھا ہوا تھا وہاں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اسے دیکھتے ہی عتبہ نے جواب طلب انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''میرے بھائی! تم کچھ زیادہ باہر نہیں رہنے لگ گئے ہو؟''

اس پر ہلال بن علقمہ بڑی سنجیدگی میں کہنے لگا۔

''ابنِ ہشام! میرے بھائی! یوں جانو ہم دونوں غریب الوطن ہیں۔ غیروں کے شہر میں ہیں۔ خسرو پرویز نے چونکہ اپنی بڑی بیٹی بوراں دخت اور شیریں کی بہن کی بیٹی البانہ کی تیغ زنی کی تربیت میرے ذمے لگا رکھی ہے۔ گو تربیت تو مکمل ہو چکی ہے، اب وہ دونوں تیغ زنی کے علاوہ تیر اندازی میں تاک ہو چکی ہیں۔ گھڑ سواری میں بھی جواب نہیں رکھتیں۔ لیکن وہ یہ سلسلہ برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ میں البانہ کی طرف سے تو کوئی شکایت محسوس نہیں کرتا لیکن بوراں دخت کا رویہ کچھ میرے لئے اجنبی اور انوکھا ہونے کے ساتھ ساتھ ناپسندیدہ ہے۔

ہلال بن علقمہ جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم اس کے کس رویے کا ذکر کرنا چاہتے ہو؟''

اس پر ہلال بن علقمہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ کہنے لگا۔

''جہاں تک بوراں دخت کی ذات کا تعلق ہے تو وہ مجھے بھائی کہتی ہے۔ جب وہ مجھے بھائی کہہ کر پکارتی ہے تو میں اس کے ساتھ اپنے رشتے پر فخر محسوس کرتا ہوں لیکن اس کی ذات کا ایک دوسرا پہلو ہے جو میری نگاہوں میں اسے قابل نفرت بناتا ہے۔''

''کون سا رویہ؟'' عتبہ بن ہشام نے پھر حیرت زدہ لہجے میں پوچھ لیا تھا۔

ہلال بن علقمہ نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''ابنِ ہشام! میرے بھائی! تم جانتے ہو، بوراں دخت اور آذرمی دخت دونوں سگی بہنیں ہیں۔ بوراں دخت بڑی ہے اور آذرمی دخت چھوٹی ہے۔ آذرمی دخت کا اخلاق، اس کی بات چیت بہت عمدہ، بڑی اچھی ہے۔ انسان کو انسان سمجھتی ہے لیکن بوراں دخت کا جو رویہ میرے لئے ناپسندیدہ ہے۔ وہ یہ کہ وہ آذرمی دخت سے انتہا درجہ کی نفرت کرتی ہے۔ بظاہر یہی تاثر دیتی ہے کہ آذرمی دخت اس کی چھوٹی بہن ہے اور وہ اپنی بہن سے محبت کرتی ہے لیکن حقیقت یوں نہیں ہے۔ باطن میں وہ آذرمی دخت سے سخت نفرت کرتی ہے اور اسے ناپسند کرتی ہے اور جہاں تک بوراں دخت کے اس رویے کو میں سمجھ سکا ہوں اس کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ آذرمی دخت بوراں کی نسبت بہت زیادہ خوبصورت اور اعلیٰ شخصیت کی مالک ہے۔ بوراں دخت کی نسبت وہ دراز قد ہے۔ اس کی شخصیت کے اندر ایک انوکھی کشش ہے جس کی وجہ سے بوراں دخت اسے ناپسند کرتی ہے۔

بوراں دخت کی ناپسندیدگی کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ آذرمی دخت اپنی سیرت کی وجہ سے نہ صرف اپنے ماں باپ کی نگاہوں میں بڑی دل عزیز ہے بلکہ شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ سلطنت کے کارندوں میں بھی وہ بڑی پسندیدہ شخصیت خیال کی جاتی ہے اور آذرمی دخت کی یہی ہردلعزیزی اس کی نگاہوں میں کانٹا بن کر کھٹکتی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلال بن علقمہ جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

''یہ تو بوراں دخت کی کیفیت تھی جو تم نے بیان کر دی۔ اب ذرا البانہ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالو۔ آخر دونوں ہی تمہارے زیرِ تربیت رہی ہیں۔''

کچھ کہنے سے پہلے ابنِ علقمہ نے ایک گہری نگاہ عتبہ بن ہشام پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

’’یہ البانہ جو رجینا کی خالہ زاد ہے، بوراں دخت سے بڑی مختلف ہے۔ بڑی اعلیٰ شخصیت کی مالک ہے۔ سیرت بھی لاجواب ہے۔ اپنے مزاج میں وہ رجینا اور آذرمی دخت سے ملتی جلتی ہے۔ اس کی خوب صورتی، اس کا حُسن و جمال بھی آذرمی دخت اور رجینا جیسا ہے۔

یہاں تک کہتے کہتے ہلال بن علقمہ اچانک رک گیا، کچھ سوچا، پھر عتبہ بن ہشام کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’’ابنِ ہشام! میرے بھائی! بوراں دخت گو مجھے بھائی کہہ کر پکارتی ہے لیکن میرے ساتھ زیادہ گفتگو نہیں کرتی۔ میں خود بھی اس سے دور ہی رہتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کا مزاج مجھ سے نہیں ملتا۔ جہاں تک البانہ کا تعلق ہے تو وہ کچھ مختلف شخصیت کی لڑکی ہے۔ میرے عزیز بھائی! اس موقع پر میں تم پر ایک بہت بڑا انکشاف کرنا چاہتا ہوں جو میرا ذاتی مطالعہ ہے۔ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔‘‘

ہلال بن علقمہ کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام نے چونکنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس موقع پر عتبہ بن ہشام کی آنکھوں میں سوال ہی سوال تھے۔ پھر ہلال بن علقمہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’میرے عزیز بھائی! کھل کر کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نہیں سمجھا تمہارا اشارہ کس جانب ہے؟‘‘

ہلال بن علقمہ نے پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر ایک گہری نگاہ ابنِ ہشام پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

’’میرے عزیز بھائی! گو تم عمر میں مجھ سے چھوٹے ہو لیکن میں تمہیں بڑے بھائی کا درجہ دیتا ہوں۔ تمہاری عزت بھی ایسے ہی کرتا ہوں۔ اس لئے کہ جنگی امور میں تم مجھ سے اعلیٰ اور ارفع ہو۔ بھائی! میرے البانہ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ بات چیت کے دوران میں یہ اندازہ لگا پایا ہوں کہ اس کا جھکاؤ میری طرف ہے۔ ان الفاظ کو تم یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ میرے بھائی! اگر کوئی ایسا لمحہ آتا ہے کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار کرے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟‘‘

ہلال بن علقمہ کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

’’تمہیں وہی کرنا چاہئے جو ایک نوجوان کو کرنا چاہئے۔ اگر البانہ تم سے اپنی پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرتی ہے تو میرے خیال میں اس کے اظہار کا تمہیں بھی مثبت جواب دینا چاہئے۔ دیکھو ہم ان سرزمینوں میں اجنبی ہیں۔ اس کے علاوہ......‘‘

یہاں تک کہتے کہتے عتبہ بن ہشام کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں ہلال بن علقمہ پھر بول پڑا۔

’’میرے بھائی! یہ ایک انکشاف ہے۔ تم بیچ میں بول پڑے ہو۔ ابھی میں نے اپنی گفتگو کو انجام نہیں دیا۔ البانہ کی گفتگو، اس کے اٹھنے بیٹھنے۔ اس کے انداز اور اس کی باتوں سے جہاں میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس کا جھکاؤ میری طرف ہے، وہاں میں نے ایک اور انکشاف کو بھی محسوس کیا ہے۔‘‘

ہلال بن علقمہ کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

’’اب وہ کون سا انکشاف نازل ہو گیا ہے جو تمہیں متاثر کر رہا ہے؟ دیکھو، البانہ کا جھکاؤ اگر تمہاری طرف ہے، وہ تمہیں پسند کرنے لگی ہے تو میں سمجھتا ہوں یہ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ اگر وہ کھل کر اپنی پسند کا اظہار کرے تو ہمارا تو یہاں کوئی آگے پیچھے ہے نہیں، جو کچھ کرنا ہے البانہ نے ہی کرنا ہے۔ وہ اپنے لواحقین سے اس سلسلے میں بات کرے۔ اگر وہ رضامند ہو جائیں تو میرے عزیز بھائی! میں یہاں تمہارے بھائی کی حیثیت سے موجود ہوں۔ تم دونوں کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ اس طرح تم اس کے ساتھ خوشگوار زندگی کی ابتداء کر دینا اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک کامیاب انسان کے لئے یہی کچھ کافی ہے۔‘‘

عتبہ بن ہشام کے خاموش ہونے پر اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ بول اٹھا۔

’’میرے بھائی! تم نے پھر میری بات اچک لی۔ مجھے اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی۔‘‘

’’ہاں، مکمل کر لو اپنی بات۔ تم یہ کہہ رہے تھے کہ تم پر اور بھی انکشاف ہوا ہے۔‘‘

ابنِ ہشام نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں...... البانہ کی وجہ سے مجھ پر ایک اور انکشاف ہوا ہے جو پہلے انکشاف سے بھی بہت بڑا اور دُگنا ہے۔''

تیز نگاہوں سے عتبہ بن ہشام نے ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ اس طرح سننے والے کو کوفت اور بیزاری ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ کھل کر بات کرو، دوسرا انکشاف کیا ہے؟''

ہلال بن علقمہ نے لمبا سانس لیا۔ کہنے لگا۔

''عزیز بھائی! دوسرا انکشاف تیری ذات سے متعلق ہے۔ البانہ کی گفتگو سے میں نے یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ آذری دخت اور رجینا دونوں ہی تمہیں چاہنے لگی ہیں، تمہیں پسند کرتی ہیں۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو؟''

عتبہ بن ہشام نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑ لئے، پھر کہنے لگا۔

''کیا ہم بھی اس قابل ہیں کہ کوئی ہمیں پسند کرے، ہمیں چاہے؟...... میرے عزیز بھائی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ کہاں میں دشت کا رہنے والا ایک ناچیز ذرّہ جس کا نام عتبہ بن ہشام رکھ دیا گیا ہے اور کہاں ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کی بیٹی آذری دخت اور خسرو پرویز کی ہر دلعزیز بیوی شیریں کی بہن رجینا۔ میرے بھائی! میرا اور ان کا اگر تقابلی جائزہ لیا جائے تو یوں ہی ہے جیسے زربفت کے ساتھ بوریا۔ جیسے دو گوہروں اور موتیوں کے بیچ میں رکھا ہوا ایک غیر اہم اور ناکارہ کنکر۔ میرے بھائی! اگر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ البانہ تمہاری طرف مائل ہے تو میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ جہاں تک اس کی شخصیت اور خوبصورتی کا تعلق ہے تو وہ رجینا اور آذری دخت سے کسی طرح کم نہیں۔ رہی تمہاری بات کہ آذری دخت کی بڑی بہن بوراں دخت اپنی چھوٹی بہن آذری دخت سے حسد اور کینہ رکھتی ہے تو میرے بھائی! اس سے ہمیں کیا غرض و غایت؟ وہ شاہی خاندان ہے۔ ان کے ہاں اس طرح کی رقابتیں چلتی ہی رہتی ہیں جس میں ہم لوگ ملوث نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک البانہ کا تعلق ہے تو اس کا شاہی خاندان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں البانہ اگر تمہاری طرف مائل ہے تو میں تمہیں مشورہ دوں گا اگر کسی موقع پر وہ تم سے اپنی چاہت کا اظہار کرے تو تم مثبت جواب دینا۔ منفی رویہ اختیار نہ کرنا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو اس موضوع پر نہ آذری دخت اور نہ ہی رجینا نے کبھی مجھ سے بات کی ہے لہٰذا ان سے

متعلق ہمیں تخمینوں پر کوئی عمارت کھڑی نہیں کرنی چاہئے۔ میرے بھائی! آؤ دونوں مستقر کی طرف چلیں۔ اس لئے کہ وہاں سارے سالار جن میں چھوٹے بڑے سبھی شامل ہیں، جمع ہو رہے ہیں اور وہاں فیصلہ اور منصوبہ بندی کی جائے گی کہ ایرانیوں کے مقابلے میں جو رومنوں کو پے در پے فتوحات حاصل ہو رہی ہیں ان کی کیا وجہ ہے؟ اور ان کا کیسے سد باب کیا جا سکتا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر دونوں مستقر کی طرف ہو لئے تھے۔

❀ ❀ ❀

ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز ایک روز اپنی نشست گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چوبدار نے اندر آ کر اسے تعظیم دی، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"صحرائے عرب سے آپ کے نام ایک خط آیا ہے۔ خط لانے والے کو میں نے باہر ہی روک رکھا ہے۔ اگر کہیں تو آپ کے سامنے پیش کروں؟"

خسرو پرویز نے بڑی اکڑ اور گھمنڈ میں اپنے چوبدار کو مخاطب کر کے کہا۔

"یہ عرب کے صحرا سے ہمیں خط کون لکھ سکتا ہے؟ وہ ایسا خطہ ہے جہاں کبھی کسی بڑے بادشاہ نے اپنی حکومت قائم نہیں کی۔ پھر وہاں سے ہمیں خط کون لکھ سکتا ہے؟ کون ہمیں مخاطب کر سکتا ہے؟ بہر حال جو بھی آیا ہے اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔"

خسرو پرویز کا یہ حکم پا کر اس کا چوبدار باہر نکل گیا تھا۔ دراصل خسرو پرویز کی اکڑ، اس کے گھمنڈ، اس کے تکبر کی ایک وجہ تھی۔ اس لئے کہ رومنوں کی طرح فارس بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ تھا۔ فارس کبھی وسط ایشیا کا عظیم ترین ملک تھا۔ اس کی حدود اور سلطنت ایک طرف سندھ تک پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف عراق اور عرب کے اکثر حصے، یمن، بحرین اور عمان بھی فارس کے زیر اقتدار تھے۔

ایشیا کی عظیم الشان سلطنت ہونے کی وجہ سے اس کی شان و شوکت اکثر حکومتوں سے بازی لے گئی تھی۔ روم اور فارس کی سلطنتوں پر صدیاں گزر چکی تھیں اس لئے یہ ساری خرابیاں جو امتدادِ سلطنت کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں، ان میں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ دنیاوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا تھا۔ ہر شخص دولت اور سرمائے کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا تھا۔ عزت اور عظمت مدار سرمایہ داری بن گیا تھا۔ طبیعتیں نفسانیت کی عادی ہو گئی تھیں۔ داد عیش دینے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے تھے۔

دنیا کے گوشے گوشے سے ایسے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے جو ان کی تعیش پسندی کے لئے نت نئے طریقے ایجاد، دریافت کرتے اور اسبابِ عیش مہیا کرنے کے لئے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نقطہ آفرینیوں سے کام لیتے تھے۔

امرائے سلطنت اور عسکری حکام اس جدوجہد میں مصروف نظر آتے تھے کہ اسبابِ تعیش میں کس طرح دوسروں پر بازی لے جائیں۔ ایک دوسرے پر مخر و مبایات کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ ان کے پاس عالیشان اور سر بہ فلک محل ہوں جس کے نزدیک بے نظیر پائیں باغ ہوں۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کے ڈھیر ہوں۔

انہی تعیشات کو نبھانے کے لئے خسرو پرویز نے دریائے دجلہ کے پار مدائن سے ساٹھ میل دور دست گرد کے مقام پر ایک شاندار محل تعمیر کروایا تھا اور مفتوح ممالک کے تمام خزانے وہاں جمع کر دیئے تھے۔

مؤرخین کی روایات کے مطابق یہ محل اس قدر وسیع تھا کہ اس کی چھتوں کو سہارا دینے کے لئے چار ہزار ستون بنائے گئے تھے۔ ایک ہزار سنہری فانوس محل میں آویزاں تھے۔ محل کے باہر میلوں تک باغات پھیلے ہوئے تھے۔ محل کے اندر تین ہزار حسین و جمیل لونڈیاں تھیں۔ سونے چاندی اور جواہرات کے ایک سو تہہ خانے مخصوص تھے۔

اس کے علاوہ بیرونی ممالک کے سفیر اس محل اور اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے۔ غرض کہ دوسرے ممالک کی طرح فارس کی اخلاقی حالت بھی بہت ابتر تھی۔ یزدان اور اہرمن، نیکی اور بدی کے دو خدا سمجھے جاتے تھے۔ آتش پرستی ملک کا عام مذہب تھا۔ عقل و شعور کا سارا سرمایہ اوہام پرستی اور خام خیالی کی نظر ہو گیا تھا۔ طاقت ور کا کمزور پر ظلم کرنا اور زبردست کا زیر کو کھا جانا ان کی زندگی کا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔

یہ وہ حالات تھے جن کے تحت حضور ﷺ نے ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام ایک خط لکھا تھا اور یہ خط لے جانے والے حضرت عبداللہؓ بن حذیفہ تھے۔ چنانچہ خسرو پرویز معمول کے مطابق بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے ساتھ تخت پر براجمان تھا کہ نقیب کی آواز پر ایک شخص دربار میں حاضر ہوا۔ دربار میں حاضر ہونے والے حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے جو حضور ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔

حاضرین انہیں دیکھ کر حیرت زدہ اور متعجب ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ

اتنے معمولی لباس، اس قدر سادگی اور بے باکی سے آج تک خسرو کے دربار میں کوئی نہ آیا تھا۔

بڑی بے باکی اور جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نامہ مبارک خسرو پرویز کے سامنے پیش کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ دو خداؤں کی بجائے ایک ذات کو خالق خیر وشر ماننا چاہئے۔ اگر آپ توحید خداوندی کو تسلیم کرلیں گے تو درست ورنہ آپ اپنے ساتھ پوری قوم کی گمراہی کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔"

چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ، خسرو پرویز کے سامنے گئے اور حضورﷺ کا نامہ مبارک پیش کیا تو خسرو پرویز نے ترجمان کو بلا کر وہ خط پڑھنے کا حکم دیا۔

اس خط میں اوپر حضورﷺ نے کلمہ طیبہ لکھا تھا۔ دائیں جانب "محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے" اور بائیں جانب "کسریٰ شاہ فارس کے نام" کے الفاظ لکھے تھے اور نیچے جو تحریر تھی وہ کچھ اس طرح تھی:

"جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ پر اور اس کے رسولﷺ پر ایمان لائے، اس پر سلام ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا جو اکیلا اور لاشریک ہے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہر زندہ انسان کو خدا کا خوف دلاؤں۔ اسلام قبول کر لیجئے اور محفوظ ہو جایئے۔ اگر آپ نے انکار کیا تو تمام مجاسیوں کا گناہ بھی آپ کے ذمے ہوگا۔"

خط کے نیچے حضورﷺ کی مہر مبارک ثبت تھی۔

خط کا متن سن کر خسرو پرویز بڑا حیران، پریشان اور متعجب ہوا۔ اس لئے کہ فارس کے حکمران اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کا شریک سمجھتے تھے۔ ان کی اس حیثیت کے اعتراف کے لئے ہر شخص کو دربار میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرنا پڑتا تھا۔ خسرو پرویز جو اپنے آپ کو دوسرا خدا سمجھتا تھا جب اس نے حضورﷺ کے مکتوبِ گرامی کے مضمون کو سنا تو نامہ مبارک کے آزادانہ لہجے، اس کے بے باکانہ ایجاز اور اس کے صاف گویانہ انداز کو سن کر دنگ رہ گیا تھا۔

خسرو پرویز جس کے آستانہ عظمت پر کروڑوں انسان سجدہ ریزی کے عادی وخوگر تھے، حیران تھا کہ اس سرزمین پر کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو اس کے نام سے پہلے اپنا نام لکھنے کی جرأت کر سکے۔ اس لئے کہ خط میں حضورﷺ نے خسرو پرویز سے پہلے اپنا نام مبارک لکھا تھا۔

خسرو پرویز کو شہنشاہانہ عظمت اور جبروت کے نشے میں خدا کی ہم پائیگی کا دھوکا تھا۔ فارس کا دستور تھا کہ بادشاہ کو جو خط لکھے جاتے تھے ان میں سب سے پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔

فرمانِ رسالتؐ کو خدا کے نام سے شروع کیا گیا تھا، پھر خود حضورﷺ کا نامِ گرامی تھا۔ خسرو نے طیش میں آ کر مکتوبِ نبویؐ کو چاک کر دیا اور غضب ناک لہجے میں گرجا۔

"ہمارے غلام کو یہ جرأت کہ ہمارے نام اس طرح خط لکھے؟"

پھر اپنے امراء کو غضب ناک لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"یمن کے گورنر کو حکم دیا جائے کہ خط لکھنے والے کو پکڑ کر ہمارے دربار میں بھیج دے۔"

خسرو پرویز کے یہ الفاظ سن کر حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور نہایت تحمل، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اہل دربار کو مخاطب کیا۔

"اے اہلِ فارس! عرصہ دراز سے تمہاری زندگی جہالت میں گزری ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا کی کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی خدا کا پیغمبر تمہارے ہاں مبعوث ہوا ہے۔ جس سلطنت پر تمہیں ناز ہے وہ خدا کی زمین کا بہت ہی مختصر ٹکڑا ہے۔ دنیا میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی سلطنتیں موجود ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہؓ بن حذیفہ رکے، اس کے بعد براہِ راست خسرو پرویز کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

"آپ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں۔ ان میں جس نے آخرت کو اپنا منتہائے مقصود سمجھا وہ دنیا سے اپنا حصہ لے کر بامراد ہو گیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اس نے آخرت کے اجر کو ضائع کر دیا۔ افسوس نجات وفلاح کے جس پیغام کو میں آپ کے پاس لے کر آیا ہوں آپ نے اسے حقارت سے دیکھا۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس کا خوف آپ کے دل میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ حق کی

یہ آواز آپ کی تحقیر سے دب نہیں سکتی۔"

حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ اس قدر کہنے کے بعد فارس سے رخصت ہو گئے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ کسریٰ نے کہا تھا وہ آپؐ کے سامنے پیش کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ تفصیل جان کر آپؐ نے فرمایا۔

"جس طرح اس نے ہمارے خط کو چاک کیا، اسی طرح کسریٰ کی حکومت بھی چاک ہو جائے گی۔"

(چنانچہ چند ہی سال کے بعد عہد فاروقِ اعظمؓ میں ہزاروں برسوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے پُرزے پُرزے ہو گئے)

حضور ﷺ کا نامہ مبارک ملنے کے بعد خسرو پرویز نے یمن کے اپنے حاکم بازان کو حکم بھیجا کہ عرب کے جس مدعی نبوت نے ہمیں خط لکھا ہے اسے گرفتار کر کے ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے۔ خسرو پرویز کا یہ حکم پا کر بازان نے اپنی طرف سے دو آدمی حضور ﷺ کی طرف روانہ کئے۔ ان دو میں سے ایک کا نام بابونہ اور دوسرے کا نام خرفسرہ تھا۔ چنانچہ یہ دونوں اشخاص مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر عرض کیا۔

"ایران کے شہنشاہ خسرو نے آپ کو بلایا ہے۔ اگر تعمیل حکم نہیں کریں گے تو وہ آپ کو اور آپ کے ملک کو تباہ کر دے گا۔"

چنانچہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے یمن کے حکمران بازان کے ان دونوں قاصدوں اور کارندوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"قضا و قدر نے تمہارے بادشاہ کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا ہے اور خسرو کو خود اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔ تم لوگ واپس جا کر اپنے آقا کو یہ خبر پہنچا دو اور یہ بھی کہہ دینا کہ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچ جائے گی۔"

زیادہ تر مؤرخین نے یہی لکھا ہے کہ خسرو پرویز نے مکتوب نبویؐ کو چاک کر کے پھینک دیا۔ مگر اس کے بعد مکتوبِ گرامی کا کیا بنا، اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ کچھ لکھنے والوں کا خیال ہے کہ اس وقت کون جانتا تھا کہ کسریٰ کا وہ عظیم الشان

دربار عنقریب ہمیشہ کے لئے فنا ہو جانے والا ہے اور جس تحریر کو پھاڑ کر ضائع کر دیا گیا ہے وہ امتدادِ زمانہ اور لیل و نہار کی لاکھوں گردشوں کے باوجود صدیوں بعد بھی اپنے وجود کو باقی رکھ کر تاریخ کے صفحات میں ایک حیرت انگیز باب کے اضافے کا مؤجب بنے گا۔

(اسی مکتوب نبویؐ کے بارے میں کچھ لکھنے والے کہتے ہیں 1963ء میں بیروت کے اخبار نے یہ خبر شائع کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا کہ لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کے آبائی ذخیرے میں مکتوبِ نبویؐ بنام کسریٰ دریافت ہوا ہے۔ ہنری فرعون نے جو عیسائی تھا، تحقیق کے لئے یہ مکتوبِ نبویؐ ڈاکٹر صلاح المنجد کو دیا۔ ڈاکٹر صلاح المنجد نے بیروت کے اخبار الحیات 22 مئی 1963ء کی اشاعت میں مکتوبِ نبویؐ بنام کسریٰ پرویز پر ایک مفصل تحقیقی مقالہ شائع کیا۔ ہنری فرعون لاکھوں ڈالر کے معاوضے میں بھی اس متاعِ عزیز کو فروخت کرنے کے لئے تیار نہ ہوا تھا۔

مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس مکتوبِ نبویؐ کی بچشم خود زیارت کی تھی اور ڈاکٹر المنجد کے مضمون پر انہوں نے اپنے مشاہدات کا اضافہ کرتے ہوئے مزید لکھا تھا:

"مذکورہ شہادتوں کے بعد راقم السطور کے نزدیک اس کے مکتوبِ نبویؐ ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہنا چاہیے۔"

ڈاکٹر المنجد روزنامہ الحیات کے صفحہ اول پر لکھتے ہیں:

"گزشتہ نومبر 1962ء کے اواخر میں ہنری فرعون نے کھال کا ایک ٹکڑا میرے پاس بھیجا۔ اس پر کوفی رسم الخط سے ملتی جلتی تحریر تھی۔ کھال کی حفاظت کے لئے اس کے نیچے سبز کپڑا چسپاں کر دیا گیا تھا اور اس کو ایک فریم میں لگا دیا گیا تھا۔ لیکن امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کپڑا بالکل گل چکا تھا۔ صرف فریم کے سہارے وہ کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ وقت کی نظر سے پڑھنے شروع کئے تو یہ عظیم انکشاف ہوا کہ یہ وہی خط ہے جو حضورؐ نے خسرو پرویز کے نام تحریر فرمایا تھا اور جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔"

مذکورہ مصنف مزید لکھتے ہیں کہ میری زندگی کے یہ لمحات بڑے مبارک تھے جبکہ میں نے نامہ مبارک پڑھا۔ گزشتہ چند مہینے اس مکتوب کے حروف الفاظ کے حل اور تحقیق

پر میں نے صرف کئے۔ میں نے اس سلسلے میں تاریخ اور سیر کے تمام مآخذ کا مطالعہ کیا اور اپنی کوشش کا نتیجہ شائع کرتے ہوئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔

ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے جزیرہ عرب کے سلاطین اور ملحقہ بلاد کے فرمانرواؤں کے پاس دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ جن کے پاس حضور پاک ﷺ نے دعوت نامے ارسال کئے ان میں اہم بحرین، عمان اور یمن کے سلاطین تھے۔ اس کے علاوہ بلقا، حوران کے غسانی بادشاہوں سمیت قیصر روم اور پاپائے اعظم کو بھی خط لکھے گئے تھے۔

حضور ﷺ کے اس خط سے متعلق تحریر کو آگے بڑھاتے ہوئے مذکورہ مصنف مزید لکھتا ہے:

"یہاں اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے خطوط اور انشاء کا اندازہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ عرب انہی چیزوں میں لکھنے کے عادی تھے جو چیزیں خود ان کے ہاں پائی جاتی تھیں مثلاً ہڈی، پتھر، کھجوروں کے پتے اور کھال۔ ان میں کھال پر کتابت بہت زیادہ عام تھی۔ اونٹ یا ہرن کی کھال کو بالکل پتلی کر کے ان پر لکھا کرتے تھے۔ ان کی صطلاح میں کتابت کے مصرف کے لئے جو کھال استعمال ہوتی تھی اس کو رق کہا جاتا تھا۔ رق ایک خاص قسم کی باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کاغذ کی ایجاد سے پہلے لکھنے کے لئے چمڑے سے تیار کی جاتی تھی۔ قدیم دور میں توریت اور انجیل جیسی کتابیں بھی رق پر ہی لکھی گئی تھیں۔ رق تیار کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ بھیڑ، بکری یا بچھڑے کی کھال لے کر اسے چونے میں ڈبو دیتے تھے۔ اس عمل سے کھال پر سے بال اُتر جاتے تھے۔ پھر اسے خشک کر کے اس پر کھریا مٹی ملتے تھے اور پتھر سے رگڑ کر اس کی سطح کو صاف اور ہموار بنا لیتے تھے۔"

مذکورہ مصنف مزید لکھتا ہے کہ کسریٰ نے نہ صرف حضور ﷺ کے قاصد کی توہین کی بلکہ آپؐ کے خط کی بھی توہین کی۔ اس کے غرور اور تکبر کی وجہ یہ تھی کہ اس کو عظیم سلطنت کی حکمرانی حاصل تھی۔ اس کی حدود اور اختیارات جزیرہ عرب کے مشرق میں بحرین،

عمان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی طرح جنوب میں بھی اس کا اقتدار تھا۔ اس کے علاوہ ایرانیوں کا مذہب دوسرے مذاہب سے بالکل علیحدہ تھا۔ ایران میں مجوسی مذہب رائج تھا اور آگ کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ عربوں کے عقائد سے بالکل مختلف اور مخالف تھا۔ اس لئے ان کو یہ بات عجیب نظر آئی کہ کوئی عرب ان کو ایسا دعوت نامہ ارسال کرے جس میں دوسرا دین ماننے کی تلقین ہو اور نہ ماننے کی صورت میں عذاب اور سزا کی نوید سنائے۔

کسریٰ جس کے پاس حضور ﷺ نے دعوت نامہ ارسال فرمایا، شاہانِ فارس میں بڑا عظیم بادشاہ تھا۔ اس کی فرمانروائی کا ڈنکا ایران، بحرین، عمان، یمن تک بج رہا تھا۔

بعض مؤرخین کا یہ بھی خیال ہے کہ کسریٰ حضور ﷺ کو اسی طرح کا ایک ضمنی حکمران سمجھتا تھا جیسے بحرین، عمان اور یمن کے فرمانروا۔ اگرچہ یہ سب کے سب بادشاہ کہلاتے تھے مگر حکم کسریٰ ہی کا چلتا تھا۔ کسریٰ نے مکتوب کے ابتدائی سطر کے انداز کو اپنی شان سے متصادم سمجھا اور اس نے دیکھا کہ خط کے اوپر من محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس نے یہ سوچا کہ حضور ﷺ نے خط کی ابتدا اپنے نام سے کی ہے۔ اس طرح اس کی اہانت ہوئی ہے۔ چنانچہ کسریٰ نے یہ خیال کیا کہ یہ برابری خفت آمیز تھی۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے کسریٰ کو خط روانہ کرنے کے لئے عبداللہ بن حذیفہؓ کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ وہ اس سے پہلے ایران کا بارہا سفر کر چکے تھے اور حضور ﷺ نے انہیں ایران کی سفارت پر اسی لئے روانہ کیا تھا کہ وہ ایران کے حالات سے واقف تھے۔

اس دور میں تین قوتیں بڑی اہم تھیں۔ ایک خسرو پرویز ایران کا بادشاہ، دوسرا ہرکولیس رومنوں کا بادشاہ اور تیسرا پاپائے روم جسے ایک طرح عیسائی دنیا کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ جو خط حضور ﷺ نے پاپائے اعظم کے نام لکھا وہ خط پڑھ کر پاپائے اعظم بے حد متاثر ہوا اور اس نے فرمانِ رسالت کو دیکھ کر سرورِ کائنات ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا۔

"بے شک یہ نبی برحق ہیں۔"

اس کے بعد پاپائے اعظم گرجا میں جا کر ایک مجمع کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"لوگو! میرے پاس عرب کے پیغمبر احمدؐ کا خط آیا ہے۔ انہوں نے ہمیں خدائے

واحد کے دینِ حق کی دعوت دی ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

پاپائے اعظم کے اس اعلانِ حق و صداقت کو سن کر رومن سخت مشتعل ہوئے اور اپنے اس عظیم پیشوا کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔

جہاں تک قیصرِ روم کا تعلق ہے جب اسے حضور ﷺ کا خط ملا تو وہ بھی بے حد متاثر ہوا۔ اس نے اپنے سرکردہ امراء کو مخاطب کر کے کہا۔

"تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ محمدؐ کا ذکر ہماری مقدس کتابوں میں موجود ہے۔ ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی آخر الزمان ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا، اور وہ یہی ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں تا کہ ہماری دنیا اور آخرت محفوظ ہو جائے۔"

ہرکولیس کے ان الفاظ کے جواب میں اس کے درباری بولے۔

"اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم عربوں کے ماتحت ہو جائیں گے۔ حالانکہ دنیا میں ہماری سلطنت سب سے بڑی اور ہم سب سے بڑی قوم ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم عربوں کے مقابلے میں یہ ذلت گوارا کر لیں؟"

چنانچہ جواب میں ہرکولیس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

"اگر تم اس کے لئے تیار نہیں ہو تو تمہیں عنقریب عربوں کے مقابلے میں مغلوب ہونا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر ناراضگی کے ساتھ ہرکولیس جب وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا تو چلتے ہوئے قیصرِ روم نے سرزمین شام پر حسرت بھری نظر ڈالی اور بولا۔

"اے سوریا! میں اب ہمیشہ کے لئے تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔"

اور تاریخ گواہ ہے کہ قیصرِ روم ہرکولیس کو پھر شام آنا نصیب نہ ہوا۔

خسرو پرویز اور ہرکولیس سے متعلق حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔

"کسریٰ خسرو پرویز ہلاک ہوا۔ اس کے بعد اب کسریٰ نہ ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو گا تو اس کے بعد قیصر نہ ہو گا۔"

یعنی خسرو پرویز شہنشاہِ ایران اور ہرکولیس قیصرِ روم کے بعد دونوں سلطنتوں کے

اقتدار کو زوال آ جائے گا۔ روم اور ایران کے تخت پر کسی کو ایسا اقتدار نصیب نہ ہو گا۔

ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اُس ذاتِ اقدس کی جس میں میری جان ہے۔ تم دونوں سلطنتوں کے خزانے اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے۔"

چنانچہ چند ہی سالوں بعد وقت کی آنکھوں نے دیکھا کہ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں دنیا اور تاریخ کی نگاہ نے بھی دیکھا یہ دونوں عظیم الشان سلطنتیں شمع رسالت کے پروانوں کے قدموں کے نیچے تھیں۔

چنانچہ یمن کے بھیجے ہوئے دونوں قاصد حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کے بعد جب یمن پہنچے تو وہ بڑے متاثر تھے۔ حضور ﷺ کی سادہ مگر پُرعظمت بارگاہ کا اتنا بڑا اثر پڑا کہ خسرو پرویز کے پُرہیبت دربار نے بھی ان کو کبھی اس قدر متاثر نہ کیا تھا۔ انہوں نے یمن پہنچ کر حاکم یمن باذان سے بارگاہِ نبوت کے حالات اور اپنے تاثرات بیان کئے اور باذان کو حضور ﷺ کی پیش گوئی بھی سنائی جو آپ ﷺ نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز سے متعلق کہی تھی۔

یہ پیش گوئی سن کر حاکم یمن باذان پر ان باتوں کا بڑا اثر ہوا اور کہنے لگا۔

"اس شخص کی باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں ہے بلکہ ضرور اللہ کا برگزیدہ پیغمبر ہے۔ تاہم ہمیں اس واقعہ کی تصدیق کے لئے انتظار کرنا چاہیے۔"

چنانچہ دونوں قاصد یعنی بابویہ اور خرخسرہ کے یمن پہنچنے کے بعد ایران کے دارالحکومت مدائن سے نئے حکمران شیرویہ کا حکم نامہ حاکم یمن کے نام آیا۔ اس حکم نامے میں خسرو پرویز کو اس کے بے پناہ مظالم کے سبب اسے قتل کئے جانے کی خبر تھی۔ ساتھ ہی باذان کو شیرویہ نے لکھا تھا کہ عرب کی سرزمینوں میں جس عظیم ہستی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

یہ سارے حالات اور واقعات دیکھ کر یمن کا حاکم باذان اسلام قبول کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔

باذان کو اپنے بھیجے ہوئے قاصدوں کی گفتگو اور حضور ﷺ نے جو خسرو پرویز سے متعلق پیش گوئی کی تھی اس پیش گوئی کی سچائی سے بھی متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل

ہوا تھا لیکن یمن کے حاکم کی حیثیت سے اس کے پاس پہلے سے دو اہم واقعات تھے جو نہ صرف حاکم یمن بلکہ یمن کے رہنے والوں کو بھی اسلام کی طرف راغب اور متوجہ کر سکتے تھے۔

پہلا واقعہ یمن کے حاکم ربیعہ بن نصر کا ہے جس کا شمار شاہانِ یمن میں کیا جاتا ہے۔ اس ربیعہ بن نصر نے ایک روز ایک بڑا ہولناک اور ڈراؤنا خواب دیکھا اور اس خواب نے اسے خوف زدہ اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس خواب کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنی مملکت کے کاہنوں، نجومیوں، پیش گوؤں، جادوگروں، فال گروں اور پرانے علوم کے ماہرین کو طلب کیا۔ جب بلائے جانے والے یہ سب لوگ ربیعہ بن نصر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں مخاطب کر کے ابنِ نصر کہنے لگا۔

''میں نے ایک انتہائی ڈراؤنا اور دہشت ناک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ میں ڈر گیا ہوں۔ تم لوگ مجھے اس خواب کی تعبیر سے آگاہ کرو۔''

ربیعہ بن نصر کے یہ الفاظ سن کر وہ سب لوگ جو وہاں جمع ہوئے تھے بڑے پریشان اور فکرمند ہوئے۔ چنانچہ آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد ان میں سے ایک ابنِ نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! جو خواب آپ نے دیکھا ہے پہلے وہ ہم سے بیان کیجئے تو پھر ہم اس کی تعبیر بتائیں۔''

ربیعہ بن نصر بڑا دانش مند، عقل مند انسان تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کے اس سوال پر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر میں نے تم لوگوں کو خواب کی تفصیل بتا دی تو پھر اس کے بعد اس سے متعلق تمہاری تعبیر پر مجھے اطمینان نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کی تعبیر تم میں سے جو کوئی کچھ بھی بتاتا رہے مجھے اس پر یقین کرنا پڑے گا۔ لیکن تم میں سے اگر جس کسی نے بھی مجھے میرے خواب کی صحیح تفصیل بتائی، وہ جو تعبیر کہے گا، میں جانوں گا کہ اس نے تعبیر بھی صحیح کہی ہے اور جو کوئی مجھے میرے خواب کی تفصیل ہی نہیں بتا سکے گا اس پر مجھے اعتماد اور بھروسہ نہیں رہے گا کہ اس نے جو تعبیر کی ہے یہی حقیقت پر مبنی ہے۔ لہٰذا میں تم سے کہتا ہوں تم میں سے جو کوئی بھی میرے خواب کی تعبیر بتانا چاہتا ہے پہلے میرے خواب کی تفصیل کہے کہ میں نے کیسا اور کس قسم کا خواب دیکھا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا کر گزرے گا

تو مجھے تعبیر پر بھی اطمینان ہو جائے گا۔''

ربیعہ بن نصر کے ان الفاظ پر وہاں جمع ہونے والے سارے لوگ حیران اور حیرت زدہ ہوئے چنانچہ وہ کہنے لگے۔

''ایسا کیونکر ممکن ہے کہ ہم لوگ آپ کے خواب کی تعبیر بتا دیں۔ اس لئے کہ غائب کا علم تو خداوند قدوس ہی جانتا ہے۔''

اس پر ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور ربیعہ بن نصر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! اس وقت یمن اور عرب کی سرزمینوں میں دو اشخاص ایسے ہیں جو پرانے علوم کے ماہر ہیں بلکہ قدیم الہامی کتب اور صحائف کے بھی بہترین عالم ہیں۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ اگر ان دونوں کو بلایا جائے تو وہ آپ کے خواب کی تفصیل کے ساتھ ساتھ اس خواب کی تعبیر بھی آپ سے کہہ سکتے ہیں۔''

اس شخص کے الفاظ پر یمن کا بادشاہ ربیعہ بن نصر بڑا خوش ہوا۔ چنانچہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ایسے اشخاص کا نام لو، ان کا اتہ پتہ بتاؤ تا کہ میں انہیں بلاؤں اور ان سے اس خواب کے متعلق پوچھوں۔''

اس پر وہ شخص پھر کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! ان دو اشخاص میں سے ایک کا نام سطیح اور دوسرے کا نام شق ہے۔ میں آپ سے یہ بھی کہتا ہوں کہ ان سرزمینوں میں اس خواب اور تعبیر کے معاملے میں دونوں سے زیادہ جاننے والا کوئی شخص نہیں ہو گا۔ اے بادشاہ! وہ ایسے آدمی ہیں جو کچھ آپ ان سے پوچھیں گے آپ سے سچ ہی کہیں گے۔''

اس شخص کی اس گفتگو سے ربیعہ بن نصر بڑا متاثر اور خوش ہوا۔ چنانچہ جن دو آدمیوں کے نام بتائے گئے تھے انہیں بادشاہ نے طلب کر لیا۔ دونوں کو علیحدہ رکھا۔ پہلے سطیح کو اپنے پاس بلایا۔ جہاں تک اس سطیح کا تعلق تھا تو اس کا پورا نام ربیع بن ربیعہ تھا۔ مسعود بن مازن بن زئب بن عدی بن مازیہ غسان تھا۔ جب یہ شخص ربیعہ بن نصر کے سامنے پیش ہوا تو بادشاہ نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوف زدہ کر دیا اور میں ڈر گیا ہوں۔ تُو پہلے مجھے وہ خواب بتا۔ اگر تُو نے وہ خواب صحیح بتا دیا تو میں سمجھوں گا کہ تُو اس

کی تعبیر بھی صحیح بتا دے گا۔''

بادشاہ کے یہ الفاظ سن کر سطیح گہری سوچوں میں کھو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! تُو نے ایک شرارہ دیکھا ہے جو اندھیرے سے نکلا، پھر نشیبی زمین پر گرا اور اس کی ہر دماغ والی چیز یعنی جاندار کو کھا گیا۔''

اس کے یہ الفاظ سن کر ربیعہ بن نصر چونک اٹھا۔ کہنے لگا۔

''اے سطیح! تُو نے میرے خواب کی تفصیل بتانے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی۔ اب بتا اس ہولناک خواب کی تعبیر کیا ہے؟''

اس پر سطیح بادشاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! دوسیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان جتنے حشرات الارض ہیں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری سرزمین پر حبشی وحشی نازل ہوں گے اور مقامات ابین اور جرش کے درمیان کے سارے علاقے کے مالک ہو جائیں گے۔''

اس پر ربیعہ نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''اے سطیح! تیرے باپ کی قسم یہ تو ہمارے لئے موجبِ غیض وغضب اور باعثِ دردو الم ہے۔ آخر یہ کب ہونے والا ہے؟ کیا میرے اسی زمانے میں یا اس کے بعد؟''

بادشاہ کے اس استفسار پر سطیح نے پھر اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''نہیں، تیرے زمانے میں نہیں۔ بلکہ اس کے ساٹھ یا ستر سال گزرنے پر یہ معاملہ پیش آئے گا۔''

ربیعہ نے پھر پوچھا۔

''تو کیا اُن کی یہ حکومت ہمیشہ کے لئے رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟''

سطیح پھر کہنے لگا۔

''نہیں، ان حبشیوں کی حکومت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ ساٹھ ستر سال کے بعد ختم ہو جائے گی۔ وہ مارے جائیں گے اور اس سرزمین سے نکل جائیں گے۔''

ربیعہ بن نصر نے پوچھا۔

''آخر ان کا قتل، ان کا اخراج کن کے ہاتھوں انجام پائے گا؟''

سطیح نے کچھ سوچتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

''ارم ذی یزن نکلے گا اور عدن سے ان پر چڑھائی کرے گا اور ان میں سے کسی کو یمن میں نہ چھوڑے گا۔''

ربیعہ بن نصر نے کچھ سوچتے ہوئے ایک اور سوال داغ دیا۔

''کیا ارم ذی یزن کی سلطنت ہمیشہ کے لئے رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟''

اس پر سطیح پھر کہہ رہا تھا۔

''ہمیشہ نہیں رہے گی۔ بلکہ ختم ہو جائے گی۔''

''اسے کون ختم کرے گا؟ اور کس کے ہاتھوں اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا؟'' ربیعہ بن نصر نے پھر پوچھا۔

اس بار سطیح خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ایک پاک نبیؐ جس کے پاس عالم بالا سے وحی آئے گی، وہ اس کی سلطنت کو ختم کرے گا۔''

ربیعہ بن نصر نے پھر پوچھ لیا۔

''وہ نبی کس کی اولاد میں سے ہوگا؟''

سطیح نے جواب دیا۔

''غالب بن فہر بن مالک بن نضر کی اولاد میں سے ہوگا کہ اس کی قوم میں زمانے کے اختتام تک حکومت رہے گی۔''

ربیعہ نے پھر پوچھا۔

''کیا اس زمانے کا کوئی اختتام اور انجام بھی ہے؟''

''ہاں...... اس زمانے کا اختتام بھی ہے۔'' سطیح نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''جس روز پہلے اور پچھلے سب جمع ہوں گے، نیک لوگ اس روز خوش قسمت ہوں گے اور برے اس روز بدنصیب ہوں گے۔''

''کیا یہ صحیح بات ہے جس کی تم مجھے خبر دے رہے ہو؟'' حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ربیعہ بن نصر نے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں سطیح اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''قسم ہے مجھے شفق کی اور رات کے اندھیرے کی اور صبح صادق کی، جو اہم خبریں میں تمہیں سنا رہا ہوں وہ بالکل سچ ہیں۔''

اس کے بعد ربیعہ بن نصر نے دوسرے شخص شق کو اپنے پاس بلایا۔ چنانچہ ربیعہ بن نصر نے شق پر یہ ظاہر نہ کیا کہ جو سوال وہ اس سے کرنے لگا ہے یہی اس نے سطیح سے بھی کیے تھے۔ نہ ہی اسے یہ بتایا کہ سطیح کے ساتھ اس کی کیا گفتگو ہوئی ہے۔ براہِ راست اس نے شق کو مخاطب کر کے کہا۔

”میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ بڑا ہولناک خواب تھا۔ بس پہلے اس خواب کی تفصیل کہو، پھر میں تم سے اس کی تعبیر جاننا پسند کروں گا۔“

اس پر شق فوراً بول اُٹھا اور کہنے لگا۔

”اے بادشاہ! آپ نے ایک شرارہ دیکھا ہے جو اندھیرے میں سے نکلا، پھر نشیبی زمین اور ٹیلے کے درمیان آ گرا اور اس کے اندر جو بھی جاندار چیز تھی، اس کو کھا گیا۔“

جب شق نے ربیعہ بن نصر سے یہ کہا تو اس نے جان لیا کہ دونوں اس کے خواب کے متعلق متفق ہیں اور دونوں کی بات گویا ایک ہی ہے۔ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ سطیح نے کہا تھا کہ نشیبی زمین پر آ گرا، پھر ہر دماغ والے کو کھا گیا اور شق نے کہا نشیبی زمین اور ٹیلے کے درمیان آ گرا اور اس کے اندر ہر ذی روح کو کھا گیا۔

چنانچہ یہ جاننے کے بعد ربیعہ بن نصر نے پھر شق کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے شق! تُو نے خواب کے بیان میں ذرّہ برابر غلطی نہیں کی۔ اب بتا اس کی تعبیر کیا ہے؟“

شق کہنے لگا۔

”دونوں سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان لوگوں کی قسم کھاتا ہوں کہ تمہاری سرزمین میں حبشی نازل ہوں گے۔ تمام نرم و نازک سبزہ زاروں پر غلبہ پائیں گے اور ابین سے نجران تک تمام مقامات تک حکمران ہو جائیں گے۔“

چنانچہ بادشاہ نے شق کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے شق! تمہارے باپ کی قسم۔ یہ تو ہمارے لئے موجب غیض و غضب اور وجۂ درد و الم ہے۔ آخر یہ کب ہونے والا ہے؟ کیا ایسا میرے ہی زمانے میں ہوگا یا اس کے بعد؟“

شق کہنے لگا۔

”تیرے زمانے میں نہیں ہوگا بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد۔ پھر آخر بڑی عظمت اور

شان والا نجات دلائے گا اور انہیں سخت ذلت کا مزہ چکھائے گا۔“

ربیعہ بن نصر نے پھر پوچھ لیا۔

”آخر یہ عظمت اور شان والا کون ہوگا؟“

”ایک نوجوان جو نہ کمزور ہوگا، نہ کسی معاملے میں کوتاہی کرنے والا۔ ذی یزن کے خاندان میں سے ایک شخص ان کے مقابلے کے لئے اُٹھے گا اور وہ ان میں سے کسی کو یمن میں نہ چھوڑے گا۔“

ربیعہ بن نصر نے پھر پوچھ لیا۔

”کیا اُس کی سلطنت ہمیشہ کے لئے رہے گی یا وہ چند روز میں ختم ہو جائے گی؟“

”نہیں، اس کی سلطنت ہمیشہ نہ رہے گی۔“ شق نے ربیعہ کو مخاطب کر کے کہا۔

”بلکہ خدا کے ایک بھیجے ہوئے نبی کی وجہ سے ختم ہو جائے گی جو دین داروں اور فضیلت والوں میں حق اور انصاف کے ساتھ آئے گا۔ اس کی قوم میں حکومت فیصلے کے دن تک رہے گی۔“

ربیعہ بن نصر نے چونکتے ہوئے پوچھ لیا۔

”فیصلے کا دن کیا ہے؟“

شق کہنے لگا۔

”وہ دن جس میں حکام کو ان کے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس روز آسمان سے پکار ہوگی۔ جو زندہ اور مُردہ ہیں، سب سنیں گے۔ اس روز لوگ ایک وقت معین پر جمع کئے جائیں گے۔ پرہیز گاروں کو کامیابیاں اور نیکیاں نصیب ہوں گی۔“

ربیعہ بن نصر نے پوچھا۔

”کیا جو کچھ تُو کہہ رہا ہے یہ صحیح ہے؟“

شق کہنے لگا۔

”ہاں...... آسمان، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان رفعت اور پستی ہے ان کی قسم، جو اہم خبریں میں نے تجھے دی ہیں وہ بے شبہ سچی ہے۔ ان میں کسی قسم کے شک اور غلطی کا امکان نہیں۔“

سطیح اور شق نے جو کچھ کہا وہ ربیع بن نصر کے دل میں جم گیا۔ اس نے اپنے گھر والوں اور دیگر عزیز و اقارب کے لئے ضروری سامان تیار کیا اور انہیں عراق کی جانب

روانہ کیا اور ایران کے شہنشاہوں میں سے ایک جس کا نام شاہ پور بن خرزار تھا اس کے نام ایک خط لکھا کہ اس کے اہل خانہ کو حیرہ شہر میں بسا دیا جائے۔

چنانچہ ربیعہ بن نصر کی اس خواہش کا شاہ پور نے احترام کیا اور ربیعہ بن نصر کے اہل خانہ کو حیرہ شہور میں بسا دیا گیا۔ اسی ربیعہ بن نصر کی پسماندہ اولاد میں سے حیرہ کا حکمران اور بادشاہ نعمان بن منذر تھا جس کی بیٹی حذیفہ کو ایران کا بادشاہ خسرو پرویز پسند کرنے لگا تھا اور یہ وہی نعمان بن منذر تھا جسے خسرو پرویز نے اپنے دربار میں بلا کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

جب ربیعہ بن نصر مرگیا تو سارے یمن کی حکومت حسان بن تیان اسعد ابوکرب کو مل گئی۔ یہ تیان اسعد تبع ثانی بھی کہلاتا تھا۔ اور یہ کرب بن زید کا بیٹا تھا۔

یہی حسان بن کرب اپنی مملکت میں وسعت پیدا کرنے کے لئے مشرق سے مغرب کی طرف بڑھا۔ پہلے اس نے یثرب کا رخ کیا۔ اہلِ یثرب نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

چنانچہ حسان بن کرب نے بھی انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا اور یثرب پر اس نے اپنے بیٹے کو حاکم مقرر کیا اور خود دوسرے علاقوں کو اپنی سلطنت میں داخل کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

چنانچہ یثرب کے کچھ لوگوں نے حملہ آور ہو کر ابوکرب تبان کے بیٹے کو قتل کر دیا۔

یہ خبر جب حسان بن تبان کو پہنچی تو اس نے غیض وغضب کا اظہار کیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ پلٹا اور یہ عزم کیا کہ وہ یثرب پر حملہ آور ہو کر اسے نیست و نابود کر دے گا اور وہاں کے رہنے والوں کا قتل عام کر کے موت کی نیند سلا دے گا۔

اس دوران یثرب میں ایک اور ہولناک واقعہ رونما ہو گیا۔ وہ یوں کہ بنی عدی بن نجار میں سے ایک شخص نے جس کا نام احمر تھا، حسان بن تبانکے ان آدمیوں سے جنہوں نے اس کے بیٹے کے ساتھ مدینہ میں قیام کر رکھا تھا، ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی تفصیل کچھ یہ ہے کہ بنی عدی بن نجار کے شخص عامر نے اس قتل ہونے والے شخص کو اپنی کھجوروں کے خوشے کاٹتے ہوئے دیکھا تو حسان بن تبان کے اس آدمیکو اس نے درانتی اس انداز میں ماری کہ وہ مرگیا۔ ساتھ ہی غصے کا اظہار کرتے ہوئے بنوعدی بن نجار کے نوجوان احمر نے کہا۔

''جس نے کھجوروں کی تابیر کی، کھجوریں تو اسی کی ہیں۔'' (دراصل پھل آنے کے

لئے نر درخت کا پھول مادہ درخت کے پھول میں ڈالنے کو تابیر کہتے تھے)

اس واقعہ نے حسان بن تبان کو اور زیادہ غضب ناک کر دیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق فتاری سے یثرب کی طرف بڑھا تا کہ یثرب پر حملہ آور ہو کر شہر کو تہس نہس کر کے وہاں کے لوگوں کا قتل عام کرے۔

چنانچہ یثرب کے لوگوں نے بھی حسان بن تبان کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس لئے کہ انہیں خبریں پہنچ چکی تیں کہ حسان بن تبان ان پر حملہ آور ہو کر ان کی بربادی کے درپے ہے۔ چنانچہ اسی دوران یہودیوں کئے قبیلے بنوقریظہ کے دو یہودی عالم یمن کے بادشاہ حسان بن تبان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے مخاطب کر کے کہا۔

''اے بادشاہ! تُو ایسا نہ کر جیسا کرنے کا تُو ارادہ کر چکا ہے۔ اگر تُو اپنے ارادے سے باز نہ آیا تو اس کے اور تیرے درمیان کسی نہ کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ یعنی اللہ جو اس کائنات کا مالک ہے تجھے یثرب کی بربادی سے روک دے گا۔''

ان یہودی علماء کے ان الفاظ سے حسان بن تبان بڑا متاثر ہوا، پھر پوچھا۔

''وہ کس لئے؟''

''انہوں نیکہا۔

''اس لئے کہ یثرب آنے والے ایک رسولؐ کا مقامِ ہجرت ہے جو قریش کے قبیلے میں سے آخر زمانہ میں سے نکلے گا۔ چنانچہ یہ شہر آنے والے اس نبیؐ اور محترم رسولؐ کا گھر اور مستقر ہو گا۔''

اس کے علاوہ ان دونوں یہودیوں نے آنے والے رسولؐ سے متعلق تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جس پر حسان بن تبان بڑا متاثر ہوا اور یثرب پر اپنے حملہ آور ہونے کے ارادے سے باز آ گیا۔ چنانچہ اس نے سمجھ لیا کہ پرانی الہامی کتابوں اور صحائف کی وجہ سے وہ دونوں یہودی عالم آنے والے واقعات کا علم رکھتے ہیں۔ حسان تبان نے یثرب پر حملہ آور ہونے کے اپنے ارادے کو ترک کرتے ہوئے مکہ کا رخ کیا۔

مشہور مؤرخ ابنِ حسان لکھتے ہیں کہ تبان اور اس کی قوم بت پرست تھی اور جاتے جاتے تبان ان دو یہودی علماء کو بھی اپنے ساتھ لے گیا جنہوں نے حسان پر انکشاف کیا تھا کہ یثرب آنے والے رسولؐ کا دارالہجرت ہو گا۔ مکہ چونکہ یمن کی طرف جاتے ہوئے اس کے راستے میں پڑتا تھا چنانچو ایک منزل پر جب حسان بن تبان نے قیام کیا تو اس

کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہا۔

''اے بادشاہ! کیا ہم آپ کو ایک چھپا ہوا خزانہ نہ بتا دیں جس میں موتی، زمرد، یاقوت، سونا چاندی بکثرت موجود ہے۔ جو بادشاہ آپ سے پہلے گزرے ہیں وہ اس سے غافل رہے۔''

اس پر تبان نے خوشی کا اظہار کیا۔ کہنے لگا۔

''کیوں نہیں، ضرور بتا دو۔''

انہوں نے کہا۔

''مکہ میں ایک گھر ہے جسے حرم کہتے ہیں۔ اہلِ شہر اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس کے پاس عبادت کرتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں۔''

جن لوگوں نے تبان سے یہ بات کی تھی ان کا تعلق بنی ہزیل سے تھا۔ انہوں نے تو یہ چاہا تھا کہ حسان بن تبان کو اس ذریعے سے برباد کر دیں۔ وہ جانتے تھے کہ بادشاہوں میں سے جس نے بھی حرم پاک سے بدی کا ارادہ کیا، وہاں سرکشی کرنا چاہی، وہ برباد ہو گیا۔

لیکن جب حسان تبان نے ان کے کہنے کے مطابق عمل کا عزم کر لیا تو وہ دونوں یہودی عالم جو اس وقت حسان تبان کے ساتھ تھے وہ اس کے پاس آئے اور اسے مخاطب کر کے ان دونوں نے کہا۔

''یہ لوگ جنہوں نے تجھے مکہ پر حملہ آور ہونے کے لئے ترغیب دی ہے، یاد رکھنا وہ تیری قوم کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سن! اس گھر کے سوا کوئی اور گھر ایسا ہم نہیں جانتے جو اللہ نے زمین پر اپنے لئے بنایا ہو۔ اگر تُو نے ویسا ہی کیا جس پر تجھے ان لوگوں نے ابھارا ہے تو تُو اور تیرے ساتھ جو لوگ ہوں گے سب برباد ہو جائیں گے۔''

حسان تبان ایک بار پھر ان دونوں یہودیوں کی گفتگو سے خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

''تو پھر تم دونوں کا کیا مشورہ ہے؟ میں اگر وہاں جاؤں تو کیا کروں؟''

انہوں نے کہا۔

''وہاں کے لوگ اس گھر کے پاس جو کرتے ہیں وہ تُو بھی کر۔ اس کا طواف کر۔ اس کی تعظیم و تکریم کر اور اس کے پاس سر منڈوا۔ اور جب تک وہاں رہے، عجز و انکساری اختیار کئے رہ۔''

حسان نے ان سے پوچھا۔

''تم اس طرح کیوں نہیں کرتے؟''

انہوں نے کہا۔

''سن! واللہ بے شبہ وہ ہمارے باپ ابراہیم کا گھر ہے اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ واقعی ٹھیک ویسا ہی ہے جیسا ہم نے تجھ سے کہا ہے۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں نے اس گھر کے اطراف میں بت نصب کئے ہوئے ہیں اور ان بتوں کے آگے قربانیاں کرنے لگے ہیں۔ یوں انہوں نے ہمارے اور اس گھر کے درمیان دیوار حائل کر دی ہے۔ وہ نجس اور مشرک بھی ہیں۔''

غرض حسان تبان ان کی باتوں کی سچائی، خلوص اور خیر خواہی کا معترف ہو گیا۔ بنو ہزیل کے مذکورہ لوگوں کو بلوایا اور ان کے ہاتھ کاٹ دیئے اور خود اس نے سفر جاری رکھا۔ مکہ پہنچا اور بیت اللہ کا اس نے طواف کیا، اس کے پاس اونٹ ذبح کئے اور سر منڈوایا۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ میں اس نے چھ روز قیام کیا۔ ان دنوں میں لوگوں کے لئے جانور ذبح کرتا اور وہاں کے رہنے والوں کو کھلایا کرتا تھا اور شہد بھی پلاتا تھا۔

اس حسان تبان نے خواب میں یہ دیکھا کہ کوئی اسے یہ کہتا ہے کہ بیت اللہ پر غلاف چڑھا۔ چنانچہ اس نے بیت اللہ پر ٹاٹ کا غلاف چڑھایا۔ پھر اسے بتایا گیا کہ اس سے بہتر غلاف چڑھا۔ تو اُس نے اس پر ایک خاص قسم کے کپڑے کا غلاف چڑھایا جسے معافر کہا کرتے تھے۔ اس نے پھر خواب دیکھا اور خواب میں بتایا گیا کہ اس سے بہتر غلاف چڑھا۔

چنانچہ اس نے دو عمدہ کپڑے کے پاٹ ملا کر غلاف چڑھایا۔ عربوں کے خیال کے مطابق حسان پہلا شخص تھا جس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا۔ اس کے بعد بیت اللہ کے منتظمین جو بنو جرہم سے تھے ہمیشہ بیت اللہ پر غلاف چڑھاتے رہے۔

یمن کے اسی بادشاہ حسان تبان نے یثرب کے قیام کے دوران ایک عالیشان محل بھی تعمیر کروایا تھا۔ جب ان دو یہودی عالموں نے حسان تبان سے کہا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان ﷺ کا دارالہجرت اور ان کا گھر ہو گا تب حسان تبان بڑا متاثر ہوا۔ چنانچہ اس نے مدینہ میں ایک محل تعمیر کرایا اور ایک تحریر سربمہر علمائے مدینہ کے سپرد کی اور انہیں وصیت کی کہ اگر وہ نبی آخر الزمان، رحمت نشان ﷺ کا زمانہ پائیں تو یہ تحریر ان کی

خدمت اقدس میں پیش کر دیں ورنہ اپنی اولاد کو منتقل کرتے جائیں۔ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ جو محل اس نے مدینہ میں تعمیر کروایا ہے اس میں آنے والے رسولؐ اپنا قیام رکھیں۔

جو تحریر حسان تبان نے لکھی تھی وہ اسی محل کے اندر رکھی گئی اور یثرب کے یہودی علماء میں سے ایک کو اس کا متولی بنایا۔

انقلاباتِ زمانہ اور مرورِ وقت کے بعد وہ مکان اور تحریر اسی عالم کی اولاد میں سے آخر کار حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصے میں آ گئی۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان یمن کے بادشاہ حسان تبان ہی کا تعمیر کردہ تھا۔

چنانچہ حضور ﷺ جب ہجرت کرتے ہوئے اپنی اونٹنی پر سوار مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے رہنے والوں کے دل میں یہ تڑپ اور اُمنگ پیدا ہوئی کہ حضور ﷺ کی سواری ان کے ہاں فروکش ہو۔ ہر ایک قبیلہ آپ ﷺ سے یہ التماس کرنے لگا کہ ہماری تعداد بھی زیادہ ہے اور ہمارے ہاں آپ کے لئے ہر طرح کی آسائش اور سامانِ راحت مہیا ہے۔ آپ ہمارے ہاں قیام کریں۔ مگر آپ ﷺ سب کو یہی فرماتے کہ میری اونٹنی خداوند قدوس کی طرف سے مامور ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ جہاں اسے حکمِ الٰہی ہو گا، بیٹھ جائے گی۔ اور جہاں یہ بیٹھے گی، وہیں میرا قیام ہو گا۔

چنانچہ حضور ﷺ کی اونٹنی کی نکیل چھوڑ دی گئی۔ کسی کے ہاتھ میں نہ تھی۔ اونٹنی چلتے چلتے آخر کار حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوراً حرکت میں آئے اور کجاوہ اُٹھا لیا اور اپنے گھر لے گئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ کو اپنے ہاں لے جانے کے لئے اوس خزرج دونوں بڑے قبائل میں زبردست کشمکش تھی کہ آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف انہیں حاصل ہو۔ لیکن آپ ﷺ نے ان قبائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"آدمی وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہوتا ہے۔"

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر یمن کے اسی بادشاہ حسان تبان کا تعمیر کردہ تھا جس میں حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ اس محل کے اندر حسان تبان کی جو تحریر رکھی گئی تھی، جو نسل درنسل منتقل ہوتی رہی تھی، وہ تحریر بھی حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ اس تحریر میں لکھا تھا۔

"میں گواہی دیتا ہوں، بے شک احمدؐ اللہ کے رسولِ برحق ہیں۔

اگر میری عمر نے وفا کی اور ان کی آمد تک زندہ رہا تو میں ضرور ان کا معاون و مددگار بنوں گا۔"

ایران والوں کے لئے ان کے ہاں سے ہی اسلام اور حضور ﷺ کے متعلق دو بڑی نشانیاں تھیں۔

جہاں تک حضور ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق خسرو پرویز کے قتل کئے جانے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں خسرو پرویز کے عہد میں ایران کو وہ دور بھی نصیب ہوا جب ایران کی مملکت ہخامنشی سلطنت کے کورش اور داریوشِ اعظم کے برابر پھیلی ہوئی تھی۔ خسرو پرویز کے دور میں ایران کو وہ شان و شوکت بھی حاصل ہوئی جو اب تک ساسانی بادشاہوں کو حاصل نہ ہو سکی تھی۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتے ہیں خسرو شجاعت اور تدبر میں دوسرے ساسانی بادشاہوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اسے پرویز یعنی مظفر کہتے تھے۔

تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ بہرام چوبین نے خسرو کے باپ کے خلاف الم بغاوت بلند کیا تھا تو اس کو بھی سب سے بڑا خطرہ خسرو پرویز ہی کی وجہ سے تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی شجاعت کی شہرت ضرور ہو گی لیکن عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد اس کا کردار جو ظاہر ہوا اس سے خسرو کی شجاعت یا تدبر کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی۔ وہ بہرام چوبین کے مقابلے میں آیا تو راہِ فرار اختیار کر کے رومنوں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ پھر جب رومنوں کی مدد سے اسے دوبارہ ایران کی حکومت ملی اور فتوحات اسے حاصل ہوئیں، ان کا سہرا حقیقت میں خسرو پرویز نہیں بلکہ اس کے دو مشہور سپہ سالاروں شاہین اور شہر براز کے سر پر تھا۔

ان فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومن ایرانیوں کے سامنے دب گئے اور ان کے شہنشاہ ہرکولیس کو صلح کی پیشکش کرنا پڑی۔

خسرو پرویز اگر صاحبِ تدبیر ہوتا تو رومنوں کی صلح کی پیشکش قبول کر لیتا اور ایران کی حدود بحیرہ اسود اور دریائے فرات تک تسلیم کر لی جاتی اور لازیکا، آرمینیا اور بین النہر ایرانی سلطنت کا جز بن جاتے۔ لیکن خسرو اپنی نخوت پسندی کی وجہ سے یہ حقیقت نہ سمجھ سکا اور اپنے وسائل کو بے فائدہ ان ملکوں میں ضائع کرتا رہا جن پر وہ بحری بیڑہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا تسلط برقرار نہ رکھ سکتا تھا۔

اس کا عہد حکومت لڑائیوں میں گزرا لیکن ایرانیوں کو ان لڑائیوں کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس اس نے ایران کو کمزور کر دیا اور یہی کمزوری آخر کار ساسانی حکومت کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

مشہور مؤرخ طبری مزید لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز کو اقبال مندی نے متکبر اور خود پسند بنا دیا تھا اور وہ تباہ کن حرص میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ لوگوں کے مال و متاع پر حسد کرنا شروع ہو گیا تھا۔

خسرو سے عوام اس لئے نفرت کرنے لگے تھے کہ وہ جبر سے ان سے رقم وصول کرتا تھا۔ امراء اس سے ناخوش تھے۔ وہ ان کے اقتدار کو پسند نہ کرتا تھا۔ وہ سخت کینہ پرور تھا۔ ان امراء کو بھی اس نے مروانے سے دریغ نہ کیا جنہوں نے بڑی وفاداری سے اس کی خدمت کی تھی۔ ان میں بندوی اور بسطام خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اس کے ماموں تھے۔

خسرو پرویز کے متعلق مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ وہ ایک زر پرست بادشاہ تھا۔ اپنے دورِ حکومت میں اس نے ہر ممکن طریقے سے بے اندازہ دولت جمع کی اور اسے رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنے کی بجائے اپنے خزانوں میں محفوظ کیا۔

اپنے عہد حکومت کے دور میں جب اس نے طیسفون کے مقامات پر اپنے خزانے کوئی عمارت میں منتقل کیا تو اس میں تقریباً چھیاسی کروڑ اسّی لاکھ ٹیلنٹ (چار ارب اڑسٹھ کروڑ روپے) کا سونا تھا۔ جواہرات اور قیمتی کپڑوں کی کثیر تعداد اس کے علاوہ تھی۔ اس کی حکومت کے تیرہویں سال کے بعد اس کے خزانے میں اسّی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا اور اس کے بعد مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے اس کی مقدار اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ لڑائیوں میں جو مالِ غنیمت اسے حاصل ہوا وہ اس کے علاوہ تھا۔

زر پرستی کے علاوہ دو اور عوامل بھی تھے جو خسرو پرویز کے تنزل کا باعث بنے۔ پہلی وجہ یہ کہ خسرو نے عیسائیوں سے بڑی رواداری برتی تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے روم میں عیسائیوں کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ عیسائیوں کا احسان مند بھی تھا۔ پھر اس کی ملکہ مریم قیصر روم کی بیٹی تھی۔ نیز اس کی محبوبہ یعنی شیریں بھی عیسائی تھی۔ شیریں نے متعدد کلیسا اور راہبوں کے لئے خانقاہیں تعمیر کروائیں جن میں خسرو نے بھی بڑی دلچسپی لی۔ عیسائی راہبوں کی دعاؤں پر اسے بڑا اعتقاد تھا۔ حتیٰ کہ

وہ اپنی ابتدائی مہموں میں دعاؤں کی برکت کے لئے راہبوں کو میدانِ جنگ میں لے جایا کرتا تھا۔ خسرو کی خاص توجہ کی وجہ سے عیسائیوں کے لئے اشاعتِ دین کی راہ ہموار کی گئی تھی۔

سرو کے زوال کی دوسری وجہ خسرو کی پے در پے شکستیں تھیں جن کی وجہ سے اس کے وقار کو بھی سخت ٹھیس لگی تھی اور دست گرد کے میدان میں جو اس نے بزدلی دکھائی اس سے اس کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل گئی۔ عوام کے دلوں میں اب خسرو پرویز کے متعلق نفرت اور غصے کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے نامور سپہ سالاروں کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا تھا۔

شہر براز کو جب شکست ہوئی تو اسے مروا دینا چاہا، شاہین نے خودکشی کی تو اس کی لاش نکلوا کر اس کی توہین کی۔ یہ دونوں سپہ سالار اپنی جاں نثاریوں کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے سالاروں کو جنہیں رومنوں کے مقابلے میں شکست ہوئی، زندان میں ڈال دیا گیا تھا۔ یہ وہ واقعات تھے جن کی وجہ سے عوام اور امراء خسرو پرویز سے برافروختہ ہو گئے تھے۔

خسرو پرویز کی عمر ڈھل چکی تھی مگر ہوس پرستی ابھی جوان تھی اور جس طرح بن پڑتا، لوگوں سے دولت وصول کرتا تھا۔ اس کے علاوہ عالی مرتبہ اُمراء کو مرعوب کرنے کے لئے بعض کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ آخر سب امراء نے چاہا کہ اسے برطرف کر کے اس کے بیٹے شیرویہ کو تخت نشین کر دیں۔

چنانچہ ایک رات کی تاریکی میں جب ایران کو سیاہ پردے نے ڈھانپ لیا، ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا۔ ایران میں اس سے پہلے دستور تو یہ تھا کہ محل سرا کے پاسبان ''شاد باد پرویز شاہ'' کی آواز لگایا کرتے تھے، اس رات دفعتہً ''شاد باد شیرویہ'' کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اس موقع پر خسرو پرویز اپنی محبوب ملکہ شیریں کے قصر میں تھا۔ چنانچہ شیریں نے یہ آواز سنی تو چونک پڑی۔ چنانچہ چونک کر اُٹھتے ساتھ ہی اس نے خسرو پرویز کو مخاطب کیا اور پہرے داروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ آج کیسی آوازیں لگا رہے ہیں؟''

ان آوازوں پر خسرو بھی بیدار ہوا اور یہ نیا نعرہ اس نے بھی سنا جو اس کے لئے شورِ

قیامت سے کم نہ تھا۔ وہ سمجھا کہ رات کی تاریکی میں اس کے لئے معزولی کا پیغام لایا گیا ہے۔

چنانچہ سورج طلوع ہوا تو محل سرا کا دروازہ کھول دیا گیا اور شاہی لشکر ہجوم کر کے اندر گھس آیا۔ لیکن خسرو وہاں سے نکل کر باغ میں آ گیا تھا۔ لشکری یہاں بھی آ پہنچے۔ آخر خسرو پرویز کو اسیر کر کے قلعہ فراموشی میں قید کر دیا گیا جہاں اسے روٹی اور پانی کے علاوہ کچھ مہیا نہ کیا جاتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کے روبرو اس کے سترہ میں سے سولہ بیٹے قتل کر دیئے گئے تھے جن میں اس کی محبوب ملکہ شیریں کا بیٹا مردان شاہ بھی شامل تھا۔ آخر چند روز بعد خسرو پرویز کو زندان ہی میں مروا دیا گیا۔ اور یہ وہی دن تھا جس روز حضور ﷺ نے خسرو پرویز کے اس کے بیٹے کے ہاتھوں مرنے کی پیشگوئی یمن کے دونوں قاصدوں سے کی تھی۔

اس طرح ایرانیوں کے لئے حضور ﷺ کی دو پیش گوئیاں سچ ثابت ہوئیں۔ ایک ایرانیوں کے مقابلے میں رومنوں کی فتح اور دوسری شیرویہ کے ہاتھوں خسرو پرویز کا قتل تھی۔

❁ ❁ ❁

❁

عتبہ بن ہشام ایک روز اپنی رہائش گاہ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ پریشان اور فکرمند تھا کہ ہلال بن علقمہ وہاں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ چند قدم آگے بڑھا۔ ہلال بن علقمہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے، اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھایا، پھر بڑی رازداری سے اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! تم جس کام کے لئے گئے تھے اس کا کچھ پتہ چلا؟''

اس موقع پر ہلال بن علقہ خود پریشان اور فکرمند تھا۔ اپنے خشک ہونٹوں پر اس نے زبان پھیری، پھر علقمہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! حالات کا کچھ پتہ نہیں چل رہا کون سا رخ اختیار کریں گے۔ دیکھو خسرو پرویز تو مارا جا چکا ہے، اس کا بیٹا شیرویہ اب ایران کے تخت و تاج کا مالک بن چکا ہے۔ میرے بھائی! تمہارے کہنے پر جب میں رجینا، البانہ، آذرمی دخت اور بوراں دخت کا پتہ کرنے کے لئے گیا تو یوں جانو اردگرد پوچھ گچھ کرنے اور اپنے جاننے والوں سے معلومات حاصل کرنے کے بعد میں آدھی خوشیاں، آدھے غم لے کر آیا ہوں۔

آدھی خوشیاں یہ ہیں کہ بوراں دخت اور آذرمی دخت دونوں بہنیں خیریت سے ہیں۔ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا گیا۔ جہاں تک خسرو پرویز کا تعلق ہے تو اس کے سترہ بیٹے تھے۔ سترہ میں سے سولہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے اور باقی صرف شیرویہ ہی بچا ہے جو اس وقت ایران کا بادشاہ بنا ہے۔

میرے عزیز بھائی! جو خبریں ہمارے لئے اچھی نہیں ہیں وہ کچھ یوں ہیں کہ رجینا اور البانہ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ وہ کہاں گئی ہیں۔ جس وقت قصرِ شیریں کے باغ

میں لشکریوں نے اچانک ہلہ بول کر خسرو پرویز کو گرفتار کیا، اس کی گرفتاری چونکہ باغ کے اندر ہوئی تھی، اس وقت محل کے اندر رجینا اور البانہ دونوں موجود تھیں۔ وہ محل کے اندر کھڑی ہو کر سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ جس وقت مسلح جوان محل کی طرف آئے تھے تو پہلے تو ان کا خیال تھا کہ جو مسلح جوان آئے ہیں وہ خسرو پرویز کے محافظ دستے کا کوئی حصہ ہوں گے۔ لیکن ان کے دیکھتے ہی دیکھتے خسرو پرویز کو گرفتار کر کے، اسے کھینچتے ہوئے لے جایا گیا تاکہ اسے زندان میں ڈال دیا جائے تب انہوں نے نجانے کون اس قدم اٹھایا جس کے باعث ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ دونوں کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ان دونوں کو نہ کسی نے ہاتھ لگایا، نہ وہ قتل ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں اپنی جان بچانے کے لئے دونوں یا تو کہیں روپوش ہو گئی ہیں یا اپنے کسی جاننے والے کے ہاں انہوں نے پناہ لے لی ہے۔ اب پتہ نہیں وہ دونوں کہاں ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ قصرِ شیریں کے محافظ بھی غائب ہیں۔ ان کے محل وقوع کا بھی کسی کو علم نہیں ہے۔ تاہم رجینا اور البانہ کی تلاش ہم جاری رکھیں گے۔

میرے بھائی! میں تمہارے لئے ایک خوشخبری بھی رکھتا ہوں۔ دیکھو! تم نے مجھے جس کام کے لئے بھیجا تھا، میں اس کی تکمیل چاہتا تھا۔ پہلے میں قصرِ شیریں میں گیا، میں وہاں کی خادماؤں سے بھی ملا لیکن کسی نے مجھے البانہ اور رجینا کے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ وہ کدھر گئی ہیں اور کہاں ہیں۔ وہاں سے مایوس ہو کر میں نے بڑے قصر کا رخ کیا۔ میں دراصل آذرمی دخت سے ملنا چاہتا تھا اور میں یہ ملاقات بوراں دخت سے پوری کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ بوراں دخت حقیقت میں آذرمی دخت کی اوّل درجے کی دشمن اور مخالف ہے۔ میری خوش قسمتی کہ قصر کے دروازے کے قریب ہی مجھے آذرمی دخت مل گئی۔ اس لئے کہ خسرو پرویز کے بعد اس کی دونوں بیٹیوں کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ ان دونوں کی پہلے جیسی عزت اور پہلے جیسا ہی احترام کیا جاتا ہے۔ آذرمی دخت سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے گفتگو کی۔ اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔ دورانِ گفتگو میں نے اس سے رجینا اور البانہ سے متعلق پوچھا تو وہ بے چاری اُداس اور افسردہ ہو گئی اور اس نے رجینا اور البانہ سے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ میرے عزیز بھائی! تمہارے لئے اچھی خبر میں یہ رکھتا ہوں کہ آج آذرمی دخت نے کھلے الفاظ میں

میرے سامنے اس بات کا اقرار اور اظہار کیا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتی ہے، تم سے محبت کرتی ہے۔ میرے عزیز بھائی! کیا تم میری اس بات پر اعتبار کرتے ہو؟''

عتبہ بن ہشام نے گھورنے کے انداز میں ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''تمہاری باتوں پر اعتبار اور اعتماد نہ کرنا میں گناہ خیال کرتا ہوں۔ میرے عزیز بھائی! اگر آذرمی دخت مجھے پسند کرتی ہے تو اس پسندیدگی اور محبت کا کوئی انجام تو ہوگا۔ وہ ایران کی اس قدر بڑی اور عظیم سلطنت کی شہزادی ہے۔ یہاں تک میرا اور تمہارا تعلق ہے ہم ان سرزمینوں میں ہی غریب الوطن ہیں۔ کوئی ٹھکانہ، کوئی سرمایہ، کوئی اثاث البیت نہیں ہے۔ بس ایک یہ رہائش گاہ ہے جو خسرو پرویز نے ہماری کارکردگی سے خوش ہو کر ہمیں عنایت کر دی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہمیں مالِ غنیمت یا تحائف کی صورت میں خسرو پرویز کی طرف سے ملتا رہا ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا میرے بھائی! آذرمی دخت کی محبت، اس کی چاہت کو خواب ہی میں کوئی انجام اور کوئی اچھا اختتام دیا جا سکتا ہے۔ میرے بھائی! آذرمی دخت کا حصول یوں جانو میری گرفت میں نہیں ہے۔ اور جو کام میری گرفت سے باہر ہے میں اسے کرنے کا کیسے تہیہ کر لوں۔''

تاسف بھرے انداز میں ہلال بن علقمہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''عتبہ! میرے بھائی! مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جو کچھ تم نے کہا ہے، میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ ہم دونوں صحرائے عرب میں پڑا ہوا ایک ذرّہ ہیں۔ پر یاد رکھنا، ستارے اگر کہکشاں کو جنم دے سکتے ہیں، ذرّے صحرا کے خدوخال درست کر سکتے ہیں، قطرے ندی نالوں، دریاؤں، ساگر اور بحر کو وجود دے سکتے ہیں تو میرے بھائی! یاد رکھنا، تمہاری یہ محبت بھی کسی روز اپنے عروج کو پہنچ سکتی ہے۔ اس کے لئے آپ سے سازگار حالات بھی پیدا ہو جائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلال بن علقمہ رکا، اس کے بعد کچھ دیر تک عتبہ بن ہشام کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد کہنے لگا۔

''آج جو تم نے مجھے رجینا اور البانہ کا پتہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا اور روانگی سے پہلے تم نے جو گفتگو مجھ سے کی تھی، تمہاری گفتگو سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ

تم رجینا کو پسند کرتے ہو۔ دیکھو میرے بھائی! میں تمہارے سگے بھائیوں جیسا ہوں۔ مجھ سے کوئی چیز چھپانا مت۔ یہ بتاؤ رجینا سے متعلق تمہارے کیا خیالات ہیں؟ آذرمی دخت سے متعلق تم کیا کہتے ہو؟''

جواب میں ہلکا سا تبسم عتبہ بن ہشام کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''ابنِ علقمہ! میرے عزیز بھائی! اگر آذرمی دخت مجھے پسند کرتی ہے تو میرا ردِّ عمل اس سے مختلف نہیں ہے۔ میں اس کی محبت کو ٹھکرا نہیں سکتا۔ رجینا بھی میری محبت کا محور ہے۔ اسی بناء پر پریشانی کے عالم میں، میں نے تمہیں روانہ کیا کہ تم رجینا اور البانہ دونوں کا پتہ کرو۔ اس لئے کہ یہ بات تو پہلے ہی واضح ہو چکی ہے کہ تم اور البانہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ جہاں تک آذرمی دخت کا تعلق ہے تو وہ ایک انتہا درجہ کی خوبصورت لڑکی ہے۔ وہ کسی کی بھی طرف اشارہ کرے تو اس کی بانہوں کا اسیر بننے کے لئے تیار ہو جائے۔ میرے عزیز بھائی! اگر آذرمی دخت مجھے پسند کرتی ہے تو میں اس کی محبت کی قدر کروں گا۔ لیکن اس کے سلسلے میں مجھے اور تمہیں دونوں کو محتاط رہنا ہو گا۔ میرے عزیز بھائی! خسرو پرویز مارا جا چکا ہے۔ اس کی نگاہوں میں ہماری کچھ قدر و قیمت تھی۔ جہاں تک شیرویہ کا تعلق ہے تو میں نہیں کہتا کہ یہ برا آدمی ہے۔ لیکن اس کی نگاہوں میں اب تک ہماری وہ عزت نہیں جو خسرو پرویز کی نگاہوں میں تھی۔ اس بناء پر مجھے یہ خدشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ جب یہ خبر پھیلے کہ آذرمی دخت مجھے پسند کرتی ہے، میں بھی اس کی طرف مائل ہوں تو ایران کا حکمران طبقہ، امراء یا دیگر سالار اس انکشاف پر بھڑک اُٹھیں گے۔ مجھے اور آذرمی دخت دونوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میرے بھائی! فی الحال میرے اور آذرمی دخت کے اس تعلق، رابطے اور محبت کو بس ایک راز و بھید ہی رہنے دینا۔ بس یہ دعا کرو، کوئی مناسب وقت آئے کہ آذرمی دخت شاہی خاندان کے خول سے نکل کر ہمارے پاس آئے۔ جس روز ایسا ہوا، ہلال بن علقمہ! گواہ رہنا میں آذرمی دخت کو اپنی زندگی کا ساتھی بناتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔ جہاں تک رجینا کا تعلق ہے تو اس کا معاملہ آذرمی دخت سے مختلف ہے۔ آذرمی دخت میرے ساتھ تیغ زنی بھی کرتی رہی ہے، گھڑ دوڑ بھی کرتی رہی ہے۔ لیکن اس نے کبھی واضح الفاظ میں مجھ پر اپنی محبت کا انکشاف نہیں کیا۔ اس کے دیکھنے کے انداز، اس کے چہرے کے تاثرات سے ضرور میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ میری

طرف مائل ہے۔ جہاں تک رجینا کا تعلق ہے تو وہ کئی بار دبے دبے الفاظ میں مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی ہے۔ آج آذرمی دخت کا پیغام تم لے کر آئے ہو تو گویا آذرمی دخت بھی واضح الفاظ میں اپنے اس رجحان کا اظہار کر چکی ہے۔ سو میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں رجینا کو تلاش کروں گا، اس کی حفاظت کا سامان کروں گا، وہاں آذرمی دخت پر بھی نگاہ رکھوں گا۔

میرے عزیز بھائی! البانہ تمہیں پسند کرتی ہے۔ البانہ آج سے میری بہن ہے۔ اسے تلاش کرنا ہم دونوں کا فرض ہے۔''

عتبہ بن ہشام کی اس گفتگو سے ہلال بن علقمہ خوش ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

''البانہ تمہاری بہن ہے تو آج سے رجینا اور آذرمی دخت دونوں میری بہنیں ہیں اور میں بھائی کی حیثیت سے ان دونوں کی حفاظت کا سامان کروں گا۔ پر میرے بھائی! میرے اور تمہارے معاملات جن کا تعلق البانہ، رجینا اور آذرمی دخت سے ہے، یہ بوراں دخت پر ظاہر نہیں ہونے چاہئیں۔ میرے عزیز بھائی! بوراں دخت، آذرمی دخت کی بدترین دشمن ہے۔ وہ ہر صورت میں اپنی چھوٹی اور انتہائی خوب صورت بہن کو اپنے سامنے زیر دیکھنا چاہتی ہے۔ چنانچہ ہم اندر ہی اندر اپنے جاننے والوں اور اپنے ملنے والوں یا دیگر لوگوں سے رابطہ قائم کرتے ہوئے جہاں رجینا اور البانہ کو تلاش کریں گے وہاں کسی نہ کسی طریقے سے آذرمی دخت سے بھی رابطہ قائم کریں گے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے خسرو پرویز کے مرنے اور نئے بادشاہ شیرویہ کے تخت نشین ہونے کے بعد آذرمی دخت جو پہلے ہمارے ساتھ آزادی کے ساتھ گھڑ دوڑ کرتی تھی، تیغ زنی اور تیر اندازی کرتی تھی، اب وہ ایسا نہ کر سکے۔ ممکن ہے شیرویہ جو اس کا بھائی ہے، اسے اور بوراں دخت کو ایسا کرنے سے روک دے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو میرے عزیز بھائی! ہم نے یہ بھی کوشش کرنی ہے کہ محل سرا کے کسی خادم یا کسی خادمہ سے رابطہ قائم کر کے آذرمی دخت کے ساتھ تعلق اور رابطے میں رہیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلال بن علقمہ جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے آذرمی دخت ہی کی مدد یا اس کے تعاون سے ہم رجینا اور البانہ کو تلاش کرنے میں کامیاب

ہو جائیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے علقمہ بن ہشام کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ شاہی محل کی ایک خادمہ اسی لمحہ اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی اور عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اے ابنِ ہشام! باہر آذرمی دخت اور بوراں دخت دونوں بہنیں آپ دونوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ گھڑ دوڑ پر نکلنا چاہتی ہیں۔ ان دونوں بہنوں کو اجازت مل گئی ہے کہ وہ دونوں حسب سابق تم لوگوں کے ساتھ گھڑ دوڑ کے علاوہ تیغ زنی اور دوسرے سامانِ حرب میں تربیت بھی حاصل کر سکتی ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ خادمہ اجازت لے کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ہلال بن علقمہ بڑے غور سے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! اُٹھ۔ ان کا یوں زیادہ دیر باہر کھڑے رہنا مصلحت کے خلاف ہے۔''

عتبہ بن ہشام فوراً جست لگاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے اپنے گھوڑوں کو تیار کیا، اس کے بعد دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں تھامے جب اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلے تب انہوں نیدیکھا کہ بوراں دخت اور اس کی چھوٹی بہن آذرمی دخت دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار باہر رکی ہوئی تھیں۔ عتبہ بن ہشام کو دیکھتے ہی بڑا پُرکشش ہلکا سا شرمگیں تبسم آذرمی دخت کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ اس کے کے بعد کسی سے کچھ نہ کہا۔ اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے چاروں ایک طرف ہو لئے تھے۔

کھلے میدان میں آنے کے بعد ہلال بن علقمہ بوراں دخت کے ساتھ گھڑ دوڑ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک طرف نکل گیا تھا۔ ایسا شاید ہلال بن علقمہ نے جان بوجھ کر کیا تھا اور ایسا کر کے وہ عتبہ بن ہشام اور حسین وخوبصورت آذرمی دخت کو علیحدگی میں گفتگو کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔

جب بوراں دخت اور ہلال بن علقمہ گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ایک طرف نکل گئے تب جواب طلب سے انداز میں عتبہ بن ہشام اور آذرمی دخت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر وہ بھی گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہوئے مخالف سمت ہو لئے تھے۔

کچھ دور جا کر آذرمی دخت نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس کی طرف دیکھتے

ہوئے عتبہ بن ہشام نے بھی اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ پھر وہ آذرمی دخت کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیوں، خیریت تو ہے؟ تم نے گھوڑے کو کیوں روک لیا؟''

اس پر آذرمی دخت اپنے گھوڑے کی گردن تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگی۔

''گھڑ دوڑ تو ہم روز ہی کرتے ہیں آج جبکہ ہلال بن علقمہ جو میرا عزیز اور محترم بھائی ہے، مجھے تنہائی میں آپ سے کچھ کہنے کا موقع فراہم کر رہا ہے تو میں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔ آج جب ہلال بن علقمہ مجھ سے رجینا اور البانہ سے متعلق گفتگو کرنے آیا تھا تو میں نے اس کے ہاتھ آپ کے نام ایک پیغام بھیجا تھا۔ کیا اس نے میرا وہ پیغام آپ کو پہنچایا؟''

عتبہ بن ہشام نے پہلے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''یقیناً اس نے مجھے تمہارا پیغام پہنچایا تھا۔''

اس موقع پر آذرمی دخت کے حسین اور خوب صورت لبوں پر بھی تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر کہنے لگی۔

''تو پھر آپ نے اس پیغام کے جواب میں ہلال بن علقمہ سے کیا کہا؟ اور اس کے ردِعمل میں آپ میرے لئے کیا کہتے ہیں؟''

تھوڑی دیر مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے آذرمی دخت کی طرف دیکھا، پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر مزید اس کے قریب ہوا اور کہنے لگا۔

''جہاں تک ہلال بن علقمہ کا سوال ہے تو اُسے تو میں نے مثبت جواب دیا تھا۔ جہاں تک آذرمی دخت! تمہیں کچھ کہنے کا تعلق ہے تو میرے خیال میں اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں زندگی بھر تمہارا ممنون رہوں گا کہ تم نے اپنی محبت میں مجھے وہ مقام دیا جس کے قابل میں اپنے آپ کو سمجھتا ہی نہیں تھا۔ بہرحال آج سے ہم دونوں کی منزل ایک ہے اور میں تم پر نگاہ رکھوں گا۔ اس سلسلے میں تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

آذرمی دخت یہ الفاظ سن کر کچھ دیر مسکراتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''میں آپ کے اس جملے کے خلاف احتجاج کرتی ہوں۔ ہم دونوں کی نہیں بلکہ ہم تینوں کی منزل ایک ہے۔ ہم دونوں کے ساتھ رجینا بھی شامل ہے۔ اس معاملے کو یوں

بھی کہہ سکتے ہیں، ہم تینوں ایک ہی منزل کے مسافر اور ایک ہی مسافت کے ساتھی ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کے ساتھ اپنی محبت کا عقد نبھانے کا عہد کرتے ہیں۔

میں اپنی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میری محبت کا مثبت جواب دیا۔ میں جانتی ہوں آپ رجینا سے متعلق بھی فکرمند ہوں گے۔ آپ بھی کوشش کیجئے گا کہ اس کا اتہ پتہ چلے، میں بھی اپنی طرف سے کوشش کروں گی کہ یہ جان سکوں کہ رجینا اور البانہ دونوں کہاں کھو گئی ہیں۔ آج سے میں نے ایک اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ خادمہ جو آپ کو اور ہلال بن علقمہ کو بلانے کے لئے آئی تھی، اس کا نام انجار ہے۔ وہ میری رازدار اور ایک طرح سے میری حمایتی ہے۔ یہ دو میاں بیوی ہیں۔ اس کے شوہر کا نام کالاس ہے اور قصر کے بائیں جانب قصر کے باہر جو خادموں اور خادماؤں کی رہائش گاہیں بنی ہوئی ہیں، قصر کے بڑے کمرے سے تیسرا مکان ان کا ہے۔ انجار اور کالاس دونوں ہی ایک طرح میرے ذاتی خدمت گار ہیں اور میری ہر بات کو راز میں رکھتے ہیں۔ آج کے بعد میرے اور آپ کے درمیان پیغام رسانی کا سلسلہ انجار اور اس کے شوہر کالاس کے ذریعے ہی ہوگا۔ کالاس ہر روز آپ سے ملتا رہے گا۔ اگر آپ نے میرے نام کوئی پیغام دینا ہو تو بلا جھجک اسے دے دیجئے گا۔ وہ پیغام مجھ تک پہنچا دے گا۔ ہاں، اگر آپ کو کوئی پیغام پہنچانا ہو تو اس سلسلے میں انجار سے کہوں گی۔ انجار اوّل تو خود آپ کے پاس آ کر پیغام پہنچائے گی۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے، کہیں مصروف ہو تو یہی پیغام اپنے شوہر کالاس کے ذریعے آپ تک پہنچا دے گی۔ ان دونوں میاں بیوی کا قصر ے اندر آنا جانا ہے اور قصر کے سارے محافظوں کی نگاہوں میں بھی بڑے قابل اعتماد اور قابل عزت خیال کئے جاتے ہیں۔

میں نے آپ اور بھائی علقمہ کے لئے کچھ سامان بھی تیار کر رکھا ہے۔ اس میں کچھ مزید چیزوں کا بھی اضافہ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ ساری چیزیں کل کسی وقت انجار یا اس کا شوہر کالاس آپ تک پہنچا دیں گے۔ آج آپ مجھ سے یہ بھی وعدہ کریں کہ آپ کو یہاں رہتے ہوئے جب کبھی کسی شے کی ضرورت پیش آئے گی تو آپ مجھ سے طلب کرتے ہوئے ہچکچائیں گے نہیں اور فی الفور اپنی ضرورت کی اشیاء کا ذکر کالاس کے ذریعے مجھ تک پہنچائیں گے......"

یہاں تک کہتے کہتے آذرمی دخت کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ محبت بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا تھا۔

"آذرمی دخت! ایسا کوئی موقع نہیں آئے گا۔ تم جانتی ہو میرے اور ہلال بن علقمہ کے پاس ضرورت کی ہر شے ہے۔ اور پھر ہم اپنی ضروریات کا دامن وسیع کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ بہرحال تم مطمئن اور آسودہ رہو کہ میں زندگی بھر تم پر اعتماد اور بھروسہ کروں گا۔ میرے خیال میں ہمیں یہاں رک کر گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ آؤ آہستہ آہستہ گھوڑوں کو دوڑاتے ہیں۔ ساتھ ہی گفتگو کرتے ہیں تاکہ اس طرح رک کر گفتگو کرنے سے کہیں بوران دخت ہم پر شک نہ کرنے لگے۔

آذرمی دخت مسکرائی اور کہنے لگی۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس کے ساتھ ساتھ عتبہ بن ہشام بھی اپنے گھوڑے کو دوڑانے لگا تھا۔ پھر آذرمی دخت عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

"میں اپنے بھروسے کے کچھ لوگوں کو رجینا اور البانہ کو تلاش کرنے پر متقرر کروں گی۔ سمجھ نہیں آتی کہ وہ کہاں چلی گئی ہیں۔ اس لئے کہ قصرِ شیریں کے اندر کچھ تہہ خانے ضرور ہیں لیکن ان کے اندر انہوں نے پناہ نہیں لی۔ اس لئے کہ ان سارے تہہ خانوں کی تلاشی لے لی گئی اور وہ دونوں کہیں نہیں ملیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کہیں اور پناہ لی ہے۔ یا وہ بھاگ کر کہیں اور جا چکی ہیں۔ بہرحال آپ بھی کوشش کریں، میں بھی اپنے کچھ آدمی ان کی تلاش میں لگاؤں گی۔ اور مجھے امید ہے کہ ہم ان دونوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

عتبہ بن ہشام نے آذرمی دخت کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا پھر دونوں نے اپنے گھوڑوں کو موڑا اور انہیں ایڑ لگا کر وہ اپنے گھوڑوں کو بوران دخت اور ہلال بن علقمہ کی طرف سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے قباد کے نام سے تخت نشین ہونے کے بعد رعایا کی ہر طرح سے دل جوئی کی۔ کسانوں کو تین سال کے لئے لگان معاف کر دیئے۔ جن لوگوں پر زیادتیاں ہوئی تھیں انہیں نوازا۔ قیدیوں کو آزاد کیا اور ایک شخص برمک بن فیروز کو اپنا وزیر بنایا۔ یہ برمک بن فیروز انہیں برامکہ کا جد امجد تھا جنہوں نے ہارون رشید کے دور میں زور پکڑا تھا۔ اس طرح قباد کے دور میں پہلی بار برمکیوں کا ذکر تاریخ کے اوراق پر نمودار ہوا۔

خسرو پرویز کے بیٹے نے اپنے باپ کا خاتمہ کرنے کے بعد رعایا کو تو ضرور سہولتیں باہم پہنچائیں لیکن اسے خدشہ تھا کہ بھائیوں میں سے کوئی تخت و تاج کا وارث نہ بن بیٹھے۔ چنانچہ شاہی خون اس نے بڑی بے دردی سے بہایا۔ بقول علامہ طبری اس قباد کے سولہ بھائی تھے۔ ان سب کے خون سے اس نے اپنے ہاتھ رنگین کیئے۔ اس طرح اس کے ظالمانہ اقدام کے سامنے ساسانی نسل کے کئی قیمتی گوہر خاک میں اُڑا دیئے۔ چنانچہ اس قبیح حرکت کی وجہ سے ایران میں ایسا دور بھی آیا کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ساسانی قوم کا کوئی لائق فرد ایسا نہ ملتا تھا جس کے سر پر ساسانی تاج رکھا جا سکتا۔

خسرو پرویز کے بیٹے قباد کی بدقسمتی کہ اس نے صرف ایران پر ابھی صرف چھ ماہ ہی حکومت کی تھی کہ اس کے عہد حکومت میں مشرق قریب میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور بے شمار لوگ اس مرض کا شکار ہو گئے۔ قباد خود بھی اس مرض کی نظر ہوا۔ اطرح اپنے باپ کو قتل کر کے تخت و تاج کا مالک بننے والا قباد صرف چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔

قباد کے زمانے کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ یمن کا حکمران بازان جسے خسرو پرویز نے اس بات پر مامور کیا تھا کہ مدینہ پر لشکر کشی کرے اور حضور ﷺ کو ایران لائے، مشرف بہ اسلام ہوا اور رفتہ رفتہ یمن کے تمام باشندے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔

قباد کی وفات کے بعد 629ء میں اس کے سات سالہ شہزادے اردشیر سوئم کی تخت نشینی کا اعلان کیا گیا اور ایک دانش مند وزیر مہر جس کو اس کی وزارت سونپی گئی۔

اپنی زندگی ہی میں قباد نے اپنے مشہور سالار شہر براز کو حکم دیا تھا کہ ایران اور روم کے معاہدۂ صلح کی رو سے مفتوح علاقے خالی کر دے۔ لیکن اس نے پس و پیش کی اور ہوا کا رخ دیکھتا رہا۔

آخر قباد کی وفات پر جب اس کے خورد سالہ شہزادے کی بادشاہت کا اعلان ہوا تو اس نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

اس نے بھی خسرو پرویز کے سالار بہرام چوبین کی طرح بادشاہ بننے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا اور ایسا کرنے کے لئے اس نے رومنوں کے بادشاہ ہرکولیس کی حمایت حاصل کرنا چاہی اور نہ صرف مصر، شام اور ایشیائے کوچک کے رومن مقبوضہ جات خالی کرنے کی پیشکش کی بلکہ حمایت کرنے کے لئے زرِ کثیر دینے کا بھی وعدہ کیا۔ ہرکولیس اس کا ساتھ دینے کو آمادہ ہو گیا اور دوستانہ روابط استوار کرنے کے لئے ہرکولیس نے اپنی بیٹی بھی ایرانی سالار شہر براز سے بیاہ دی۔

اب بظاہر شہر براز کے لئے راستہ ہموار ہو گیا تھا چنانچہ اس نے چھ ہزار کا ایک لشکر لیا اور 629ء میں ہی بڑی تیزی سے ایران کے مرکزی شہر مدائن پر حملہ کر دیا اور اسے مسخر کر کے فاتحانہ انداز میں پایۂ تخت میں داخل ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے شہر براز نے ایرانی امراء کو بھڑکایا کہ پہلے خسرو پرویز نے بعض امراء کو ناحق قتل کروایا تھا، پھر قباد بھی اس کے نقشِ قدم پر چلا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کرایا جن سے اسے خطرہ ہو سکتا تھا۔

شہر براز نے سارے امراء اور سالاروں کو یہ بھی مخاطب کر کے کہا کہ وہ نوعمر شہزادے کی سرپرستی کرے گا۔ لیکن یہ شہر براز کی طرف سے محض ایک حیلہ تھا۔ چنانچہ جلد ہی اس کے ارادے ظاہر ہو گئے اور اس نے 629ء ہی میں ایران کے سات سالہ

حکمران کو موت کے گھاٹ اتار کر ساسانی تخت و تاج پر خود قبضہ کرلیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ شہر براز بہت دانش مند اور دلیر سپہ سالار تھا۔ ممکن تھا کہ وہ پورے ایران کی حکومت سنبھال لیتا۔ لیکن اہلِ ایران کا شروع ہی سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ بادشاہت ایک مقدس حق ہے جو اس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کی رگوں میں بادشاہ کا خون ہو۔

یہی وجہ تھی کہ ایران میں شاہی خاندان کا کوئی بھی باغی حکومت نہ کر سکا۔ چنانچہ اب ایران کے اندر وہی حالات پیدا ہو گئے تھے جو بہرام چوبین کو پیش آئے تھے اور ایک مرتبہ پھر ایران کی فضاؤں میں شہر براز کے متعلق یہ باتیں ہونے لگی تھیں کہ اس کا تعلق کیونکہ شاہی خاندان سے نہیں ہے لہٰذا وہ ایران کا حکمران نہیں بن سکتا۔

چنانچہ نوعمر شہزادے کو قتل کرنے کے بعد شہر براز نے ابھی ایران پر صرف دو ماہ ہی حکومت کی تھی کہ ایک دن گھوڑے پر سوار ہوا تو ایک خراسانی سالار نام جس افرخ تھا، جو شاہی محافظ دستوں میں ایک سالار تھا اس کی گفتگو شہر براز سے ہوئی۔ دورانِ گفتگو فرخ نام کے اس خراسانی سالار نے شہر براز کو یہ طعنہ دیا کہ تم کون سے شاہی نسل سے تعلق رکھتے ہو کہ ساسانی تخت و تاج کے وارث بن بیٹھے ہو؟

اُس کے اس جملے پر شہر براز اور فرخ کے درمیان تکرار شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں اس خراسانی سالار فرخ نے شہر براز کو اچانک نیزہ مار کر اس کو گھوڑے سے اتار دیا۔

اس کے بعد اس کے ساتھ اس کے جو ساتھی تھے وہ ایک دم شہر براز پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں کے وار کر کے انہوں نے شہر براز کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش کو مدائن کی گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا۔ لاش کو گھسیٹنے والے کہتے جاتے تھے۔

''جس شخص کی رگوں میں شاہی خون نہ ہو اور وہ مکاری سے ساسانی تخت و تاج پر جلوس کرے تو اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہئے۔''

شہر براز کے مرنے کے بعد دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ پہلا یہ کہ مصر، شام اور ایشیائے کوچک کے علاقے ایرانیوں کے تسلط سے نکل کر رومنوں کے قبضے میں چلے گئے۔ جبکہ آرمینیا پر خزر قبائل نے قبضہ کرلیا تھا۔

ساسانی عہد کے آخری تاج داروں کا دور یقیناً خسرو پرویز کی یاد دلاتا ہے۔ خسرو پرویز میں ذاتی کمزوریاں تو ضرور تھیں لیکن اس نے داخلی حالات کو قابو میں رکھا تھا۔

امراء کو جو بعض اوقات ہوسِ زر اور جاہ طلبی کے خیال سے دست درازیاں کرنے لگے تھے، روک کر رکھا لیکن وہ خود سب سے بڑا زر پرست تھا۔ اس نے اپنے خزانوں کو بھرنے کے لئے لوگوں سے بہ جبر مال و دولت جمع کیا جس سے خزانے تو بھرپور ہو گئے لیکن اہل ملک نادار ہو گئے۔ رومنوں کے ساتھ جنگوں کی مصیبتیں آئیں تو ایران اور اہل ایران کی بدبختیوں میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔

خسرو کے بعد ایران کو کوئی طاقت ور بادشاہ نصیب نہ ہوا جو امراء پر قابو پا سکتا۔

ہر طرف لوٹ کھسوٹ شروع ہوگئی۔ حکمران تخت اور کمزور ہاتھوں سے ساسانی تاج دوسروں کے حوالے کر کے خود صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتے۔ اس طرح خسرو پرویز کے بعد صرف چار سال کے عرصے میں دس حکمران عظیم ساسانی بادشاہوں کے تخت پر بیٹھے۔

گویا آخری دور بڑا تیز اور متحرک تھا۔ تیزی سے بھاگنے والے گھوڑے کی طرح جس کے سامنے بڑی تیزی سے منظر بدلتے رہتے ہیں۔

شہر براز کے قتل کے بعد خسرو سوئم جو قباد کا بیٹا تھا، تخت نشین ہوا لیکن چند ماہ ہی بعد اسے بھی فارغ کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایران کے تخت و تاج کی مالک خسرو پرویز کی بیٹی بوراں دخت ہوئی۔ امراء نے بڑے اہتمام کے ساتھ اسے تخت نشین کیا۔

مشہور مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ جس وقت خسرو پرویز کی بیٹی بوراں دخت ایران کی ملکہ بنی اور یہ خبر مدینہ پہنچی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

''وہ قوم جو ایک عورت کو حکومت کی باگ ڈور سونپتی ہے وہ کبھی آسائش نہیں دے سکتی۔''

❁ ❁ ❁

سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے حسین اور خوب صورت آذرمی دخت اپنے گھوڑے کو بھگاتی ہوئی عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی رہائش گاہوں کے سامنے رکی اور آواز دے کر عتبہ بن ہشام کو بلایا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ عتبہ بن ہشام اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر باہر نکلا۔ دروازے پر ہلال بن علقمہ بھی آ گیا تھا۔ چونکہ بوراں دخت اب ایران کی حکمران اور ملکہ بن گئی تھی لہٰذا اس نے ہلال بن علقمہ کے ساتھ گھڑ دوڑ کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ اس بناء پر اب آذرمی دخت اکیلی ہی آتی تھی۔ باہر نکل کر عتبہ بن ہشام اپنے گھوڑے پر

سوار ہوا۔ آذرمی دخت اور عتبہ بن ہشام دونوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی فیصلہ کیا، اس کے بعد اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ایک طرف سرپٹ دوڑانے لگے تھے۔

جب وہ مدائن شہر سے باہر اس میدان میں پہنچے جس میں وہ گھڑ دوڑ کرتے تھے تو پہلے دونوں نے گھوڑوں کو تیز دوڑاتے ہوئے ایک چکر لگایا اس کے بعد اپنے گھوڑے کو درمیانہ روی سے دوڑاتے ہوئے آذرمی دخت تفکرات بھرے انداز میں عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

’’ابنِ ہشام! حالات دن بہ دن بد سے بدتر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ بوراں دخت کے ملکہ بن جانے سے میرے لئے دن بہ دن مصیبتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ میرے خیال میں اسے شک پڑ گیا ہے کہ میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں اور جواب میں آپ بھی مجھے چاہتے ہیں۔ اس بناء پر وہ ہمارے خلاف کوئی قدم بھی اٹھا سکتی ہے۔‘‘

یہاں تک کہتے کہتے آذرمی دخت خاموش ہو گئی۔ اس لئے کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا تھا۔

’’تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ اس کو ہماری چاہت کی بھنک پڑ گئی ہے؟‘‘

ہلکا سا تبسم اس موقع پر آذرمی دخت کے لبوں پر نمودار ہوا تھا، پھر بڑی محبت میں وہ عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

’’اس نے میری نگرانی شروع کر دی ہے۔ کچھ لوگوں کو مجھ پر نگاہ رکھنے کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس وقت جو ہم دونوں گھڑ دوڑ کے لئے آئے ہیں تو میرا اندازہ ہے گھڑ دوڑ کے اس میدان کے اطراف میں یا اِدھر اُدھر ضرور کوئی ہم پر نگاہ رکھے ہوئے ہوگا۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ بوراں دخت مجھ پر شک کرنے لگی ہے۔ اور اگر میرا یہ اندازہ درست ہے تو وہ ہم دونوں کے بیچ دیوار بن جائے گی۔

دراصل بوراں دخت خود شادی نہیں کرنا چاہتی اور وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ میں بھی کسی سے شادی نہ کروں۔ چونکہ اس نے کسی سے محبت نہیں کی اور نہ ہی کسی نے اسے آج تک چاہا ہے لہٰذا مجھے بھی وہ اسی حالت میں دیکھنا چاہتی ہے۔ ان حالات میں اگر اس نے کبھی مجھ پر جبر کرنے کی کوشش کی تو میں روپوشی اختیار کر لوں گی۔ اگر کوئی ایسا موقع آئے تو آپ فکرمند اور پریشان نہ ہونا۔ روپوشی کے دوران میں اپنے کچھ مخصوص لوگوں کے ذریعے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گی تاکہ آپ کو یہ اطمینان

اور دلجمعی رہے کہ میں محفوظ ہوں۔ جہاں تک ہم دونوں کا تعلق ہے تو ہم دونوں شادی کر کے میاں بیوی کی حیثیت سے مدائن سے نکل کر کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ بوراں دخت نے مجھے کڑی نگرانی میں رکھا ہوا ہے۔ ان حالات میں مجھے ایک اور خدشہ بھی اُٹھتا دکھائی دیتا ہے۔‘‘

یہاں تک کہنے کے بعد آذرمی دخت رکی، جستجو بھری ایک نگاہ عتبہ بن ہشام پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

’’آج میں کھل کر آپ پر اپنی محبت کا اظہار کر رہی ہوں۔ پہلے میں اپنی زندگی کو اتنا قیمتی اور عزیز نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن جب سے میں نے آپ کو چاہا ہے، میں اپنی زندگی کو بڑا قیمتی اور نایاب خیال کرنے لگی ہوں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر میں اب اپنی جان سے بھی زیادہ آپ کو عزیز رکھتی ہوں۔ ان حالات میں اگر بوراں دخت نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے آپ کے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش کی تو میں اس کی بروقت آپ کو اطلاع کر دوں گی اس سلسلے میں میری خادمہ انجار اور اس کا شوہر کالاس حرکت میں آئیں گے اور صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کرتے رہیں گے۔ ایسا کوئی معاملہ آئے گا تو جہاں وہ پناہ لینے کے لئے کہیں وہاں آپ چلے جانا۔ جہاں وہ آپ کو لے کر جائیں گے وہاں آپ یقیناً محفوظ اور مطمئن رہیں گے۔ ہلال بن علقمہ اب میرے لئے بھائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے بھی اپنے ساتھ لے جایئے۔ جہاں تک رجینا اور البانہ دونوں کا تعلق ہے ابھی تک ان کے متعلق کچھ نہیں پتہ کہ وہ کہاں گئی ہیں۔ کس جگہ روپوش ہو گئی ہیں۔ زندہ بھی ہیں کہ نہیں۔ بہرحال ان کے پیچھے میرے کچھ آدمی ضرور لگے ہوئے ہیں جو انہیں تلاش کر رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ ایک نہ ایک دن ہم دونوں ان کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔‘‘

یہاں تک کہنے کے بعد آذرمی دخت رکی۔ تب کسی قدر فکرمندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

’’یہ جو تم بوراں دخت سے پناہ حاصل کرنے کے لئے کسی محفوظ جگہ کا ذکر کر رہی ہو تو یہ محفوظ جگہ کہاں ہے؟ کس کی ہے؟ اور وہاں کون نگران ہوگا؟‘‘

عتبہ بن ہشام کے اس سوال کے جواب میں کچھ دیر تک خاموش رہ کر آذرمی دخت سوچتی رہی، پھر کہنے لگی۔

"ابنِ ہشام! حالات ابتری کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمارے صوبہ خراسان کا والی فرخ ہے۔ وہ میری بہن بوراں دخت کا حامی ہے اور بوراں دخت کو تخت نشین کروانے میں اس کا ہی ہاتھ ہے۔ کچھ لوگوں نے جو اندر ہی اندر کام کرنے والے ہیں مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ فرخ جس کی عمر اب ڈھل چکی ہے، جس کے بیٹے جوان ہیں، وہ مجھے پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ سے شادی کر لے۔ میری بہن بوراں دخت سے تعلقات استوار کرنے کی یہی وجہ ہے کہ بوراں دخت کو اپنی گرفت میں لے کر وہ یہ چاہے گا کہ بوراں دخت سے کہے کہ اس سے شادی کرنے پر رضامندی ظاہر کر دوں۔ لیکن وہ احمق، بے وقوف بوڑھا نہیں جانتا کہ میں اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے کسی کا انتخاب کر چکی ہوں۔

اب چونکہ بوراں دخت کی طرف داری وادی خراسان کا ہمارا والی فرخ کر رہا ہے لہٰذا میں اس سے خطرہ محسوس کرتی ہوں۔ لیکن یہاں مدائن میں ایک ایسا سالار ہے جو بوراں دخت سے رقابت رکھتا ہے۔ بوراں دخت کا نہ اسے مزاج پسند ہے نہ طبیعت۔ اس سالار کا نام سیاہ خش ہے۔ اس سیاہ خش کی یہ خواہش ہے کہ بوراں دخت کی جگہ مجھے ایران کی ملکہ ہونا چاہئے تھا۔ ان الفاظ کو میں یوں کہہ سکتی ہوں کہ ایران کی مملکت اب قوت کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ قوت کا بوراں دخت اور خراسان کے والی کے ہاتھ میں ہے اور قوت کا دوسرا سرا میرے اور ہمارے سالار سیاہ خش کے پاس ہے۔ اب دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

سیاہ خش کی وجہ سے مجھے یہ امید ہے کہ بوراں دخت میرے اور آپ کے خلاف کھل کر حرکت میں نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ سیاہ خش ایک اچھا اور کامیاب سالار ہے اور ان گنت لشکری اس کے شیدائی بھی ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں بوراں دخت یا خراسان کا والی فرخ ہمیں نقصان نہیں پہنچا پائیں گے۔ میں آج یہ بات بھی آپ کے سامنے کھل کر کہتی ہوں کہ بوراں دخت گو میری بہن ہے لیکن میرے بدترین دشمنوں میں سرفہرست ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد آذرمی دخت جب خاموش ہوئی تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی محبت سے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

"آذرمی دخت! تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی

تمہاری خادمہ انجار اور اس کے شوہر کالاس کے ذریعے تمہاری خیریت جاننے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو آذرمی دخت! ہلال بن علقمہ کو لے کر ہم یہاں سے نکلنے والی بات کریں گے۔ کسی محفوظ جگہ جائیں گے اور وہاں شادی کر کے میاں بیوی کی حیثیت سے پُرسکون زندگی بسر کریں گے۔"

آذرمی دخت کے لبوں پر گہرا تبسم نمودار ہوا تھا، کہنے لگی۔

"یہی تو میں بھی چاہتی ہوں لیکن ان حالات میں ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ بوراں دخت ہم پر گہری نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا فی الحال ان ارادوں کو ہم پس پشت ڈالتے رہیں گے تاہم جب بھی موقع ملا ہم اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد آذرمی دخت رُکی، کچھ سوچا پھر دوبارہ عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ابنِ ہشام! میرے حبیب! اگر حالات نے کبھی ایک دم میرے حق میں پلٹا کھایا اور بوراں دخت کی جگہ مجھے ایران کی ملکہ بنا دیا گیا تو ہمارے بہت سے سالار اور اُمراء یہ پسند کریں گے کہ میں شاہی خاندان کے کسی فرد سے شادی کروں۔ حالانکہ اس وقت شاہی خاندان کو کوئی ایسا فرد ہے ہی نہیں جسے میں اپنی زندگی کا ساتھی بناؤں۔ لہٰذا اگر مجھے ملکہ بنایا جاتا ہے تو میں سمجھتی ہوں حالات میرے اور آپ کے حق میں پلٹا کھاتے رہیں گے۔ میں آہستہ آہستہ امراء کو اپنے اعتماد میں لیتی رہوں گی اور انہیں آپ کے حق میں کرتی رہوں گی۔ اور جب میں دیکھوں گی کہ اب امراء کو اس بات پر اعتراض نہیں کہ میں آپ سے شادی کر لوں تو پھر میں کھل کر تاج وتخت کی مالک ہونے کے باوجود آپ سے شادی کر لوں گی۔"

آذرمی دخت کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام مسکرا دیا تھا پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے آذرمی دخت کا نرم اور گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، پھر کہنے لگا۔

"آذرمی دخت! تمہیں ان پریشانیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ حالات ضرور ہمارے حق میں پلٹا کھائیں گے۔ اب آؤ گھوڑوں کو دوڑائیں تاکہ ہم پر کوئی یہ شک نہ کرے کہ ہم اپنے گھوڑوں کو آہستہ آہستہ دوڑاتے ہوئے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔"

آذرمی دخت نے عتبہ بن ہشام کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکراتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور گھڑ دوڑ کے میدان میں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

❁

حالات نے بڑی تیزی سے پلٹا کھانا شروع کر دیا تھا۔

بوراں دخت صرف چھ ماہ ہی حکومت کر پائی تھی کہ بیمار ہوگئی۔ لہٰذا تخت و تاج سے علیحدہ کر دی گئی اور اس کے بعد خسرو سوئم کے بھائی گشتاسب کو ایران کے تخت و تاج کا مالک بنایا۔ لیکن چند ماہ بعد اسے بھی نا اہل قرار دے کر تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد سارے سالاروں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد آذرمی دخت کو ایران کی ملکہ بنا دیا۔

مؤرخین آذرمی دخت کے ملکہ بنائے جانے کے واقعات کو رقم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گشتاسب کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی یعنی بوراں دخت کی بہن آذرمی دخت تخت نشین ہوئی۔ آذرمی دخت نے یہ پسند نہ کیا کہ کسی کو اپنا وزیر بنائے چنانچہ خود ہی اپنے نازک ہاتھوں سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ عدل اور انصاف سے حکومت چلانے لگی۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ آلِ کسریٰ میں اس جیسی حسین اور خوبصورت لڑکی کوئی نہ تھی۔ تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی آذرمی دخت نے اپنے کام کی ابتداء کر دی تھی۔ اپنے اُمراء اور سالاروں کے ساتھ عتبہ بن ہشام سے متعلق گفتگو کرنے لگی تھی تاکہ اس کا نام ان کے ذہن میں ڈالے۔ اور جب یہ محسوس کرے کہ وہ عتبہ بن ہشام کے حق میں ہیں تو ایک روز اس سے شادی کرنے کا اعلان کر دے گی۔

آذرمی دخت ابھی اپنی اسی کارروائی میں مصروف تھی اور ایک روز جبکہ وہ اپنی خواب گاہ میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی اس کے محافظ دستوں کا سالار اجازت لے کر خواب گاہ کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اپنے آپ کو زمین کی طرف جھکاتے ہوئے اس نے

آذرمی دخت کو تعظیم دی، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ملکہ محترم! خراسان کے والی اور سپہ سالار فرخ ہرمز کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ فرخ ہرمز کا کوئی پیغام پیش کرنا چاہتا ہے۔“

آذرمی دخت سنبھل کر بیٹھ گئی پھر اپنے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اسے یہیں بھیج دو۔ میں دیکھتی ہوں وہ کیا کہتا ہے۔“

وہ سالار وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ساتھ خراسان سے آنے والے قاصد کو لے آیا۔ سالار قاصد کو لے کر خواب گاہ میں داخل ہوا اور آذرمی دخت سے ذرا فاصلے پر اس نے قاصد کو بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ آذرمی دخت نے اسے مخاطب کیا۔

”میرے سالار نے مجھے بتایا ہے کہ تمہیں خراسان کے والی اور سپہ سالار فرخ ہرمز نے میری طرف روانہ کیا ہے اور اس کی طرف سے تم میرے نام کوئی پیغام رکھتے ہو۔“

جواب میں قاصد نے پہلے گردن ہلائی پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

”یقیناً مجھے خراسان کے والی فرخ ہرمز نے ہی بھیجا ہے۔ اس نے کوئی تحریری پیغام نہیں بھیجا نہ ہی کوئی لمبا پیغام دیا ہے۔ جو پیغام آپ کے نام بھیجا ہے وہ یہ ہے کہ فرخ ہرمز آپ سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔“

اس پیش کش نے آذرمی دخت کو عجیب سی اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ گو وہ ایران کی ملکہ تھی۔ کچھ سالار اور لشکری بھی اس کے ساتھ تھے لیکن خراسان بہت بڑا صوبہ تھا اور اس کے والی ہرمز کے پاس اس لشکر سے بھی بڑا لشکر تھا جو اس وقت مدائن میں موجود تھا۔ لہٰذا آذرمی دخت صاف انکار کر کے عداوت اور دشمنی کی ابتداء بھی نہیں کرنا چاہتی تھی چنانچہ قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں جانتی ہوں خراسان کا والی فرخ ہرمز ایک دلیر، شجاع انسان ہے۔ دانش مند ہے۔ حکومت کرنے کا گُر جانتا ہے۔ لشکریوں کو لڑانے کی ہنرمندی بھی رکھتا ہے۔ لیکن میرے لئے مصیبت یہ ہے کہ اگر فرخ ہرمز یہی خواہش تخت نشین ہونے سے پہلے کرتا اور اس خواہش کا اظہار کرتا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں اس کی درخواست کو ضرور قبول کر لیتی اور اس سے شادی کر لیتی۔ لیکن اب ملکہ بننے کے بعد رعایا کے کسی فرد کے ساتھ شادی کرنا نامناسب ہو گا۔

تاہم میں فرخ ہرمز کی دل شکنی بھی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ ہماری سلطنت کا نایاب سالار اور والی ہے۔ تم ایسا کرنا کہ واپس جا کر فرخ ہرمز کو میرا یہ پیغام دینا کہ وہ میرا پیغام ملتے ہی فی الفور خراسان سے روانہ ہو جائے۔ مدائن میں میرے پاس آئے۔ اس نے شادی کی جو درخواست بھیجی ہے، براہِ راست اس سے اس موضوع پر گفتگو کروں گی۔ ساتھ ہی امورِ مملکت سے متعلق بھی اس سے صلاح مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔“

آذرمی دخت کا یہ جواب سن کر قاصد بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر آذرمی دخت نے اسے فارغ کر دیا تھا۔ اس نے صرف ایک دن مزید وہاں قیام کیا، اس کے بعد آذرمی دخت کا پیغام فرخ ہرمز تک پہنچانے کے لئے وہ مدائن سے کوچ کر گیا تھا۔

خراسان کے والی فرخ ہرمز کا قاصد جب واپس خراسان پہنچا اور حسین اور خوبصورت آذرمی دخت کا پیغام اسے پہنچایا تب پیغام سن کر فرخ ہرمز کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اپنی جگہ اس نے اپنے بیٹے رستم کو خراسان کا حاکم اور سالار مقرر کیا اور چند محافظ دستوں کے ساتھ خراسان سے نکل کر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے اس نے مدائن کا رخ کیا تھا۔

فرخ ہرمز ایک روز اپنے دل میں خوشیوں کے شادیانے بجاتا ہوا مدائن پہنچا۔ آذرمی دخت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آذرمی دخت نے فوراً اسے اپنے پاس بلا لیا۔ جب فرخ ہرمز آذرمی دخت کے سامنے گیا تو ایک بار پھر اس نے آذرمی دخت کو شادی کی پیشکش کی۔ آذرمی دخت اور فرخ ہرمز کی عمر میں بڑی دوری اور بڑا بُعد تھا۔ فرخ ہرمز آذرمی دخت سے دُگنی سے بھی زیادہ عمر رکھتا تھا۔ حد یہ کہ فرخ ہرمز کا بیٹا رستم بھی آذرمی دخت سے بڑا تھا۔ چنانچہ آذرمی دخت کی خدمت میں حاضر ہو کر فرخ ہرمز نے جب ایک بار پھر آذرمی دخت سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اُس کی اس خواہش کے اظہار پر آذرمی دخت غصے اور غضب ناکی میں سرخ ہو گئی تھی۔ شاید اس نے پہلے ہی فرخ ہرمز سے نمٹنے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ چنانچہ جب فرخ ہرمز نے شادی کی پیشکش کی، کچھ دیر تک تو غصے اور غضب ناکی میں آذرمی دخت اپنے ہونٹ کاٹتی رہی، ساتھ ہی اس نے زور سے تالی بجائی۔ تالی کا بجنا تھا کہ آذرمی دخت کے کمرے میں مسلح جوان داخل ہوئے، فرخ ہرمز پر ایک ساتھ تلواریں برسائیں اور اس کا سر قلم کر کے رکھ دیا۔ فرخ ہرمز جو ان دنوں خراسان کا حاکم اوز سالار تھا، ایران کے مشہور اور

نامور سپہ سالار رستم کا باپ تھا۔

فرخ ہرمز کے قتل کے بعد اس کا بیٹا رستم خراسان کا حاکم مقرر ہوا لیکن باپ کے قتل سے وہ سخت بے چین تھا۔ آخر اس نے انتقام لینے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کے ساتھ اُس نے ایران کے مرکزی شہر مدائن کا رخ کیا۔ چنانچہ مدائن پر وہ حملہ آور ہوا۔ آزرمی دخت نے اپنے سالار سیاہ خش کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ سیاہ خش مارا گیا۔ رستم نے آزرمی دخت کو گرفتار کر لیا۔ پہلے اسے آنکھوں سے محروم کیا گیا، پھر قتل کر کے رستم نے انتقام کی آگ بجھائی۔

آزرمی دخت کے مارے جانے کے بعد ایران ابتری کا شکار ہو گیا۔ مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ عسکری سالاروں کا اقتدار روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ مختلف صوبوں کے حاکم اپنے منصب کو موروثی سمجھنے لگے۔ بعض صوبوں مثلاً مرو، مرخش اور کہستان کے حاکم خود مختار بن بیٹھے تھے۔ مملکت کا بہت سارا علاقہ چھن چکا تھا۔ ایسے حالات میں ایک مستحکم اور مرکزی حکومت قائم کرنا آسان نہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ حضورﷺ کی وفات کے بعد ایران کے مغربی صوبوں کی سرحد پر مسلمانوں کی طاقتور اور پُرجوش اسلامی خلافت قائم ہو چکی تھی جس کی بنیاد اسلامی نظریات پر قائم تھی۔

عرب و عجم کا تصادم عرب کے شمال مشرقی علاقے سے شروع ہو چکا تھا۔ جہاں تک عرب و عجم کی سرحدوں کا تعلق ہے، تو ایران و عرب کی سرحد پر حیرہ کی ریاست واقع تھی جس کے حکمران نعمان کو خسرو پرویز نے مروا دیا تھا۔ اس پر ایرانیوں کا تسلط تھا۔ شمال مشرقی سرحد پر کالدہ تھا جسے اہلِ عرب عراق کہتے تھے۔ کالدہ اس کو اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس پر قدیم کلدانی عرب حکومت کرتے رہے تھے۔ یہاں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔ فرات کے اغربی کنارے پر ایک بے آب و گیاہ علاقہ پھیلتا چلا گیا تھا جہاں خانہ بدوش قبائل پھرا کرتے تھے۔ ان میں بیشتر عیسائی تھے۔ اس علاقے کا جو حصہ شام کی سرحد سے ملتا تھا وہاں غسانی قبیلے کے لوگ رہتے اور بستے تھے۔ یہ بھی نصرانی تھے اور رومنوں کے تحت تھے۔

مشرق کی طرف قبیلہ بنو تغلب آباد تھا۔ اس کی وفاداریاں حکومتِ ایران کے ساتھ تھیں۔ ان سب کا تعلق عرب قبائل کے ساتھ تھا۔ بعض ان میں سے ایک دوسرے کے رشتہ دار بھی تھے۔ بعض کے مابین دوستانہ روابط تھے۔ فرات کے ڈیلٹا میں عرب آباد

تھے جنہوں نے صحرا گردی ترک کر کے اب باقاعدہ کھیتی باڑی شروع کر دی تھی۔

خلیج فارس کے مغربی کنارے کے قبائل حجاز پر حملہ کیا کرتے تھے اور ہمسایہ قبائل جو حکومت ایران کے تسلط میں تھے ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لئے یقیناً پریشان کن تھی۔

حضورﷺ کی وفات کے بعد اسلامی خلافت قائم ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ مقرر ہوئے تو آپؓ کی خلافت کے آغاز میں بعض لوگ جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ موقع شناسی سے مسلمان ہو گئے تھے، پھر اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ بعض نے شعائرِ اسلامی کے خلاف زکوٰۃ دینے میں بھی پس و پیش کیا تھا۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار تو حضورﷺ کے زمانے میں ہی پیدا ہو گئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ داخلی فتنوں کا سدباب کر چکے تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو ان قبیلوں کی سرکوبی کا حکم دیا جو آئے دن عربوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ اور پھر مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی کمک کے لئے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی روانہ کر دیا گیا۔

چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید اور مثنیٰ بن حارثہ نے ان جنگجو قبائل کو نیچا دکھانے کے بعد کالدہ یعنی عراق کا رخ کیا۔ انہی سرزمینوں سے مسلمان اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کرنا چاہتے تھے۔

❁ ❁ ❁

آزرمی دخت کے مارے جانے کا عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کو بڑا دکھ اور صدمہ تھا لیکن مجبور تھے۔ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ایران کے حکمران طبقے کا معاملہ تھا۔ ایک روز وہ دونوں اکٹھے بیٹھے اپنے مستقبل کے لائحہ عمل پر گفتگو کر رہے تھے کہ چند مسلح جوان وہاں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ فکرمند ہوئے۔ جو مسلح جوان آئے تھے ان میں سے ایک عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ دونوں کو بوراں دخت نے طلب کیا ہے۔“

ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں نے عجیب سے انداز میں ایک

دوسرے کی طرف دیکھا پھر کوئی فیصلہ کرنے کے بعد ان مسلح جوانوں کے ساتھ ہو لئے تھے۔

وہ مسلح جوان انہیں ایران کے قصر میں لے گئے اور تھوڑی دیر بعد انہیں بوران دخت کے سامنے پیش کر دیا۔ بوران دخت نے شاندار انداز میں ان دونوں کا استقبال کیا۔ اپنے سامنے نشستوں پر بٹھایا اور پھر بڑی نرمی کے ساتھ ان سے گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں تم دونوں کو آذرمی دخت کے مرنے کا بے حد دکھ اور صدمہ ہوا ہو گا۔ اس لئے کہ آخر عتبہ بن ہشام اس کی تربیت کا کام سرانجام دیتا رہا ہے۔ ہلال بن علقمہ! کیونکہ تم ہشام کو بھائی خیال کرتے ہو لہٰذا میں سمجھتی ہوں دونوں کا دکھ اور غم سانجھا ہے۔ بہرحال یہ ایران کی مملکت کے فیصلے ہیں۔ اس میں نہ میرا کوئی ہاتھ ہے اور نہ ہی آپ دونوں اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ دونوں فکرمند نہ ہوں۔ آذرمی دخت کے بعد کوئی آپ دونوں کی طرف میلی نگاہ نہیں ڈال سکتا۔ عتبہ بن ہشام! میں جانتی ہوں کہ خاص طور پر تمہارے ساتھ آذرمی دخت کا سلوک بڑا عمدہ اور بڑا چاہت آمیز تھا اور تمہیں اس کے مرنے کا دکھ بھی بے حد ہوا ہو گا اور ہونا بھی چاہئے۔ بہرحال دونوں کو مصروف رکھنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے کہ آج سے تم لشکر میں شامل ہو گے۔ آج ہی ایک لشکر مدائن سے عراق کی طرف روانہ ہو گا جہاں مسلمانوں نے ہمارے علاقوں میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے۔ وہ وحشی اور خانہ بدوش عرب جو اس سے پہلے ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے، سر اُٹھا چکے ہیں اور اب وہ عرب میں ایک بڑی اور ناقابل تسخیر حکومت قائم کرنے کے درپے ہیں۔ ہمارا ایک سالار ان علاقوں میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے موجود ہے۔ اس کا نام ہرمز ہے۔ ہرمز کی مدد کے لئے آج ہی ایک لشکر کمک کے طور پر عراق کی طرف روانہ ہو گا۔ میں چاہتی ہوں اس لشکر میں تم بھی شامل ہو کر عراق کا رخ کرو۔ تم دونوں چونکہ اچھے تیغ زن ہو لہٰذا جو لشکر یہاں سے روانہ ہو گا اس میں تم دونوں کی حیثیت عام لشکری کی نہیں بلکہ ایک اچھا منصب رکھنے والے سالار کی سی ہو گی۔ کیا تم دونوں اس کے لئے تیار ہو؟''

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں جانتے تھے کہ وہ دونوں انکار نہیں کر سکتے۔ کریں گے تو دھر لئے جائیں گے۔ لہٰذا فوراً حامی بھر لی۔ اس پر بوران دخت نے خوشی

کا اظہار کیا۔ اس نے تالی بجائی۔ ایک مسلح جوان اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے بوران دخت کہنے لگی۔

''ان دونوں کو مدائن کے مستقر کی طرف لے جاؤ۔ وہاں انہیں ضرورت کی ہر شے مہیا کی جائے گی اور یہ آج ہی اس لشکر کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔''

چنانچہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ اس مسلح جوان کے ساتھ پہلے اپنی رہائش گاہ کی طرف گئے، وہاں سے اپنا ضروری سامان لیا اور مستقر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

اُسی روز عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں مدائن سے عراق کی طرف روانہ ہونے والے اس لشکر میں شامل ہو کر عراق کا رخ کر گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

جس روز عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ مدائن سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تھے اس سے اگلے روز آذرمی دخت کا ذاتی خادم کالاس بھاگتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے اس کی بیوی انجار چونکی اور بڑی پریشانی کی حالت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''کالاس! کیا معاملہ ہے؟ کیا کوئی خطرہ درپیش ہے جو تم اس طرح بھاگتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے ہو؟ دیکھو تمہارا سانس کیسا پھول رہا ہے۔ کیا معاملہ ہے؟''

کالاس، انجار کے سامنے آ کر رکا، چند بار لمبے لمبے سانس لئے پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''انجار! یوں جانو آج ہمیں جواہرات کا ایک خزانہ مل گیا ہے۔''

''کیسا خزانہ؟'' انجار نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

''خزانہ یہ کہ جن لوگوں کے ذمے آذرمی دخت نے رجینا اور البانہ کی تلاش کا کام لگا رکھا تھا ان میں سے ایک نے رجینا اور البانہ دونوں کو تلاش کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ میں رجینا اور البانہ سے مل کر بھی آیا ہوں۔ رجینا اور البانہ دونوں نے مجھ سے یہ تاکیداً کہا تھا کہ میں پھر ان کے پاس آؤں اور عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو بھی اپنے ساتھ لے آؤں۔ لہٰذا تم سے میں یہ کہنے آیا ہوں کہ میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف جاتا ہوں اور ان دونوں کو لے کر اس جگہ جاتا ہوں جہاں رجینا اور البانہ نے قیام کیا ہوا ہے۔''

کالاس کے ان الفاظ پر انجار کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ دیر مسکراتے ہوئے وہ اس خوشی سے لطف اندوز ہوتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''میں تمہیں یوں اکیلا تو نہیں جانے دوں گی۔ اس خوشی میں، میں برابر کی شریک ہونا چاہتی ہوں۔ آؤ دونوں میاں بیوی پہلے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف جاتے ہیں اور پھر ان دونوں کو لے کر اُدھر جاتے ہیں جہاں رجینا اور البانہ کا قیام ہے۔''

کالاس نے اپنی بیوی انجار کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا لہٰذا دونوں میاں بیوی نکلے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس سمت جا رہے تھے جس سمت عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی رہائش ہوا کرتی تھی۔

کالاس اور انجار دونوں میاں بیوی جب ایک عمارت کے اس حصے میں گئے جہاں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی رہائش تھی تو وہاں جا کر انہیں پتہ چلا کہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ تو ایک دن پہلے عراق کی طرف روانہ ہونے والے ایرانی لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔ تب ان کے دکھ اور رنج کی کوئی حد نہ تھی۔ دونوں میاں بیوی کچھ دیر تک عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر انجار اپنے شوہر کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔ ہم تو خوشی خوشی اس سمت آئے تھے کہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کو لے کر رجینا اور البانہ کی طرف جائیں گے لیکن وہ دونوں اگر ایرانی لشکر میں شامل ہو کر عراق کے محاذ پر جا چکے ہیں تو یہ سن کر رجینا اور البانہ کو بڑی مایوسی ہو گی۔''

انجار جب خاموش ہوئی تب کالاس کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

''انجار! دیکھو، اب تک رجینا اور البانہ دونوں نے بڑی اذیت کی زندگی بسر کی ہے۔ اس سے دشمنی شیرویہ کی تھی۔ ان دونوں کی رہائش کا پتہ اگر ہمیں اس وقت مل جاتا جب ایران کی ملکہ آذرمی دخت تھی تو یقیناً آذرمی دخت انہیں باعزت وہاں سے نکالتی اور ان کی رہائش کا بہترین اہتمام کرتی۔ اب حکمران تو بوران دخت ہے لیکن اس بوران دخت کی رجینا اور البانہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ البانہ کو تو وہ کئی مواقع پر اپنی بہن بھی کہہ چکی ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ رجینا اور البانہ کو وہاں سے نکال کر ہم اپنے گھر لے آئیں۔ ایسا ہم رات کے وقت کریں گے۔ وہ دونوں ہمارے گھر ہی میں رہیں۔

ہمارے گھر میں کسی کا آنا جانا نہیں ہے۔ کسی کو خبر ہی نہ ہو گی کہ وہ ہمارے ہاں رہ رہی ہیں۔ اگر خبر ہو بھی گئی تو میرے خیال میں اب ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے والا کوئی نہیں۔ ان کا دشمن شیرویہ ہی تھا جو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس جب خاموش ہوا تب انجار کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگی۔

''کالاس! تمہارا کہنا درست ہے۔ پر ہم یکطرفہ طور پر قدم نہیں اٹھا سکتے۔ میرے خیال میں آؤ، رجینا اور البانہ کی طرف جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان سے مشورہ کرتے ہیں۔ پھر جیسا وہ کہیں گی، ویسا ہی کریں گے۔''

رجینا کہ ان الفاظ سے کالاس نے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا دونوں میاں بیوی وہاں سے ہٹ کر ایک طرف ہو لئے۔

دونوں مدائن شہر کے مختلف گلی کوچوں سے گزرتے ہوئے شہر کے ایک کونے کی بستی کی طرف گئے۔ کھجور کے درختوں کے جھنڈ کے پاس وہ رکے۔ وہاں چھوٹا سا ایک گھر تھا۔ اس کے دروازے پر کالاس نے دستک دی تھی۔

پہلی دستک پر دروازہ نہیں کھلا۔ ایسا لگتا تھا دروازے کے اندر ایک سوراخ تھا اور اس سوراخ میں سے کوئی دیکھ رہا تھا۔ کالاس نے جب دوسری دستک دی تو ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''کون ہے؟''

یہ آواز سن کر کالاس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ دروازے کے اندر جو سوراخ تھا اس کے پاس کالاس اپنا منہ لے گیا اور دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

''رجینا! میری بیٹی! دروازہ کھولو۔ میں کالاس ہوں۔ میرے ساتھ میری بیوی انجار ہے۔''

کالاس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ آدھا کھل گیا اور دوسرے دروازے کے پٹ کے پیچھے رجینا اور اس کے ساتھ البانہ بھی کھڑی تھی۔ کالاس اور انجار دونوں اندر داخل ہوئے۔ کالاس دروازہ بند کرنے لگ گیا۔ انجار، رجینا اور البانہ سے گلے ملنے لگی تھی۔ پھر چاروں جا کر ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ساتھ ہی رجینا نے بڑی بے چینی اور بے تابی سے پوچھ لیا۔

''کیا ابنِ ہشام اور میرے بھائی ہلال بن علقمہ کا کچھ پتہ چلا؟''

اس پر دکھ بھرے انداز میں کالاس کہنے لگا۔

''میری عزیز بہن! وہ گزشتہ دن عراق کے محاذ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ وہاں مسلمان حملہ آور ہو رہے ہیں اور وہاں کے حاکم اور سالار ہرمز کی مدد کے لئے یہاں سے ایک لشکر کمک کے طور پر گیا ہے۔ اس لشکر میں ان دونوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔''

یہ الفاظ سن کر رجینا اور البانہ دونوں اُداس اور افسردہ ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اس بار انجار بول اُٹھی۔

''میری عزیز بیٹیو! تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جلد لوٹ کر آئیں گے اور جب ان دونوں کو پتہ چلے گا کہ تم دونوں خیریت کے ساتھ مدائن شہر میں ہو تو ان دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد انجار جب خاموش ہوئی تب دکھ بھرے انداز میں رجینا بول اُٹھی۔

''جب میری بہن آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا تو اس کی موت پر ابنِ ہشام کو دکھ اور صدمہ تو بہت ہوا ہو گا۔''

اس پر انجار بھی دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''بیٹی! تیرا کہنا درست ہے۔ آذرمی دخت کے مرنے کا دکھ عتبہ بن ہشام کو نہیں ہو گا تو کس کو ہو گا۔ میری بیٹی! تم دونوں کو ابنِ ہشام اور ہلال بن علقمہ کے متعلق زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ وہ جلد ہی لوٹ کر آئیں گے۔ اس موقع پر میں تم دونوں سے ایک مشورہ بھی کرنا چاہتی ہوں۔

دیکھو! تم دونوں سے اصل دشمنی شیرویہ کی تھی جو مارا جا چکا ہے۔ آذرمی دخت تو تم دونوں کو بہن سمجھتی تھی اگر اس کے دور میں تمہارا پتہ چل جاتا تو یقیناً وہ تمہیں باعزت ٹھکانہ مہیا کرتی۔ اب چونکہ حکومت بوراں دخت کی ہے لہٰذا بوراں دخت کی بھی تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ دیکھو سورج غروب ہو رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آج تم دونوں بہنیں یہاں سے نکل کر ہمارے ہاں چلو۔ وہیں ہمارے ساتھ رہو۔ اس طرح وہاں ہم دونوں میاں بیوی کا دل بھی لگا رہے گا۔ وہاں تین کمرے ہیں جبکہ ہم دونوں میاں بیوی ایک

ہی کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔ دونوں کمرے خالی رہتے ہیں۔ وہاں تم دونوں کی بہترین رہائش کا بندوبست ہوسکتا ہے۔ میرے خیال میں اپنی سرزمین میں تم دونوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

انجار جب خاموش ہوئی تب رجینا نے البانہ کی طرف سوالیہ سے انداز میں دیکھا۔ اس پر البانہ کہنے لگی۔

''رجینا! میری بہن! انجار ٹھیک کہتی ہے۔ ہم دونوں کب تک اس ویران عمارت میں پڑی رہیں گی اور تمہاری ماں کے جاننے والے دونوں میاں بیوی ہماری خدمت کرتے رہیں گے۔ ہمیں یہاں سے نکل کر انجار کے ساتھ جانا چاہئے۔''

رجینا نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ جب سورج غروب ہوگیا اور فضاؤں کے اندر تاریکی پھیل گئی تب رجینا اور البانہ وہاں سے نکلیں۔ انجار اور کالاس کے ساتھ ان کی رہائش گاہ کی طرف چلی گئی تھیں۔

آذرمی دخت کی موت کے بعد ایک بار پھر اس کی بڑی بہن بوراں دخت ایران کی ملکہ بن گئی تھی۔ بوراں دخت نے جب دیکھا کہ مملکت کے حالات خراب ہوتے جارہے ہیں اور یہ کہ ایران کے مغربی علاقوں کی طرف سے مسلمانوں کی صورت میں ایک بہت بڑی طاقت اور قوت نمودار ہورہی ہے تب بوراں دخت نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ اس نے رستم کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اہل فارس میں عسکری قوت کا بڑا فقدان پیدا ہوگیا ہے اور ان کی اس قوت میں زوال رونما ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ میں تاج وتخت کسی اور کے حوالے کر دوں تاکہ مملکت کی بہتر انداز میں خدمت کی جاسکے۔ میں اب تک جو سوچ پائی ہوں وہ یہ کہ میری جگہ تم دس سال تک تخت نشین رہو۔ اس کے بعد اگر آل کسریٰ میں سے کوئی لڑکا مل گیا تو وہ بادشاہ بنا دیا جائے گا ورنہ اس خاندان کی لڑکیاں ہی تخت نشین ہوتی رہیں گی۔''

بوراں دخت کی اس پیشکش کے جواب میں رستم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''میں آپ کا فرمانبردار اور مطیع ہوں اور اس سلسلے میں کسی معاوضے یا انعام کا طالب نہیں ہوں۔ اگر آپ لوگ مجھے کوئی شرف اور اعزاز عطا فرمانا چاہتے ہیں تو یہ آپ کے شایانِ شان ہے۔ میں آپ کا مطیع اور طالب فرمان ہوں۔''

چنانچہ بوراں دخت نے اگلے روز پھر رستم کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پہلے اس نے اپنے سارے امراء سے مشورہ بھی کر لیا۔ اگلے روز رستم، بوراں دخت کی خدمت میں حاضر ہوا تو بوراں دخت نے ایرانی سرداروں اور سالاروں کی موجودگی میں رستم کے

لئے ایک فرمان مندرجہ ذیل مضمون کا جاری کیا۔

''تم ہماری خواہش سے جنگ فارس کے امیرِ اعلیٰ قرار دیئے جاتے ہو۔ تم پر کوئی حاکم بالادست نہیں ہوگا۔ ہم لوگ تمہارے احکام کو تسلیم کریں گے۔ تمہارا ہر وہ حکم جو ملک کی حفاظت اور اہل ایران کو اس افراط وتفریط سے بچانے کی غرض سے ہوگا، جائز ہوگا۔''

اس کے بعد بوراں دخت نے رستم کے سر پر تاج رکھا اور اہل ایران کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل کریں۔

اس طرح رستم بڑی تیزی سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے لگا تھا۔ ایرانی ہر صورت میں مسلمانوں کو اپنے سامنے زیر کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ ایرانی مشرک ہونے کی وجہ سے زیادہ متکبر اور مغرور تھے لہٰذا وہ عربوں کو زیادہ حقیر سمجھ کر ان کی قوت اور استقلال کی خبریں سن سن کر زیادہ بے چین اور مسلمانوں کے خلاف جنگ پر زیادہ آمادہ تھے۔ لیکن قدرت نے ان کو اس طرح اندرونی جھگڑوں اور حکمرانوں کے عزل ونسب کی مصیبت میں گرفتار کئے رکھا کہ وہ عربوں کی طرف جلد متوجہ نہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ منافقینِ مدینہ، یہودانِ مدینہ نے جو مدینہ سے جلا وطن ہوئے تھے، تواتر کے ساتھ دربارِ مدائن میں اپنے زبان آور، چالاک ایلچی بھیج بھیج کر ایرانیوں کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے اُبھارا تھا۔ دوسری طرف ان لوگوں نے رومنوں کے شہنشاہ ہرکولیس کے دربار میں بھی اسی قسم کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ انہی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے رستم نے بڑی تیزی سے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ مسلمانوں سے نمٹا جا سکے۔

دوسری طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور مثنیٰ شیبانی اپنے لشکر کو لے کر عراقی سرزمینوں میں داخل ہوئے۔ عراق کی جن سرزمینوں میں آپؓ نے دخول کیا وہاں کا ایرانی حکمران ہرمز نامی ایک نہایت دلیر اور جنگجو سردار مقرر تھا۔

اس ہرمز کی دھاک تمام عرب، عراق اور ہندوستان تک بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ وہ جنگی بیڑہ لے کر اکثر ساحل ہندوستان پر بھی حملہ آور ہوا کرتا تھا۔ ایرانیوں میں یہ بڑا طاقتور اور بڑا جانباز اور عمدہ تیغ زن خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک خط ہرمز کے نام اتمام حجت کے لئے لکھا اور اسلام کی طرف توجہ دی۔ اس خط کے پہنچتے ہی ہرمز نے فوراً تیز رفتار ایلچی مدائن کی طرف روانہ کئے اور مسلمانوں کی آمد سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مزید لشکر طلب کئے گئے۔ اتنی دیر تک ہرمز کے پاس وہ کمک بھی پہنچ گئی تھی جو مدائن سے آئی تھی اور جس میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں شامل تھے۔

ہرمز کی طرف بڑھتے ہوئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کی کمانداری عدی بن حاتم کو دی۔ دوسرا حصہ قعقاع بن عمرو کے سپرد کیا اور تیسرے حصے کو اپنے ماتحت رکھ کر تینوں سالاروں نے دائیں بائیں ایک دن کی مسافت کا فاصلہ رکھ کر آگے بڑھنا شروع کیا۔

ایرانی لشکر کے قریب پہنچ کر تینوں حصے پھر مل گئے اور ایرانیوں کے مقابل جا کر اسلامی لشکر خیمہ زن ہوا۔ جب دونوں لشکریوں نے ایک دوسرے کے سامنے اپنی صفوں کو درست کیا تب سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ میدان میں نکلے اور ایرانیوں کے طاقتور اور مانے ہوئے سالار ہرمز کو انفرادی مقابلے کے لئے طلب کیا۔

ہرمز تو پہلے ہی چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا کوئی سالار، کوئی تیغ زن اس کے ساتھ انفرادی مقابلے کے لئے نکلے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے جب اسے پکارا تب ہرمز، حضرت خالدؓ کی آواز سن کر میدان میں نکلا۔

دونوں سالار گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو گئے۔ دونوں نے انفرادی مقابلہ شروع کیا۔ پہلے حضرت خالدؓ نے وار کیا۔ ہرمز نے فوراً ہٹ کر اور پینترا بدل کر وار خالی کر دیا اور پھر نہایت پھرتی سے حضرت خالدؓ پر اپنی تلوار کا خوفناک وار کیا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے فوراً بیٹھک کے ساتھ آگے سمٹ کر اس کی کلائی تھام لی اور تلوار چھین لی۔ جونہی ہرمز سے اس کی تلوار چھنی، ہرمز، حضرت خالدؓ بن ولید سے لپٹ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کشتی کا کوئی ہنر استعمال کر کے حضرت خالدؓ کو زمین پر پٹخ کر اپنی فتح کا اعلان کر دے۔

دوسری طرف حضرت خالدؓ نے اس کی کمر پکڑ کر اٹھایا اور زمین پر اس زور اور قوت سے پٹخا کہ وہ پھر حرکت نہ کر سکا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کے سینے پر حضرت

خالدؓ بن ولید چڑھ بیٹھے اور سر کاٹ کر پھینک دیا۔

اس موقع پر ایرانیوں کے ایک دستے نے ہرمز کو مغلوب دیکھ کر اس کی مدد کے لئے آگے بڑھ کر خالدؓ بن ولید پر حملہ آور ہونا چاہا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے سالار قعقاع بن عمرو نے جب یہ منظر دیکھا تو آگے بڑھ کر ان ایرانیوں کو روکا۔ اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔

ایرانیوں کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا انہیں امید تھی کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر مار بھگائیں گے۔ لہٰذا وہ شروع ہی میں مسلمانوں پر آرزوؤں کے مقتل کھڑے کرتی ظلم وستم کے کوہ گراں کی داستانوں، نقش پا تک کو لہولہو کرتی بدترین اذیتوں اور ہر لمحہ کو عرصہ محشر میں تبدیل کرتے خود غرض اور حریص قسمت آزماؤں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

جواب میں صداقت کی ردا اوڑھے مسلمانوں نے سب سے پہلے حسین سپنوں کی تعبیروں کے در کھولتی، میٹھے سہانے نغموں کی گونجیں پھیلاتی خاموش فضاؤں کی ویرانیوں میں کارگاہِ زیست میں عقیدتوں کے کاروان کھڑے کرتی صداؤں میں تکبیریں بلند کیں۔ ان تکبیروں نے دشت و دریا تک کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت خالدؓ بن ولید اور مثنیٰؓ کی سرکردگی میں مسلمان ایرانیوں پر وقت کے قافلوں میں زیست کے قرینے درہم برہم کرتی قضا، جذبوں کی شدت کو منجمد کرتی دکھ کی یخ بستہ ہواؤں اور منزل کی لکیروں تک کو دکھ کی تپتی تنہائیوں میں تبدیل کرتے کھولتے وقت کی ہولناک شوریدہ لہروں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر کی سخت لڑائی کے بعد ایرانی جان گئے کہ شکست ان کا مقدر بنتی چلی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے بڑی تیزی سے ایرانیوں کے لشکر کی تعداد کم کرنا شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اپنے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اُتروانے اور بہت سوں کو قیدی بنوانے کے بعد ایرانی شکست اُٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ہرمز کے لباس اور اسلحہ پر حضرت خالدؓ بن ولید کا قبضہ ہو گیا۔ ہرمز دربارِ ایران کا ایسا سردار تھا جو سر پر تاج رکھتا تھا۔ اس کے تاج کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ اس لڑائی میں چونکہ ایرانیوں کے لشکر کے ایک حصے نے اپنے پاؤں میں زنجیر باندھ لی تھی کہ عربوں کے مقابلے میں بھاگ نہ سکیں لیکن پھر بھی ان کو زنجیریں توڑ کر بھاگنا ہی پڑا۔

ان زنجیروں کی وجہ سے اس لڑائی کا نام جنگ ذات سلاسل مشہور ہوا۔

جب ایرانی شکست اٹھا کر بھاگے تو حضرت خالدؓ بن ولید نے دشمن کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا شروع کی۔ بکہ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے سختی کے ساتھ بھاگتے ایرانیوں کا تعاقب کیا۔ ایرانی بدحواس ہو گئے۔

جنگ سے بھاگنے والے ایرانیوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی پشت پر چند میل دور حصن المراۃ نام کے قلعے میں جا کر پناہ لیں گے لیکن ایک تو مثنیٰؓ بن حارثہ کے تعاقب میں بڑی شدت تھی لہٰذا وہ حصن المراۃ کے قلعے میں داخل نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ اس قلعے میں جو پہلے سے لشکر ایرانیوں کا تھا، اس پر حملہ آور ہو کر مثنیٰؓ بن حارثہ نے بدترین شکست دی۔ قلعہ پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ قلعہ میں ایرانیوں کا جو حاکم تھا وہ بھی مثنیٰؓ بن حارثہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے اس ایرانی حاکم کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا اور بقول مؤرخین اس نے حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ سے شادی کر لی تھی۔

اس جنگ میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ جنگ کے بعد وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور جب مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے ان کا تعاقب کیا تھا تو وہ اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن ایک جگہ رک گئے۔ بھاگتے ہوئے سب سے پہلے گھوڑا عتبہ بن ہشام نے روکا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ نے پوچھ لیا۔

''میرے بھائی! کیا بات ہے؟ گھوڑے کو تم نے کیوں روک لیا؟''

اس پر عتبہ بن ہشام اُداس سے انداز میں تھوڑی دیر سوچتا رہا، پھر ہلال بن علقمہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! یہ جو ہم اپنے عرب بھائیوں کے خلاف جنگ کر رہے ہیں تو اس جنگ کے لئے ہمارے سامنے کیا مقصد اور مدعا ہے؟ مسلمانوں کے سامنے تو یہ مدعا ہے کہ وہ اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جو ان کے علاقے میں ہیں، انہیں اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ سوچو تو، ہمارے سامنے کیا مدعا ہے؟ ہمارے عرب بھائیوں نے ایرانیوں کے عرفان و دانش سے غرور، جرأت و شجاعت کے تمرد کو پست و پامال کرتے ہوئے ان کے سامنے موت کی مسافتیں، قضا کے سفر کھڑے کر

دیئے ہیں۔ یہ عرب مسلمان ہونے کے بعد صاحب سیف و قلم، واقفِ دیر و حرم، ان کے ساتھ ہماری حرمت کے نشان، ہماری رفاقتوں کے رشتے، حیات کی رفتہ آوازیں وابستہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہم کب تک اندھیری مسافتوں میں بھٹکتے رہیں گے؟

میرے بھائی! میں نہیں جانتا تیرے کیا خیالات ہیں؟ تُو اس معاملے میں میرا ساتھ دیتا ہے کہ نہیں۔ پر میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اب میں ایرانی لشکر میں نہیں رہوں گا۔ نہ ہی مدائن کا رخ کروں گا، نہ ہی آئندہ کسی دوسرے ایرانی لشکر میں رہ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کروں گا۔ میں اسلام قبول کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔

دیکھ ہلال بن علقمہ! میں نے زندگی میں پہلی بار ایک لڑکی سے محبت کی تھی اور وہ لڑکی رجینا تھی۔ میں ایران کی شہزادی آذرمی دخت کی طرف مائل نہیں ہوا لیکن مجھے یہ وثوق کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ آذرمی دخت میری طرف مائل ہے اور مجھے پسند کرتی ہے۔ تب میں اس کی طرف مائل ہوا۔ لیکن میری بدقسمتی کہ آذرمی دخت کو قتل کر دیا گیا اور میں اسے نہ بچا سکا اور اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ وہ بے چاری انتہائی بے بسی کی حالت میں رستم کے ہاتھوں ماری گئی۔ جہاں تک رجینا کا تعلق ہے تو میرے بھائی! اس کا بھی پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے کہ نہیں۔ اسی طرح البانہ کا معاملہ ہے۔ اس نے تمہیں پسند کیا۔ اس کی بھی کچھ خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ لہٰذا میں اب آگے نہ جاؤں گا، واپس جاؤں گا۔ مسلمانوں کے سالار مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے مسلمانوں کے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ ہمارا تعاقب کیا تھا۔ شیبانی قبیلہ ہمارا اپنا قبیلہ ہے۔ وہ ہمارے بھائی بند ہیں۔ میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ واپس جا کر مثنیٰؓ بن حارثہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اسلام قبول کر لوں گا۔ اب میرے بھائی! میں نہیں جانتا تیرے ذاتی خیالات کیا ہیں؟''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب ہلال بن علقمہ تھوڑی دیر تک شکایت بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''افسوس........صد افسوس۔ تم کیسے بھائی ہو؟ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہارے جذبات، تمہارے ارادوں میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔ میرے بھائی! جو فیصلہ تم نے کیا ہے قسم خداوند قدوس کی یہی بات میرے لاشعور سے نکل کر شعور میں آ چکی

تھی۔ اگر تم تھوڑی دیر تک اس کا اظہار نہ کرتے تو یہی بات میں تم سے کہتا۔ ساتھ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس وقت میری بہن آذرمی دخت انتہائی بے بسی اور لاچاری کی حالت میں رستم کے ہاتھوں ماری گئی تھی اس وقت میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر اس زمین و آسمان کے خالق نے کبھی مجھے موقع دیا تو اس رستم کو اپنے ہاتھ سے قتل ضرور کروں گا۔

میرے بھائی! اب جو فیصلہ کیا ہے آؤ اس پر عمل کریں۔ مدائن کا رخ نہیں کرتے۔ واپس حصن المراۃ کی طرف جاتے ہیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے سالار مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے ابھی تک وہیں قیام کیا ہوگا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کے لشکر میں شامل ہو جاتے ہیں۔''

ہلال بن علقمہ کا یہ جواب سن کر عتبہ بن ہشام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لہٰذا جست لگا کر اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ پھر ہلال بن علقمہ کا بازو پکڑ کر اسے گھوڑے سے نیچے کھینچا۔ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! لگتا ہے تیرا اور میرا دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ آؤ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوں، انہیں ایڑ لگائیں اور مثنیٰؓ بن حارثہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔''

ہلال بن علقمہ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ دونوں مڑے، اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑاتے ہوئے حصن المراۃ کی طرف گئے۔ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ ابھی تک وہیں قیام کئے ہوئے تھے۔ لہٰذا دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

ایرانیوں کے نامور سالار ہرمز نے مسلمانوں کے لشکر سے ٹکرانے سے پہلے تیز رفتار قاصد اپنے مرکزی شہر مدائن کی طرف روانہ کئے تھے اور وہاں سے اس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک اور لشکر طلب کیا تھا۔ چنانچہ ہرمز کی یہ درخواست جب دربارِ ایران میں پہنچی تو وہاں سے ہرمز کی مدد کے لئے ایک زبردست لشکر تیار کیا گیا۔ اس لشکر کا سالار ایک شخص قارن کو مقرر کیا گیا جو انتہا کا بہادر، دلیر اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والا تھا۔ چنانچہ قارن اس لشکر کو لے کر بڑی تیزی سے ہرمز کی مدد کے لئے بڑھا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ہرمز کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

ہرمز کے جو لشکری بھاگتے ہوئے واپس گئے تھے، قارن کو وہ ہزیمت یافتہ لشکری راستے ہی میں مل گئے تھے۔ قارن نے ان بھگوڑوں کو روکا، ان کی ہمت بندھا کر اپنے ہمراہ لیا اور آگے بڑھ کر دریائے فرات کے کنارے آ کر اس نے قیام کیا۔ اس لشکر میں قارن کے ہمراہ ایران کے دو اور نامور اور شجاع سالار بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک انوشجان اور دوسرا قباد تھ۔ چنانچہ ایرانیوں کے یہ تینوں سالار مسلمانوں سے ٹکرائے لیکن تینوں کی بدقسمتی کہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکراؤ کے دوران ایرانیوں کے یہ تینوں سالار اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ایرانی اپنی تین ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھاگتے ہوئے بھی ان میں سے بہت سے دریا میں ڈوب مرے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ چنانچہ اس شاندار فتح کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے اس صوبہ کی رعایا کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچائے بغیر جزیہ کی ادائیگی پر آمادہ کر کے وہاں اپنا عامل مقرر کیا۔ وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ یہ محسوس کرنے لگے جیسے وہ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہو گئے ہوں۔

قارن، اوش جان اور قباد تینوں سالاروں کے مارے جانے کے بعد دربارِ ایران میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا۔ چنانچہ ہر کوئی یہ آوازیں اُٹھانے لگا کہ مسلمانوں سے اپنے اس نقصان کا بدلہ لیا جانا چاہئے۔ چنانچہ دربارِ ایران سے ایک سالار کو مقرر کیا گیا جو بہترین تیغ زن اور عمدہ شہسوار تسلیم کیا جاتا تھا اور اس کا نام اندازگرد تھا۔ چنانچہ اندازگرد ایک جرار اور بہت بڑا لشکر لے کر مدائن سے روانہ ہوا اور دجلہ کے مقام پر پہنچا۔ ایرانیوں نے اس پر ہی انتہا نہ کی، اس کے پیچھے پیچھے اپنا ایک اور لشکر روانہ کیا اور اس لشکر کی کمانداری اپنے دوسرے بہترین سالار باہمن جادویہ کے سپرد کی۔ باہمن جادویہ کے ماتحت بھی ایک عظیم لشکر تھا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے دو لشکر مدائن سے روانہ ہوئے تھے تاکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اس وقت تک حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ بھی دلجہ پہنچ چکے تھے۔ مسلمانوں کے دونوں بڑے سالاروں کو خبر ہو چکی تھی کہ ایرانیوں کے دو بڑے اور آزمودہ کار سالار دو بڑے بڑے لشکر لے کر آگے پیچھے مسلمانوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا حضرت خالدؓ بن ولید اور مثنیٰؓ بن حارثہ نے یہ فیصلہ کیا کہ باہمن جادویہ کے پہنچنے سے پہلے ہی پہلے اندازگرد اور اس کے لشکریوں سے نمٹ لینا چاہئے۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد اسلامی لشکر آگے بڑھا اور اندازگرد کے لشکر پر ذہن اور دل پر وحشت طاری کرتی فطرت کی پراسرار قوتوں، حیات کی لوح پر اذیت بھری تحریریں رقم کرتے قدرت کے نادیدہ عناصر، موت کی تلاطم خیزیاں اور خوفناک لہروں کی گونجیں کھڑی کرتے بھنور بھنور خون آلود بانہیں پھیلائے، جوش مارتے بحر کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں الم نصیب سائے، دکھ کی کسک، غموں کی یلغار، نظر نظر سلگتے سائے اور نفس نفس قضا کی امربیل کی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی تھی۔ چاروں طرف موت کی کراہ، بنجر پیاس اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ سوگ کی آنچ، زندان کی داستانِ الم ہر سُو رقص کرنے لگی تھیں۔ خون فشار تلواریں سیاہ بختی کے سائے کھڑے کرتی جا رہی تھیں۔ سنسناتے نیزے آتش کے بھڑکتے الاؤ برپا کر

رہے تھے۔ سائیں سائیں کرتے تیز بے سوز سینوں میں غم کے جلتے الاؤ برپا کرتے جا رہے تھے۔

اندازگرد پر یہ خوفناک حملہ تھا۔ حالانکہ اندازگرد کے پاس جو لشکر تھا وہ حضرت خالدؓ بن لید اور حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کے لشکر سے کہیں زیادہ تھا اس کے باوجود اسلامی لشکر نے ایرانیوں کو بدترین شکست دی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک خون ریز جنگ کے بعد ایران کے لشکر کو شکست فاش نصیب ہوئی اور ان کا سالار اندازگرد بھی میدانِ جنگ میں مارا گیا۔

جس وقت حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے اندازگرد کے لشکر سے ٹکراؤ شروع کیا تھا اور پھر اس کا خاتمہ کیا تھا اس وقت ایرانیوں کا دوسرا بڑا سالار باہمن جادویہ لیس کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ اندازگرد کے ماتحت کام کرنے والے لشکری جو اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے تھے وہ لیس ہی کے مقام پر باہمن جادویہ سے جا ملے۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان لڑائیوں کے درمیان بہت سے نصرانی عرب ایرانیوں کے لشکر میں شریک ہو گئے تھے۔ چنانچہ باہمن جادویہ نے ایرانیوں اور عربوں کے اس متحدہ لشکر عظیم کو لیس کے مقام پر چھوڑا اور خود مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ شاید اس پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو چکا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کو جب خبر ہوئی کہ لیس کے مقام پر ایرانیوں کا ایک لشکر موجود ہے اور وہ کسی بھی وقت مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا ہے تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ لیس کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ایرانیوں کے لشکر پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے انفرادی مقابلے کی ابتداء کی گئی۔ انفرادی مقابلے کے لئے سب سے پہلے خالدؓ بن ولید دونوں لشکروں کے درمیان آئے اور اپنا مدمقابل طلب کیا۔

ایرانیوں کی طرف سے ایک پہلوان اور عمدہ تیغ زن مالک بن قیس انفرادی مقابلے کے لئے میدان میں اُترا اور آتے ہی خالدؓ بن ولید سے بھڑ گیا لیکن زیر ہوا۔ اور اس کے بعد جنگِ مغلوبہ شروع ہوئی اور مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایسے زوردار حملے کئے کہ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں لگ بھگ ستر ہزار ایرانی مارے گئے اور مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

جنگِ لیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے حیرہ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے جب طول پکڑا اور شہر والے عاجز ہو گئے تو شہر والوں کے لئے دشواریاں کھڑی ہو گئیں۔ حیرہ چونکہ اُن دنوں ایران کے تحت تھا اور ایران کے شہنشاہ کی طرف سے ایک شخص عمرو بن مسیح وہاں کا حاکم تھا چنانچہ جب شہر والے محاصرے سے بالکل عاجز آ گئے تو حیرہ شہر کا حاکم عمرو بن مسیح اپنے دوسرے رؤساء اور سالاروں کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس عمرو بن مسیح نے تقریباً دو لاکھ روپیہ خراج کے طور پر ادا کر کے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ یوں حیرہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ حیرہ شہ کی فتح کے بعد خالدؓ بن ولید نے اپنے سالاروں میں حضرت ضرارؓ بن آزور، حضرت ضرارؓ بن الخطاب، حضرت قعقاعؓ بن عمرو، حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ، حضرت عینیہؓ بن الشماس وغیرہ کو حیرہ کے اطراف اور جوار میں چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ساتھ روانہ کیا۔ اس طرح یہ نامور سالار مختلف قبیلوں کی طرف گئے اور ہر ایک قبیلے اور بستی نے جزیہ دیا یا اسلام قبول کیا۔ اس طرح دجلہ تک کا تمام علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید اور دیگر سالار وہاں قیام کر کے فتح کئے جانے والے علاقوں کے اہتمام اور انصرام میں لگ گئے تھے۔

حیرہ میں قیام کے دوران حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک خط ایرانی حکمرانوں کو لکھا اور دوسرا خط اردگرد کے اُمراء، سرداروں اور سرکردہ لوگوں کے نام لکھا گیا۔ خالدؓ بن ولید نے جو خط ایرانی حکمرانوں اور رؤساء کے نام لکھا اس کا متن کچھ اس طرح تھا:

> ''تمام تعریف اُس خدا کی ہے جس نے تمہارے نظام میں خلل ڈال دیا اور تمہارے مکر کو سست کر دیا اور تمہارے اتحاد کو توڑ دیا۔ اگر ہم اس ملک پر حملہ آور نہ ہوتے تو تمہارے لئے برائی ہوتی۔ اب بہتر یہ ہے کہ تم ہماری فرمانبرداری کرو۔ ہم تمہارے علاقے چھوڑ دیں گے اور دوسری طرف چلے جائیں گے۔ اور اگر تم ہمارے مطیع نہ ہوئے تو تم کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو موت کو ایسے ہی دوست رکھتے ہیں جیسے تم زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔''

اور جو خط آپؓ نے اردگرد کے علاقوں کے رؤساء اور سرداروں کے نام لکھا اس کا متن کچھ اس طرح تھا:

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے تمہاری شیخی کرکری کر دی اور تمہارے اتفاق کو توڑ دیا۔ تمہاری شان و شوکت مٹا دی۔ بس تم اسلام قبول کرو کہ سلامت رہو گے یا ہماری حفاظت میں آ کر ذمی بن جاؤ اور جزیہ ادا کرو۔ ورنہ میں ایسی قوم تم پر لایا ہوں جو موت کو ایسا عزیز رکھتی ہے جیسا تم شراب خوری کو محبوب رکھتے ہو۔"

حیرہ میں ایرانیوں کی شکست اور ایرانیوں سے حیرہ کے چھن جانے سے ایرانی حکومت کے لئے خطرہ بڑھتا جا رہا تھا، اس کو خود ایرانیوں نے بھی محسوس کیا تھا۔ ایرانی یہ جان کر بھی غضب ناکی کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک ایسی حکومت ایران کی سرحدوں پر قائم ہو رہی تھی جو قومیت کے جذبے سے سرشار تھی۔ حکومت ایران اگر اس وقت دانش مندی سے کام لیتی تو مسلمانوں کے ساتھ کوئی باوقار سمجھوتہ کر سکتی تھی۔ لیکن ابھی کسریٰ کی مملکت میں دم خم باقی تھا۔ اس وقت ایرانی مملکت میں موجودہ ایران، بلخ، ایشیائے کوچک کے بعض اضلاع، ترکستان کے بعض علاقے اور ہندوستان کی سرحدوں تک کا سارا علاقہ شامل تھا اس لئے مسلمانوں کے ساتھ کسی سمجھوتے کو ایرانیوں نے درخورِ اعتناء نہ سمجھا۔

اسی اثناء میں اپنی مملکت کے اندر پھیلتے کچھ بگاڑ کو درست کرنے کے لئے ایرانیوں نے پہلے ایک شخص خسرو چہارم کو تخت نشین کیا۔ چند ماہ بعد فرخ زاد اس کا جانشین بنا لیکن ان سب کی حکومت چند ماہ سے زیادہ نہ چلی۔

حیرہ کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانیوں نے انبار شہر میں ایک عظیم الشان لشکر تیار کرنا شروع کیا اور ساباط شہر کے حاکم اور سپہ سالار شیرزاد کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ خالدؓ بن ولید کو اپنے مخبروں کے ذریعے ایرانیوں کے اس لشکر کے اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ حیرہ سے انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ شیرزاد بھی خالدؓ بن ولید، مثنیٰؓ بن حارث شیبانی اور دوسرے مسلمانوں کی جرأت اور شجاعت کے قصے سن چکا تھا۔ لہٰذا انبار شہر کے باہر اس نے مٹی کے بڑے بڑے، اونچے دمدمے تیار کر لئے تھے اور وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔

اسلامی لشکر جب انبار کے قریب پہنچا اور شہر کا محاصرہ کیا تو دمدموں کے پیچھے شیرزاد نے جو اپنے تیر انداز بٹھائے ہوئے تھے وہ حرکت میں آئے اور مسلمانوں پر

تیر اندازی شروع کر دی۔ اس تیر اندازی سے نہ صرف اسلامی لشکر کو کافی نقصان ہوا بلکہ بہت سے مسلمان مجاہد اپنی آنکھوں سے بھی محروم ہو گئے۔ لیکن اس نقصان کے باوجود مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری۔ چنانچہ مسلمانوں کے راستے میں ایرانیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ خندق تھی جس کے پیچھے شیراز نے دمدمے بنا رکھے تھے۔ اس خندق کو مٹی سے بھرنا ایک دشوار کام تھا۔ چنانچہ خالدؓ بن ولید نے ایک نئی جنگی ترکیب استعمال کی۔ انہوں نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ لشکر کے اندر جو کمزور، ناتواں اونٹ تھے انہیں ذبح کر کے خندق کے ایک حصے میں ڈال کر راستہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اپنے سالاروں کی سرکردگی میں مسلمان مجاہد تکبیریں بلند کرتے ہوئے خندق کو عبور کر گئے اور سب سے پہلے دمدموں کے پیچھے جو ایرانی تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے ان کا خاتمہ کر کے دمدموں پر قبضہ کر لیا تھا۔

دمدموں پر اپنا قبضہ کرنے کے بعد خالدؓ بن ولید نے ایسے زوردار اور تابڑ توڑ حملے شروع کئے کہ ایرانی سپہ سالار شیرزاد کو یقین ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں انبار شہر کا دفاع نہیں کر سکے گا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے اپنے کچھ قاصد خالدؓ بن ولید کی طرف روانہ کئے۔

خالدؓ بن ولید کی خدمت میں یہ قاصد حاضر ہوئے تو آپؓ نے انہیں کہا کہ شیرزاد چند مخصوص ہمراہیوں کے ساتھ صرف تین دن کا سامانِ رسد لے کر شہر سے نکلنا چاہے تو ہم اس کو جانے کی اجازت دیں گے ورنہ اس کا جو حشر ہو گا وہ دنیا دیکھے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شیرزاد شہر کو چھوڑ کر نکل گیا۔ اسلامی لشکر فاتحانہ انداز میں شہر کے اندر داخل ہوا۔ اس طرح حیرہ کے بعد انبار شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

انبار کی فتح کے بعد مسلمان مخبروں نے بتایا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایرانیوں نے جگہ جگہ بڑے بڑے لشکر جمع کر رکھے ہیں تاکہ مسلمانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مخبروں نے بتایا کہ ایک لشکر عین التمر میں جمع ہے۔ اس کی تعداد چوبیس ہزار جنگجو ایرانیوں پر مشتمل ہے اور اس لشکر کا سردار ایک ایرانی سالار مہران بن بہرام ہے۔ مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی کہ ایسا ہی ایک اور بڑا لشکر عربوں کے غیر مسلم قبائل نمر، تغلب اور ایاد پر مشتمل ہے۔ عربوں کے اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ عقبہ بن ابی عقبہ ہے اور یہ

دونوں لشکر مسلمانوں کے خلاف عنقریب حرکت میں آنے والے ہیں۔

یہ خبر سننے کے بعد خالدؓ بن ولید نے اپنے ایک سالار زبرقان بن بدر کو انبار کا حاکم مقرر کیا اور خود لشکر لے کر عین التمر کی طرف بڑھے تھے۔

خالدؓ بن ولید اور مثنیٰؓ بن حارثہ اپنے لشکر کو لے کر عین التمر پہنچے جہاں مشہور ایرانی سالار بہرام چوبین کا بیٹا تازہ دم لشکر لئے اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد تھا۔ اس کے لشکر کی مدد کے لئے عربوں کا ایک لشکر بھی تیار تھا جس کا تعلق زیادہ تر عرب قبائل نمر، تغلب اور ایاد سے تھا چنانچہ اس موقع پر عربوں کا سالار عقبہ بن ابی عتبہ ایرانی سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہم عرب ہیں۔ ہم پر حملہ آور ہونے والے مسلمان عرب ہیں۔ لہٰذا عرب ہی عرب کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان حملہ آور مسلمانوں سے ٹکرانے دو۔''

چنانچہ ایرانی سالار نے ایسا ہی کیا اور اپنے عرب حلیفوں کو آگے بڑھایا تا کہ عرب آپس میں ٹکرائیں۔ ایک دوسرے کا خون بہائیں اور ایرانیوں کے حق میں کوئی فیصلہ ہو جائے۔

کرک کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ حضرت خالدؓ نے عرب دستوں کے سالار عتبہ کو اسیر کر کے قتل کر دیا۔ جو عرب اسیر ہوئے انہیں بھی تہہ تیغ کر کے قوم فروشی کی سزا دی۔ عرب حلیفوں کا خاتمہ ہوا تو پھر ایرانی آگے آئے جو قلعہ عین التمر کی حفاظت کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ لیکن انہیں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور قلعے پر خالدؓ بن ولید کا قبضہ ہو گیا۔ اس معرکے میں جو لوگ اسیر ہوئے ان میں اسپین کے فاتح موسیٰ بن نصیر کے باپ نصیر بھی شامل تھے۔ عین التمر کو فتح کرنے کے بعد خالدؓ بن ولید نے وہاں کے لوگوں پر زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور معمولی جزیہ لینے پر اکتفا کیا۔

عین التمر کو فتح کرنے کے بعد خالدؓ بن ولید اپنی کسی نئی مہم کی ابتداء کرنا چاہتے تھے کہ اسی عرصے میں خلیفہ اوّل ابوبکرؓ صدیق کی طرف سے ان کے لئے یہ احکامات آئے کہ وہ لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ دومتہ الجندل کا رخ کریں جہاں مسلمانوں کے ایک سالار عیاضؓ بن غنم باغی قوتوں اور غیر مسلموں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور خالدؓ بن ولید کو انہی کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔

چنانچہ خالدؓ بن ولید، قعقاعؓ بن عمرو کو حیرہ شہر میں اپنا نائب بنا کر بلا توقف دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

دومتہ الجندل کے حکمران اکیدر بن عبدالمالک اور دوسرے سردار جودی بن ربیعہ جو نصرانی تھے انہیں جب خالدؓ بن ولید کے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے لوگوں سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہئے۔ لیکن اس رائے کو ناپسند کیا گیا۔ چنانچہ اکیدر بن عبدالمالک ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر تنہا قلعے سے نکل گئے۔ اُس کے اس طرح جدا ہو جانے کی خبر مسلمانوں کو بھی ہو گئی۔ ایک چھوٹے سے لشکر کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا گیا۔ اس لشکر سے اکیدر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ٹکرایا اور مارا گیا۔

دومتہ الجندل میں دوسرا سردار جودی بن ربیعہ وہاں کے عیسائی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ اپنے لشکر کے فوراً دو حصے کر کے اس نے ایک حصے کو مسلمان سالار عیاضؓ بن غنم کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا اور دوسرا حصہ خود لے کر حضرت خالدؓ بن ولید کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے آگے نکل کر لشکر کے سالار جودی بن ربیعہ کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔ چنانچہ جودی بن ربیعہ حضرت خالدؓ بن ولید سے انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔ حضرت خالدؓ بن ولید پہلے ہی حملے میں اس پر غالب آ گئے اور اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے ہمراہیوں نے یہ نظارہ دیکھا تو فوراً میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اسی وقت حضرت عیاضؓ بن غنم نے نصرانیوں کے دوسرے لشکر کو بھی مار بھگایا۔ چنانچہ دونوں طرف کے مفرور لشکری بھاگ کر دومتہ الجندل کے قلعے میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے حضرت خالدؓ بن ولید اور عیاض بن غنم دونوں دومتہ الجندل کے قلعے کے قریب گئے۔ سب سے پہلے قلعے سے باہر ان کے سردار جودی بن ربیعہ کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد اس شدت اور زور کے ساتھ قلعے پر دھاوا بول دیا کہ قلعے کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا۔ قلعے میں داخل ہونے کے بعد جو بھی ٹکرایا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جس نے امان طلب کی اسے معاف کر دیا گیا۔ اس طرح دومتہ الجندل فتح ہوا۔

دوسری طرف ایرانیوں نے جب دیکھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید ان کے علاقوں

سے نکل کر دومتہ الجندل کی طرف چلے گئے ہیں اور حیرہ شہر میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر ہے جو ان کے دوسرے سالار قعقاعؓ بن عمرو کی سرکردگی میں کام کر رہا ہے تب ایرانیوں نے فیصلہ کیا کہ یہ وقت ہے کہ حیرہ شہر مسلمانوں سے واپس لے لیا جائے اور مسلمانوں کو ان علاقوں سے بلا توقف نکال باہر کیا جائے۔

اس سلسلے میں رستم نے اپنے قاصد دوڑائے اور غیر مسلم عرب قبائل کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ عرب قبائل نے بھی اپنے سردار عقبہ بن عقبہ جو عین التمر کی جنگ میں مارا گیا تھا اس کے قتل کا انتقام لینے کے لئے ازسرنو جنگی تیاریاں فوراً مکمل کر لیں۔

چنانچہ غیر مسلم عربوں نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ ساتھ ہی دربار ایران سے ایک جرار لشکر دو نامور ایران سالاروں کی سرکردگی میں حیرہ پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھا۔ ایرانی سالاروں میں سے ایک کا نام زرمہر اور دوسرے کا نام روزبہ تھا۔

حیرہ میں قعقاعؓ بن عمرو کو جب ایرانی اور غیر مسلم عربوں کی اس پیش قدمی کی اطلاع ملی تو جو چھوٹا سا لشکر ان کے پاس تھا اس کے انہوں نے دو حصے کئے۔ ایک کی کمانداری اپنے ایک سالار ابولیلہ کے حوالے کی اور دوسرے لشکر کو اپنے ماتحت رکھا۔ چنانچہ یہ دونوں مسلمان سالار حیرہ شہر سے نکل کر حصید کے مقام پر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جا پہنچے۔

ایسا کرنے سے قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ یہ چاہتے تھے کہ عربوں کے لشکر کے آنے سے پہلے ہی وہ ایرانیوں سے نمٹ لیں تاکہ دونوں لشکر متحد ہو کر ان کے لئے کسی خطرے کا باعث نہ بنیں۔

دوسری جانب ایرانیوں کے دونوں سالار زرمہر اور روزبہ اپنی جگہ مطمئن اور آسودہ تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے سالار قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ جو لشکر ان کے مقابلے پر لے کر آئے تھے وہ تو ایسے ہی تھے جیسے مٹھی بھر آٹے کے اندر چٹکی بھر نمک ملا دیا جائے۔ چنانچہ دونوں ایرانی سالاروں زرمہر اور روزبہ نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے میں وہ پہل کریں گے اور لمحوں کے اندر انہیں بھگا کر اپنی فتح مندی کا اعلان کریں گے۔

اپنے انہی ارادوں کے تحت زرمہر اور روزبہ دونوں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ پھر وہ مسلمانوں پر تشنہ ذہنی کھڑی کرتے کالے خوفناک قہر، گرسنہ جذبوں کی جھاگ

اُڑاتی برق گراتی خونی روحوں اور شام سے لپٹ کر روتی پرت در پرت خون بکھیرتی قضا کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے تو پہلے بڑی جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایرانیوں کے لشکر کو روکا، اس کے بعد پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے ساتھ پورے اسلامی لشکر نے ایسے انداز میں تکبیریں بلند کیں جو وقت کے زندان میں لہو کو انگارہ، سرکش ہواؤں کی صداؤں کو سلگتے صحراؤں کے بنجر جلتی ریت اور تپتی صدیوں کی خوفناک آوازوں میں تبدیل کر دے۔

کچھ دیر تکبیریں بلند کرنے کے بعد آخر قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس کے بعد جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ بھی زمین کو روند کر، ذرّے ذرّے کو پامال کرتے تند آندھیوں کے خوفناک بگولوں، لہولہان راستوں پر گرم ہواؤں کو ادھیڑ دینے والی سلگتی خوفناک دوپہر اور تاریخ کی آنکھوں میں وقت کے لعل مرجان لمحوں کو برق و شرر میں بدل دینے والے دہکتے الاووں کی چنگاریوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

حصید کے میدانوں میں دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے وقت کی انہونی گہرائیوں میں سوچوں کی خونی لکیریں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ موت اور زرگ کی وادیوں میں تپتے ہونٹوں کی تشنگیاں، غیض و غضب کے نہاں لمحوں میں نیست و نابود کرتی درندگیاں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے سامنے آنے والے مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کو لمحوں کے اندر بھگا دیں گے لیکن معاملہ اُلٹا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس لئے کہ مسلمان مجاہدوں نے ایرانیوں کے ارادوں کی اتھاہ سنگینیوں کو اپنی تکبیروں کی ٹھوکروں پر رکھ دیا تھا۔ ان کی ناموس اور جرأت مندی کو نیستی کی گرد میں تپتے سرابوں کی سی شکل دینا شروع کر دی تھی۔ مسلمان مجاہدین ایرانیوں پر اس طرح ضربیں لگا رہے تھے جیسے کوہستانوں کے جگر شق کر کے سکون برباد کرنی درز کی کوئی رونکل پڑتی ہے۔

مسلمانوں کے ان جان لیوا اور شدید حملوں کے سامنے جرار لشکر لے کر آنے والے دونوں ایرانی سالار زرمہر اور روزبہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ انہوں نے خود ہی اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کے تیز حملوں کے سامنے ان کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے بنجر زمینوں

کی کھولتی سی آہوں، دلوں کے گریبان چاک کرتے نوحوں، لہو میں دُکھ کا بوجھ بڑھاتے کرب اور نبض کے مد و جزر پر قدغن لگاتی ویرانیوں جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

آخر وقت کی آنکھ، فضاؤں کی بصارت نے قدرت کے فیصلے کو دیکھا۔ مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر نے جرار ایرانی لشکر کو بدترین شکست دی۔ حیرت کی بات کہ مسلمانوں کے اس چھوٹے سے لشکر نے جس نے قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ کی کمانداری میں ایرانیوں کے جرار لشکر کا مقابلہ کیا تھا، اس چھوٹے سے ننھے سے لشکر نے نہ صرف ان گنت ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ ایرانیوں کے دونوں بڑے سالار زرمہر اور روزیہ بھی اس ٹکراؤ میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور باقی بچنے والے لشکری شکست اٹھا کر خنافس کے مقام کی طرف بھاگ گئے جہاں اس وقت ایرانیوں کا ایک اور لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور اس ایرانی لشکر کا سالار اس وقت بہوذان تھا۔

چنانچہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد بھاگتے ہوئے ایرانیوں کو قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے دم نہ لینے دیا۔ ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

دوسری طرف خنافس کے مقام پر جب ایرانیوں کے سالار بہوذان نے دیکھا کہ مسلمان تو اس کے دونوں بڑے سالاروں زرمہر اور روزیہ کا خاتمہ کر کے اور اس کے لشکر کو شکست دے کر ان کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں تب اسے ہمت اور جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ جو لشکر اس وقت اُس کے پاس تھا اُسے اور جو زرمہر اور روزیہ کے لشکری بھاگ کر اس کے پاس پہنچے، ان سب کو لے کر وہ مضیخ کی طرف بھاگا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں عربوں کا ایک بہت بڑا لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور یہ عرب جو غیر مسلم تھے، مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ان غیر مسلم عربوں کے لشکر کا سردار ہذیل بن عمران تھا اور اس کے ساتھ دوسرے بہت سے سردار تھے۔ جس وقت چھوٹے سے لشکر کے ساتھ قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے ایرانیوں کے اتنے بڑے لشکر کو شکست دی اور ایرانیوں کا تیسرا سالار بہوذان خنافس سے بھاگ کر مضیخ کے مقام پر عربوں سے ملا تب عربوں نے ایرانیوں کا تمسخر اور مذاق اُڑایا۔ ہذیل بن عمران جو اُن عربوں کے لشکر کا سالار تھا وہ اس امر پر حیرت زدہ اور ناراض تھا کہ چھوٹے سے ایک مسلمان کے لشکر نے ایرانیوں کے اس قدر بڑے لشکر کو شکست دے کر کیسے مار بھگایا۔

اب ایران اور غیر مسلم عرب قبائل کی پوری طاقت عربوں کے سالار ہذیل بن عمران اور ایرانیوں کے سالار بہوذان کے تحت جمع ہوئی اور یہ ارادہ کیا گیا کہ فی الفور مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر نہ صرف مسلمانوں کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا جائے بلکہ ان سے گزشتہ شکستوں اور ناکامیوں کا انتقام بھی لیا جائے۔

ان ایرانیوں اور غیر مسلم عربوں کی بدقسمتی کہ اسی دوران حضرت خالدؓ بن ولید جو عارضی طور پر دومتہ الجندل چلے گئے تھے اور وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے۔ قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ سے آن ملے۔ اس طرح مسلمانوں کے تین سالار ایک لشکر کے ساتھ اکٹھے ہو گئے جبکہ چوتھے بڑے سالار مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی ایک دوسرے محاذ پر لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اپنی کارروائیوں میں مصروف رہے۔

چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید جب وہاں پہنچے تو قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا، ایک جگہ جمع ہوئے۔ جنگ کی منصوبہ بندی خود حضرت خالدؓ بن ولید نے کی۔ انہوں نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ قعقاعؓ بن عمرو کی سرکردگی میں، دوسرا ابولیلہؓ کی کمانداری میں دیا، تیسرا حصہ اپنے پاس رکھا۔ چنانچہ قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ کو حضرت خالدؓ بن ولید نے دو مختلف سمتوں سے مضیخ کی طرف روانہ کیا جہاں اس وقت ایرانیوں اور غیر مسلم عربوں کا متحدہ لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ جبکہ ایک تیسری سمت سے حضرت خالدؓ بن ولید خود بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اس مقام کی طرف بڑھے تھے جہاں دشمن نے پڑاؤ کر رکھا تھا۔

دشمن کے پاس پہنچنے اور حملہ آور ہونے کی جو تاریخ اور وقت حضرت خالدؓ بن ولید نے مقرر کیا تھا اسی تاریخ اور وقت کو تینوں سالار ایک ساتھ مختلف راستوں سے مضیخ کے مقام پر ایرانیوں اور غیر مسلم عربوں کے لشکر کے سامنے جا نمودار ہوئے اور جاتے ہی ایسے خوفناک اور کرب خیز انداز میں حملہ آور ہوئے کہ اپنے پہلے ہی حملے میں حضرت خالدؓ بن ولید، قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے دشمن کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس موقع پر ایک افسوس ناک حادثہ بھی رونما ہوا۔ اس ٹکراؤ میں حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں دو ایسے اشخاص بھی مارے گئے جو اسلام قبول کر چکے تھے اور اس وقت ان غیر مسلم لشکریوں کے اندر شامل تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالعزیز بن ابی رہم

اور دوسرے کا نام لبید بن جریر تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے مگر مجبوراً دشمنوں کے ساتھ تھے۔

ان دونوں کے مارے جانے کا حال جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انہوں نے دونوں کا خون بہا ادا کیا اور ان کی اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک کا تاکیدی حکم دی اور اس معاملے کو فاروقِ اعظمؓ نے بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا۔

تاہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں بازپرس نہیں کی اور فرمایا کہ جو اہلِ شرک کے ساتھ رہے گا اس کا یہی انجام ہوگا۔

اس طرح مضیح کے مقام پر حضرت خالدؓ بن ولید، قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ نے غیر مسلم عربوں اور ایرانیوں کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست دی۔ اس شکست کے بعد عرب سالاروں میں سے ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی جان بچا کر نکل گیا اور مسلمانوں کے خلاف آنے والے دنوں میں جنگ کرنے کے لئے پھر لشکر تیار کرنے لگا۔

ایک اور عرب سالار ہذیل بھی فرار ہو کر بسیر کے مقام پر چلا گیا۔ وہاں اس کا ایک جاننے والا عرب سالار عتاب بن اسید تھا۔ اس نے اس کے پاس جا کر قیام کر لیا۔ یہ عتاب بن اسید بھی چونکہ مسلمانوں کے خلاف جمعیت کثیرہ فراہم کر چکا تھا لہٰذا یہ سارے غیر مسلم عرب سردار مل کر ایک بار پھر ایرانیوں کا ساتھ دیتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینے لگے تھے۔

اس موقع پر حضرت خالدؓ بن ولید نے عجیب اور انوکھی منصوبہ بندی کی۔ سب سے پہلے ربیعہ بن بجیر ثغلبی نے تعاقب میں آپؓ نے قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ کو روانہ کیا جبکہ دوسرے عرب سردار ہذیل کے تعاقب میں خود روانہ ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کے ان دونوں لشکروں نے جنگ کی تیاریاں کرنے والے دونوں عرب سالاروں اور ان کے حمایتیوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

اسی دوران اسلامی لشکر کے لئے جو لوگ جاسوسی کا کام سرانجام دے رہے تھے انہوں نے خالدؓ بن ولید کو اطلاع دی کہ رضافہ کے مقام پر ایک غیر مسلم عرب سردار بلال بن عقبہ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے اور وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ان کی پیش قدمی کو روکے گا۔

یہ خبر ملتے ہی خالدؓ بن ولید فوراً حرکت میں آئے اور رضافہ کی طرف روانہ ہوئے۔

غیر مسلم عرب سردار بلال بن عقبہ کو جب خبر ہوئی کہ خالدؓ بن ولید، قعقاعؓ بن عمرو اور ابولیلہؓ اس پر ضرب لگانے کے لئے اس کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلنا شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ لڑے بغیر بھاگ کھڑا ہوا، رضاب اور فراض کے مقام پر جا کر پناہ لے لی۔

یہ مقامات دومتہ الجندل کے متصل اور ایران، شام اور عرب کے مقامِ اتصال پر واقع تھے۔ یہاں بنو تغلب، بنو تمر، بنو ایاز کا پہلے سے اجتماع تھا اور حد یہ کہ رومنوں کا ایک لشکر بھی ان غیر مسلم عرب قبائل کے جنگجوؤں کی مدد کے لئے پہنچا ہوا تھا اور ان کی سرزمینوں میں خیمہ زن تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھی سالاروں کو لے کر بڑی برق رفتاری سے فراض کی طرف بڑھے۔ یہ مقام دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ دوسری طرف رومن اور غیر مسلم عرب قبائل کا لشکر تھا۔ جس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے قریب پہنچے تو رومنوں نے ان کو پیغام بھیجا کہ یا تو تم دریائے فرات کے اس پار آ جاؤ یا ہم کو دریا عبور کرنے دو تا کہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور فیصلہ کریں کہ فتح کس کا مقدر بنتی ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کو ایک طرف ہٹا دیا اور رومنوں سے کہا کہ تم ہی دریا پار کر کے ادھر آ جاؤ۔

چنانچہ رومن لشکر دریا کو عبور کر کے اسلامی لشکر کے مقابل ہوا۔ یہ رومنوں کی ایک چال تھی۔ دراصل اسلامی لشکر مسلسل سفر کرتے ہوئے اور مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھکاوٹ کے باعث چُور چُور تھا جبکہ رومنوں کا لشکر دریائے فرات کے کنارے گزشتہ کئی دنوں سے خیمہ زن تھا لہٰذا وہ تازہ دم تھے اور تعداد کے لحاظ سے بھی بقول مؤرخین وہ مسلمانوں کے لشکر سے لگ بھگ آٹھ دس گنا تھے۔

رومنوں نے دریائے فرات کو عبور کرنے کے ساتھ ہی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ ان کے اندر جو غیر مسلم قبائل کے عرب جنگجو تھے وہ بھی بے حد خوش تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا جو لشکر ان کے مقابلے کے لئے آیا ہے وہ تو بالکل تھوڑا سا ہے اور رومنوں اور غیر مسلم عربوں کا متحدہ لشکر ہے، وہ ان

مٹھی بھر مسلمانوں کو روند کر رکھ دے گا چنانچہ رومنوں نے دو امور سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کیا۔

اوّل یہ کہ ان کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی لہٰذا وہ خوش تھے کہ فتح انہی کا مقدر بنے گی۔ دوئم یہ کہ وہ یہ بھی جان چکے تھے کہ مسلسل سفر میں رہنے اور لگاتار جنگوں میں حصہ لینے کے باعث مسلمان لشکری تھکاوٹ سے چُور ہیں لہٰذا اگر فی الفور جنگ کی ابتداء کر دی جائے تو مسلمان زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا ان کے ہاتھوں شکست اٹھا کر بھاگ جائیں گے۔ وہ یہ بھی گمان کر رہے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے مسلمانوں کو مار بھگایا تو آئندہ مسلمان غیر مسلم عرب قبائل اور رومنوں کے مفادات پر ضرب لگانے کی کوشش نہیں کریں گے۔

انہی ارادوں کے تحت رومنوں نے حملہ آور ہونے میں پہل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اپنے انہی ارادوں کے تحت رومن جسموں کو تار تار کرتے نزع کے بے عکس ہیولوں، دشت در دشت بھٹکتی اُداس رُتوں کی زردیوں اور بستیاں برباد، شہر ویران کرتے اضطراب اور بیزاری کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین نے پہلے اپنے سارے سالاروں کی سرکردگی میں لہروں کی ماورائی صداقت بھرے سفر کی طرح ارادوں، خیالوں اور خواہشوں، شعور اور وجدان کے اندر ایک ہلچل برپا کر دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں۔ تکبیروں میں ایسا جوش، ایسا جذبہ تھا جیسے مسلمان اپنی تکبیروں کی تائید خداوندی کا عنوان بنا رہے ہوں۔

کچھ دیر تک تکبیریں بلند کرنے کے بعد اُمتِ مسلمہ کے وہ پاسبان، ملتِ اسلامیہ کے وہ نگہدار بپھر گئے۔ وقت کی تیز رفتار قہرمانیوں اور زمانے کے افلاک کی گہرائیوں میں وہ آندھی اور طوفانوں کی طرح حرکت میں آئے۔ پھر قضا اور مرگ کے شکنجے کستے صدیوں کے کرب خیز عذابوں، اسبابِ ہلاکت کی چنگاریاں کھڑی کرتی طوفانی، بے روک آندھیوں اور قہر بھرے جھکڑوں پر بھی غضب بن کر نزول کرتی کروٹیں لیتی ہولناکیوں کی طرح رومنوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں تشنگی کے اُبلتے بحر رقص کرنے لگے تھے۔ رگوں میں زہر گھولتی موت کی کسک، قہر بھری آہیں اور موت کے قہقہے اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ چاروں طرف رقص کرتی قضا بڑے بڑے سورماؤں کو

پنجرے کے قیدی سایوں کی طرح اپنی گرفت میں لینے لگی تھی۔ بڑے بڑے اعلیٰ پائے کے تیغ زن، راہ گزر کے غبار کی طرح زمین پر گرنے لگے تھے۔

رومنوں کو بڑا گھمنڈ اور غرور تھا کہ ایک تو ان کی تعداد زیادہ ہے دوسرے وہ عربوں کی نسبت زیادہ تربیت یافتہ ہیں لہٰذا بہت جلد مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے۔ لیکن معاملہ اُلٹ ہوتا دکھائی دیا۔ اس لئے کہ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد مسلمان مجاہدوں نے جنگجو رومنوں کی حالت ٹوٹے، بوسیدہ آنگنوں، ڈوبتے لخت لخت سفینوں، یادوں کے سوکھے اشجار، صدیوں کے سربستہ رازوں، اُداس رُتوں کی زردیوں، بوسیدہ کفن سی ویرانیوں اور پریشان لمحوں کے انتشار سے بھی ابتر بنانا شروع کر دی تھی۔

آخر رومنوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں دریائے فرات کے کنارے رومنوں کو موت اور مرگ کا ایک جھٹکا لگا تھا جس نے رومنوں کی سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایرانیوں پر جگہ جگہ فتوحات حاصل کرنے کے بعد صحرائے عرب سے اُٹھنے والے ان بے مثل مجاہدوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ وقت عنقریب آ رہا تھا جب قیصر و کسریٰ دونوں کی سلطنتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوں گی۔

❁ ❁ ❁

حضرت خالدؓ بن ولید اور مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کی فتوحات نے ایک طرح سے ایرانیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک نامہ ایران کے محاذ پر پہنچا جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جس قدر لشکر ایرانیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے، اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ خالدؓ بن ولید لے کر ارضِ شام کی طرف روانہ ہو جائیں جہاں مسلمانوں کے باقی سالار رومنوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ چنانچہ خالدؓ بن ولید بھی اس محاذ پر رومنوں کے خلاف مصروفِ جنگ ہوں۔ جبکہ لشکر کا دوسرا حصہ مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کی سرکردگی میں دیا جائے اور وہ ایرانیوں کے خلاف برسرِ پیکار رہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام ملنے کے بعد لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ حضرت خالدؓ بن ولید لے کر ارضِ شام کی طرف چلے گئے تھے۔ باقی آدھے حصے کو لے کر مثنیٰؓ بن حارثہ حیرہ میں قیام کر کے ایرانیوں کے خلاف آئندہ کی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

حیرہ میں قیام کے لئے اسلامی لشکر نے شہر سے باہر خیموں کا ایک شہر آباد کر دیا تھا جس میں لشکر نے قیام کیا ہوا تھا۔ ایک روز عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں اپنے خیمے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک لشکری کالاس کو اپنے ساتھ لئے ان کے خیمے کے دروازے پر آیا اور عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے ابنِ ہشام! یہ شخص ہمارے لشکر میں داخل ہوا ہے۔ اپنے آپ کو مدائن کا رہنے والا بتاتا ہے۔ تم دونوں سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ کیا تم دونوں اسے جانتے ہو؟''

کالاس کو دیکھتے ہی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بڑی تیزی سے خیمے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ جو شخص کالاس کو لے کر آیا تھا اس کا شکریہ ادا کیا، پھر باری باری کالاس سے ملنے۔ اس پر لانے والا لشکری چلا گیا اور عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کالاس کو پکڑ کر خیمے میں لائے، اسے بیچ بٹھایا۔ پھر عتبہ بن ہشام، کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کالاس! میرے محترم! خیریت تو ہے تمہارا اس طرح ہماری طرف آنا اور ہمیں تلاش کر لینا کسی علت کے بغیر نہیں ہے۔''

عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب کالاس کہنے لگا۔

''سب سے پہلے میں بے حد خوش ہوں کہ میں نے تم دونوں کو تلاش کر لیا۔ تمہاری تلاش میں، میں نے بڑے دھکے کھائے ہیں۔ جب میں ان سرزمینوں کی طرف آیا تو میں نے اس ایرانی لشکر کو تلاش کرنے کی کوشش کی جس میں تم دونوں مدائن سے روانہ ہو کر ان علاقوں کی طرف آئے تھے۔ لیکن پتہ چلا کہ اس لشکر کو بدترین شکست ہوئی تھی اور اس کی اکثریت ماری گئی تھی۔ یہ خبر سن کر میں بڑا فکرمند تھا اور یہ خبر لے کر میں واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ یہ خبر سن کر میری دو عزیز بیٹیاں ایسی پریشان ہوتیں کہ زندہ رہنا پسند نہ کرتیں۔''

ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ ایک ساتھ چونکے تھے۔ کچھ دیر تک دونوں گہری نگاہوں سے کالاس کی طرف دیکھتے رہے، پھر ہلال بن علقمہ بڑی تیزی سے بول اٹھا۔

''کالاس! میرے محترم! دو بیٹیوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

اس پر کالاس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہنے لگا۔

''تم دونوں جانتے ہو میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ ہم دو میاں بیوی ہیں۔ بیٹیوں سے مراد رجینا اور البانہ دونوں ہیں۔''

یہ الفاظ سن کر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس پر بڑی تعجب خیزی میں عتبہ بن ہشام بول اُٹھا۔

''کیا وہ زندہ ہیں؟''

''زندہ ہیں اور میرے ہی گھر میں دونوں نے قیام کر رکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں بظاہر یہی افواہ پھیلی تھی کہ خسرو پرویز کے ساتھ اس کے لواحقین بھی مارے گئے ہوں گے لیکن رجینا اور البانہ نے ایک محفوظ جگہ قیام کیا ہوا تھا۔ وہ شہر کے ایک طرف ایک ویران سی بستی تھی۔ رجینا کی بہن شیریں کے کچھ جاننے والے آتش پرست تھے جنہوں نے رجینا اور البانہ کو وہاں رکھا، ان کی حفاظت کا سامان کیا اور پھر آذرمی دخت نے جن لوگوں کو بڑی رازداری سے رجینا اور البانہ کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا انہوں نے ان دونوں کو تلاش کیا، مجھے اس کی اطلاع کی۔ میں دونوں سے ملا۔ اس کے بعد میں اور انجار دونوں میاں بیوی بھاگے بھاگے آپ دونوں کی طرف آئے تاکہ آپ دونوں کو یہ اطلاع دیں کہ رجینا اور البانہ دونوں زندہ ہیں۔ لیکن ہماری بدبختی کہ آپ دونوں اس وقت تک مدائن سے لشکر کے ساتھ کوچ کر چکے تھے۔

چنانچہ میں رجینا اور البانہ دونوں کو اپنے ہاں لے آیا۔ رجینا اور البانہ کو اصل خطرہ خسرو پرویز کے بیٹے سے تھا۔ وہ مارا جا چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اب ان دونوں کے لئے کوئی اتنا بڑا خطرہ نہیں ہے۔ ویسے وہ احتیاط ضرور برتتی ہیں۔ گھر سے نکلتی ہیں تو جسم اور چہرہ ڈھانپ کر نکلتی ہیں تاکہ کوئی نیا خطرہ جنم نہ لے لے۔ جب سے ان دونوں نے میرے ہاں قیام کر رکھا ہے تب سے دونوں اس بات پر بضد ہیں کہ تم دونوں کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ ان بے چاریوں کے بار بار اصرار کرنے پر آخر میں مدائن سے نکلا، مختلف جگہوں پر دھکے کھاتا ہوا آخر تم دونوں کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام بول اُٹھا۔

''کیا رجینا اور البانہ کو مدائن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟''

''پہلے تھوڑا بہت خطرہ ہو سکتا تھا اور یہ خطرہ میں سمجھتا ہوں بوراں دخت سے متوقع تھا۔ اب بوراں دخت بھی مر چکی ہے، میں سمجھتا ہوں ان دونوں کو وہاں کوئی خطرہ نہیں۔ تاہم وہ پہلے کی طرح احتیاط ضرور کرتی ہیں۔ اپنے آپ کو ڈھانپ کر، چہرے پر بھاری نقاب ڈال کر ہی گھر سے نکلتی ہیں۔ اوّل تو وہ کہیں باہر جاتی نہیں۔ انتہائی ضروری کام کے سلسلے میں نکلنا ہو تو وہ ایسا کرتی ہیں ورنہ میں اور میری بیوی انہیں ہر چیز گھر پر مہیا کرتے ہیں۔ اب ایران کا حکمران یزدگرد بن گیا ہے اور وہ ان دونوں کو جانتا تک نہیں۔ سپہ سالار رستم ہے اور دوسرا بڑا سپہ سالار فیروزان ہے۔ وہ دونوں بھی نہ انہیں

جانتے ہیں اور نہ ان سے متعلق کوئی خبر رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں وہ دونوں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔''

کالاس کی اس گفتگو سے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کسی قدر مطمئن ہو گئے تھے۔ پھر عتبہ بن ہشام، کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے محترم! رجینا اور البانہ دونوں کو فی الحال میری اور ہلال بن علقمہ کی امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھنا۔ وہ ہماری قیمتی متاع ہیں۔ مجھے زندگی میں سب سے بڑا دکھ اور افسوس یہ ہے کہ میں آذرمی دخت کی کوئی مدد نہ کر سکا اور نہ ہی میں اس حالت میں تھا کہ اس کی کوئی مدد کرتا۔ لیکن جہاں تک رجینا اور البانہ کا معاملہ ہے اب حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب ہم ان دونوں کو کسی دشواری اور خطرے میں نہیں پڑنے دیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کالاس! چند روز تک ہمارے پاس قیام کرو۔ ہمیں خدمت کا موقع دو، پھر واپس جا کر رجینا اور البانہ دونوں کو ہماری سلامتی سے متعلق آگاہ کرنا۔ ساتھ ہی میرا ایک کام کرنا۔ مجھے امید ہے کہ میں اور ہلال بن علقمہ عنقریب مدائن کی طرف آئیں گے۔ اس لئے کہ ہم دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اب ہم مسلمان ہیں، بت پرست نہیں۔ کالاس! میں نہیں جانتا کہ ہمارے اسلام قبول کرنے کا اثر رجینا اور البانہ پر کیا ہو گا لیکن جس مذہب کو ہم نے سینے سے لگایا ہے اس کے لئے ہم اپنی جان تک قربان کر سکتے ہیں۔ اس کی بھلائی، اس کے تحفظ کے لئے اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک بہا سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے عنقریب ہمارا لشکر فاتح کی حیثیت سے ایرانیوں کے مرکزی شہر مدائن میں داخل ہو گا۔ اس روز میں اور ہلال بن علقمہ سرخرو ہو کر رجینا اور البانہ سے ملیں گے۔ میرے بھائی! یہاں سے جانے کے بعد تم نے میرا ایک کام کرنا ہے۔ میں نے سنا ہے آذرمی دخت کو بینائی سے محروم کر کے رستم اُسے زندان میں ڈال دینا چاہتا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو تب بھی میں آذرمی دخت کو زندان سے نکالتا۔ بے شک وہ آنکھوں سے محروم ہو چکی ہوتی لیکن میں اسے اپنی زندگی کا ساتھی بناتا۔ بیوی کی حیثیت سے اسے اپنے ساتھ رکھتا اور ساری عمر اس کی خدمت کرتا۔ میں نے سنا ہے جس وقت رستم اسے

بینائی سے محروم کر کے زندان میں ڈالنے کا ارادہ کر چکا تھا اس کے دو ساتھیوں اور سالاروں نے اس کی مخالفت کی تھی اور اسے مشورہ دیا تھا کہ آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ اگر اُسے آنکھوں سے محروم کر کے زندان میں ڈال دیا گیا تو آنے والے دور میں وہ رستم کے لئے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کے کہنے پر رستم نے آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

میرے عزیز! واپس جا کر یہ جاننے کی کوشش کرنا کہ وہ کون سالار تھے جنہوں نے رستم کو آذرمی دخت کی ہلاکت کا مشورہ دیا۔ ان کے نام اور ان کا حلیہ بھی جاننے کی کوشش کرنا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے، میں ان کا تعاقب کروں گا اور انہیں موت کے گھاٹ ضرور اتاروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب کالاس دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''میں ان دونوں کو جانتا ہوں جنہوں نے رستم کو یہ مشورہ دیا کہ آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ ان میں سے ایک کا نام باریز اور دوسرے کا نام نوذر ہے۔ دونوں انتہا درجہ کے خونخوار اور عمدہ تیغ زن ہیں اور ان کے ساتھ ان کے کچھ ساتھی بھی ہیں۔ انہوں نے ان دنوں مدائن ہی میں قیام کر رکھا ہے۔ ان کا ایک مخالف سردار اور سالار بھی ہے جو آذرمی دخت کا حمایتی تھا اور شاہی خاندان کے سارے افراد سے ایک طرح کی عقیدت رکھتا تھا۔ اس سالار اور سردار کا نام ایاس ہے۔ وہ اس بات کا مخالف تھا کہ آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ لیکن چونکہ اس کے ساتھ کوئی جمعیت نہ تھی لہٰذا وہ نہ آذرمی دخت کو بچا سکا اور نہ ہی رستم کے علاوہ باقی دونوں سالاروں باریز اور نوذر کے خلاف کوئی آواز اٹھا سکا۔ ایاس نام کا یہ آذرمی دخت کا حمایتی بھی ان دنوں مدائن ہی میں قیام کئے ہوئے ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس جب خاموش ہوا تو توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اُٹھا۔

''کالاس! میرے عزیز! تم نے ہمارا کام کافی آسان کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ عنقریب ہمارا لشکر مدائن کی طرف جائے گا۔ پھر میں باریز اور نوذر سے بھی ملوں گا۔ اگر انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو ایاس سے رابطہ قائم کروں گا۔ کالاس! میں نے تہیہ کر

رکھا ہے کہ آذرمی دخت کے ان قاتلوں کو ان کے انجام تک ضرور پہنچاؤں گا۔ اس سلسلے میں میرا بھائی ہلال بن علقمہ بھی میرے ساتھ ہے۔ بلکہ ہم نے تو یہاں تک ارادہ کر رکھا ہے کہ اگر قدرت نے ہمیں کوئی موقع فراہم کیا تو ہم صرف باریز، نوذر اور ان کے ساتھیوں کا خاتمہ نہیں کریں گے بلکہ آذرمی دخت کو اندھا کرنے اور موت کے گھاٹ اتارنے کے جرم کی وجہ سے ہم ایرانی مملکت کے سرکردہ اور سپہ سالارِ اعلیٰ رستم کو بھی موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ ایسا کرنے کے بعد ہی میں رجینا سے اور ہلال بن علقمہ البانہ سے شادی کرے گا۔ ہم دونوں ان کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام رکا، کچھ سوچا پھر دوبارہ وہ کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کالاس! میں نہیں جانتا ہمارے اسلام قبول کرنے پر رجینا اور البانہ کے کیا تاثرات ہوں گے لیکن ہمارا کوئی معاملہ اُن سے پوشیدہ نہ رکھنا۔ ہماری کوئی بات اُن سے نہ چھپانا۔ اُن دونوں کو صاف صاف بتا دینا کہ میں اور ہلمل بن علقمہ دونوں حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔ اب ہم بت پرست نہیں مسلمان ہیں۔ اب ہم ایرانیوں کے حمایتی نہیں، ان کے بدترین دشمن ہیں۔ ہمارے یہ سارے احوال جاننے کے بعد رجینا اور البانہ جو فیصلہ کریں گی وہ ہمارے لئے آخری ہوگا۔ وہ اگر ہم دونوں سے شادی نہ کرنا چاہیں تب بھی ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود ہم دونوں کے تحفظ اور ان کی حفاظت کا سامان ضرور کریں گے۔

کالاس! میرے بھائی! تم چند روز تک ہمارے ہاں قیام کرو۔ آرام کرو۔ ستاؤ۔ ابھی میں اور ہلال بن علقمہ تمہارے نہانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھانا اور آرام کرنا۔''

جواب میں کالاس کہنے لگا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں دُور کا سفر کر کے آ رہا ہوں۔ اگر تم دونوں نہ ملتے تو شاید میں تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوتا۔ لیکن تم دونوں کے مل جانے سے مجھے کوئی تھکاوٹ نہیں ہے۔ میں بالکل تازہ دم ہوں۔ صرف آج کی شب آپ دونوں کے پاس قیام کروں گا اور اگلے روز مدائن کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں رجینا اور البانہ دونوں بڑی بے چینی اور بے تابی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوں

گی۔ پھر میرا ان تینوں کے پاس رہنا بھی بڑا ضروری ہے۔ آپ دونوں ایک بات اپنے ذہن میں رکھئے گا کہ رجینا اور البانہ دونوں میرے پاس آپ کی امانت ہیں اور میں ان کے تحفظ کا خوب سامان کروں گا۔ ساتھ ہی تم دونوں یہ بات اپنے دل پر لکھ رکھنا کہ تم نے جو اسلام قبول کیا ہے اس میں ضرور کوئی بہتری ہو گی۔ اگلی بار جب ہماری ملاقات تم سے ہو گی تو میں اور میری بیوی دونوں تمہاری طرح اسلام قبول کر لیں گے۔ اس طرح ہمارا بھی تم دونوں کے ساتھ ایک رشتہ، ایک رابطہ، ایک تعلق قائم ہو جائے گا۔''

کالاس کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں خوش ہو گئے تھے۔ پھر دونوں نے کالاس کے غسل کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد وہ دونوں اسے کھانا کھلا رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

❁

کالاس ایک روز مدائن میں اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی بیوی انجار نے دروازہ کھولا۔ کالاس کو دیکھتے ہوئے اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کالاس گھر میں داخل ہوا۔ پہلے گھوڑے کو ایک طرف باندھا۔ اتنی دیر تک انجار نے دروازے کو اندر سے زنجیر لگا دی تھی۔ اسی دوران ایک طرف سے رجینا اور البانہ بھی بھاگتی ہوئی آ گئی تھیں۔ گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے کے بعد ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کالاس کہنے لگا۔

''میری بچیو! دیوان خانے کی طرف آؤ۔ وہاں بیٹھ کر میں تمہارے ساتھ تفصیل سے گفتگو کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ دیوان خانے کی طرف ہو لیا جبکہ انجار، رجینا اور البانہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لی تھیں۔

چاروں جب دیوان خانے میں بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز انتہائی بے چینی اور بے تابی میں رجینا نے کیا اور کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! ابنِ ہشام اور میرے بھائی ہلال بن علقمہ کا کچھ پتہ چلا؟''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم کالاس کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

''میری بچیو! میں تمہاری بے چینی اور بے تابی کو سمجھتا ہوں۔ میرے چہرے سے تم دونوں بہنیں کیا اندازہ لگاتی ہو؟''

اس بار البانہ بول اٹھی، کہنے لگی۔

''بابا! آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ جس کام کے لئے آپ گئے تھے اس میں کامیاب ہو کر لوٹے ہیں۔''

جواب میں مسکراتے ہوئے کالاس کہنے لگا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے بیٹی! میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔''

اس کے بعد کالاس نے جلدی جلدی عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ سے ملاقات اور اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی ساری تفصیل کہہ دی تھی۔

کالاس جب خاموش ہوا تو کچھ دیر رجینا اور البانہ دونوں بڑے غور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں، پھر رجینا کالاس کی طرف دیکھتے ہوئے بول اُٹھی۔

''بابا! جو گفتگو ابنِ ہشام نے آپ سے بات کی ہے اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ مجھے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ایسی محبت میرے بھائی ہلال بن علقمہ کو البانہ سے ہے۔ بابا! میں یا البانہ نے کسی مسلک، کسی مذہب کی وجہ سے تو اپنی محبت کا آغاز نہیں کیا تھا۔ میں نے صرف ابنِ ہشام کی ذات، اس کی شخصیت اور البانہ نے میرے بھائی ہلال بن علقمہ کی شخصیت سے محبت کی ہے۔ اگر وہ ان اندیشوں کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ہمارے ان سے متعلق کیا تاثرات ہیں تو بابا! میں آپ پر اب سے ہی انکشاف کر دوں کہ جب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں یہاں آئیں گے تو ہم خود بھی ان کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گی۔ کیونکہ انہوں نے ہم سے اپنی محبت اور چاہت کو برقرار رکھا ہے۔ لہٰذا ہم دونوں ان کی ذات کا ایک حصہ ہیں۔ لہٰذا جو مذہب انہوں نے اختیار کیا ہے آنے والے دور میں وہی مذہب ہمارا بھی ہو گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رجینا رکی، کچھ سوچا پھر دوبارہ کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! یہ جو ابنِ ہشام اور میرے بھائی ہلال بن علقمہ نے آزرمی دخت کا انتقام لینے کا تہیہ کیا ہے تو یہ بھی ان کا ایک احسن عزم اور اچھا ارادہ ہے۔ پر بابا! میں آپ سے جھوٹ نہیں کہوں گی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آزرمی دخت کے قتل میں رستم کے علاوہ کوئی اور بھی شامل ہے۔ ابنِ ہشام کو اس کی کہاں سے خبر ہو گئی؟''

اس پر کالاس مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹی! عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں پہلے ایرانی لشکر میں شامل تھے۔

میرے خیال میں لشکر میں ہی ان پر کسی نے انکشاف کیا ہو گا کہ آزرمی دخت کو گرفتار کرنے کے بعد رستم اسے بینائی سے محروم کر کے زندان میں ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن دو ایرانی سالاروں باریز اور نوذر نے اسے قتل کا مشورہ دیا اور رستم نے آزرمی دخت کو ان دونوں کے حوالے کیا تھا اور ان دونوں نے ہی آزرمی دخت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

''بیٹے! یہ راز اور تفصیل میں بھی جانتا تھا لیکن میں نے کبھی اس کا تم لوگوں سے ذکر نہیں کیا۔ ہاں اس سلسلے میں، میں نے عتبہ بن ہشام پر واضح کیا کہ جہاں باریز اور نوذر جیسے سردار تھے جو آزرمی دخت کے خلاف تھے، اس کے قتل میں ملوث ہیں، وہاں مدائن میں ایاس نام کا ایک سالار بھی ہے۔ یہ کسی دور میں بہت اچھا سالار تھا لیکن اب بڑی عمر کا ہو جانے کے بعد لشکر میں شامل نہیں۔ یہ مدائن کے اُمراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ صاحبِ ثروت آدمی ہے۔ یہ آزرمی دخت کا حمایتی تھا۔ آزرمی دخت نے اپنے دورِ حکومت میں اس پر کچھ احسانات کئے تھے لہٰذا یہ ایاس آزرمی دخت کو اپنی بیٹی خیال کرتا تھا۔ ایاس کے ساتھ چونکہ کوئی جنگجو جماعت نہیں ہے لہٰذا آزرمی دخت کے قتل پر وہ خاموش رہا اور باریز اور نوذر کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کر سکا۔

لیکن اب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے جو آزرمی دخت کے قاتلوں سے انتقام لینے کا عزم کیا ہے تو معاملہ آگے بڑھے گا۔ ابنِ ہشام نے مجھ پر انکشاف کیا تھا کہ اس کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا لشکر عنقریب مدائن پر حملہ آور ہو گا اور مدائن کو فتح کرے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب ایسا ہو گا تو وہ اور ہلال بن علقمہ تم دونوں کی رہائش کا بھی کوئی عمدہ اہتمام کریں گے۔ ساتھ ہی اس سلسلے میں ایاس سے بھی ملاقات کی جائے گی۔ اس کے بعد باریز اور نوذر دونوں کو ٹھکانے لگایا جائے گا۔

اس کے علاوہ ان دونوں نے یہ بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ اگر قدرت نے کبھی انہیں موقع دیا تو رستم کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس لئے کہ یہ رستم ہی ہے جس نے آزرمی دخت کو نہ صرف تخت و تاج سے محروم کیا بلکہ اسے اندھا بھی کر دیا۔'

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس رکا پھر اپنے لباس کے اندر سے اس نے دو تھیلیاں نکالیں۔ ایک تھیلی اس نے رجینا کی گود میں اور دوسری البانہ کے سامنے رکھ دی تھیں۔

رجینا اور البانہ دونوں نے پہلے سوالیہ سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر

دونوں کی نگاہیں کالاس پر جم گئی تھیں۔ ساتھ ہی رجینا بول اُٹھی۔

''بابا! یہ کیا ہے؟''

اس پر کالاس مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میری بچیو! پہلے اسے کھول کر تو دیکھو اس میں کیا ہے؟''

رجینا اور البانہ نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ان چھوٹی تھیلیوں کے منہ کھولے۔ ان میں کچھ سنہرے سکوں کے علاوہ کچھ قیمتی زیورات بھی تھے۔ دونوں نے تھیلیوں کا جائزہ لینے کے بعد ان کے منہ بند کر دیئے۔ یہاں تک کہ کالاس نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

''میری عزیز بیٹیو! عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں اسلامی لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔ جس روز میں نے تمہاری طرف آنے کے لئے رخصت ہونا تھا اس روز میری ان سے تفصیل سے ملاقات ہوئی تھی۔ گفتگو ہر موضوع پر ہوئی۔ ان دونوں کو یہ تو معلوم ہے کہ تم دونوں اچانک قصرِ شیریں سے بھاگ کر پناہ لینے چلی گئی تھیں لہٰذا میری بچیو! ایک تھیلی رجینا! تمہارے لئے عتبہ بن ہشام نے اور دوسری ہلال بن علقمہ نے البانہ کے لئے بھیجی ہے۔ تم چاروں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو لہٰذا میری دونوں بیٹیو! اب رجینا کا عتبہ بن ہشام اور البانہ کا ہلال بن علقمہ پر حق ہے۔ اسی بناء پر ان دونوں نے تم دونوں کے اخراجات کے لئے یہ نقدی کی تھیلیاں بھیجی ہیں اور ان کو قبول کرنے میں تمہیں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔''

کالاس جب خاموش ہوا تب رجینا ایک دم حرکت میں آئی۔ وہ تھیلی جو کالاس نے اس کی گود میں رکھی تھی اور جو البانہ کے سامنے پڑی تھی، دونوں تھیلیاں اس نے اٹھائیں اور بڑی خاموشی کے ساتھ دونوں تھیلیاں اس نے کالاس کی گود میں رکھیں اور کہنے لگی۔

''بابا! اس گھر کے آپ سربراہ ہیں۔ ہم دونوں آپ کی بیٹیاں ہیں۔ میرے اور البانہ کے لئے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے جو نقدی بھیجی ہے ہم دونوں اسے قبول کرتی ہیں اس لئے کہ وہ دونوں ہماری زندگی اور زیست کی منزل ہیں۔ پر بابا! آپ اس گھر کے سربراہ ہیں۔ یہ تھیلیاں آپ کے پاس رہیں گی۔ اس میں سے آپ اور اماں انجار جو بھی خرچ کریں گے آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ یوں جانیں آپ ان دونوں تھیلیوں کے مالک اور وارث ہیں۔ ان میں سے جو بھی آپ خرچ کرنا چاہیں، بلا

جھجک خرچ کریں۔ اگر آپ نے ان میں سے کچھ خرچ نہ کیا تو یوں جانیں اس سلسلے میں آپ کی بیٹی رجینا اور البانہ دونوں آپ سے ناراضگی کا اظہار کریں گی۔''

کالاس نے دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ دونوں تھیلیاں اس نے سنبھال لی تھیں۔

اس کے ساتھ ہی رجینا اپنی جگہ سے اُٹھی اور کہنے لگی۔

''بابا! آپ تھکے ہارے آئے ہیں۔ آپ طہارت خانے میں جا کر غسل کر لیں۔ اتنی دیر تک میں اور البانہ آپ کے لئے کھانا تیار کرتی ہیں۔''

کالاس اور انجار دونوں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر رجینا اور البانہ دونوں دیوان خانے سے نکل گئی تھیں۔

❁ ❁ ❁

حضرت خالدؓ بن ولید کا ایرانی سرزمینوں سے نکل کر رومیوں کی طرف چلے جانا ایرانی اپنے لئے بڑا سودمند خیال کرنے لگے تھے۔ وہ جان چکے تھے مسلمانوں کے پاس جس قدر لشکر تھا جس کے ذریعے انہوں نے ایرانیوں کے خلاف لگاتار فتوحات اور کامیابیاں حاصل کی تھیں اب وہ لشکر تقسیم ہو چکا ہے۔ اس لشکر کا آدھا حصہ خالدؓ بن ولید رومنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جا چکے ہیں جبکہ باقی آدھے کے ساتھ مسلمانوں کے دوسرے سالار مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی حیرہ میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایرانیوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ رستم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ایک زبردست سالار کی کمانداری میں جرار لشکر حیرہ کی طرف روانہ کیا جانا چاہئے جہاں مثنیٰؓ بن حارثہ کی کمانداری میں چھوٹا سا ایک لشکر ہے اور اس پر حملہ آور ہو کر حیرہ شہر پر قبضہ کر لینا چاہئے۔

دراصل رستم کا ارادہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی طرف سے کوئی مزید لشکر ایران کی طرف نہیں بھیجا جاتا اس وقت تک مثنیٰؓ کے پاس جو چھوٹا سا لشکر ہے اس کے خلاف کارروائیاں کرتے ہوئے ایرانیوں کو چاہئے کہ جس قدر علاقے ان سے چھن چکے ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ علاقے واپس لے لیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، مسلمانوں کی طرف سے کوئی اور لشکر ایران کی طرف آ گیا تو پھر مسلمانوں سے وہ علاقے لینا مشکل ہو جائے گا۔

چنانچہ اپنے انہی عزائم کے تحت رستم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کی کمانداری اس نے بہمن جادویہ کو دی اور جادویہ کو اس نے حکم دیا کہ اس لشکر کو لے کر بڑی برق رفتاری سے حیرہ کا رخ کرے۔ وہاں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر مثنیٰؓ بن

حارثہ کی کمانداری میں ہے اس پر حملہ آور ہو اور حیرہ پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد جست و خیز کرتے ہوئے ان سارے علاقوں کو واپس لے لے جن پر اس سے پہلے مسلمان ایرانیوں پر حملہ آور ہو کر قبضہ کر چکے ہیں۔

چنانچہ ان حالات میں ایرانی سالار بہمن جادویہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے مدائن سے نکلا تھا اور اس نے حیرہ کا رخ کیا تھا۔ بہمن جادویہ اپنی طرف سے خوش اور مطمئن تھا کہ اس کے پاس ایک بہت بڑا اور جرار لشکر ہے جبکہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد آدھی رہ گئی ہے۔ آدھا لشکر لے کر حضرت خالدؓ بن ولید ارضِ شام کی طرف جا چکے ہیں جبکہ آدھا لشکر مثنیٰؓ بن حارثہ کی کمانداری میں ہے۔ چنانچہ بہمن جادویہ یہ گمان کر رہا تھا کہ وہ مثنیٰؓ بن حارثہ کو بڑی آسانی سے شکست دے کر ایرانیوں کی ماضی کی شکستوں کے داغ دھو دے گا۔ بہمن جادویہ یہ بھی امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مثنیٰؓ بن حارثہ کہیں محصور ہو جائے گا اور کہیں سے کمک طلب کرے گا۔ لیکن معاملات اس کے الٹ ثابت ہوئے۔

مثنیٰؓ بن حارثہ کو جب خبر ہوئی کہ بہمن جادویہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے نکلا ہے تب آپؓ نے بھی اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ حیرہ سے کوچ کیا اور بابل کے مقام پر جا کر آپؓ نے بہمن جادویہ کے لشکر کی راہ روک لی۔

بہمن جادویہ اور اس کے تحت کام کرنے والے ایرانی لشکر نے جب دیکھا کہ بابل کے نواح میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا اور مختصر سا لشکر ان سے ٹکرانے کے لئے آیا ہے تب انہوں نے اس ٹکراؤ، اس جنگ کو مضحکہ خیز سمجھا۔ چنانچہ آتے ہی انہوں نے مسلمانوں سے ٹکرانے کا عزم کر لیا تھا۔ جس وقت مثنیٰؓ بن حارثہ نے ان کی راہ روکی، انہوں نے فوراً اپنی صفیں درست کر کے جنگ کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مثنیٰؓ بن حارثہ بھی اپنے مختصر سے لشکر کی صفیں درست کر چکے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے کام کی ابتداء بہمن جادویہ نے کی اور وہ خوابوں کے فریب میں رقص کرتے خزاں رُتوں کے خونی بگولوں، برہم پریشان تاریکیوں میں سرکشیدہ لپکتے شعلوں، دشتِ ویران سے اُٹھتی بدی کی خوفناک تحریکوں اور اذیتوں کے بحر کھڑے کرتے ستم و قہرمانی کے مدوجزر کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔

جس وقت بہمن جادویہ اور اس کے سالاروں نے اپنے لشکر کو مسلمانوں پر حملہ آور

ہونے کے لئے آگے بڑھایا تھا اسی وقت مسلمانوں کے لشکر کے اندر کسی منچلے اور زندہ دل جوان نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اے قادر و قدوس کی عباس کرنے والو! تکبیر بلند کرو کہ ہم زمین پر اس کے خلیفہ ہیں...... رسولؐ خاتم کی آن کے پاسبانو! نعرہ مارو کہ ہم صداقتوں کے امین ہیں۔ ابوبکرؓ کی راست گوئی، فاروق اعظمؓ کی معدلت کے نقیبو! تکبیر بلند کرو کہ ہم تائید خداوندی کا عنوان ہیں...... عثمانؓ کی غم گساری، علیؓ کی جرأت مندی کے محافظ ہیں۔ نعرہ مارو کہ ہم دشمنوں کے خیالوں، اس کی خواہشوں اور اس کے وجدان میں سیلِ وقت کی تپش بن کر داخل ہو جانے کا ہنر جانتے ہیں۔ نعرہ مارو میرے ساتھیو! تکبیر بلند کرو کہ آج کا دن اور آنے والی شب ہمیں ہماری فتح مندی پر سلام پیش کریں گے۔''

اس نوجوان کے ان الفاظ نے مسلمانوں کے لشکر کے اندر ایک آگ سی بھڑکا کر رکھ دی تھی۔ اس کے بعد مثنیٰؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر گمنامی کی راہوں پر پھیلتے قضا اور مرگ کے شکنجوں، بے کراں آسمان کی گہرائیوں سے نکلتے صدیوں کے رُکے کرب خیز عذابوں، اپنے دامن میں قہر بھرے جھکڑ لئے کروٹیں لیتی برق کی ہولناکی اور دشمن پر غضب بن کر نازل ہوتی جرأت کی دل افروزی کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے بابل کے نواح میں جان کنی کی ساعتیں، پریشان لمحوں کا فروغ، ہلاکتوں کی ہم نشین بنتی غصیلی آوازیں، وحشی صدیوں کے غبار، نفرت کے پھیلتے اندھیاؤ اور برے ایام کی ویرانیاں رقص کرنے لگی تھیں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بابل کے نواح میں لڑی جانے والی اس جنگ میں بڑے کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ جب بہمن جادویہ مثنیٰؓ بن حارثہ کے ہاتھوں شکست اٹھا کر بھاگا تب مثنیٰؓ بن حارثہ نے پوری قہرمانیت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ بہمن جادویہ ایران کے نامور اور چوٹی کے سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ مثنیٰؓ بن حارثہ نے اسے اپنے آگے لگا لیا تھا اور اس کا ایسا تعاقب کیا کہ مدائن کے قریب تک مثنیٰؓ بن حارثہ تعاقب کرتے چلے گئے تھے۔ مدائن چونکہ ایرانیوں کا مرکزی شہر تھا لہٰذا مثنیٰؓ آگے نہ بڑھے۔ اس لئے کہ بہرحال ان کے مرکزی شہر میں ابھی ان کی بہت بڑی عسکری قوت تھی۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اس شکست کے بعد ایرانیوں نے اپنے اندرونی جھگڑوں کو ملتوی کر کے ایرانی سپہ سالاروں اور وزراء اور سرداروں نے اپنی رقابتوں کو فراموش کرتے ہوئے ازسرِ نو تیاریاں شروع کر دیں تاکہ مسلمانوں سے اپنی گزشتہ شکستوں کا حساب بے باک کیا جائے۔

ایران کی مملکت میں سارے صوبوں میں ایک نیا جذبہ اور جنگ کی ایک نئی لہر دوڑا دی گئی تھی۔ مختلف قبائل کی طرف وفود روانہ کئے گئے تھے جن کی وجہ سے ہر جگہ مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں جانے اور لڑنے مرنے پر مستعدی کا اظہار کیا جانے لگا تھا۔

مثنیٰؓ بن حارثہ نے جب ایرانیوں کی ان جنگی سرگرمیوں کے حالات سنے تو ان کو اپنے لشکر کی قلت کے تصور سے کسی قدر پریشانی ہوئی لہٰذا سوچ و بچار کے بعد انہوں نے مدینہ جا کر کمک حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جگہ بشیرؓ بن خصامہ کو لشکریوں کا امیر مقرر کر دیا اور خود عازم مدینہ ہوئے تاکہ ایران کے اندر جو عسکری قوت کا ایک طوفان اٹھا ہوا ہے وہ خود جا کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنائیں۔

چنانچہ مثنیٰؓ بن حارثہ جب مدینہ پہنچے تو صدیق اکبرؓ کی زندگی کے صرف چند لمحے باقی تھے۔ بہرحال انہوں نے بڑے غور سے مثنیٰؓ سے تمام حالات سنے۔ اس وقت فاروقِ اعظمؓ بھی حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ فاروقِ اعظمؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا۔

''تم مثنیٰؓ کے ساتھ لشکر جمع کر کے ضرور اور جلد روانہ کرنا۔''

فاروقِ اعظمؓ نے آپؓ کی اس تاکید پر فوراً عمل کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ اور جب فاروقِ اعظمؓ، ابوبکرؓ صدیق کے پاس سے نکلے تب ان کے جانے کے بعد ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا۔

''اے اللہ! میں نے عمرؓ کو مسلمانوں کی بہتری، فتنہ و فساد کے خطرے کو دور کرنے کے لئے اپنے بعد خلیفہ منتخب کیا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کیا ہے۔ تُو دلوں کے حال سے بخوبی واقف ہے۔ میں نے مسلمانوں سے مشورہ بھی لے لیا ہے۔ ان میں سے اس شخص کو جو سب سے بہتر و قوی اور مسلمانوں کی بھلائی چاہنے والا ہے اور امین ہے، ان کا والی بنا دیا ہے۔ بس تُو میرا خلیفہ ان پر قائم رکھ۔ وہ

تیرے بندے ہیں۔ ان کی پریشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ ان کے والیوں کو نیک بنا اور عمرؓ کو بہتر خلیفہ بنا۔ اس کی رعیت کو اس کے لئے اچھی رعیت بنا۔

وفات سے حضرت حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جو وصیل فاروق اعظمؓ کو کی وہ تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروث میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

''اے عمرؓ میں نے تم کو اصحابِؓ رسولؐ پر اپنا نائب بنایا ہے۔ اللہ سے ظاہر اور باطن ڈرنا۔ عمرؓ! بے شک اللہ کا ایک حق رات میں ہے جسے وہ دن میں قبول نہیں کرے گا اور اس کا ایک حق دن میں ہے جس کو وہ رات میں قبول نہیں کرتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہ کرے گا جب تک فرائض ادا نہ کئے جائیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ جس کے اعمالِ صالحہ قیامت کے دن بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے اعمال نیک کم ہوں گے وہ مبتلائے مصیبت ہوں گے۔ اور فلاح ونجات کی راہیں قرآن پر عمل کرنے اور حق کی پیروی کرنے سے میسر ہوتی ہیں۔ کی تم نہیں دیکھتے ہو کہ نرم آیات کے ساتھ شدت کی آیات اور شدت کی آیات کے ساتھ نرم آیات نازل ہوئی ہیں تاکہ مومن اللہ سے ڈرتا اور اس سے اپنی مغفرت مانگتا رہے۔

جب اہلِ نار کا ذکر آئے تو کہنا اے اللہ! مجھے امید ہے کہ تُو مجھے ان میں سے نہ کرے گا۔ اور جب اہلِ جنت کا تذکرہ آئے اور ان کے اعمالِ صالحہ کا بیان ہو تو اللہ سے دعا مانگنا کہ اے اللہ! مجھ کو ان میں شامل کر۔ اور جب تم میری ان وصیتوں پر عمل کرو گے تو مجھے گویا اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔''

ابوبکرؓ صدیق کے انتقال کے بعد فاروقِ اعظمؓ نے سب سے پہلے ایران کے محاذ کو اہمیت دی۔ لوگوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا جس پر ابوعبیدہؓ بن مسعود ثقفی، سعدؓ بن عبید انصاری، سلیطؓ بن قیس اور اس طرح کے دیگر اہم لوگ ایران کے محاذ پر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپؓ کی خلافت کے پہلے ہی ہفتے میں مثنیٰؓ بن حارثہ، سعدؓ بن عبید، سلیطؓ بن قیس اور ابوعبیدہؓ بن مسعود اک لشکر لے کر ایران کے محاذ کی طرف روانہ

ہوئے۔ مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی مدینہ منورہ سے تو باقی سالاروں کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن ابوعبیدہؓ بن مسعود جنہیں ایران کے محاذ پر سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا راستے کے عرب قبائل سے بھی مجاہدین کو اپنے ہمراہ لیتے گئے اور جگہ جگہ قیام کرتے ہوئے اپنے لشکر کی تعداد بڑھاتے چلے گئے تھے۔ اس طرح مثنیٰؓ بن حارثہ ایک ماہ پہلے ہی ایران کے محاذ پر پہنچ گئے جب کہ ابوعبیدہؓ بن مسعود اور دوسرے سالار لشکر کی تعداد بڑھاتے ہوئے ایک ماہ بعد ایران کے محاذ پر پہنچے تھے۔

حیرہ پہنچ کر مثنیٰؓ بن حارثہ نے دیکھا کہ ایرانیوں نے تمام قبائلی رؤساء کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر لیا تھا۔ ایران کے مرکزی شہر مدائن میں رستم جو کبھی خراسان کا گورنر ہوتا تھا اب حکومت کے سارے امور پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے عسکری تنظیم اور انتظامی امور کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لینے کے علاوہ اردگرد کے ایرانی اور عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ کر لینے میں بھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ سواد اور حیرہ کے گرد ونواح میں جو جنگجو قبائل تھے وہ سب مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تلے بیٹھے تھے۔

ان حالات میں مسلمانوں سے اپنی ماضی کی شکستوں کا انتقام لینے اور مسلمانوں کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے لئے رستم نے تین بڑے بڑے لشکر تیار کئے۔ ایک جرار لشکر اس نے مثنیٰؓ بن حارثہ کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ دوسرا لشکر شاہی خاندان کے بہادر اور تجربہ کار سالار نرسی کی سرکردگی میں کرک کی طرف روانہ کیا اور تیسرا عظیم الشان اور جرار لشکر جابان نامی سالار کے ماتحت نشیبی فرات کی سمت روانہ کیا گیا اور اس لشکر نے غارق کے مقام پر پڑاؤ کر لیا تھا۔

اس ساری صورتِ حال کی خبر جب مثنیٰؓ بن حارثہ کو ہوئی تو وہ اس لشکر کے ساتھ جو اس وقت ان کے پاس تھا اور اس کی تعداد مختصر تھی اس کے ساتھ وہ حیرہ سے نکل کر خضان کے مقام پر پہنچے اور وہاں قیام کیا۔ اتنے میں ابوعبیدہؓ بن مسعود ثقفی بھی دوسرے سالاروں کے ساتھ نیا لشکر لے کر وہاں پہنچ گئے اور اسلامی لشکر کی کمانداری اور سپہ سالاری انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔

مثنیٰ بن حارثہ نے جب پوری صورتِ حال ابوعبیدہؓ بن مسعود ثقفی کے سامنے پیش کی تو سارے سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ مثنیٰؓ بن حارثہ ایران کے

محاذ پر اکثر جنگوں میں حصہ لے چکے ہیں، ایرانیوں کے خلاف جنگ کرنے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں چنانچہ انہیں لشکر کے ایک حصے کے ساتھ خفان کے مقام پر چھوڑا گیا جبکہ خود ابوعبیدہؓ بن مسعود ثقفی دوسرے لشکر کے ساتھ غارق کی طرف بڑھے جہاں ایرانیوں کے نامور سپہ سالار جابان نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔

اس ساری صورت حال کی خبر جب مسلمانوں کو ہوئی تو لشکر کے سپہ سالار اعلیٰ ابوعبیدہؓ بن مسعود نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ مثنیٰؓ بن حارثہ کو انہوں نے ایک لشکر دے کر خفان کے مقام پر ٹھہرنے کے لئے کہا تا کہ ایرانیوں کی طرف سے کوئی اور لشکر اگر ادھر کا رخ کرے تو مثنیٰؓ بن حارثہ اس سے نمٹ سکیں۔ جبکہ باقی لشکر اور دیگر سالاروں کو لے کر ابوعبیدہؓ بن مسعود غارق کے مقام کی طرف بڑھے جہاں ایرانی سپہ سالار جابان ایک بہت بڑا لشکر لے کر پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے پر تول رہا تھا۔ چنانچہ ابوعبیدہؓ بن مسعود بڑی برق رفتاری سے فاصلوں کو سمیٹتے ہوئے جابان کے لشکر کے سامنے جا نمودار ہوئے اور وہاں پڑاؤ کر لیا۔

اس موقع پر جابان نے بڑے مضحکہ خیز انداز میں مسلمانوں کے لشکر کا جائزہ لیا۔ اس لئے کہ تعداد میں مسلمانوں کا لشکر ایرانیوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ یہ سماں دیکھتے ہی ایرانیوں نے اسی وقت جنگ کی ابتداء کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ دیر تک ان کے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل خوفناک آوازوں کے ساتھ بجتے رہے، پھر جابان نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور وہ اسلامی لشکر پر خون اور اشکوں میں نہلا دینے والے وقت کے بدترین سیلاب، مجروح اور مضمحل کر دینے والے فنا خیز جذبوں، سرکش آندھیوں، حسد کے نگار خانوں میں رقص کرتے موت کے خونی کاروانوں اور صدیوں کی رفتار کے تند اور سفاک لمحوں میں شعلوں کے لرزاں بگولوں اور زہر میں بجھتے نشتروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف مسلمانوں نے بھی کمال جرأت مندی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا۔ جس وقت ایرانی لشکر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا تھا، مسلمانوں نے سب سے پہلے یک زبان ہو کر تکبیریں بلند کیں۔ یہ تکبیریں ایسی تھیں جیسے دھول میں بکھری صبح کے اندر آتش فشاں کے پھٹنے، صداؤں کے خوفناک ارشاد نے زمین کو لرزہ براندام، جذبوں کی محرابوں، آنکھوں کی راہداریوں، سانسوں کی گردشوں، حصار ذات کے حجروں اور

احساسات تک کی تہوں میں اضطراب آفریں لہریں بھر کر رکھ دی ہوں۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور اسلامی لشکر ایرانیوں پر رگ رگ میں تلاطم بھر دینے والی دہکتی موجوں کے تند ریلوں، شر کے تاریک خانوں میں موت کی خاک اُڑاتے سلگتے سرخ لاووں اور پسلیوں کے پنجر تک میں لامتناہی اور غیر متزلزل خوف بھر دینے والی لامحدود طلسمی صداؤں، تشنگی کا کرب، دکھ کے موسم، درد کی فصلیں کھڑی کرتے برہنہ اور برہم آگ کے شعلوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

غارق کے مقام پر دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے کا۔ یہ وقت میں الفاظ بے نقط ہونا شروع ہو گئے تھے۔ زیست کے افسانے بڑی تیزی سے نامکمل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جسموں میں روحیں پگھلنے لگی تھیں۔ سلامتی کے گوشے ناپید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وقت کی ستم آرائیوں میں آگ کے لاوے بھری بربادیاں اور ہلاکت خیز کہانیاں چار سُو رقص کرنے لگی تھیں۔

ایرانیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ مسلمانوں پر حاوی ہو جائیں۔ ان کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی اور وہ خوش فہمی میں بھی مبتلا تھے لیکن مسلمانوں کے تیز حملوں نے ان کے سارے ولولے، ان کی ساری جرأتیں اور جسارتیں دھو کر رکھ دی تھیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد ایرانی لشکر کو بدترین شکست اٹھانا پڑی اور ان کے اندر افراتفری اور بدنظمی برپا ہو گئی۔

اس جنگ کا نقشہ پیش کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں:

> "مسلمانوں نے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایرانی لشکر پر نہایت سخت حملے کئے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ مسلمانوں کے ان تیز اور جان لیوا حملوں سے ایرانی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔"

اس جنگ کے دوران ایک انتہائی اہم اور ایسا واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کی رواداری اور عہد نبھانے کی رسم کو سنہری حروف میں لکھا جا سکتا ہے۔

اس جنگ کے دوران ایرانی سپہ سالار جابان کو اسلامی لشکر کے ایک لشکری مطر بن فضہ ربیعی نے گرفتہ کر لیا تھا۔ اس لشکری کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ایرانیوں کا سپہ سالار جابان ہے چنانچہ جب مطر بن فضہ ربیعی نے جابان کو گرفتار کیا تو جابان جان گیا کہ اب

اس کی جان خطرے میں ہے۔ چنانچہ اس نے گرفتار کرنے والے مسلمان لشکری کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم مجھ کو گرفتار کر کے کیا کرو گے؟ میں تم کو دو نہایت قیمتی غلام دوں گا بشرطیکہ مجھے امان دے دو۔''

مطر بن فضہ ربیعی نے جابان کو امان دے کر چھوڑ دیا اس لئے کہ اسے یہ پتہ ہی نہ تھا کہ جسے اس نے گرفتار کیا ہے وہ ایرانی لشکر کا سپہ سالار اعلیٰ ہے۔

چنانچہ امان حاصل کرنے کے بعد جب جابان چھوٹ کر چلا گیا تو ایک مسلمان لشکری نے اس کو پہچان لیا اور شور کرنے لگا۔

''یہ تو ایرانی لشکر کا سپہ سالار جابان ہے۔''

چنانچہ جابان کو گرفتار کرلیا گیا اور اسے پکڑ کر اسلامی لشکر کے سالار ابو عبید بن مسعودؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؓ کو بتایا گیا کہ یہ ایرانی سپہ سالار جابان ہے اور اس نے دھوکا دے کر امان حاصل کی ہے۔

ابو عبیدہؓ بن مسعود نے فرمایا۔

''مطر نام کے جس لشکری نے اسے گرفتار کیا ہے، اسے بلایا جائے۔''

چنانچہ وہ لشکری جب آپؓ کے سامنے آیا تو آپؓ نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''کیا تم نے اسے گرفتار کیا اور اسے امان دے دی؟''

اس لشکری نے کہا۔''ہاں........ میں نے اس کو امان دے دی ہے۔''

اس پر ابوعبیدہؓ نے فرمایا۔

''جب ایک مسلمان نے اس کو امان دے دی ہے تو اب اس کے خلاف عمل درآمد کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہوسکتا۔''

یہ کہہ کر جابان کو باحفاظت میدانِ جنگ سے رخصت کر دیا۔ چنانچہ جابان وہاں سے روانہ ہو کر اور اپنے شکست خوردہ لشکریوں کو ساتھ ملا کر کگر کی طرف بھاگا جہاں ایک دوسرا ایرانی سالار جس کا نام نرسی تھا، ایک بہت بڑا لشکر لئے پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

ایرانیوں کے مرکزی شہر مدائن میں جب مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے نامور سپہ سالار جابان کی شکست کی خبر پہنچی تو مملکت ایران میں ایک طرح صف ماتم بچھ گئی۔ بڑے بڑے امراء اور سرکردہ لوگ رستم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں سے

اپنی شکستوں کا انتقام لینے پر زور دینے لگے۔

رستم جو نہ صرف ایرانی لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ تھا بلکہ ایرانی حکومت کی باگ ڈور بھی زیادہ تر اسی کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ رستم نے یہ قدم اٹھایا کہ اس نے اپنے ایک اور سالار کا انتخاب کیا نام جس کا جالینوس تھا۔ جالینوس کو رستم نے ایک بہت بڑا لشکر دیا اور اسے حکم دیا کہ وقت ضائع کئے بغیر کگر کا رخ کرے جہاں ایک دوسرے ایرانی سالار نرسی نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا ہے۔

رستم نے جالینوس کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ نرسی سے جا ملے اور دونوں مل کر مسلمانوں پر ایسی ضرب لگائیں کہ ان کی ساری کامیابیوں کو ناکامیوں اور ان کی ساری فتوحات کے سلسلے کو شکستوں کے تسلسل میں تبدیل کر کے رکھ دیں۔

چنانچہ جالینوس ایک بہت بڑا لشکر لے کر مدائن سے نکلا اور بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ اس نے کگر کا رخ کیا جہاں ایرانی سالار نرسی نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

مدائن شہر میں ایک روز رجینا، البانہ اور انجار تینوں اکٹھی بیٹھی ہوئی تھیں کہ انجار نے تھوڑی دیر تک گہری نگاہوں سے رجینا اور البانہ کا جائزہ لیا۔ اس پر رجینا، انجار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اماں! کیا بات ہے؟........ آپ بڑے غور سے باری باری ہماری طرف دیکھ رہی ہیں۔''

اس پر انجار نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگی۔

''بیٹی! سب سے پہلے تو میں تم دونوں کی شکر گزار ہوں کہ تم مجھے اپنی ماں اور میرے شوہر کو بابا کہہ کر مخاطب کرتی ہو۔ میری دونوں بچیو! آج دن کے وقت ہم دونوں میاں بیوی نے بہت بڑا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت اس فیصلے میں تم دونوں کو اس لئے شریک نہیں کیا گیا تھا کہ شاید تم اس سے اتفاق نہ کرو۔ پر میری بچیو! کالاس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس معاملے میں تم دونوں سے ضرور بات کی جائے۔ اس لئے کہ ہم دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور پھر........''

انجار یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اسے رُک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رجینا بول اُٹھی۔

''اماں! واہ........ یہ بھی آپ نے خوب کہی۔ بلکہ میں یوں کہہ سکتی ہوں کہ یہ آپ نے میرے اور البانہ کے دل کی بات کہی۔ جو کام آپ دونوں میاں بیوی کرنا چاہتے ہیں وہ تو ہم دونوں آپ سے بھی پہلے کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اماں! دعا مانگو ابنِ ہشام اور میرا بھائی ہلال بن علقمہ اسلامی لشکر کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے مدائن میں داخل ہوں۔ جس روز ایسا ہوگا انہی کے ہاتھوں ہم اسلام قبول کریں گے۔ اور پھر جہاں

وہ ہمیں رکھیں گے وہاں ہم رہ لیں گے۔''

رجینا کا جواب سن کر انجار کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جواب میں رجینا کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس موقع پر تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے البانہ بول اُٹھی۔

''جس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے، میں سمجھتی ہوں یہ موضوع پرانا ہو چکا ہے۔ ہم تو پہلے ہی اسلام قبول کرنے کا تہیہ کر چکی ہیں۔ اب یہ سوچیں کہ بابا اس وقت کہاں ہیں؟ دیکھیں رات کتنی جا چکی ہے۔ پہلے اتنی دیر وہ کبھی باہر نہیں رہے۔''

البانہ کے ان الفاظ نے انجار اور رجینا دونوں ہی کو فکرمند کر دیا تھا۔ پھر انجار بھی تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''البانہ! میری بیٹی! تیرا کہنا درست ہے۔ کالاس اس سے پہلے اتنی رات گئے کبھی باہر نہیں رہا۔''

ان الفاظ نے رجینا کو زیادہ ہی پریشان کر دیا تھا۔ اس کا رنگ ہلدی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پھر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اماں! آپ کا کیا خیال ہے، بابا اتنی رات گئے کہاں ٹھہر سکتے ہیں؟''

رجینا کے اس سوال کا جواب انجار دینا ہی چاہتی تھی کہ صدر دروازے پر دستک ہوئی۔ اس پر انجار فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''تم دونوں بہنیں یہیں بیٹھو۔ میں دیکھتی ہوں دروازے پر کون ہے۔''

اس کے ساتھ ہی انجار باہر نکل گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد انجار لوٹی تو اس کے ساتھ اس کا شوہر کالاس بھی تھا۔ دونوں اسی کمرے میں داخل ہوئے جس میں رجینا اور البانہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد کالاس اور انجار بھی بیٹھ گئے۔ تب رجینا نے بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی میں کالاس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''بابا! آپ اتنی رات گئے کہاں رہے؟ پہلے تو کبھی اتنی رات گئے باہر نہیں رہے۔''

اس پر کالاس مسکرایا، ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

''میری بچی! یوں جانو میں تم لوگوں کے کام سے ہی باہر رہا ہوں۔''

''ہمارے کام سے؟'' رجینا نے جستجو بھرے انداز میں کالاس کی طرف دیکھا تو جواب میں کالاس کھل کر مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''بیٹی! تم چونکہ اپنے آپ کو عتبہ بن ہشام اور البانہ ہلال بن علقمہ سے منسوب کر چکی ہے۔ ان دونوں کا کام تمہارا ہی کام ہے۔ ان دونوں نے میرے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ میں آذرمی دخت کے قاتلوں باریز اور نوذر سے متعلق معلومات حاصل کروں۔ اس لئے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ آذرمی دخت کے قاتلوں باریز اور نوذر کے علاوہ رستم سے بھی آذرمی دخت کے قتل کا انتقام لیں گے۔ ایرانی امراء میں سے ایک شخص ایاس ہے۔ وہ آذرمی دخت کا بڑا حامی تھا اور اسے ایران کے حکمران کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا تھا۔ میں پہلے اس سے ملا، باریز اور نوذر کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی۔ اس نے مجھے ان دونوں کا پتہ بتایا۔ چنانچہ میں وہاں گیا۔ وہ قصر کے پشتی حصے میں ایک شاندار حویلی میں قیام رکھتے ہیں۔ باریز اور نوذر دونوں قریبی عزیز بھی ہیں۔ میں جب اس حویلی میں گیا تو پتہ چلا کہ باریز اور نوذر بڑے بازار میں جو شراب خانہ ہے وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے اُدھر کا رخ کیا اور شراب خانے میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے باریز اور نوذر دونوں کو دیکھا۔ کچھ دیر تک بیٹھ کر ان کی نقل و حرکت، ان کے گفتگو کرنے کے انداز کو دیکھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے پہلے ان دونوں نے وہاں کھانا کھایا، پھر شراب پینا شروع کی۔ قہقہے لگاتے رہے۔ کچھ دیر تک ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کے بعد میری بچیو! میں لوٹ کر تمہارے پاس آ گیا ہوں اور میں سمجھتا ہوں ان دونوں سے متعلق جو معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے خصوصیت کے ساتھ عتبہ بن ہشام نے کہا تھا، میں وہ معلومات حاصل کر چکا ہوں۔

نوذر کی نشانی یہ ہے کہ جب کھانا کھاتا ہے تو بڑا لقمہ توڑتا ہے اور ایک لقمے کے چار ٹکڑے کر کے اوپر نیچے رکھنے کے بعد پھر منہ میں ڈالتا ہے۔ آواز بڑی بھاری ہے۔ گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے ایک دو گالیاں بکتا ہے، پھر گفتگو کرتا ہے۔ جہاں تک دوسرے شخص باریز کا تعلق ہے تو اُس کی شکل بڑی مکروہ ہے۔ دونوں کے چہروں پر زخموں کے نشان ہیں۔ لیکن باریز جب ہنستا ہے تو اس کے منہ کا جو بایاں حصہ ہے وہاں اوپر کا ہونٹ زیادہ اوپر اٹھ جاتا ہے اور دانت زیادہ نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی دوسری بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کا نیچے والا ہونٹ اونٹ جیسا ہے۔ کسی قدر لٹکا رہتا ہے۔ جب گفتگو کرتا ہے تو غصیلی آواز میں کرتا ہے اور جھاگ چھوڑتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس جب خاموش ہوا تو رجینا اور البانہ دونوں کھل کر ہنس دیں۔ پھر رجینا اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے کہنے لگی۔

''بابا! آپ نے تو کمال کر دیا۔ جو کام آپ نے کیا، ایسا کام تو کوئی ماہر جاسوس بھی نہیں کر سکتا۔ یں سمجھتی ہوں آپ نے باریز اور نوذر سے متعلق شاندار بلکہ نایاب قسم کی معلومات حاصل کی ہیں۔ لیکن بابا! یہاں ایک منفی پہلو بھی نکلتا ہے۔''

کالاس نے فکرمندی سے رجینا کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

''کیسا منفی پہلو میری بیٹی؟''

رجینا نے کچھ سوچا، پھر وہ کہہ رہی تھی۔

''بابا! منفی پہلو یہ ہے کہ باریز اور نوذر سے ابنِ ہشام اور ابنِ علقمہ اس وقت ہی انتقام لے سکتے ہیں جب وہ اسلامی لشکر کے ساتھ مدائن میں داخل ہوں گے۔ امید ہے کہ اسلامی لشکر اپنی فتوحات کا دامن پھیلاتا ہوا مدائن میں ضرور داخل ہو گا۔ اور جس روز ایسا ہو گا اس روز ہماری خوشی کی انتہا نہ ہو گی۔ پر بابا! یہ بھی سوچیں، ممکن ہے کہ جس روز مسلمان فاتح کی حیثیت سے مدائن میں داخل ہوں اس سے پہلے ہی یہ باریز اور نوذر دونوں مدائن شہر چھوڑ کر اپنی کسی دوسری پناہ گاہ کی طرف بھاگ جائیں۔ پھر کیا ہو گا؟''

جواب میں کالاس نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا۔ ''میری بیٹی! پھر وہی ہو گا جو ہم چاہیں گے۔''

''میں سمجھی نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' رجینا نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

کالاس نے کچھ سوچا، پھر دوبارہ بول اُٹھا۔

''بیٹی! میں کچا کام کر کے نہیں آیا۔ میں باریز اور نوذر کو موت کے شکنجے میں جکڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری بچی! جن خدشات کا تُو نے اظہار کیا ہے یہ خدشات میرے ذہن میں بھی آئے تھے۔ چنانچہ باریز اور نوذر سے ملاقات کرنے کے بعد میں پھر ایاس کے پاس گیا۔ اس سے میں نے کہا میں ان دونوں کا بغور جائزہ لے کر آ رہا ہوں اور ان کی حرکات و سکنات کو بھی دیکھ چکا ہوں۔ ساتھ ہی میں نے اس کے سامنے یہ بھی اندیشہ پیش کیا کہ اگر باریز اور نوذر کسی وجہ سے مدائن چھوڑ کر کسی اور سمت بھاگ گئے تو

پھر ہم ان دونوں کو کیسے تلاش کریں گے؟.........اس پر ایاس کی بڑی مہربانی کہ اس نے ہمارے ساتھ تعاون کرنے کا بھرپور وعدہ کیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے کچھ آدمی باریز اور نوذر دونوں پر نگاہ رکھیں گے۔ اور اگر ان دونوں نے کسی موقع پر مدائن سے نکل کر کسی اور سمت جانا چاہا تو ایاس کے آدمی ان پر نگاہ رکھیں گے اور جہاں وہ جائیں گے وہاں تک ان کا تعاقب کریں گے تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ باریز اور نوذر نے کہاں اور کس جگہ پناہ لی ہے۔ چنانچہ جب ایاس کے آدمی نوذر اور باریز پر نگاہ رکھیں گے اس کے بعد عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ مدائن میں داخل ہوں گے تو ان دونوں کو باریز اور نوذر کی پناہ گاہ سے مطلع کر دیا جائے گا اور میرے خیال میں وہ دونوں آذرمی دخت کے ان قاتلوں سے انتقام لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

رجینا اور البانہ کے علاوہ انجار بھی کالاس کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر رجینا اور البانہ ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی اُٹھیں اور کہنے لگیں۔

''بابا! ہم دونوں یہیں کھانا پکاتی ہیں۔ پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتی ہیں۔ آپ کی وجہ سے آج ہم نے بھی کھانا نہیں کھایا۔''

ان دونوں کو مخاطب کر کے کالاس کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رجینا اور البانہ اس کمرے میں کھانا لگانے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔

غارق کے مقام پر ایرانی سالار جابان کو بدترین شکست دینے کے بعد مسلمان مخبروں نے ایرانی محاذ کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ بن مسعود کو یہ خبریں پہنچا دی تھیں کہ ایرانیوں کا ایک اور بہت بڑا لشکر اپنے سالار جالینوس کی سرکردگی میں نرسی کی مدد کے لئے پہنچ رہا ہے۔ یہ بھی خبریں مل رہی تھیں کہ جابان کے شکست خوردہ لشکری بھی کگر کے مقام پر اپنے سالار نرسی سے جا ملے ہیں اور مسلمانوں کے لشکر سے نکل کر جابان بھی کگر میں نرسی کے لشکر کا رخ کئے ہوئے ہے۔

یہ خبریں آنے کے بعد اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ بن مسعود نے اپنے سارے سالاروں کا غارق کے مقام پر اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب سارے چھوٹے بڑے سالار ایک جگہ جمع ہو گئے تب انہیں مخاطب کرتے ہوئے ابو عبیدہؓ بن مسعود نے کہنا شروع کیا۔

''میرے عزیز ساتھیو! ہمارے مخبر جو خبریں لے کر آئے ہیں ان سے تم بھی آگاہ ہو، مجھے بھی خبر ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں غارق کے اس مقام پر ہم جابان کو بدترین شکست دے چکے ہیں اور جابان کے شکست خوردہ لشکری کگر کے مقام پر اپنے دوسرے سالار نرسی کے پاس پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی خبریں آئی ہیں کہ مدائن سے ایرانیوں کا ایک اور بہت بڑا لشکر کگر کے مقام پر نرسی سے جا ملنے کے لئے نکل چکا ہے اور اس لشکر کی کمانداری ایرانی سالار جالینوس کر رہا ہے۔ بس اسی صورتحال پر بحث کرنے کے لئے میں نے آپ لوگوں کو طلب کیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابوعبیدہؓ بن مسعود ثقفی خاموش ہوئے۔ تب مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی بول اٹھے اور کہنے لگے۔

''آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہم سب جان چکے ہیں۔ لیکن ہمیں سب سے پہلے جو

احتیاطی قدم اٹھانا ہے وہ یہ کہ نئے آنے والے ایرانی لشکر کو جو جالینوس کی سرکردگی میں ککر کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی کارروائی مکمل کر لینی چاہئے۔ جالینوس کو نرسی اور جابان سے نہیں ملنے دینا چاہئے۔ میں اس موقع پر یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہمیں فی الفور یہاں سے اپنا پڑاؤ ختم کر دینا چاہئے۔ جس قدر تیزی اور سرعت کے ساتھ ہم یہاں سے کوچ کر کے ککر کی طرف روانہ ہو سکتے ہیں اس کے لئے ہمیں ابھی اسی وقت اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دینی چاہئے۔ یہاں سے نکل کر وقت ضائع کئے بغیر ہمیں ککر کا رخ کرنا چاہئے اور نرسی سے ٹکرانا چاہئے ورنہ نرسی کی طاقت دن بہ دن زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ اس کے ساتھ نہ صرف جابان کے شکست خوردہ لشکری مل گئے ہیں بلکہ آس پاس کے علاقوں کے وہ لوگ جو ابھی تک مسلمانوں کے دشمن ہیں، نرسی کے لشکر میں شامل ہوتے چلے جائیں گے۔ اس طرح اس کی قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔ اگر ہم نے مزید تاخیر کی تو پھر نیا ایرانی سپہ سالار جالینوس بھی اپنے لشکر کے ساتھ ککر کے مقام پر نرسی سے جا ملے گا۔ اس طرح ان کی قوت پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو جائے گی اور ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اچھی خاصی مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ فی الفور یہاں سے کوچ کر کے ہمیں ککر کی طرف روانہ ہونا چاہئے۔''

ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی کے علاوہ باقی سارے سالاروں نے مثنیؓ بن حارثہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا وہیں بیٹھے بیٹھے سارے سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد ابوعبیدہؓ بن مسعود ثقفی نے لشکر کی تقسیم کے کام کو آخری شکل دے دی تھی۔ لشکر کا وسطی حصہ یعنی قلب ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی نے اپنی کمانداری میں رکھا۔ میمنہ یعنی دائیں حصے کے لشکر کی سالاری سعدؓ بن عبید کو دی گئی۔ لشکر کے بائیں پہلو یعنی میسرہ کی کمانداری سلیطؓ بن قیس کے سپرد کی گئی اور ایک چوتھا لشکر تیار کیا گیا جو پہلے حصوں کے برابر تھا جس کو مقدمتہ الجیش کا نام دیا گیا تھا اور اس میں زیادہ تر سوار رکھے گئے تھے۔ چنانچہ ان سواروں کا سالار اعلیٰ مثنیؓ بن حارثہ کو بنایا گیا۔ اس تقسیم کے بعد اسلامی لشکر نے بڑی تیزی اور برق رفتاری سے غار سے کوچ کر کے ککر کا رخ کیا تھا جہاں ایرانی سپہ سالار نرسی ایک بہت بڑا لشکر لئے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔

چنانچہ قبل اس کے ایرانی سپہ سالار جالینوس اپنے لشکر کو لے کر نرسی سے جا ملتا،

اسلامی لشکر اس سے پہلے ہی ککر جا پہنچا۔ وہ ایک نشیبی علاقہ تھا جہاں نرسی نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ اسلامی لشکر نے اس کے سامنے جا کر پڑاؤ کیا تھا۔ مسلمانوں کے وہاں پہنچتے ہی نرسی نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل اور دفیں بجوانا شروع کر دی تھیں۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس کے لئے مسلمانوں کو کوئی زیادہ وقت درکار نہ تھا۔ اس لئے کہ غارق سے کوچ کرنے سے پہلے اسلامی لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دیا جا چکا تھا۔

حملے کی ابتداء نرسی کی طرف سے ہوئی۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کو نیستی کی تاریکیوں میں جوش مارتی شیطانی آدرشوں، تشنہ دہن زمین پر گرجتے بادلوں کی طرح برستے انداز میں اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ پھر وہ اسلامی لشکر پر تڑپتی، سسکتی خلاؤں میں نہاں جذبوں کو بھی لخت لخت کرتی تشنگی کے کرب خیز اُبال، بستانوں کو بے آب و گیاہ کر دینے والے تپتے برہنہ بگولوں کی حدتوں اور صدیوں سے برائی پر آمادہ ذہنوں سے اُٹھتے تاریک وسوسوں کے خمار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے پہلے آغاز اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی کی طرف سے ہوا تھا۔ اپنے قلب کے لشکر کے ساتھ وہ لمحوں کی آوازوں، جذبوں کی چاپ، خیالات کی رو، گرم سسکتی سانسوں تک کو دردناک سموں میں تبدیل کرتے درد والم کی سلگتی آگ کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

ان کے بعد اسلامی لشکر کا میمنہ یعنی دایاں بازو سعدؓ بن عبید کی کمانداری میں حرکت میں آیا اور وہ نرسی کے لشکر پر لامتناہی فضاؤں میں جلتے صحراؤں کی کڑکتی دھوپ، تنہائیوں کے تہہ خانوں تک میں دھواں دھواں غبار کھڑا کر دینے والے موت کے رقص کرتے شعلوں اور پتھروں اور فولاد کی سنگین چٹانوں تک کو پاش پاش کر دینے والی تکبیر کی صداؤں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ہی لشکر کا میسرہ یعنی بایاں پہلو بھی حرکت میں آ چکا تھا اور وہ بھی سلیطؓ بن قیس کی سرکردگی میں ایرانیوں پر کائنات کے سکون کو ہیجان خیز کر دینے والے لال گوں ہیولوں، خیالات کی گہرائیوں تک میں طوفانوں کی طرح گھس جانے والے سرابوں اور زیست کی راحت اور سکون کو درہم برہم کرتے ابتلاؤں بھرے گرداب اور

لب بستہ کر دینے والی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہو چکے تھے۔

جب اسلامی لشکر اور ایرانی لشکر دونوں آپس میں ٹکرا چکے اور جنگ کی بھٹی خوب بھڑک اُٹھی تب مثنیٰؓ بن حارثہ نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ اپنے حصے کے لشکر کو لے کر انہوں نے برق کی طرح سفر کیا۔ چار کوس کا ایک لمبا کاوا اور چکر کاٹتے ہوئے وہ ایرانی لشکر کی پشت پر گئے۔ پشت پر جانے کے بعد پہلے انہوں نے ایرانی پڑاؤ پر جو محافظ مقرر تھے، ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ایرانی لشکر کے پچھلے حصے میں انہوں نے ارمانوں اور حسرتوں تک کو ویران اور منجمد کر دینے والی آوازوں اور فضا کے بے چین لمحوں تک کو منجمد کر دینے والی کرب خیزی اور جوش کے ساتھ تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد وہ حیوانیت کے پجاریوں پر موت کی سوداگری کی ہنرمندی، شاطرانہ ڈھنگ کے داعیوں پر وقت کے بے روک بگولوں، کذب کی تقسیم کے وارثوں پر احادیثِ مہر و وفا کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

یوں کسکر کے میدانوں میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے چہروں سے زعفرانی مسکراہٹیں، لبوں کا نطق، رخساروں کی رعنائیاں معدوم ہونے لگی تھیں۔ ہر کاسئہ نفس میں موت زہر گھولنے لگی تھی۔ دوسروں کی اوقات کو خاطر میں نہ لانے والے ایرانی بڑی تیزی سے اپنے رفتگان کی یادوں کو گلے لگانے لگے تھے۔ زیست کے شوریدہ ہو دشت میں تن آسانی کے گوشوں کو برباد کر دینے والی قضا کی دعوت پر پُرشور بگولے چارسُو ناچ اُٹھے تھے۔ بڑے بڑے سورما، بڑے بڑے اعلیٰ پائے کے تیغ زن مرگ کی غیر محسوس چکی میں پسنے لگے تھے۔ ایرانیوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اس بار وہ مسلمانوں کو پسپا کریں گے۔ اسلامی لشکریوں نے تیز حملوں نے ان کے حوصلوں کے بدن پر بدنظمی اور اضطراب کی لہریں، سوچوں پر قدغن، خیالات پر پہرے لگانے والے تقدیر کے عناصر کی طرح ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔

کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ مثنیٰؓ بن حارثہ کے پشت کی طرف سے حملہ آور ہونے کے باعث ایرانی لشکر میں مزید ابتری پھیلی تھی۔ نرسی جس نے اپنے ذہن میں پہلے یہ بات ٹھان رکھی تھی کہ اس کے لشکر کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے لہٰذا وہ ہر صورت میں مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی گزشتہ شکستوں کا انتقام لے گا، پر اس کی بدقسمتی کہ وہ ایسا نہ کر سکا۔

اس جنگ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب سامنے کی طرف سے ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی، سعدؓ بن عبید اور سلیطؓ بن قیس حملہ آور ہوئے اور چار کوس کا چکر کاٹ کر مثنیٰؓ بن حارثہ ایرانیوں کی پشت پر پہنچ کر حملہ آور ہوئے تب نرسی نے اس غیر متوقع حملے کو روکنے کے لئے اپنے لشکر کے ایک حصے کو اس طرف متوجہ کیا۔ اس کا مقصد تھا کہ پشت کی طرف سے ہونے والے حملے کو کسی نہ کسی طرح روک دے یا حملہ آوروں کو مار بھگائے۔ مگر اسی دوران حضرت سعدؓ بن عبید نے ایک زبردست حملہ کیا اور ایرانی لشکریوں کو کاٹتے ہوئے وہ ایرانیوں کے سپہ سالار نرسی کے سر پر جا پہنچے۔ اسی دوران لشکر کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی بھی ان گنت ایرانیوں کو چیرتے اور درہم برہم کرتے ہوئے ایرانی لشکر کے اندر ایک تہلکہ اور ہلچل مچا چکے تھے اور چاروں طرف ایرانیوں کی لاشیں دکھائی دینے لگی تھیں۔

یہ صورتِ حال جب مسلمان لشکریوں نے دیکھی تو انہوں نے لگاتار تکبیریں بلند کرنا شروع کر دیں۔ ان تکبیروں کے بعد انہوں نے مل کر ایسا پُرجوش، ایسا زبردست حملہ کیا کہ ایرانی بدحواس ہو کر رہ گئے۔

دوسری طرف جب سعدؓ بن عبید تیز حملے کرتے ہوئے نرسی کے قریب پہنچ گئے تب نرسی نے جان لیا کہ مسلمانوں کا یہ سالار جو ایرانی صفوں کو چیرتا ہوا اس کے بالکل قریب آ گیا ہے وہ ضرور اس کی گردن کاٹ کر رہے گا۔ لہٰذا یہ سوچتے ہی نرسی اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہوا۔

بس نرسی کا بھاگنا تھا کہ ایرانیوں میں بددلی کچھ اس طرح چھائی کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ مثنیٰؓ بن حارثہ نے کچھ دیگر لشکریوں کے ساتھ بھاگتے ہوئے ایرانیوں کا ہولناک انداز میں تعاقب کیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر نے قیدیوں کو سنبھالنے کے بعد ایرانیوں کے خیموں اور بازاروں پر قبضہ کر لیا۔

نرسی کو بدترین شکست دینے کے بعد اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ بن مسعود ثقفی نے اسلامی لشکر کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد تین چھوٹے چھوٹے لشکر تیار کئے گئے۔ ایک لشکر مثنیٰؓ بن حارثہ، دوسرا عاصمؓ، تیسرا سلیطؓ کی سرکردگی میں دے کر انہیں کسکر کے اطراف میں دشمن کی جو قوتیں تھیں ان پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جگہ جگہ

پناہ لینے والے ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے اور ان کا کام تمام کر کے رکھ دیا۔ اس طرح کگر کے اردگرد کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

دوسری طرف ایرانیوں کا ایک اور بڑا سالار جالینوس ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے کگر کا رخ کئے ہوئے تھا تاکہ مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے سالار نرسی کی مدد کرے۔ لیکن جالینوس کی بدقسمتی کہ اس کے پہنچنے سے پہلے مسلمانوں نے نرسی کو شکست فاش دے دی تھی۔ اس شکست کی خبر سن کر باقیسیا کے مقام پر جالینوس نے اپنے لشکر کو روک دی۔ نرسی کے لشکر کے وہ افراد جو میدانِ جنگ سے شکست اٹھا کر بھاگے تھے وہ بھی باقیسیا کے مقام پر جالینوس سے آن ملے تھے۔

دوسری طرف مسلمانوں کو جب خبر ہوئی کہ ایرانیوں کا ایک اور لشکر جالینوس کی سرکردگی میں باقیسیا کے مقام پر پہنچ گیا ہے تب اسلامی لشکر نے کگر سے کوچ کیا اور جالینوس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے باقیسیا کا رخ کیا۔

چنانچہ باقیسیا کے مقام پر جالینوس اور مسلمانوں کے درمیان ٹکراؤ ہوا۔ یہ بھیانک، ہولناک اور جان لیوا جنگ تھی۔ اور اس جنگ میں مسلمانوں نے نرسی کی طرح جالینوس کو بھی بدترین شکست دی۔ چنانچہ جالینوس اپنی جان بچا کر مدائن کی طرف بھاگ گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جالینوس جب شکست کھا کر مدائن پہنچا تو ایرانی دربار کے علاوہ سلطنت کے ہر حصے میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ رستم جو ان دنوں سلطنت ایران کا مدارالمہام تھا وہ بڑا فکر مند ہوا۔ اس کے علاوہ ایران کے امراء بھی بڑی برہمی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ اس بات پر پریشان بلکہ کسی قدر تعجب کا اظہار کر رہے تھے کہ ماضی کے وہ عرب جنہوں نے کبھی ایرانی سلطنت کی طرف اس نیت سے نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا تھا وہ کیسے ایرانیوں کو پے درپے شکستوں سے دوچار کر رہے ہیں اور انہوں نے یکے بعد دیگرے ان گنت ایرانی سالاروں ہی نہیں بلکہ ہزاروں ایرانی لشکریوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ امراء کے ان خیالات سے رستم بڑا پریشان ہوا۔ چنانچہ اس نے سرِ دربار اعلان کیا کہ ایرانی سالاروں میں وہ کون ایسا جنگجو اور جرأت مند ہے جو عربوں کی اس پیش قدمی کو روک سکتا ہے اور ان کی فتوحات کو شکست میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ کون سا ایرانی سورما ہے جو اب تک کی شکستوں کا انتقام عربوں سے لے سکے۔

چنانچہ رستم نے جب اپنے ان خیالات کا اظہار اپنے امراء اور دوسرے سرکردہ لوگوں سے کیا تب سب نے ایک نام پر اتفاق کیا۔ سب نے کہا کہ اگر کوئی عربوں کی یورش کو روک سکتا ہے، ان کی راہ میں دیوار بن سکتا ہے، ان کی فتوحات کو شکستوں میں تبدیل کر سکتا ہے اور ایرانیوں کی ماضی کی شکستوں کا انتقام لے سکتا ہے تو وہ صرف باہمن جادویہ ہی ہے۔ کچھ امراء نے یہ بھی اعلان کیا کہ باہمن جادویہ کے سوا کوئی اور تجربہ کار اور بہادر ایرانی سپہ سالار نہیں جو عربوں کی راہ روکے اور ان کی فتوحات کو شکستوں میں تبدیل کر سکے۔

چنانچہ باہمن جادویہ کو رستم نے ایک خاصا بڑا لشکر مہیا کیا۔ اس لشکر میں تین سو جنگی ہاتھی بھی رکھے تھے۔ نیز ہر قسم کا سامانِ جنگ اور سامانِ رسد دے کر ایک طرح سے باہمن جادویہ کو کیل کانٹے سے لیس کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا گیا اور جالینوس جو جنگ سے بھاگ آیا تھا، اس کے سپرد بھی ایک لشکر کیا گیا اور اس کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ وہ جنگ کے دوران باہمن جادویہ کے لئے کمک کے طور پر کام کرے گا۔

اس موقع پر جالینوس کے لئے یہ بھی حکم جاری کر دیا گیا کہ اگر اس بار مسلمانوں کے مقابلے سے جالینوس بھاگے تو اس کی گردن کاٹ دی جائے۔

یوں باہمن جادویہ پوری طرح تیار ہونے کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ جس وقت وہ روانہ ہوا، ایرانی بڑے پُر اُمید تھے کہ باہمن جادویہ کامیاب ہو گا۔ اس لئے کہ باہمن جادویہ پورے ساز و سامان اور بڑے کروفر کے ساتھ مدائن سے روانہ ہوا تو اس وقت مدائن میں ایک جشن کا سماں تھا۔

باہمن جادویہ بھی بڑا محتاط تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سے پہلے مسلمان ان گنت ایرانی سالاروں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے ساتھ ساتھ ہزاروں ایرانی لشکریوں کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ مدائن سے نکلنے کے بعد راستے میں جس قدر شہر، قصبے اور قریے آتے تھے، باہمن جادویہ ہر جگہ سے لوگوں کو عربوں کے مقابلے پر آمادہ کر کے اپنے ساتھ لیتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے فرات کے کنارے قس ناطف کے مقام پر جا مقیم ہوا۔

جس وقت ایرانی سپہ سالار باہمن جادویہ دریائے فرات کے کنارے مقیم ہوا اس وقت اسلامی لشکر مکہ کے میدان سے نکل کر دریائے فرات کی طرف روانہ ہوا تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر دریائے فرات کے دوسرے کنارے بروجہ کے مقام پر جا کر پڑاؤ کر گیا۔ کیونکہ دریائے فرات دونوں لشکریوں کے بیچ حائل تھا۔ لہٰذا دونوں لشکر چند روز تک خاموش پڑے رہے۔ آخر میں فریقین کی رضامندی سے دریائے فرات پر پل تعمیر کیا گیا۔ جب پل بن کر تیار ہو گیا تو باہمن جادویہ نے مسلمانوں کے سالار اعلیٰ ابو عبید مسعود ثقفی کے پاس پیغام بھیجا کہ تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آتے ہو یا ہم کو دریا کے پار اپنی طرف بلاتے ہو؟

اس موقع پر سارے سالاروں نے رائے دی کہ ایرانیوں کو کہا جائے کہ وہ دریائے فرات کو عبور کر کے مسلمانوں کی طرف آ جائیں۔ لیکن سپہ سالار عبید بن مسعود ثقفی نے اپنے سارے سالاروں کی اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور حکم دیا کہ ہم دریا کے اس طرف جا کر ایرانیوں کا مقابلہ کریں گے۔

اس طرح اپنے سالاروں کی رائے کو اہمیت نہ دینا اور اپنی ذاتی رائے کو بھی دوسروں پر مسلط کرنا عسکری لحاظ سے سودمند نہ تھا۔

چنانچہ اسلامی لشکر نے دریائے فرات کو عبور کیا اور دوسری طرف گیا۔ اس دوران ایرانیوں کے سپہ سالار باہمن جادویہ نے یہ چال چلی کہ وہ اپنے لشکر کو مزید دریا کے قریب لے آیا۔ اس طرح ایرانی لشکر اور دریائے فرات کے درمیان بہت ہی تھوڑا میدان رہ گیا تھا جہاں جنگ برپا ہوئی تھی۔ اور جب مسلمان دریا کو عبور کر کے دوسری طرف گئے تو وہ میدان مسلمان لشکریوں سے ہی کھچا کھچ بھر گیا تھا۔

بہرحال صفیں آراستہ کر کے فریقین نے میدانِ کارزار گرم کیا۔ باہمن جادویہ اپنی جگہ بے حد خوش تھا کہ مسلمان دریا کو عبور کر کے ان کی طرف آنے کی غلطی کر چکے ہیں اور ان کے پاس لشکر کے سمانے کے لئے جگہ تھوڑی ہے اور پشت پر دریا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر پہلی ضرب لگانے، انہیں بدحواس کرنے اور ان کے گھوڑوں کو بھاگنے پر مجبور کرنے کے لئے باہمن جادویہ نے پہلے ہاتھیوں کی صفوں کو آگے بڑھایا۔ ان ہاتھیوں پر ایرانی تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے اور وہ مسلمانوں کے لشکر پر تیراندازی کرتے ہوئے ہاتھیوں کو آگے بڑھانے لگے۔

یہاں مصیبت یہ پیش آئی کہ مسلمانوں کے گھوڑوں نے اس سے پہلے کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے۔ لہٰذا جب مسلمان حملہ آور ہوئے تو ان کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدکتے اور آگے بڑھنے کی بجائے بے قابو ہو کر پیچھے ہٹتے تھے یا اِدھر اُدھر بھاگنے لگتے تھے۔

لڑائی کا یہ حال دیکھ کر اسلامی لشکر کے سالار اعلیٰ ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی نے حکم دیا کہ گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو کر ایرانیوں پر حملہ کیا جائے۔

چنانچہ مسلمان لشکریوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ حملہ بڑی جانبازی، مردانگی کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن ہاتھیوں نے جب مسلمانوں کی صفوں پر حملہ کرنا شروع کیا اور لوگوں کو کچلنا شروع کر دیا تو مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ اس موقع پر مسلمان بدحواس سے دکھائی دے رہے تھے کہ ابو عبیدہ ثقفی نے لوگوں کو جرأت دلائی اور کہا۔

"ہاتھیوں کی سونڈوں کو تلواروں سے کاٹو۔"

یہ کہہ کر ابنِ مسعود خود بھی آگے بڑھے اور انہوں نے ہاتھیوں پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ نے یکے بعد دیگرے کئی ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ کر ان کے اگلے پاؤں تلوار کی ضربوں سے کاٹے اور اس طرح ہاتھیوں کو گرا کر ان کے سواروں کو قتل کیا۔

اپنے سپہ سالارِ اعلیٰ کی یہ بہادری اور جرأت مندی دیکھ کر مسلمان لشکریوں کو بھی جرأت ہوئی اور مسلمانوں نے ایرانی ہاتھیوں کے مقابلے میں بڑی جرأت مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھیوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایسا زوردار تھا کہ ایرانی بدحواس ہونے لگے تھے۔ ہاتھی بھی چیختے چنگھاڑتے برہمی کے اظہار پر اتر آئے تھے۔ اس لئے کہ بہت سے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ دی گئی تھیں۔ بہت سوں کے پاؤں زخمی

کر دیئے گئے تھے۔ پر عین اس حالت میں جب کہ معرکہ کارزار بڑی تیزی سے سرگرم تھا۔ مسلمانوں کے سپر سالار ابو عبیدہ بن مسعود پر ایک جنگی ہاتھی نے حملہ کیا۔ ابو عبیدہ نے بڑی چابک دستی سے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس ہاتھی کی سونڈ کاٹ کر رکھ دی۔ لیکن ہاتھی اسی حالت میں بپھر کر ابو عبیدہ ثقفی پر حملہ آور ہوا۔ اس صورتِ حال سے ابو عبیدہ نے ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر پڑے۔ چنانچہ ہاتھی نے ان کے سینے پر پاؤں رکھ دیا جس سے ان کی پسلیاں چُور چُور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے فوراً آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان کا نام حکم تھا۔ لیکن وہ بھی ہاتھی پر حملہ آور ہو کر اپنے بھائی کی طرح شہید ہو گئے۔

ان کے بعد قبیلہ بنو ثقیف اور چھ مجاہدوں نے یکے بعد دیگرے علم ہاتھ میں لیا اور جام شہادت نوش کیا۔ چنانچہ آٹھویں شخص جنہوں نے اسلامی لشکر کا علم اور پرچم سنبھالا وہ حضرت مثنیٰ بن حارثہ تھے۔

انہوں نے علم ہاتھ میں لیتے ہی مدافعت اور استقامت میں جرأت کا اظہار کیا۔ لیکن لوگ اپنے سات بڑے سرداروں کو یکے بعد دیگرے قتل ہوتے دیکھ کر اور ہاتھیوں کی حملہ آوری کی تاب نہ لا کر فرار ہونے پر آمادہ ہو چکے تھے۔

اس موقع پر ایک اور مسلمان لشکری سے بھی غلطی ہوئی۔ جس وقت مسلمان لشکری پسپا ہو رہے تھے، ایک لشکری جن کا نام عبداللہ بن مرثد ثقفی تھا، وہ بھاگے بھاگے پل کے پاس گئے، پل کے تختے توڑ دیئے، رسے توڑ دیئے اور کہا۔

"لوگو! اب بھاگنے کا راستہ بھی بند ہو گیا ہے۔ لہٰذا اسی طرح مرو جس طرح تمہارے بھائی اور سردار شہید ہو چکے ہیں۔"

پل کے ٹوٹنے سے یہ خرابی واقع ہوئی کہ لوگ دریا میں کودنے اور پانی میں غرق ہونے لگے۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بڑے فکرمند ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے بچی کھچی اپنی عسکری طاقت کو سمیٹا اور ابو محجن ثقفی اور دیگر سرداروں کو ہمراہ لے کر میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ہی پل تیار کرنے کا حکم دیا اور تمام لشکر میں اعلان کرا دیا کہ میں ایرانی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہوں۔ کسی ایرانی کو آگے نہیں بڑھنے دوں گا۔ لہٰذا پل درست کر دو۔

چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ نے بڑی بہادری اور جانبازی کے ساتھ ایرانیوں کے حملے کو روکے رکھا۔ اس دوران پل درست ہو گیا اور مسلمان جب پل کے ذریعے دریا کی دوسری طرف چلے گئے تب سب سے آخر میں مثنیٰ بن حارثہ خود پل کے راستے دوسری طرف گئے۔ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد نو ہزار تھی جس میں سے چار ہزار اس جنگ کے دوران شہید ہو گئے۔

شہید ہونے والوں میں سلیط بن قیس، عبادہ بن قیس اور ابو امیہ فرازی جیسے صحابہ بھی شامل تھے۔

ایرانیوں کے اس جنگ میں چھ ہزار لشکری مارے گئے۔ لیکن اب تک کی تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کا اس لڑائی میں نسبتاً زیادہ نقصان ہوا تھا۔ اس لڑائی میں ایسا اتفاق بھی ہوا تھا کہ مسلمان ایرانیوں کے مقابلے میں فرار بھی ہوئے لیکن ہر ایک شخص جو فرار کی عار گوارہ کرنے پر مجبور ہوا، مدت العمر شرمندگی سے لوگوں کو منہ نہ دکھانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف جب مسلمان دریائے فرات کو پار کر گئے تب باہمن جادویہ کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ دریا کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ حالانکہ اس کے پاس مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑا لشکر تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان اس وقت خستہ حال بھی تھے۔ لیکن باہمن جادویہ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں وہ پل پار کر کے اپنی فتح مندی اور کامیابی کو شکست اور ناکامی میں بدل نہ بیٹھے۔ چنانچہ وہ ان میدانوں میں رکا بھی نہیں۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ کوئی اور لشکر مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچ کر اس کی کامیابیوں کو غارت نہ کر دے۔ چنانچہ وہ بڑی تیزی سے دریائے فرات کے کناروں سے کوچ کرتا ہوا مدائن کی طرف چلا گیا تھا۔

فاروق اعظمؓ کو جب ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی اور دیگر سالاروں کی شہادت اور مسلمانوں کے نقصانِ عظیم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے خاص اہتمام کے ساتھ ایرانیوں سے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختلف قبائل کی طرف قاصد بھیجے اور لوگوں کو ایرانیوں کے خلاف لڑائی کے لئے ترغیب دی۔ چنانچہ متعدد قبائل فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ سے مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے عراق کی طرف روانہ ہونا شروع ہو گئے۔ دوسری طرف مثنیٰ بن حارثہ بھی عراق اور عرب میں نئے

لشکریوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے اپنے لشکر میں اضافہ کرنے لگے تھے۔

ان تیاریوں کا حال جب دربارِ ایران کو ہوا تو وہاں رستم جو اب ایران کا وزیراعظم اور وزیر جنگ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرح حکومت کا مالک بھی تھا، اس نے چیدہ چیدہ لشکریوں کا ایک جرار لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کا سپہ سالار اس نے ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے سالار مہران ہمدانی کو بنایا۔ مہران ہمدانی کو سالارِ جنگ اس لئے بنایا گیا تھا کہ اس نے ایک طرح سے تربیت اور پرورش ہی عربوں کی سرزمینوں میں پائی تھی۔ وہیں جوان ہوا تھا اور وہ اہل عرب اور عرب لشکر کی قوت کا صحیح اندازہ کر سکتا تھا۔

مثنیٰ بن حارثہ نے مہران ہمدانی کی روانگی کا حال سن کر اپنے سارے لشکر کو دریائے فرات کے کنارے بویب کے مقام پر جمع کیا۔ یہاں اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا اور اپنی جنگی تیاریوں کے ساتھ ساتھ وہ ایرانی لشکر کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ ایک روز دریائے فرات کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ لشکر میں جو ان کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور جن کا نام بشیر بن حسامہ تھا وہ آپ کے پاس آئے اور آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''میں ایک موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے لشکر میں دو جوان ہیں۔ ان کا تعلق آپ کے ہمسائے قبیلے سے ہے۔ پہلے حیرہ میں بھی رہے ہیں۔ ایرانی جب حیرہ پر حملہ آور ہوئے تو انہیں غلام بنا کر مدائن لے جایا گیا تھا لیکن جب ایرانیوں کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ شروع ہوا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے لشکر میں شامل ہو گئے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کچھ نالش پیش کرنا چاہتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد بشیر بن حسامہ جب خاموش ہوئے تو مثنیٰ بن حارثہ کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور بشیر بن حسامہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''جن دو جوانوں کا تم ذکر کر رہے ہو کیا ان کے نام عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ ہیں؟''

بشیر بن حسامہ کے چہرے پر بھی تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگے۔

''آپ کا کہا درست ہے۔ یہی وہ دونوں جوان ہیں۔''

اس پر مثنیٰ بن حارثہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''میں ان دونوں کو جانتا ہوں۔ جس وقت ہمارا پہلا ٹکراؤ ایرانیوں کے ساتھ ہوا تھا وہ ایرانی لشکر میں شامل تھے۔ ایرانی جب شکست اٹھا کر بھاگے تو بھاگنے والوں میں وہ دونوں بھی شامل تھے۔ لیکن فرار کے دوران ان کی عربیت، ان کی حمیت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ آنے والے دور میں وہ اپنی ہی قوم کے خلاف تلوار بے نیام کریں۔ چنانچہ بھاگتے ہوئے وہ ایک جگہ رک گئے۔ پھر میرے پاس آئے۔ میری ہی موجودگی میں ان دونوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ میرے خیال میں وہ مجھے بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو انہیں بلا جھجک میرے پاس آنا چاہئے تھا۔ اس سلسلے میں ان دونوں کو تمہیں ذریعہ نہیں بنانا چاہئے تھا۔''

اس پر بشیر بن حسامہ پھر بول اٹھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے...... دراصل جس موضوع پر وہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس میں چونکہ میری بھی ذات ملوث ہے لہٰذا اسی سلسلے میں وہ آپ سے التماس کرنا چاہتے ہیں۔''

چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ نے ان دونوں کو بلانے کے لئے کہا۔

اس پر ایک لشکری بھاگا بھاگا گیا۔ تھوڑی دیر بعد لوٹا تو اس کے ساتھ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ نے ان دونوں کے ساتھ پُرجوش مصافحہ کیا، پہلے ایک غائر نگاہ بشیر بن حسامہ پر ڈالی پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''بشیر بن حسامہ نے تھوڑی دیر پہلے مجھ سے کہا ہے کہ تم دونوں کچھ کہنا چاہتے ہو۔ اس سلسلے میں تم براہ راست بھی میرے پاس آ سکتے تھے۔ بولو کیا معاملہ ہے؟''

مثنیٰ بن حارثہ کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام نے ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر عتبہ بن ہشام، مثنیٰ بن حارثہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! بات یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے آپ نے لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دے دیا ہے اور محترم بشیر بن حسامہ کو ہراول لشکر کا کمانڈار بنایا ہے۔ یہ ہراول لشکر آگے رہتے ہوئے ایرانیوں کے سرکردہ سالاروں پر حملہ آور ہوگا۔ میری اور میرے عزیز ساتھی ہلال بن علقمہ کی یہ خواہش ہے کہ بشیر بن حسامہ کے تحت جس لشکر نے کام کرنا ہے اس میں

ہمیں بھی شامل کیا جائے۔ ہم مقدمۃ الجیش میں رہتے ہوئے ایرانیوں پر ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ امیر! یوں جانیں ہمارے احوال عجیب و غریب ہیں۔ کبھی فرصت ملی تو تفصیل سے آپ سے کہوں گا۔ دراصل میرے بھائی ہلال بن علقمہ نے انہی حالات کی وجہ سے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر زندگی میں اسے کبھی کوئی موقع ملا تو وہ ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ اس رستم کے دو ساتھی ہیں۔ ان کے نام باریز اور نوذر ہیں۔ وہ انتہائی گناہ گار اور ناپسندیدہ اشخاص ہیں۔ اور میں ان دونوں کا خاتمہ کرنے کا عزم کر چکا ہوں۔

گزشتہ شب یہ خبر آئی کہ ایرانیوں کا ایک سالار جس کا نام مہران ہمدانی ہے وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے آ رہا ہے تو امیر! میں نے اپنے ساتھی ہلال بن علقمہ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ میں اس مہران ہمدانی کو موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یوں جانیں ایرانی لشکر میں یہ میرا اور ہلال بن علقمہ کا رقیب بھی ہوا کرتا تھا۔ مدائن میں قیام کے دوران اس کے ہمارے تعلقات بھی کوئی اچھے نہ تھے۔ اس بناء پر میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے اور میرے ساتھی کو مقدمۃ الجیش میں شامل کر لیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم مقدمۃ الجیش میں رہتے ہوئے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب مثنیٰ بن حارثہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔ "مجھے تو پہلے ہی تم دونوں کی کارگزاری پر کوئی شک نہیں ہے۔ بلکہ اب تک جو جنگیں ہوئی ہیں ان میں تمہاری کارگزاری قابلِ تعریف رہی ہے۔ تمہیں آنے والی جنگ میں مقدمۃ الجیش میں رہتے ہوئے بشیر بن حسامہ کے ساتھ کام کرنے کی اجازت ہے۔"

مثنیٰ بن حارثہ کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دونوں نے مثنیٰ بن حارثہ کا شکریہ ادا کیا پھر بشیر بن حسامہ کے ساتھ وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

ایرانی سپہ سالار مہران ہمدانی بڑی برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کا رخ کر رہا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے چونکہ دریائے فرات کے کنارے بویب کے مقام پر پڑاؤ کیا ہوا تھا لہٰذا اس مقام کے بالکل مقابل دریائے فرات کے کنارے پہنچ کر مہران ہمدانی اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا اور ساتھ ہی کچھ قاصد مثنیٰ بن حارثہ کی طرف بھجوائے اور یہ پیغام دیا۔

"تم خود دریائے فرات کو عبور کر کے اس طرف آ جاؤ یا ہم کو دریائے فرات کو عبور کرنے کا موقع دو تا کہ ہم اس طرف آ کر اپنی صفوں کو آراستہ کر سکیں اور تم پر ضرب لگائیں۔"

مثنیٰ بن حارثہ چونکہ گزشتہ جنگ میں دریا کو عبور کرنے کا تلخ تجربہ کر چکے تھے لہٰذا انہوں نے جواباً کہلا بھیجا۔

"تم ہی فرات کو عبور کر کے اس طرف آ جاؤ۔"

چنانچہ مہران اپنے سارے لشکر کو لے کر دریا عبور کر کے بویب کی طرف چلا گیا۔ ایرانی لشکر میں پہلے کی طرح ان گنت جنگی ہاتھی شامل تھے جن سے وہ مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ دریا کو عبور کرنے کے ساتھ ہی مہران ہمدانی نے مسلمانوں سے ٹکرانے کے لئے اپنے لشکر کی صفیں درست اور استوار کرنا شروع کر دی تھیں۔

مہران نے سب سے آگے اپنے پیادوں کو رکھا اور ان کے پیچھے ہاتھیوں کی صفوں کو کھڑا کیا جن پر تیر انداز بٹھا دیئے گئے۔ دائیں بائیں سواروں کے دستے تھے جنہوں نے ایک دم دائیں بائیں سے آگے بڑھتے ہوئے مسلمانوں پر ضرب لگائی تھی۔

مسلمانوں نے بھی اپنی صفیں درست کر لی تھیں۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے سالار اس سے پہلے جنگ میں کام آ چکے تھے۔ چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ نے لشکر کی تقسیم کو بڑے عمدہ انداز میں انجام دیا۔ اپنے سالاروں میں سے بشیر بن حسامہ اور اپنے بھائی معنی بن حارثہ کے ماتحت لشکر کے کچھ حصے کئے اور ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔

جنگ کی ابتداء ایرانی سالار مہران ہمدانی نے کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ شب کی درزوں سے نکلتے اذیت کے سمندر، لحد کی غم انگیز گہرائیوں سے اٹھ کر ہر شے کو بھسم کرتی آگ کی لپٹوں، نخلِ تر و تازہ کو جڑوں تک بے کار کر دینے والی آتی جاتی رتوں کی وحشت اور آندھیوں کے سندیسے سناتی کھولتی جھلساتی ہواؤں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

ایرانیوں کے اس حملے کی ابتداء سے پہلے مسلمانوں نے ستاروں کے موتیوں سے سجی شامِ زندگی کی خوش کن اداؤں، جوان جذبوں میں نغموں کے بکھراؤ کا سامان کرتے اُجلے خوابوں کے اجنبی لمس اور نگارِ گیتی کے سنہرے آستانوں میں لعل بدخشاں کی بارش کرتی صداؤں میں تکبیریں بلند کیں۔ ان تکبیروں کی آوازوں اور صداؤں نے دشت و دمن پر ایک ہیبت طاری کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان ایرانیوں پر بے ساحل و بے نشان کرتے ہیبت اور جلال بھرے سرکش اور بے زنجیر طوفانوں، خدائے خشک و تر کی زمین پر بستیاں مٹانے اور آبادیاں جلانے والوں کے خلاف قسمتوں کے حروف، خواب اور وقت کے بے مثال محتسبوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ اپنے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں نے رگ رگ میں آگ بھرتے قہر سامانیوں کے رقص کا سماں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے رزم گاہ کو غبار غبار کرتے لاکھوں طوفانوں کے اندیشے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ زیست کو زنجیر کرتی وقت کی خونی دھول، زخم زخم کرتے موت کے تھپیڑے اور قضا کے آوارہ دھوئیں کی لپٹیں ہر سُو رقص کرنے لگی تھیں۔

جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے ساتھ بری طرح ٹکرا رہے تھے اور مسلمانوں کا مقدمتہ الجیش جس کی کمانداری بشیر بن حسامہ کر رہے تھے وہ ایرانیوں کے

لشکر کے وسطی حصے میں گھستا چلا گیا تھا۔

عتبہ بن ہشام نے چونکہ جنگ کی ابتداء سے پہلے ہی یہ عہد کیا تھا کہ وہ مقدمتہ الجیش میں رہتے ہوئے ایرانیوں کے سپہ سالار مہران ہمدانی کو اپنا ہدف بنائے گا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایرانیوں پر ضرب لگاتے ہوئے عین ان کے لشکر کے وسط میں مہران ہمدانی کے سامنے جانمودار ہوا۔

مہران ہمدانی نے جب اسے دیکھا تو تعجب اور فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم یہاں........ مسلمانوں کے ساتھ؟''

طنزیہ سی مسکراہٹ عتبہ بن ہشام کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

''مہران ہمدانی! الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ اس خداوند قدوس کا جتنا بھی شکر کروں اتنا ہی کم ہے جس نے مجھے بھٹکی ہوئی راہ سے ہٹا کر مستقیم راہوں پر ڈال دیا........''

عتبہ بن ہشام یہیں تک کہنے پایا تھا کہ مہران ہمدانی اس پر حملہ آور ہو گیا۔ ایک خوفناک وار عتبہ بن ہشام پر کیا جسے عتبہ بن ہشام نے روک دیا۔ پھر عتبہ بن ہشام انتہائی غضب ناک لہجے میں مہران ہمدانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سنبھل اور انتظار کر کہ میں کیسے تیرے شعور اور لاشعور، تیرے ہوش و خرد، تیرے قلب و نظر اور تیرے دامنِ ہستی کو خون آلود کرتا ہوں........ تیرے ہونٹ مقفل، زبان پتھر اور تیرے دل کے گوشوں کو درد و کرب سا بنا کر رکھتا ہوں۔ آ مجھ سے ٹکرا اور پھر دیکھ اس آب و گل کی کوکھ میں حادثوں کی تقدیر میں ڈوبے حالات کیسے تیرے سامنے آتے ہیں۔ خلاؤں کے برجوں کے اندر کیسے میں تیری حالت منجمد رات کے سناٹوں جیسی کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام نے بڑے خوفناک انداز میں مہران ہمدانی پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔

ساتھ ہی بڑے خوفناک لہجے میں مہران ہمدانی کو مخاطب کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام پھر کہنے لگا۔

''سن ایرانی سالار! تُو زیادہ دیر میرے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا۔ چند لمحوں بعد تُو دیکھے گا کہ تیری حالت روتی بانجھ مدقوق راتوں میں خوفزدہ آوازوں میں بھیگی بد دعاؤں

سے بھی زیادہ ابتر ہو کر رہے گی۔''

اس کے بعد عتبہ بن ہشام نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی اور وہ حلقہ در حلقہ خونی رقص کرتے تغیر و تبدل کے خونی انقلاب، کھوئی کھوئی رات کے کرب میں سوچوں کے بے انت اعتکاف پر ضرب لگاتی رجز خواں، حشر ساماں آندھیوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع ہو گیا تھا۔

مہران ہمدانی زیادہ دیر عتبہ بن ہشام کے سامنے اپنا دفاع نہ کر سکا اور ایک بار عتبہ بن ہشام کی تلوار بلند ہو کر جو گری تو مہران ہمدانی کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ مہران ہمدانی نے ایک کرب خیز چیخ بلند کی، اس کے بعد لاش کی صورت میں وہ اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔

اپنے سالار کے مارے جانے سے ایرانیوں کے اندر ایک افراتفری اور بدنظمی سی پھیل گئی تھی اور پسپائی کے آثار بڑی تیزی سے نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس جنگ کا نقشہ پیش کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے ایرانیوں کا بڑی پامردی اور جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ طرفین سے خوب خوب دادِ شجاعت دی گئی۔ بالآخر لشکر ایران کو مسلمانوں کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ جب ایرانیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ مثنیٰ بن حارثہ نے دوڑ کر دریائے فرات کے پل کو توڑ دیا تاکہ ایرانی با آسانی دریا کو عبور کر کے نہ بھاگ سکیں۔

پل توڑنے کی وجہ سے نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایرانی قتل اور بہت سے دریا میں کود کر غرق ہو گئے۔ مہران ہمدانی میدانِ جنگ میں مارا گیا تھا۔ ایرانی لشکر کے تقریباً ایک لاکھ لشکری اس لڑائی میں مارے گئے اور مسلمانوں کے لشکر سے صرف ایک سو آدمی شہید ہوئے۔ ایرانی لشکر سے جو بچ کر بھاگے ان کا تعاقب مسلمانوں نے ساباط کے مقام تک کیا۔ اس لڑائی کے بعد دجلہ اور فرات کا تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضے اور تصرف میں آ گیا۔ یہ لڑائی 13 ھ میں رمضان کے مہینے میں ہوئی تھی۔''

مہران ہمدانی کے قتل اور ایران کے جرار لشکر کی بربادی کا حال جب دربارِ ایران میں پہنچا تو پورے ایران کے اندر ایک کہرام برپا ہو گیا تھا لڑائی کے اس نتیجے کا حال سن کر کہ ایک لاکھ ایرانی اور صرف ایک سو عرب مقتول ہوئے۔ ہر شخص حیران اور پریشان ہو جاتا تھا۔ اس لڑائی کی وجہ سے ایرانیوں کے دلوں پر عربوں کی بہادری کا زبردست سکہ بیٹھ گیا تھا۔

اس وقت ایران کے تمام امورِ سلطنت پر دو اشخاص ایک طرح سے پیوستہ تھے۔ ایک رستم اور دوسرا فیروز۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ لیکن اس جنگ کی وجہ سے انہوں نے اپنے سارے اختلافات ختم کر دیئے۔ چنانچہ ایران کے بادشاہ یزدگرد نے بڑی تیزی سے تیاریاں شروع کیں۔ امراء اور رؤساء نے اپنی مخالفتوں کو فراموش کر کے ملک اور سلطنت کی حفاظت کے لئے کمر باندھی۔ یزدگرد نے تمام صوبے دار جو دربارِ ایران کی بدانتظامی کے سبب بدحال ہو رہے تھے، یک لخت چستی اور مستعدی کا اظہار کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اس طرح سلطنت ایران میں ایک تازہ روح عربوں سے مقابلے کی پیدا ہو گئی تھی۔

جن صوبوں اور شہروں میں مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا ان میں بھی ایرانیوں نے بغاوت اور سرکشی کے طوفان برپا کرنے کی کوشش کی۔ عربوں پر حملہ آور ہونے اور اپنی شکستوں کا انتقام لینے کے لئے ایرانی چھاؤنیاں نئے لشکریوں سے بھرنا شروع ہو گئی تھیں۔ ایرانیوں نے قلعے مضبوط کرنا شروع کر دیئے تھے۔ ایرانیوں کی یہ جنگی تیاریاں دیکھتے ہوئے بہت سے علاقے جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے وہاں سے بھی کچھ باغی عناصر اٹھ کر ایرانیوں کا دم بھرنا شروع ہو گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

ایک روز شام کے وقت رجینا، البانہ اور انجار تینوں بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں کہ رجینا انجار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اماں! ہم نے کھانا تیار کر دیا ہے۔ لیکن بابا ابھی تک نہیں آئے۔''

رجینا کے ان الفاظ پر انجار بھی کچھ فکرمند ہو گئی تھی اور بار بار مکان کے بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ تینوں اسی طرح بیٹھی کچھ دیر باتیں کرتی رہی تھیں کہ کالاس گھر میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر تینوں خوش ہو گئی تھیں۔ کالاس ان کے پاس آ کر

بیٹھ گیا۔ اس پر رجینا نے اسے احتجاجی انداز میں مخاطب کیا۔

''بابا! آج آپ پھر دیر سے آئے ہیں اور ہم تینوں آپ کے دیر سے آنے کی وجہ سے پریشان اور فکر مند بیٹھی ہوئی تھیں۔

رجینا پر ایک پیار بھری نگاہ ڈالنے کے بعد کالاس کہنے لگا۔

''میری بچی! یوں سمجھو جس دن میں دیر سے آؤں اس روز میں تم لوگوں کے لئے کوئی خوشخبری ہی لاتا ہوں۔ آج بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔''

کالاس کے ان الفاظ پر رجینا چونکی تھی۔ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ ''بابا! آپ ہمارے لئے کیسی خوشخبری لے کر آئے ہیں؟''

جواب میں کالاس نے گہری شفقت بھری ایک نگاہ رجینا پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

''بیٹی! دیکھ مجھ سے کوئی بات چھپانا مت۔ پہلے یہ بتا کہ تُو عتبہ بن ہشام کو کس قدر چاہتی ہے؟''

رجینا پہلے تو شرمائی، پھر سنبھلی، کہنے لگی۔

''بابا! یہ آپ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں؟ کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ صبح کے وقت جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں سے کس قدر روشنی پھوٹتی ہے؟........ کیا رات کے وقت آسمان ستاروں سے سج جاتا ہے تو کوئی بتا سکتا ہے کہ آسمان پر کتنے اور کس قدر ستارے جھلملا رہے ہیں؟........ بس بابا! میری محبت بھی عتبہ بن ہشام سے ایسی ہی ہے۔ میں خود نہیں جانتی، اس کی محبت کے کنارے، اس کی محبت کی اتھاہ کہاں ہے۔''

کالاس خوش ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''میری بچی! میں جانتا تھا کہ تُو ایسا ہی جواب دے گی۔ اب یہ بتا کہ اگر کسی معاملے میں ابنِ ہشام کو ناموری اور شہرت ملتی ہے تو پھر تیرے کیا تاثرات ہوں گے؟''

رجینا مسکرائی اور کہنے لگی۔

''بابا! میرے کیا تاثرات ہونے ہیں۔ ان کی ناموری اب میری ناموری، ان کی شہرت میری شہرت، ان کا دکھ اب میرا دکھ، ان کا سکھ اب میری ذات سے وابستہ ہے۔ آپ بتائیں معاملہ کیا ہے؟ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں وہ کہنے کے لئے آپ اس قدر لمبی چوڑی تمہید کیوں باندھ رہے ہیں؟''

جواب میں کالاس سنبھلا اور کہنے لگا۔

''بیٹی! میں تیرے لئے اچھی اور خوش کن خبر یہ لے کر آیا ہوں کہ یہ جو ایرانی سالار مہران ہمدانی لشکر لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے گیا تھا اس لشکر کے انجام کی خبریں تو تم تک پہنچ چکی ہیں کہ اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے اور صرف ایک سو مسلمان اس جنگ میں کام آئے۔ یہ خبر اب مدائن میں عام ہو چکی ہے اور اس خبر پر لوگ جہاں حیران اور پریشان ہیں وہاں مدائن شہر کے اندر خوف اور وحشت کی ایک لہر بھی دوڑی ہوئی ہے اور اب ایران کا بادشاہ اور سارے سالار مسلمانوں پر ناقابلِ تلافی ضرب لگانے کے لئے اپنی تیاریوں کو عروج پر لے آئے ہیں۔ پر میری بیٹی! اب جو شہر کے اندر خبر پھیلی ہے وہ بڑی عجیب، نئی اور انوکھی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس رکا، اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

''بیٹی! مدائن شہر کے اندر اب یہ خبر پھیلی ہے کہ ایرانی سالار مہران ہمدانی کو جنگ کے دوران عتبہ بن ہشام نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس جب خاموش ہوا تو رجینا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر گہری گلابی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اس خبر سے لطف اندوز ہوتی رہی، پھر کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! اگر اس موقع پر عتبہ بن ہشام میرے پاس ہوتے تو میں انہیں ان کی اس جرأت مندی اور شجاعت پر کئی بار سلام پیش کرتی۔ اُن کی اس دلیری، اُن کی اس جواں مردی پر اپنے خوش کن جذبوں کو نچھاور کر کے رکھ دیتی۔''

اس کے ساتھ ہی رجینا اپنی جگہ پر اُٹھی اور کہنے لگی۔

''بابا! آپ نے مجھے یہ خبر سنا کر خوش کر دیا ہے۔ اب میں آپ کے سامنے کھانا لگاتی ہوں۔''

رجینا جب کھڑی ہوئی تو البانہ بھی کھڑی ہو گئی۔ پھر دونوں کھانا لانے کے لئے مطبخ کی طرف چل دی تھیں۔

❁ ❁ ❁

دریائے فرات کے کنارے بویب کے مقام پر جو ایرانیوں سے جنگ ہوئی اور جس میں مہران ہمدانی مارا گیا تھا، اس جنگ کے دوران مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ مثنیٰؓ بن حارثہ بھی زخمی ہو گئے تھے۔ لشکر نے بویب ہی کے مقام پر پڑاؤ کر لیا تھا اور مثنیٰؓ بن حارثہ کے زخموں کا علاج شروع ہو گیا تھا۔

اسی دوران جب فاروقِ اعظمؓ کو بویب کے مقام پر ایرانیوں کی شکست اور اس کے بعد ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے تیز رفتار قاصد مثنیٰ بن حارثہ کی طرف بھجوائے اور ان کے لئے یہ پیغام بھیجا کہ دو عرب قبائل ربیعہ اور مضر کو جو عراق اور مدینہ کے درمیان نصف راستے پر آباد ہیں انہیں بلاؤ اور انہیں اپنے ساتھ ملاؤ اور اپنی جمعیت کو طاقت ور بناؤ۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی پیغام بھیجا کہ مخدوش علاقے کو خالی کر کے عرب کی سرحد کی طرف سمٹ آؤ۔

مثنیٰؓ بن حارثہ کے نام یہ پیغام بھجوانے کے بعد فاروقِ اعظمؓ نے اپنے تمام عاملوں کے نام احکام روانہ کئے کہ ہر قبیلے سے جنگجو مجاہد جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بھیجے جائیں۔ ان احکام کی روانگی کے بعد آپؓ حج بیت اللہ کے لئے مدینہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ چنانچہ حج سے فارغ ہو کر جب آپؓ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ملک کے ہر حصے سے لوگوں کے گروہ آنے شروع ہو گئے تھے جو جنگ میں حصہ لینا چاہتے تھے اور ایرانیوں پر ضرب لگانے کے متمنی تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ کے باہر میدان مجاہدوں سے پُر نظر آنے لگے تھے۔

چنانچہ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے کہ ایرانی مسلمانوں کے خلاف اپنی سلطنت سے جنگجو جمع کر چکے ہیں اور ایک ایسا لشکر تیار کر چکے ہیں جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو

شکست دینے کے درپے ہیں تب فاروقِ اعظمؓ نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ خود لشکر لے کر ایران کی سرحدوں کا رخ کریں گے اور ایرانیوں پر ضرب لگائیں گے۔

چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد جو مجاہد اس وقت مدینہ میں جمع ہو گئے تھے، ان کے سالارِ اعلیٰ تو آپؓ خود بنے، حضرت طلحہؓ کو ہراول کا سردار مقرر کیا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کو میمنہ پر اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو میسرہ پر مقرر فرما کر فاروقِ اعظمؓ نے خود سپہ سالار بن کر اور اپنے لشکر کو لے کر ایرانی سرحدوں کی طرف روانگی کا عزم فرمایا۔

چنانچہ یہ ارادہ کرنے کے بعد آپؓ نے اپنی جگہ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا، حضرت عثمانؓ کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اس لشکر کو لے کر آپؓ مدینہ سے روانہ ہوئے اور زرار کے چشمہ پر آ کر قیام کیا۔

فاروقِ اعظمؓ کی اس لشکر میں سپہ سالار کی حیثیت سے کام کرنے کی وجہ سے اس لشکر میں بڑا جوش و جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ خلیفہ وقت خود اس لشکر میں سپہ سالار کی حیثیت سے شامل تھے۔

اس موقع پر جب کہ اسلامی لشکر نے زرار نام کے چشمے پر پڑاؤ کیا ہوا تھا، حضرت عثمانؓ بن عفان فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

''آپ کا خود ایران کی طرف جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔''

حضرت عثمانؓ نے جب یہ مشورہ دیا تو فاروقِ اعظمؓ نے تمام سرداروں، سپہ سالاروں اور عام مجاہدوں کو ایک جلسہ عظیم میں مخاطب کر کے مشورہ طلب کیا۔

مشورے کی اس طلبی کے جواب میں کثرتِ رائے نے یہ کہا کہ خلیفہ وقت کے ارادے کے موافق عمل ہونا چاہئے۔ یعنی لشکریوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ فاروقِ اعظمؓ خود سپہ سالار کی حیثیت سے ایرانیوں پر حملہ آور ہوں۔

اس صورت حال کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا۔

''میں اس رائے کو ناپسند کرتا ہوں۔ خلیفہ وقت کا خود مدینہ منورہ سے تشریف لے جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی سالار یا سردار کو میدانِ جنگ میں ہزیمت حاصل ہو تو خلیفہ وقت با آسانی اس کا تدارک کر سکتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ خود خلیفہ

وقت کو میدانِ جنگ میں کوئی گزند پہنچے تو پھر مسلمانوں کے کام کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔

اس دوران حضرت علیؓ بھی مدینہ سے زرار نام کے چشمے پر پہنچ چکے تھے جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ دیگر محترم صحابہ کرام کی طرح حضرت علیؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ سے بھی مشورہ کیا گیا۔ حضرت علیؓ اور باقی سارے صحابہ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی رائے کو پسند کیا۔

فاروقِ اعظمؓ نے جب دیکھا کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور دیگر جلیل القدر صحابہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ خلیفہ وقت خود لشکر کی سپہ سالاری کرتے ہوئے ایرانیوں سے ٹکرائیں تب فاروقِ اعظمؓ نے دوبارہ اپنے لشکر کو جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔

''میں تمہارے ساتھ خود عراق کی طرف جانے کو تیار تھا لیکن صحابہ کرامؓ کے تمام مصاحب رائے حضرات میرے جانے کو ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا میں مجبور ہوں۔ اور کوئی دوسرا شخص سپہ سالار بن کر تمہارے ساتھ جائے گا۔''

اس نئی صورت حال کے تحت اب صحابہ کرامؓ کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ کس کو سپہ سالار بنا کر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا جائے۔

پہلے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا گیا لیکن آپؓ نے انکار فرمایا۔ مسلمانوں کے بڑے سالاروں میں سے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت خالدؓ بن ولید پہلے ہی ارضِ شام میں رومنوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ چنانچہ صحابہ نے پھر غور و فکر شروع کر دیا کہ آخر کس کا انتخاب کیا جائے۔ کسے سپہ سالار بنا کر ایرانیوں پر ضرب لگانے کے لئے روانہ کیا جائے۔

چنانچہ غور و فکر کے بعد آخر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا۔

''میں ایک شخص کا نام لیتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں بتایا جا سکتا۔''

اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے پوچھا گیا کہ وہ کون شخص ہے جس کا نام لینا چاہتے ہیں؟ تب آپؓ نے فرمایا۔

''حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔''

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور اس کی تائید

کی۔ فاروق اعظمؓ نے بھی اس انتخاب کو پسند فرمایا۔

چنانچہ تیز رفتار قاصد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف روانہ کئے گئے جو ان دنوں قبیلہ ہوازن کے صدقات کی وصولی پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جب فاروق اعظمؓ کا پیغام ملا تو وہ فوراً مدینہ پہنچے۔ اس کے بعد زرار نام کے مقام پر فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

جہاں تک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا تعلق تھا تو وہ رشتے میں حضور ﷺ کے ماموں تھے اور بزرگ صحابہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ کئی مواقع پر حضور ﷺ نے اپنے اس رشتے کا اقرار فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

''یہ میرے ماموں ہیں۔ جس شخص کا ایسا ماموں ہو وہ مجھے دکھائے۔''

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا قد درمیانہ، جسم موٹا، ناک چپٹی، سر بڑا، ہاتھوں کی انگلیاں خوب موٹی اور مضبوط تھیں۔ جس وقت حضور ﷺ نے لوگوں کو توحید اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی اس وقت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی عمر انیس برس تھی۔

حضور ﷺ کی دعوت پر چونکہ حضرت ابوبکرؓ صدیق سب سے پہلے ایمان لائے اور انہیں یہ مقامِ سعادت بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے دوسروں کو بھی دین کی دعوت دی۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ بقول علامہ ابنِ کثیر حضرت ابوبکرؓ صدیق ان حضرات کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سب حضرات ایمان لائے۔

اپنے اسلام قبول کرنے کے متعلق حضرت سعدؓ بن ابی وقاص خود فرمایا کرتے تھے۔

اسلام لانے میں ان کا آٹھواں نمبر بنتا تھا۔ جب آپؓ کے ایمان لانے کی خبر پھیلی تو آپؓ کی والدہ یہ سن کر بڑی پریشان ہوئیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ محترمہ کا بڑا فرمانبردار تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری والدہ محترمہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''سعدؓ تو نے یہ کیا نیا دین قبول کر لیا ہے؟ جب تک تو اس دین کو نہیں چھوڑے گا

نہ میں کھاؤں گی اور نہ پیوں گی۔ یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں:

"میرے لئے یہ انتہا درجہ کا آزمائش کا موقع تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ اگر میری ماں کھائے پیئے بغیر مر گئی تو پوری زندگی میرے لئے تو یہ طعنہ بنا رہے گا کہ میں اپنی ماں کا قاتل ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی والدہ سے استدعا کی کہ اماں! تُو ایسا نہ کر۔ میں یہ دین کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن والدہ نہ مانی اور میری استدعا کو اس نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ چنانچہ والدہ مسلسل تین روز بے آب و دانہ ہی رہی۔ جب میں نے اپنی والدہ کی اس ضد کو دیکھا تو اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو دیکھا اس میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ میں نے اب اپنی والدہ سے کہا۔"ماں! اللہ کی قسم! تُو یہ جان لے کہ اگر تیری لاکھ جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے نکل جائیں تب بھی میرے ارادے، میرے استقلال میں کوئی شکن نہیں آئے گی اور میں ہرگز ہرگز اس دین کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب تیری مرضی ہے کہ تُو کھا یا نہ کھا۔"

حضرت سعدؓ کے ارادے کی مضبوطی، استقامت کو دیکھتے ہوئے ان کی والدہ نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ دوسری طرف خداوندِ قدوس کو بھی شاید استقامت اور ارادے کی پختگی ایسی پسند آئی کہ خداوندِ قدوس نے اس سلسلے میں آیت نازل فرما کر ساری مشکل آسان کر دی جس میں خداوند قدوس نے فرمایا تھا۔

"اور ہم نے انسان کو تاکید کر دی کہ اپنے والدین سے بھلائی سے رہیں۔ اگر وہ تجھ پر زور کریں کہ تُو شرک کرے جس کی تجھ کو کوئی خبر نہ ہو تو ان کا کہنا مت مان۔ پھر تم کو میرے پاس ہی آنا ہے۔ سو میں بتاؤں گا جو تم کرتے رہے ہو۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو حضور ﷺ سے ایسی محبت اور چاہت تھی کہ جنگِ اُحد میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے حضور ﷺ پر ایک پتھر پھینکا۔ اس لئے کہ عتبہ بن ابی وقاص ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ آپ ﷺ کو یہ پتھر

لگا اور اس پتھر لگنے کی وجہ سے آپ ﷺ گر گئے اور اس پتھر کی وجہ سے آپ ﷺ کے دو دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ بھی خاصا زخمی ہوا۔

اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے سعدؓ بن ابی وقاص کہا کرتے تھے:

"اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کی اس حرکت پر میں زندگی میں کسی اور شخص کے قتل کرنے کا خواہش مند نہ رہا جتنا خواہش مند اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کو قتل کرنے کا تھا۔"

یہ واقعہ جنگ اُحد میں پیش آیا۔ جنگ اُحد ہی میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ بھی سعادت ملی جو کسی اور کے حصے میں نہ آئی۔

جنگ اُحد کے موقع پر جس طرح دوسرے جانثاروں نے حضور ﷺ کا دفاع کیا اسی طرح سعدؓ بن ابی وقاص نے بھی آپ ﷺ کے دفاع کا حق ادا کیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بہترین تیر انداز مانے جاتے تھے۔ جس وقت جانثاروں نے آپ ﷺ کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا اسی وقت سعدؓ بن ابی وقاص بڑی تیزی سے تیر اندازی کرنے لگے تھے۔

حدیث مبارکہ میں یہ بھی آتا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سامنے تیروں کا ڈھیر لگا دیا بلکہ تیر پکڑ پکڑ کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو دیتے جاتے تھے اور ساتھ ہی یہ جملہ بھی ادا کرتے جاتے تھے۔

ارم فِدَاکَ ابی و امی

یعنی میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ یہ تیر چلا۔

حضرت علیؓ ابن طالب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سوا کسی کے لئے یہ جملہ نہ کہا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جنگ اُحد میں، میں نے حضور ﷺ کو کہتے سنا کہ حضور ﷺ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"اے سعد! تیر اندازی کر۔ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔"

بہر حال حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؓ نے حضرت سعدؓ کو مناسب ہدایات کیں، ہر چھوٹے بڑے واقعہ کی اطلاع دیتے رہنے کی تاکید کر کے سپہ سالارِ لشکر کے طور پر روانہ کر دیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص چار ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور لگاتار منزلیں طے کرنے

کے بعد بزدرود کے مقام پر پہنچ کر انہوں نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص کی روانگی کے بعد فاروقِ اعظمؓ نے دو ہزار یمانی اور دو ہزار نجدی مجاہدوں کا لشکر بھی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی کمک کے لئے روانہ فرمایا جو مقام بزدرود ہی میں سعد بن ابی وقاصؓ سے آن ملے تھے۔

دوسری طرف ایرانیوں سے ٹکرانے والے لشکر کے سالارِ اعلیٰ مثنیٰؓ بن حارثہ بویب کے مقام پر ان دنوں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی آمد کے منتظر تھے اور ان کے پاس اس وقت آٹھ ہزار کا ایک لشکر بھی تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ان کے پاس پہنچیں گے تو وہ ان کے ساتھ مل کر ایرانیوں کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ لیکن اس معاملے میں قدرت کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔ چونکہ بویب کے مقام پر ایرانیوں سے لڑی جانے والی جنگ کے دوران مثنیٰؓ بن حارثہ زخمی ہو گئے تھے چنانچہ طبیب ان کے زخموں کا علاج کرتے رہے لیکن زخم مندمل نہ ہوئے بلکہ ان کے زخموں کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی۔ بالآخر جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ بزدرور کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے تھے، وہاں انہیں خبر پہنچی کہ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے انہی زخموں کے باعث انتقال فرمایا تھا۔

مثنیٰؓ بن حارثہ نے وفات کے وقت اپنی جگہ بشیرؓ بن حسامہ کو اپنے ماتحت کام کرنے والے لشکر کا سالار مقرر کیا تھا۔ اس وقت آپ کے پاس آٹھ ہزار کا لشکر تھا۔ دوسری طرف فاروقِ اعظمؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور ان کے لشکر کے لئے راستہ اور راستے کی منزلیں خود مقرر فرما دی تھیں اور روزانہ ہدایت بھیجتے رہتے تھے اور لشکرِ اسلام کی خبریں منگواتے رہتے تھے۔

جب سعدؓ بن ابی وقاص بزدرور کے مقام سے کوچ کرنے کے بعد ایک ایسے مقام کی طرف روانہ ہوئے جس کا نام سیراف تھا تو راستے میں قبیلہ بنو اسد کے تین ہزار جوان جو فاروقِ اعظمؓ کے حکم نامہ کے مطابق سرِ راہ منتظر تھے وہ بھی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

جب آپؓ اپنے لشکر کے ساتھ سیراف کے مقام پر پہنچے تو یہاں اشعث بن قیس فاروقِ اعظمؓ کے حکم کے مطابق اپنے قبیلے کے دو ہزار مجاہدوں کو لے کر حاضر ہوئے اور وہ بھی حضرت سعدؓ کے لشکر میں شامل ہوئے۔

اس جگہ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کے بھائی معنی بن حارثہ شعبانی حضرت سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تمام ضروری ہدایات جو حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ نے وفات کے وقت لشکر اور دشمن کی جنگ کے متعلق بیان کی تھیں، وہ تفصیل کے ساتھ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے کہہ دی۔

اس جگہ آٹھ ہزار کا وہ لشکر بھی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے آن ملا تھا جو اس سے پہلے حضرت مثنیٰؓ کے تحت کام کرتا رہا تھا۔

سیراف کے ہی مقام پر جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو لشکر کی کل تعداد بیس تیس ہزار کے درمیان پہنچ گئی تھی جس میں تین سو صحابی ایسے تھے جو بیعت رضوان میں موجود تھے اور ستر صحابی ایسے تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی سیراف ہی کے مقام میں قیام کئے ہوئے تھے کہ فاروقِ اعظمؓ کا ایک فرمان ان کے نام پہنچا۔ اس فرمان میں فاروقِ اعظمؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”قادسیہ کی طرف بڑھو اور قادسیہ پہنچ کر اپنے مورچے ایسے مقام پر قائم کرو کہ تمہارے آگے فارس کی سرزمین ہو اور تمہارے پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح نصیب کی تو جس قدر چاہو بڑھتے چلے جاؤ۔ لیکن خدانخواستہ معاملہ برعکس ہوا تو پہاڑ پر آ کر ٹھہر جانا اور پھر خوب چوکس ہو کر حملہ کرنا۔“

چنانچہ فاروقِ اعظمؓ کی انہی ہدایات پر عمل کرنے کے لئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے سیراف کے مقام سے کوچ کیا اور زہیرؓ بن عبداللہؓ بن قتادہ کو مقدمتہ الجیش کا، عبداللہؓ بن المعتصم کو میمنہ کا، شرجیلؓ بن السمط کندی کو میسرہ کا، عاصمؓ بن عمرو تمیمی کو ساقہ کا سردار مقرر کیا۔ اسی لشکر میں حضرت سلمانؓ فارسی سامانِ رسد کے نگران تھے۔ عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ باہلی قاضی اور خزانچی تھے۔ ہلالؓ ہجری مترجم اور زیادؓ بن ابی سفیان کاتب تھے۔ یوں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کو لے کر سیراف سے روانہ ہوئے اور قادسیہ کا رخ کیا۔

راستے میں ایک ایسے مقام پر جس کا نام غدیب تھا وہاں آپ کو خبر ہوئی کہ ایرانیوں کا وہاں ایک لشکر ہے اور اس جگہ ان کے ہتھیاروں کے ذخائر بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے غدیب ہی کے مقام کو پہلے نشانہ بنایا۔ وہاں جس قدر ایرانی تھے

ان کا خاتمہ کر دیا۔ وہاں جس قدر سامان تھا اس پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ کی طرف روانہ ہوئے۔

قادسیہ پہنچ کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ یوں آپ لگاتار دو ماہ تک وہاں انتظار کرتے رہے۔ آپؓ کسی اور جگہ جا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ فاروقِ اعظمؓ نے آپ کو قادسیہ میں جا کر قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ انتظار کے اس زمانے میں مسلمانوں کو جب سامانِ رسد کی ضرورت ہوتی تو ایرانی علاقوں پر مختلف دستے چھاپے مارتے اور ضروریات کا سامان حاصل کر لیا کرتے تھے۔

ایران کے دارالحکومت مدائن میں یہ خبریں پہنچنا شروع ہوئیں کہ قادسیہ میں عربوں کے لشکریوں کا اجتماع ہو رہا ہے اور فرات وغیرہ کا درمیانی علاقہ عربوں نے لوٹ کر ویران کر دیا ہے۔ لہٰذا قادسیہ کے متصلہ علاقوں کے لوگ مدائن پہنچے، دربار میں شاکی بن کر حاضر ہوئے اور ایران کے بادشاہ یزدگرد سے التجا کی کہ عربوں کے ان حملوں کا کوئی تدارک ہونا چاہئے ورنہ ہم سب مجبوراً عربوں کی فرمانبرداری اختیار کریں گے۔

دربارِ ایران میں سارے سالاروں میں رستم ہی عقل مند اور تجربہ کار سالار خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی رائے آخر تک یہی رہی تھی کہ عربوں کو ان کے حال پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، جنگ و پیکار کے مواقع کو ٹال دیا جائے۔

لیکن ایران کا بادشاہ یزدگرد ان خبروں کو سن کر غضب ناک اور سیخ پا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً رستم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ تم خود ایک جرار لشکر لے کر قادسیہ کی طرف روانہ ہو اور ان عربوں کے روز روز کے جھگڑے کو پورے طور پر ہی ختم کر دو۔

رستم چاہتا تھا کہ یکے بعد دیگرے دوسرے سالاروں کو روانہ کرے اور مسلسل طور پر لڑائی کے سلسلے کو جاری رکھے۔ لیکن یزدگرد کے اصرار پر مجبوراً رستم کو خود مدائن سے روانہ ہونا پڑا۔

چنانچہ مجبوراً رستم لشکر لے کر مدئن سے روانہ ہوا اور ساباط کے مقام پر جا کر اس نے پڑاؤ کیا۔ وہاں قیام کے دوران اس نے اپنی مملکت کے ہر حصے کی طرف قاصد بھجوا دیئے اور ہر جگہ سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے ایرانی جنگجو طلب کر لئے تھے۔ اس طلب کے جواب میں ملک کے ہر حصے سے بڑے بڑے سورما، بڑے بڑے تیغ زن گروہ در گروہ آ کر رستم کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ رستم

کے پاس ساباط کے مقام پر لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر ہو گیا تھا۔

یہ لشکر ہر طرح سامانِ حرب سے مسلح اور لڑائی کے جوش و شوق میں ڈوبا ہوا تھا۔

دوسری طرف عرب مخبر بھی پوری طرح متحرک تھے اور انہوں نے ایرانیوں کی اس صورتِ حال سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مطلع کر دیا چنانچہ حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں اور نقل و حرکت کے حالات قاصد کے ذریعے بھیجے۔ جواب میں فاروقِ اعظمؓ نے قاصد کے ذریعے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا۔

”تم ایرانیوں کی کثرت، عساکر اور ساز و سامان کی فراوانی کو دیکھ کر مطلق خائف اور فکر مند نہ ہو بلکہ خداوند قدوس پر بھروسہ رکھو۔ اللہ ہی سے مدد طلب کرتے رہو اور قبل از جنگ چند آدمیوں کی ایک سفارت ایران کے شہنشاہ یزدگرد کے پاس بھیجو تاکہ وہ دربارِ ایران میں جا کر دعوتِ اسلام کے فرض سے سبکدوش ہوں اور شاہِ فارس دعوت اسلام کو قبول نہ کرے تو اس کے انکار کا وبال بھی اسی پر پڑے۔

اس حکم کے پہنچنے پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے لشکرِ اسلام سے سمجھ دار، خوش گفتار، دلیر، بہادر اور ذی حوصلہ افراد کو منتخب کر کے قادسیہ سے مدائن کی طرف روانہ کیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جن لوگوں کو سفیر بنا کر ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی طرف روانہ کیا، ان میں نعمانؓ بن قیس بن زارا، اشعثؓ بن قیس، فراستؓ بن دحبان، عاصمؓ بن عمرو، عمروؓ بن سعدی، مغیرہؓ بن شعبہ، معنیؓ بن حارثہ، عطاردؓ بن حاجب، بشیرؓ بن ابی رہم، حنظلہؓ بن ربیع، عدلؓ بن سہیل شامل تھے۔ یہ تمام لوگ اپنے عربی گھوڑوں پر سوار راستے میں رستم کے لشکر کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے اور وہاں ایران کے شہنشاہ یزدگرد سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

چنانچہ ایران کے شہنشاہ کو عربوں کی اس سفارت کی آمد کی اطلاع دی گئی تو ان سفیروں کی آمد کا سن کر یزدگرد نے پہلے اپنے دربار کو خوب آراستہ کیا، اس کے بعد مسلمان سفیروں کو اس نے اپنے دربار میں طلب کیا۔

جب یہ اسلامی سفیر دربار میں اپنی سادہ سپاہیانہ وضع کے ساتھ داخل ہوئے تو تمام درباران کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شروع میں یزدگرد نے ان سے معمولی سوالات کئے اور ان سے جواب پا کر دریافت کیا۔

"تم لوگوں کو ہمارے مقابلے میں جرأت کیسے ہوگئی کہ ہم سے ٹکراؤ، ہم پر حملہ آور ہو۔ اور تم کس طرح اس بات کو بھول گئے کہ تمہاری قوم تمام دنیا میں ذلیل اور احمق قوم سمجھی جاتی ہے؟ تم اس بات کو بھی بھول گئے کہ جب کبھی تم لوگوں سے کوئی سرکشی یا بغاوت دیکھی جاتی تھی تو ہم اپنی سرحدوں کے عاملوں اور صوبے داروں کو حکم دیا کرتے تھے کہ تم کو سیدھا کر دیں۔ چنانچہ وہ تم کو ٹھیک کر دیا کرتے تھے۔

یزدگرد کے ان الفاظ میں نعمان بن مقرن نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"میرے عزیز اور محترم ساتھیو! اگر تم میں سے کوئی یزدگرد کی ان باتوں کا جواب دینا چاہے تو دے ورنہ مجھے اجازت دو کہ میں بولوں۔"

چنانچہ جب سارے ساتھیوں نے نعمان بن مقرن ہی سے کہا کہ وہ ہی یزدگرد کے سوالوں کا جواب دیں تب نعمان بن مقرن ایران کے شہنشاہ یزدگرد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"اے بادشاہ! ہم دنیا سے بت پرستی اور شرک مٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور تمام دنیا کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں کہ اسلام ہی کے ذریعے انسان سعادتِ انسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اس کو چاہئے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی حفاظت اور سرپرستی کے سپرد کر دے اور جزیہ ادا کرے۔ لیکن اگر وہ اسلام اور ادائے جزیہ دونوں باتوں سے انکار کرتا ہے تو اس کے اور ہمارے درمیان پھر تلوار ہی فیصلہ کرتی ہے۔"

یزدگرد، نعمان بن مقرن کی اس گفتگو کو سن کر برافروختہ ہوا۔ لیکن ضبط کر کے بولا۔

"تم لوگ محض وحشی ہو۔ تمہاری تعداد بھی کم ہے۔ تم ہمارے ملک کے کسی حصے کی طمع نہ کرو........ ہم تم پر اس قدر احسان کرتے ہیں کہ تم کو کھانے کے لئے غلہ اور پہننے کے لئے کپڑا دے دیں اور تمہارے اوپر ایسا حاکم مقرر کر دیں جو تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔"

ایران کے شہنشاہ یزدگرد کے یہ الفاظ سن کر اس بار حضرت قیس بن زارا اُٹھے اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے شہنشاہِ ایران یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"ایران کے بادشاہ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو تمہارے سامنے موجود ہیں، رؤساء اور شرفائے عرب ہیں۔ اور شرفائے عرب ایسی لغو باتوں کا جواب دینے سے شرم کرتے

ہیں۔ میں تمہاری باتوں کا جواب دیتا ہوں اور یہ سب میری باتوں کی تصدیق کرتے جائیں گے۔

سنو بادشاہ! تم نے جو عربوں کی حالت اور اہلِ عرب کی کیفیت بیان کی، درحقیقت ہم اس سے بھی کہیں زیادہ خراب اور ناقص حالت میں تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل اور احسان کیا کہ ہماری ہدایت کے لئے نبیؐ بھیجا جس نے ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی، حق اور صداقت کے دشمنوں کو مغلوب اور ذلیل کیا اور دنیا میں فتوحات حاصل ہونے کا ہم کو وعدہ دیا۔ بس تمہارے لئے اب مناسب یہی ہے کہ تم ہم کو جزیہ دینا منظور کرو یا اسلام قبول کر لو۔ ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان پھر تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔"

حضرت قیس بن زارا کی یہ ساری گفتگو سن کر ایران کا شہنشاہ یزدگرد آپے سے باہر ہو گیا۔ انتہائی غضب ناکی اور غصے میں اسلامی سفراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر سفیروں کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم کو ضرور قتل کر دیتا۔"

پھر اپنے چند خاص آدمیوں کو اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر لاؤ اور جو شخص ان میں سردار ہے اس کے سر پر رکھ دو اور اسی حالت میں ان کو مدائن سے باہر نکال دو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد یزدگرد رکا، دوبارہ مسلمان سفیروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ بھی سن رکھو، ہمارا سالارِ اعلیٰ رستم بہت جلد تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"

اتنے میں یزدگرد کے آدمی مٹی کی ایک ٹوکری لے کر آ گئے۔ اس موقع پر حضرت عاصمؓ نے فوراً اٹھ کر وہ ٹوکری اپنے کاندھے پر اٹھا لی اور کہا۔

"میں اس وفد کا سردار ہوں۔ مٹی کی یہ ٹوکری مجھے ہی دے دو۔"

چنانچہ مٹی کی ٹوکری ایرانیوں سے حضرت عاصمؓ نے لے لی۔ اس طرح سارے مسلمان سفیر ایران کے شہنشاہ یزدگرد کے دربار میں سے نکلے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر مٹی کی وہ ٹوکری لئے ہوئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچے اور کہا۔

"ملک ایران کی فتح مبارک ہو۔ خدائے تعالیٰ نے ان کے ملک کی مٹی ہمیں عطا کی ہے۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص یہ الفاظ سن کر بے حد خوش ہوئے۔

مشہور مؤرخ علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

یہ مسلمان سفیر یزدگرد کے دربار سے نکل گئے تو یزدگرد کے حاضرینِ دربار اور امراء عربوں کے سفیروں کی گفتگو اور مٹی کی ٹوکری اٹھا کر خوشی اور مسرت سے روانہ ہونے پر نہایت فکرمند اور پریشان ہوئے۔ اس موقع پر یزدگرد نے اپنے امراء اور سالاروں کو مخاطب کر کے کہا۔

”میں نے عرب میں ان لوگوں سے زیادہ کسی کو احمق نہیں دیکھا۔ ان کو یہ کیسی عجیب خوش فہمی ہے کہ انہیں کل روئے زمین پر قبضہ مل جائے گا اور ان لوگوں میں سے ان کے سردار نے مٹی کی ٹوکری اپنے کندھے پر رکھ لی۔ اس پر ایک درباری نے یزدگرد کو مخاطب کر کے کہا۔

”یہ لوگ بڑے عالی خیال اور ذی عقل ہیں۔ ان لوگوں نے اس مٹی سے اپنے لئے حسن فال، ہمارے لئے بدفالی لی ہے۔“

یہ الفاظ سن کر یزدگرد خاموش رہا۔ کوئی جواب نہ دیا۔

جن دنوں مسلمان سفیر یزدگرد کے دربار میں گئے ہوئے تھے، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی بے کار نہیں بیٹھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کے لئے خوراک کے ذخائر جمع کرنے شروع کر دیئے تھے۔ بقول علامہ ابنِ کثیر سب سے پہلے فراض شہر کو ہدف بنایا گیا۔ سوادؓ بن مالک تمیمی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا اور وہ فراض پر شب کے وقت چھاپہ مار کر تین سو جانور گرفتار کر کے لائے جن میں خچر، گدھے، بکریاں، گائے اور بیل شامل تھے۔ صبح کے وقت سوادؓ بن مالک ان مویشیوں کو لئے اسلامی لشکر گاہ میں آئے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان جانوروں کو اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے دو اور مہمیں روانہ کیں۔

ان دو میں سے پہلی مہم بنی تغلب اور بنی نمیر کی طرف روانہ کی گئیں۔ جو مسلمان لشکری ان کی طرف گئے تھے ان پر حملہ آور ہوئے اور بنو تغلب اور نمیر کے اونٹ اور ان کے آدمیوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان جانوروں کو بھی ذبح کر کے اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد عمرؓ بن الحرث کو مقرر کیا گیا جو نہرین پر شب خون مارنے کے لئے نکلے اور بہت سے مویشی پکڑ کر لائے۔ اس طرح مسلمانوں کے پاس خوراک کا خاصا ذخیرہ ہو گیا تھا۔ تاریخ کے اوراق میں مسلمانوں کے اس سے پہلے شب خون کو جو فراض پر مارا گیا تھا، بوم کا نام دیا گیا اور بعد والے شب خون کو یوم الحتان کہہ کر پکارا گیا۔

ساباط کے مقام پر ایران کے سپہ سالار رستم کو مزید لشکر مل گئے۔ اس طرح اس کے لشکر کی تعداد پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے ساباط سے کوچ کیا۔ اس حالت میں کہ ساٹھ ہزار کا ایک لشکر خاص رستم کے زیرِ کمان تھا۔ رستم نے اپنے مقدمۃ الجیش کا سردار جالینوس کو بنایا تھا اور اس کے تحت بھی چالیس ہزار کا ایک عظیم لشکر تھا۔ میمنہ پر تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہرمزان کو کماندار مقرر کیا گیا تھا اور میسرہ پر تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مہران بن بہرام کو سالار مقرر کر دیا گیا تھا۔ جبکہ ساقہ میں بیس ہزار لشکری رکھے گئے تھے۔ اس طرح ایرانی لشکر کی تعداد اب ایک لاکھ اسی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک سو جنگی ہاتھی رستم نے قلب میں اپنے ساتھ رکھے۔ پچھتر ہاتھی میمنہ میں اور پچھتر ہاتھی میسرہ میں رکھے گئے تھے۔ جبکہ بیس ہاتھی مقدمۃ الجیش میں اور تیس ہاتھی لشکر کے اس حصہ میں رکھے گئے تھے جس کا نام ساقہ رکھا گیا تھا۔

اس ترتیب اور سامان کے ساتھ رستم ساباط کے مقام سے روانہ ہو کر کوتا کے مقام پر پہنچا اور وہاں خیمہ زن ہوا۔

اس مقام پر قیام کے دوران چار ایرانی مخبر ایک عرب کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ مسلمانوں کے لئے مخبری کرنے والا تھا۔ اس عرب کو جب ایرانی مخبروں نے پکڑ کر رستم کے سامنے پیش کیا تو رستم نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

”تم یہاں کس ضرورت کے تحت آئے ہو؟ اور کیا ڈھونڈتے ہو؟“

عرب بڑا دلیر، جرأت مند اور بڑا شجاع تھا، بے دھڑک رستم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہم اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو تمہارے ملک اور تمہارے نوجوانوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ اگر تم ایمان نہ لائے........“

رستم نے اس عرب کی بات کاٹ دی۔ اسے مخاطب کر کے کہا۔

”اگر تم اس جستجو میں قتل ہو گئے تو؟“

عرب پھر چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

''جو شخص اس تلاش میں مارا جائے گا، جنت میں جائے گا۔ اور جو بچ جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔''

اس بار رستم نے طنزیہ انداز میں عرب کو مخاطب کیا۔

''پھر تم کو اس سے کیا حاصل ہوگا؟''

عرب پھر جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہم نہ سہی، ہمارے اور بھائی سہی۔ اللہ کا دین تو چلے گا۔ ہم کو اس کا یقین محکم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔''

''تم اس قلیل تعداد کے ساتھ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہو؟'' رستم نے پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے طنزاً پوچھا تھا۔

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟ جو کرے گا اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ تمہاری بداعمالیاں تم کو نیست و نابود کر دیں گی اور تم ہمارے زیرِ نگیں آ جاؤ گے۔'' اس عرب نے بھی رستم کی طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دھڑک جواب دیا تھا۔

''تُو ہمارے غضب سے نہیں ڈرتا۔ ہمارے پاس اس وقت دیکھو کس قدر بڑا لشکر ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔'' رستم نے پھر چھاتی تانتے ہوئے کہا تھا۔

عرب پھر پہلے جیسے لہجے میں بول پڑا تھا۔

''تم ان لشکریوں پر کیا ناز کرتے ہو؟ یہ سب قضا و قدر ہیں جو تمہیں گھیر کر لائے ہیں اور تمہیں یہ جانبر نہ ہونے دیں گے۔''

اس عرب کا یہ جواب سن کر رستم غضب ناک، برافروختہ ہوگیا اور جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ اس عرب کی گردن مار دی جائے۔ چنانچہ اس عرب کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد رستم نے اپنے لشکر کے ساتھ کوتا کے مقام سے حیرہ شہر کی طرف کوچ کیا تھا۔

جس وقت رستم اپنے لشکر کے ساتھ حیرہ کی طرف کوچ کر رہا تھا تو راستے میں اس کے لشکریوں نے رعایا کو لوٹنا، ان کی عورتوں کو بے عزت کرنا، شراب پی کر بدمستی کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب اس کی اطلاع رستم کو ہوئی تو اس نے اپنے لشکریوں کو سخت تنبیہہ کی۔ بعض کو سزائے موت بھی دی اور اپنے ہم نشینوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''قسم ہے یزدان کی۔ اس عرب نے جو کہا تھا، سچ ہی کہا تھا۔ اور بے شک جو وبال ہم پر آئے گا ہماری بداعمالیوں سے آئے گا۔''

چنانچہ اس حالت میں رستم حیرہ پہنچا اور وہاں اس نے پڑاؤ کر لیا۔ وہاں پہنچ کر رستم نے اہلِ حیرہ کو سمجھایا۔ مسلمانوں کے خلاف ابھارا اور وہاں کے لوگوں کو کسی قدر تنبیہہ بھی کی۔ بلکہ انہیں ملامت بھی کی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرتے، انہیں مار نہیں بھگاتے۔

رستم کے ان الفاظ کے جواب میں حیرہ کا ایک شخص ابنِ بقیلہ اٹھا اور بے خوف ہو کر رستم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا خوب۔ تم خود مسلمانوں کی مدافعت نہیں کر سکتے اور ہم کو مدافعت کرنے پر ملامت کرتے ہو۔''

رستم چونکہ اس وقت حیرہ میں قیام کئے ہوئے تھا لٰہذا حیرہ کے اس شخص کا یہ جواب سن کر وہ کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکا اور شرمندہ سا ہو کر خاموش رہا۔

رستم ایک روز حیرہ شہر کے نواح میں اپنے لشکر کے پڑاؤ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس موقع پر اس کے بڑے سالاروں میں سے جالینوس، ہرمزان، مہران بن بہرام اور کچھ دیگر چھوٹے بڑے سالار موجود تھے۔ یہاں تک کہ کچھ ایرانی مخبر اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آئے، رستم اور اس کے سالاروں کے پاس آ کر اپنے گھوڑوں سے اترے پھر ان میں سے ایک انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رستم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مسلمانوں کو نقصان اور زک پہنچانے کے لئے ہمیں ایک انتہائی اچھا اور بروقت موقع مل رہا ہے۔ مسلمانوں کا ایک لشکر اپنے لئے رسد کا سامان جمع کرنے کے لئے سواد کے علاقے کی طرف نکلا ہے۔ اگر........''

یہاں تک کہتے کہتے اس مخبر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے رستم مسکراتے ہوئے بول پڑا تھا۔

''اس سے آگے شاید تم یہ کہنا چاہو گے کہ اگر ہم ان پر حملہ آور ہوں تو ان کا کام تمام کر کے مسلمانوں میں بددلی پھیلا سکتے ہیں۔''

مخبر نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب رستم نے اپنے سالار جالینوس کی طرف

دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کچھ دستے مقرر کرو جو ان مخبروں کے ساتھ جائیں۔ اور جو مسلمان سواد کے علاقے میں اپنے لئے رسد جمع کرنے میں مصروف ہیں ان پر حملہ آور ہو کر ان کا کام تمام کر دیں۔''

دوسری طرف قدرت بھی مسلمانوں کی راہنمائی کر رہی تھی۔ چنانچہ کچھ مسلمان مخبروں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو خبر کر دی کہ ان کے وہ دستے جو رسد جمع کرنے گئے ہیں، رستم نے ان پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنے لشکر کا ایک حصہ روانہ کر دیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے عاصمؓ بن عمرو کی سرکردگی میں چند مزید دستے مقرر کئے اور انہیں فی الفور اپنے ان دستوں کی مدد کے لئے روانہ کیا جو سواد کے علاقے کی طرف رسد جمع کرنے کے لئے گئے تھے۔ جو دستے عاصمؓ بن عمرو کی سرکردگی میں روانہ کئے گئے تھے ان میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ بھی شامل ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کے وہ چند دستے جس وقت اپنے لشکر کے لئے سامان رسد کا اہتمام کر رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے ایک ایرانی لشکر نمودار ہوا۔ اس لشکر کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے وہ دستے چونکے تھے اور جان گئے تھے کہ آنے والے ایرانی تھے۔ لہٰذا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ تیار اور مستعد ہو گئے تھے۔

چنانچہ ایرانیوں نے قریب آتے ہی خوفناک آوازیں نکالتے ہوئے ان مسلمان دستوں پر اندھیری راتوں میں غمگین سماں باندھتے، فنا کے گھاٹ اتارتے طوفانوں، خون کے چھینٹے اُڑاتے سمندر کے غضیلے رقص، سینوں کے اعماق میں منزلوں کو موہوم کرتی ہیبت ناک دل آشوبی، بے یقینی کی دھند اور سرگرم ستیزہ کاری کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ایرانی بے حد خوش اور مطمئن تھے۔ اس لئے کہ ان کے مقابلے میں رسد کا سامان کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بالکل تھوڑی تھی اور ایرانی یہ خیال کر رہے تھے کہ وہ بہت جلد ان کا خاتمہ کر کے جو سامان انہوں نے جمع کیا ہے، اس پر قبضہ کر لیں گے۔ ساتھ ہی ایرانی یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اگر وہ ان مسلمانوں کو ختم اور قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس سے مسلمانوں پر ایرانیوں کا خوف اور دبدبہ طاری ہو جائے گا اور

آنے والے دور میں حملہ آور عرب پہلے کی طرح بے خوف ہو کر ایرانیوں سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کریں گے۔

لیکن ایرانیوں نے ابھی چند ہی حملے کئے تھے کہ ان کی ساعتیں بھاری ہونے لگیں۔ ان کے ذہنوں پر خوف، ان کے شعور میں ہیبت ناکی اور ان کے مشام جان میں اندوہناکیاں رقص کرنے لگی تھیں اس لئے کہ عین اسی لمحے فضاؤں کے اندر ذات کے بھاری کواڑوں پر دستک دیتے بے صدا بگولوں اور وقت کے کالے بھاگتے لمحوں میں انگڑائیاں لیتے آتشی سیل کی طرح تکبیریں سنائی دی تھیں۔ ان تکبیروں کو سن کر ایرانی لرز کانپ گئے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے عاصمؓ بن عمرو جنہیں سعدؓ بن ابی وقاص نے رسد جمع کرنے والے اپنے دستوں کی حفاظت کے لئے بھیجا تھا، وہ اپنے دستوں کے ساتھ نمودار ہوئے اور آتے ہی ایرانیوں کی پشت پر بساط وقت میں کائنات کی دل کی دھڑکنوں کو تیز کرتے طوفانوں، دلوں کے کواڑوں پر خوف کی دستک دیتے لہولہو کرتے بے تعبیر خوابوں، ہر گلی کو لق دق صحرا، ہر کوچہ کو ہجر کی اندھی کالی راتوں، ہر بازار کو خونی وادیوں حتیٰ کہ ارتقاء کے سارے کناروں، آگہی کے سارے نشانوں کو سرابوں کے فریب میں تبدیل کر دینے والی حلقہ در حلقہ اترتی کامرانیوں، قرن ہا قرن کی وحشت ناکی اور آب جو اور ساگر تک کو پیاسا کر دینے والے قضا شناس مجاہدوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ایرانی اب عجیب اذیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ سامنے کی طرف سے مسلمانوں کے وہ دستے ضرب لگا رہے تھے اور موت کا سماں باندھ رہے تھے جو رسد جمع کرنے کے لئے آئے تھے۔ پشت کی جانب سے عاصمؓ بن عمرو اپنے دستوں کے ساتھ ان کے لئے قضا کا بھاری بوجھ ثابت ہو رہے تھے۔

یہاں تک کہ اکثر ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بہت کم کو بھاگنے کا موقع ملا اور کچھ کو قید کر لیا گیا۔

جس وقت عاصمؓ بن عمرو اپنے زخمی ہونے والوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے اور عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ بھی ان کے قریب ہی کھڑے تھے کہ گرفتار ہونے والے اور اسیر بنائے جانے والے ایرانیوں میں سے ایک قیدی جو عام قیدیوں میں کھڑا تھا، بھاگ کھڑا ہوا۔

اُس کی اس حرکت پر کچھ مسلمان لشکری اس کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگے۔ یہاں تک کہ ایک لشکری نے اسے للکارتے ہوئے کہا۔

''اگر تُو نے مزید بھاگنے کی کوشش کی تو میں تیری پشت پر ایسا نیزہ ماروں گا جو تجھے چھید کر رکھ دے گا۔ لہٰذا رک جا۔''

وہ ایرانی بھاگتا ہوا عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے سامنے جا رکا پھر عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا آپ نے مجھے پہچانا؟''

اس کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے یہاں تک کہ عتبہ بن ہشام کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا نام نیانوس ہے اور تم کبھی قصرِ شیریں میں محافظ ہوا کرتے تھے۔''

اس قیدی کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگا۔

''میری بدبختی کہ میں اس ایرانی لشکر میں شامل تھا جو آپ کے دستوں پر حملہ آور ہوا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں نصرانی ہوں۔ چونکہ مجھے اس لشکر میں شامل کر دیا گیا تھا لہٰذا میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اب جبکہ مجھے قیدی بنا لیا گیا ہے تو اگر آپ لوگ مجھے کہیں فروخت کرنا چاہتے ہیں تو بے شک کر دیں۔ میں مزاحمت نہیں کروں گا۔ میں چونکہ نصرانی ہوں، عرب کے صحرا میں آنے والے رسول (ﷺ) سے متعلق پہلے سے بہت سی پیش گوئیاں پڑھ چکا ہوں اور جانتا ہوں۔ میری آپ لوگوں سے صرف یہ گزارش ہے کہ پہلے مجھے دائرہ اسلام میں داخل کیجئے، اس کے بعد جہاں چاہے مجھے قیدی اور غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیجئے گا۔''

وہ شخص جس کا نام عتبہ بن ہشام نے نیانوس لیا تھا، اس کی گفتگو سے نہ صرف عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ متاثر ہوئے تھے بلکہ عاصمؓ بن عمرو بھی بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ عاصمؓ بن عمرو نے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''پہلے اس شخص کو دائرہ اسلام میں داخل کرو، پھر اس کا فیصلہ کرتے ہیں۔''

عاصمؓ بن عمرو کے ان الفاظ پر جہاں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ خوش ہو گئے تھے، وہاں نیانوس بھی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

پھر نیانوس کو دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ اس کے بعد عاصمؓ بن عمرو، نیانوس کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''سن نیانوس! تُو چونکہ بھاگتا ہوا عتبہ بن ہشام کے پاس آیا تھا اور عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو چونکہ تُو پہلے سے جانتا ہے لہٰذا میں تیری قسمت کا فیصلہ بھی انہی کے ہاتھ میں چھوڑتا ہوں۔''

عاصمؓ بن عمرو کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ عتبہ بن ہشام نے نیانوس کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''نیانوس! اب تم غلام، قیدی یا اسیر نہیں رہے۔ تم چونکہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہو لہٰذا ہمارے بھائی ہو اور اب تمہارے حقوق ہمارے جیسے ہیں۔ تم پر کوئی قدغن، کوئی پابندی نہیں ہے۔ اگر تم اسلام قبول کرنے کے بعد کہیں جا کر آباد ہونا چاہتے ہو یا اپنے عزیز و اقارب میں رہنا چاہتے ہو تب بھی تمہیں اس کی اجازت ہے۔ اور اگر تم ایک بھائی کی حیثیت سے ہمارے لشکر میں قیام کرنے کے خواہش مند ہو تب بھی تمہیں اس کی اجازت ہے۔''

عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب نیانوس کہنے لگا۔

''میں مسلمان مخبروں میں شامل ہو جاؤں گا۔ ایرانیوں پر یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ اب میں اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے ایرانیوں کی مخبری اور جاسوسی کروں گا۔''

نیانوس کے ان الفاظ پر سب خوش ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک لشکر نے مزید وہاں قیام کیا اس کے بعد جس قدر رسد کا سامان جمع کیا گیا تھا، اسے سمیٹتے ہوئے عاصمؓ بن عمرو اپنے سارے ساتھیوں کو لے کر واپس قادسیہ کی طرف چلے گئے تھے۔

❀❀❀

جس وقت ایرانیوں کے سپہ سالار رستم بن فرخ زاد نے اپنے لشکر کے ساتھ حیرہ شہر کے نواح میں قیام کیا ہوا تھا، ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے سالاروں میں سے عمروؓ بن معدی کرب اور طلیحہؓ اسدی کو رستم کے لشکر پر نگاہ رکھنے کے لیے مقرر کیا۔ وہ اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اپنے لشکر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر چلے گئے۔ وہاں انہوں نے رستم کے ہراول لشکر کو اِدھر اُدھر سرگرداں دیکھا۔

اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے عمروؓ بن معدی کرب تو اس مقام سے واپس اپنے لشکر میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس چلے گئے جبکہ طلیحہؓ اسدی نے ایک عجیب و غریب کارنامہ سرانجام دیا۔ فوراً انہوں نے لباس تبدیل کر کے پیش قدمی شروع کی اور رستم کے لشکر میں داخل ہو گئے۔

جب رات کا زیادہ حصہ گزر گیا اور رستم کے پورے لشکر پر غفلت کی نیند طاری ہو گئی تب طلیحہؓ اسدی آہستہ آہستہ اس سمت چلے گئے جہاں ایرانی لشکر کے گھوڑے بندے ہوئے تھے۔

طلیحہؓ نے دیکھا کہ وہاں گھوڑوں کے نگہبان غافل اور گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کئی گھوڑوں کو کھولا، پھر ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور ساتھ ہی کئی خیموں کی رسیاں کاٹتے ہوئے گھوڑوں کو اپنے آگے دوڑاتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔

خیموں کی رسیاں کٹنے سے کئی خیمے گرنے اور گھوڑوں کے دوڑنے سے جو شور وغل اٹھا تو بہت سے لوگ جاگ اٹھے اور چند سواروں نے دیکھا کہ ایک سوار ان کے لشکر

کے کئی گھوڑوں کو مارتا پیٹتا ہوا اپنے آگے آگے بھگائے لیے جا رہا ہے۔ یوں انہوں نے طلیحہؓ اسدی کا تعاقب شروع کر دیا۔

جب وہ آپؓ کے پاس پہنچے تو آپ نے پلٹ کر ایک پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ جب دوسرا آگے بڑھا تو طلیحہؓ نے اس کو بھی ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ تیسرے نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور طلیحہؓ نے اس کو بھی ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ تیسرے نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور طلیحہؓ پر نیزہ مارا لیکن طلیحہؓ وار سے بچ گئے۔ البتہ نیزے کی جھونک میں حملہ آور خود جونہی زمین کی طرف جھکا طلیحہؓ نے فوراً تلوار کا وار اس صفائی سے کیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر کے رکھ دیا۔

چوتھا سوار اتنی دیر تک قریب پہنچ کر طلیحہؓ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کھینچنا چاہتا تھا کہ طلیحہؓ نے اس کا ہاتھ اس زور سے پکڑ لیا کہ وہ طلیحہؓ کے ساتھ ساتھ لٹکتا چلا گیا تھا۔ باقی ایرانی لشکریوں نے جو تعاقب کر رہے تھے جب اپنے تین ساتھیوں کو مرتے اور باقی کو سوار کے ساتھ لٹکتے ہوئے دیکھا تب ان پر خوف اور خدشات طاری ہو گئے لہٰذا وہ واپس چلے گئے۔

طلیحہؓ گھوڑوں کو اپنے آگے آگے بھگاتے ہوئے اور جس ایرانی کا انہوں نے ہاتھ پکڑا تھا اسے لے کر اپنے لشکر میں داخل ہوئے اور سیدھے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچے اور جو حالات پیش آئے تھے وہ سارے کے سارے ان کے سامنے بیان کر دیئے۔

چنانچہ جو ایرانی طلیحہؓ پکڑ کر لائے، اس سے بات چیت ہوئی اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس ایرانی نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچ کر اسلام قبول کر لیا اور آنے والے دور میں اس ایرانی نے مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے بڑے نمایاں کام کیے۔ اہلفارس کے حالات اور لڑائی کے طریقے بتائے جس سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو بہت مدد ملی۔ وہ ایرانی اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت طلیحہؓ کی مردانگی سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے زندگی بھر طلیحہؓ کا پھر کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔

بہرحال کچھ عرصہ حیرہ میں گزارنے کے بعد رستم نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا اور قادسیہ کا رخ کیا جہاں اہل فارس اور مسلمانوں میں ایک قیامت خیز لڑائی ہونے والی تھی۔ رستم کو مدائن سے روانہ ہوئے چھ مہینے گزر گئے تھے۔ اس کے دل

پر مسلمانوں کا خوف کچھ اس طرح طاری ہو گیا تھا کہ وہ جنگ سے جی چرا رہا تھا۔ پہلو تہی کر رہا تھا۔ لیکن اپنے بادشاہ یزدگرد کے حکم سے مجبور تھا۔ یزدگرد بار بار اس کی طرف قاصد بھجوا رہا تھا اور بار بار اس کو تاکیداً مسلمانوں سے جلد متصادم ہونے کو لکھ رہا تھا۔ لیکن رستم بڑی بددلی اور آہستگی کے ساتھ قادسیہ کا رخ کر رہا تھا جہاں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ مؤرخین ایرانی سپہ سالار رستم کے اس طرح تاخیر سے قادسیہ کی طرف جانے اور راستے میں جگہ جگہ رکنے اور خوف زدہ ہونے کی دو وجوہات بیان کرتے ہیں۔

پہلی وجہ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ رستم جب مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے مرکزی شہر مدائن سے روانہ ہوا تو ایک شب خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا ہے اور اس فرشتے کے ساتھ حضورﷺ اور فاروق اعظمؓ ہیں۔ اس فرشتے نے اہل فارس کے جنگی ہتھیار چھین لیے اور ان کو مقفل کر کے حضورﷺ کے حوالے کر دیا اور حضورﷺ نے وہ مقفل صندوق فاروقِ اعظمؓ کے حوالے کر دیے۔ چنانچہ یہ خواب دیکھ کر رستم خوف زدہ ہو گیا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے جی چرانے لگا۔

رستم کے جنگ کے لیے تاخیر کرنے اور جنگ سے جی چرانے کی دوسری وجہ مؤرخین یہ بیان کرتے ہیں کہ رستم نے ساباط سے کوچ کرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں کو مسلمانوں کے چڑھ آنے اور یزدگرد کے مقابلے پر بھیجنے کے مفصل واقعات لکھے تھے۔ اس موقع پر اس نے اپنے احوال جاننے کے لیے ہندوان نام کے علم نجوم کے ایک ماہر سے بھی رابطہ قائم کیا۔ چنانچہ ہندوان نے رستم کو مخاطب کر کے پیش گوئی کرتے ہوئے بتایا۔

''سن رستم! پانی کو مچھلی نے گندا کر دیا ہے اور شتر مرغ نے خوبصورتی کا جامہ پہن لیا ہے۔ زہرہ کا نحس جاتا رہا ہے اور میزان اعتدال پر ہے۔ میرے نزدیک قوم عرب تم پر اور تم سے جو ملے ہوئے ممالک ہیں ان پر غالب آ جائے گی۔ لڑنا مصلحت کے خلاف ہے۔ جہاں تک ممکن ہو، طرح دینا بہتر ہے۔''

ہندوان نام کے اس نجومی کے ان خیالات سے بھی رستم بے حد متاثر اور خوف زدہ ہوا تھا لہٰذا وہ مسلمانوں کے مقابلے پر آنے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے سے جی چرانے لگا تھا۔

چنانچہ قادسیہ میں آ کر پڑاؤ کرنے کے بعد رستم نے یہ کوشش شروع کر دی کہ مسلمانوں کے ساتھ سفیروں کے تبادلے کا سلسلہ شروع کر دے اور کوشش کرے کہ جنگ ٹل جائے اور دونوں لشکر اپنے اپنے علاقوں کی طرف پیچھے ہٹ جائیں۔ چنانچہ پہلا سفیر جس سے رستم نے گفتگو کی وہ زہرہؓ نام کے مسلمان تھے۔ جب رستم اور زہرہؓ کے درمیان گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو رستم نے زہرہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم ہمارے پڑوسی ہو۔ اس لیے ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتے اور تمہاری حفاظت بھی کرتے رہے ہیں۔''

اس پر زہرہؓ نے تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رستم سے پوچھا۔

''ان الفاظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''

''تم کو یاد ہو گا کہ ہمارے یہاں سے تم لوگوں کے لیے وظائف مقرر تھے۔ تم جب ہمارے یہاں آتے تھے تو تم کو ہم انعام و اکرام دیتے تھے۔ اب بھی اگر تم کو اس کی ضرورت ہو تو ہم تم لوگوں کو خاطر خواہ انعام دیں گے۔'' رستم نے پُرامید انداز میں زہرہؓ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں زہرہؓ نے گھورنے کے انداز میں رستم کی طرف دیکھا پھر کہنے لگے۔

''ہماری یہ غرض ہرگز نہیں۔ ہم تو اپنی آخرت بنانے کے لیے آئے ہیں اور درحقیقت تم جیسا کہتے ہو ہم ایسے ہی تھے۔ لیکن اللہ نے ہم میں اپنا نبی (ﷺ) بھیجا جس نے ہم کو دینِ حق کی طرف بلایا۔ جسے ہم نے قبول کر لیا۔ انہوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے جو شخص اس دین کو قبول نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ ہم کو مسلط کر دے گا اور ہمارے ذریعے سے وہ اس سرکشی اور بے دینی کا بدلہ لے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہم کو غلبہ اور فتح دے گا۔''

زہرہؓ کے یہ الفاظ سن کر رستم پر مزید مایوسی چھا گئی۔ چنانچہ ہم کر کے پھر زہرہؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم لوگ اب بھی اقلیت میں ہو..... میرے اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کیسے کر پاؤ گے؟''

زہرہ کی چھاتی تن گئی۔ کہنے لگے۔

''یہ خیال غلط ہے۔ ہم اپنے دینِ حق کی برکت سے تم پر یقیناً غالب آ جائیں گے

اور جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہے گا تمہارے مقابلے سے منہ نہ موڑے گا۔''

''وہ کون سا دین ہے جس کو تم حق کہتے ہو؟'' رستم نے زہرہؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

جواب میں اسی کے انداز میں زہرہؓ کہنے لگے۔

''ہمارا ایک کلمہ شہادت ہے۔ اس کو زبان سے کہنا، دل سے اس پر اعتقاد رکھنا یہی دین ہے۔''

رستم نے کسی قدر دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو عقائد ہیں اور عملاً کیا کرنا ہوتا ہے؟''

زہرہؓ پھر بڑے غور سے رستم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''شرک اور بت پرستی کا عالم سے دور کرنا اور لوگوں کو مخلوق کی عبادت سے بچا کر اللہ کی طرف بلانا۔ مخلوق ہونے کی حیثیت سے ہم تم سب برابر ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں بشرطیکہ ہمارا اور تمہارا دین ایک ہو۔ ورنہ بھائی ہونے کی بجائے تمہارے جانی دشمن ہیں۔''

''اگر ہم تمہاری دعوت قبول کر لیں اور تمہارے دین میں داخل ہو جائیں تو کیا تم بغیر جنگ و جدل لوٹ جاؤ گے؟'' رستم نے انتہائی بے بسی اور کرب کی حالت میں زہرہؓ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

جواب میں زہرہؓ خوش کن لہجے میں بول اٹھے تھے۔

''واللہ! ہم بلا جنگ واپس چلے جائیں گے۔''

زہرہؓ کو رخصت کرنے کے بعد رستم نے اپنے سارے سالاروں اور سرکردہ لوگوں کو جمع کیا اور زہرہؓ نام کے جس مسلمان سے گفتگو ہوئی تھی اس گفتگو کا ذکر کیا۔

ایرانی لشکر کے سردار اور سالار رستم کی تقریر سن کر اور اس کا رجحان مسلمانوں کی طرف دیکھ کر برافروختہ ہو گئے۔ ترش رو اور چیں بجبیں ہو کر اٹھ کر چلے گئے۔ یوں رستم کی وہ مجلس درہم برہم ہو گئی۔

اس کے بعد رستم نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف قاصد بھجوایا کہ تم ہمارے ہاں کسی سفیر کو بھیج دو جس سے ہم مصالحت کی گفتگو کریں۔

چنانچہ رستم کی اس پیشکش کے جواب میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ربیعؓ بن عامر کو رستم کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ ربیعؓ بن عامر سے ملاقات کرنے سے پہلے رستم نے اپنے لیے پُرتکلف سونے کا تخت اور اس کے چاروں طرف دور دور تک دیبا و حریر کا فرش بچھوایا۔ اس فرش پر رومن قالینوں کو بچھوا کر تکیوں کو رکھ دیا جس کے غلاف زربفت کے اور جھالر موتیوں کے تھے۔ وجیہہ اور خوبصورت امراء اپنے گرد و پیش حسب مراتب بٹھانے کے بعد ربیعؓ بن عامر کو ملاقات کے لیے بلایا۔

چنانچہ اس کے بلاوے پر ربیعؓ بن عامر رستم کے اس شامیانہ نما خیمے میں داخل ہوئے۔ اس وقت ربیعؓ بن عامر پرانی پھٹی ہوئی نیام میں تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے۔ گھوڑے پر سوار اور ایک ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے تھے۔ چنانچہ رستم کے بچھائے ہوئے فرش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندتے ہوئے قالین کے فرش تک پہنچے۔ گھوڑے سے اتر کر ایک قالین میں نیزہ مارا۔ نیزہ جب اس قالین میں گڑ گیا اور وہاں گڑھا بن گیا تو اس گڑھے میں اپنے گھوڑے کی لگام کو پھنسایا، پھر نیزے کی نوک سے فرش کو پامال کرتے ہوئے رستم کی طرف بڑھے۔

ربیعؓ بن عامر آگے بڑھ کر رستم کے برابر تخت پر بیٹھنے کا قصد کر رہے تھے لیکن اس موقع پر وہاں کھڑے ایرانیوں نے آپؓ کو روکا۔ اس پر ربیعؓ نے ان ایرانیوں کو جو وہاں رستم کے محافظ کے طور پر کھڑے تھے مخاطب کر کے کہا۔

''میں تمہارے بلانے سے آیا ہوں۔ جہاں میں بیٹھنا چاہتا ہوں بیٹھنے دو۔ ورنہ چلا جاؤں گا۔ مجھ کو تمہارے پاس آنے کی کوئی غرض نہ تھی۔ ہمارے مذہب میں اس کی سخت ممانعت ہے کہ ایک شخص معبود ہو کر بیٹھے اور باقی انسان بندی ہو کر ایک طرف کھڑے رہیں یا بیٹھے رہیں۔''

اس پر رستم نے وہاں جمع ایرانیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان کے فعل اور حرکت پر معترض نہ ہو۔ لیکن ربیعؓ بن عامر خود کچھ سوچ کر اس تخت سے اتر آئے اور ایک قالین کو نیزے سے پھاڑ کر زمین پر بیٹھ گئے اور ننگی زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رستم کو مخاطب کر کے کہا۔

''اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا یہ فرش ہمارے لیے کافی ہے۔''

چنانچہ رستم نے ربیعؓ بن عامر کو مخاطب کر کے دریافت کیا۔

"تم کس وجہ سے یہاں آئے ہو؟"

ربیعؓ جواب میں کہنے لگے۔

"اللہ جل شانہٗ نے ہم کو دنیا میں اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم اس پر بسنے والے بندوں کو دنیا کی تنگی سے وسعت اور آخرت کی ہمہ گیری کی طرف متوجہ کریں اور باطل کے ظلم سے بچا کر عدلِ اسلام کی جانب لائیں۔ ہم اس کے دین کو خلق کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پس جو شخص اس کو قبول کرے گا ہم اس پر اور اس کے ملک پر معترض نہ ہوں گے۔ لیکن جو شخص اسلام سے انکار کرے گا اس سے ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ ہم جنت میں نہ پہنچ جائیں یا فتح مند نہ ہو جائیں۔"

رستم ربیعؓ بن عامر کے ان الفاظ سے بڑا متاثر ہوا۔ کچھ سوچا، دوبارہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیا تم ہم کو مہلت دے سکتے ہو؟ اور کیا اس کام کو چند دن کے لیے ملتوی کر سکتے ہو تا کہ ہم تمہارے خیالات پر غور کریں؟"

"ہاں...... ایک دن یا دو دن کی مہلت دے سکتے ہیں۔" ربیعؓ نے غور سے رستم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"نہیں...... اتنی مہلت دو کہ ہم اپنے رؤسا ملک اور اراکینِ دولت سے اس معاملے میں خط و کتابت کر سکیں۔" رستم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا...... ہمارے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کو تین دن سے زیادہ مہلت نہ دیا کریں اور تین دن غور کر کے یا تو اسلام قبول کر لو تا کہ ہم تک کو اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں یا پھر جزیہ دینا قبول کر لو۔ پس ہم اس کو قبول کر لیں گے، تم پر معترض نہ ہوں گے اور جب کبھی تم کو ہماری ضرورت ہو گی، ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ لیکن اگر ان دونوں امور میں سے کسی ایک کو قبول نہ کرو گے تو چوتھے روز ہم تم سے لڑیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم تم کو زیر کر لیں گے اور یہی ہمارا اور ہمارے ساتھیوں کا قول و قرار ہے۔" رستم کی طرف دیکھتے ہوئے ربیعؓ نے جواب دیا تھا۔

رستم نے پھر کچھ سوچا اور ربیع بن عامر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیا تم مسلمانوں کے سردار ہو؟"

"نہیں...... لیکن سارے مسلمان ایک جسم کی مثل ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص خواہ وہ ادنیٰ ہو، اعلیٰ کی طرف سے اجازت دے سکتا ہے۔ ہم میں اعلیٰ اور ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہیں۔ ادنیٰ اعلیٰ کی طرف سے اجازت دے سکتا ہے۔" بڑے غور سے رستم کی طرف دیکھتے ہوئے ربیعؓ بن عمرو نے کہا تھا۔

رستم اور اس کے سالار اور امراء ربیعؓ کی اس تقریر سے دنگ رہ گئے۔ ایک سکتے کی حالت میں تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ بعد ازاں رستم نے ربیعؓ کی تلوار دیکھ کر کہا۔

"اس کی نیام بہت بوسیدہ ہے۔ غالباً تلوار بھی ایسی ہی ہو گی۔"

ربیعؓ نے اس موقع پر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کر لی پھر رستم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

"تلوار کی نیام بوسیدہ ضرور ہے لیکن میں نے اسے سان پر ابھی رکھوایا ہے اور یہ خوب کاٹنے والی ہے۔"

رستم نے اس بار ربیعؓ بن عامر کا نیزہ اٹھا لیا اور اس کا پھل دیکھ کر طنزاً کہنے لگا۔

"تمہارے اس نیزے کا پھل بہت چھوٹا ہے۔ لڑائی میں کیا کام دیتا ہو گا؟"

ربیعؓ نے بے پرواہی میں جواب دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"پھل اس کا چھوٹا ضرور ہے لیکن سیدھے سینے میں اتر جاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آگ کی ایک چھوٹی سی چنگاری ایک شہر کو جلا دینے کو کافی ہوتی ہے۔"

کچھ دیر ربیعؓ بن عامر اور رستم میں اسی قسم کی نوک جھونک ہوتی رہی۔ پھر ربیعؓ بن عامر بڑی بے تکلفی سے اٹھ کر نیزے کو ٹیکتے ہوئے گھوڑے کے پاس آئے اور سوار ہو کر رستم کے ہاں سے نکل کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے۔

ربیعؓ بن عامر کے جانے کے بعد رستم نے اپنی مجلس کے اراکین اور سارے سالاروں کو جمع کر کے کہا۔

"تم لوگوں نے دیکھا کس بے باکی سے وہ عرب باتیں کر رہا تھا۔"

رستم کے سالاروں میں سے ایک نے کہا۔

"وہ بہت بدتہذیب، وحشی، غیر تربیت یافتہ تھا۔ اس کی پوشاک ایسی تھی جیسے اونٹ کا جھول پہنے ہوئے ہو۔ تمام پالینوں کو اس نے خراب کر ڈالا۔"

وہ سالار جب خاموش ہوا تب رستم کا دوسرا سالار بول اٹھا۔

''حد یہ کہ اس نے ایک قالین کو پھاڑ کر گھوڑے کی راس اس میں باندھی تھی۔''

تیسرا بولا اور کہنے لگا۔ ''یہ کیا لڑیں گے؟ تلوار کی نیام تک تو درست نہیں۔ نیزے میں صرف دو انگلی کا پھل ہے۔ اس سرے سے اُسرے تک صرف ایک بانس کی بدشکل لکڑی ہے۔''

رستم کو ان لوگوں کی یہ باتیں پسند نہ آئیں۔ جھلا کر بولا۔

''تم لوگ صورت اور شکل کی طرف دیکھتے ہو۔ تمہاری عقل پر پردے پڑے ہیں۔ اس کی رائے اور گفتگو کو دیکھو۔ اس کے خیالات پر غور کرو۔ کس قدر دور رس اور بے باکی سے اس نے باتیں کی تھیں۔''

رستم مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا اسی بنا پر تاخیر سے کام لے رہا تھا۔ چنانچہ دوسرے روز اس نے پھر سفیر کے طور پر ربیعؓ کو بلوا بھیجا لیکن جواب میں حضرت سعدؓ نے ربیع بن عامر کی بجائے حذیفہؓ بن محسن کو سفیر کے طور پر روانہ کیا۔ چنانچہ حذیفہؓ بن محسن بھی اسی طور طریقے سے رستم کے پاس گئے جس طرح ربیعؓ گئے تھے۔ لیکن یہ اپنے گھوڑے سے نہ اترے تھے۔ فرش روندتے ہوئے رستم کے قریب پہنچے اور اسی انداز سے گفتگو اور کلام کیا جیسا کہ ربیع نے کیا تھا۔

رستم نے دریافت کیا۔ ''کیا سبب ہے کہ آج تم بھیجے گئے ہو۔ کل والے صاحب نہیں آئے۔''

حذیفہؓ نے جواب دیا۔ ''ہمارا سالار گرم اور نرم آدمیوں کو بھیج کر عدل کرتا ہے۔ کل ان کی باری تھی۔ آج میری باری ہے۔''

رستم نے اس بار حذیفہؓ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''ہم کو جنگ کے لیے کتنے دنوں کی مہلت دے سکتے ہو۔''

حذیفہؓ نے کہا۔ ''آج سے تین دن کی۔''

رستم یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ چنانچہ حذیفہؓ نے اپنے گھوڑے کی بھاگ اٹھائی اور رستم کے پاس سے نکل کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے۔

رستم کو حضرت حذیفہؓ کی تیزی اور حاضر جوابی نے تعجب میں ڈال دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس غور و فکر میں رہا کہ عرب سے لڑنے کی بابت کیا کرنا چاہیے۔ رستم پریشان اور فکرمند تھا کیونکہ یزدگرد کی طرف سے لگاتار احکامات آ رہے تھے کہ جلد عربوں کے

خلاف جنگ کی طرح ڈال کر انہیں شکست دو اور انہیں مار بھگاؤ۔ جبکہ رستم کے لیے دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ جان گیا تھا کہ مسلمان بغیر لڑے یا جزیہ لیے واپس نہ جائیں گے۔

جب اس کے دل و ماغ نے کچھ فیصلہ نہ دکیا تو اپنے اراکین لشکر سے مخاطب ہو کر کہا۔

''یہ لڑائی نہایت خطرناک ہے۔ مسلمانوں میں سے ہر شخص اپنی جان دینے کے لیے تیار ہے۔ بہتر ہو گا کہ ان کا دین قبول کر لیا جائے یا جزیہ دینا منظور کیا جائے۔''

رستم کے ان الفاظ کے جواب میں ایرانی امراء اور سالار باری باری بولتے ہوئے کہنے لگے۔

''توبہ توبہ...... ان احمقوں کا دین اس قابل ہے کہ ہم لوگ قبول کریں؟ اب ان کی یہ شان ہے کہ ہم ان کو خراج دیں جن کو ہم بدترین مخلوق سمجھتے ہیں۔ آپ مطلق پریشان نہ ہوں۔ پہلی ہی جنگ میں ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب چیونٹی کی موت کے دن آتے ہیں تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔''

اپنے امراء کی یہ تقریر سن کر رستم خاموش ہو گیا۔ اپنے امراء کے یہ جہالت آمیز فقرے اور جملے اسے پسند نہ آئے تھے۔

اگلے روز اس نے اپنا ایک قاصد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف روانہ کیا تاکہ صلح کی گفتگو شروع کی جائے۔ اس مرتبہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مغیرہؓ بن شعبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا۔

مغیرہؓ بن شعبہ گئے اور کمال دلیری سے رستم کے تخت پر چڑھ کر اس کے برابر بیٹھ گئے۔ حاضرین نے ان کو تخت سے اتار دیا۔

مغیرہ نے کہا۔ ''واللہ! ہم نے تم سے نادان قوم دنیا میں نہیں دیکھی۔ ہم لوگ عرب ہیں، ایک دوسرے کی عبادت نہیں کرتے۔ تم لوگ عجیب احمق ہو کہ ایک کو تم لوگوں نے معبود بنا کر تخت پر بٹھا دیا ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگوں میں بعض معبود اور بعض بندے ہوتے ہیں، تم نے مجھے بلوایا، میں تمہارے بلانے پر آیا۔ تم نے میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ تم نے مجھے تخت سے اتار دیا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ ضرور مغلوب ہو گے۔ واللہ! کوئی بادشاہ اس نخوت پر بادشاہی نہیں کر سکتا اور نہ ایسی قوم کبھی

سر سبز ہو سکتی ہے جو اپنے بادشاہ کو خدا بنائے۔''

مغیرہؓ بن شعبہ کی اس تقریر کو سن کر چھوٹی حیثیت اور کم مرتبہ والے حاضرین نے دل ہی دل میں تصدیق کی لیکن امراء اور رؤسا نے حقارت کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''یزدان اس کو موت دے جو ہماری تحقیر کرتا ہے۔''

اس گفتگو کے بعد رستم نے فارس اور اہلِ فارس کی عظمت، اپنے بادشاہ یزدگرد کی سطوت حکومت اور اہل عرب کی تنگی معیشت، ناداری اور نیم وحشی ہونے پر ایک طویل تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ مفلوک الحال تھے۔ قحط کے دنوں میں ہم سے مدد چاہتے تھے۔ ہم تم کو کھجوریں اور جو دیتے۔ تمہارے امیروں کو کپڑے، خچر، زرو مال دیتے تھے اور تم میں سے جو جس قدر اٹھا کر لے جا سکتا تھا اس کو اسی قدر کھجوریں اور غلہ لے جانے کی اجازت دی۔ اس وجہ سے ہماری غیرت اور حمیت تمہارے قتل پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اب تک جو ہوا سو ہوا۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم لوگ لوٹ جاؤ۔ ہم تم کو اور تمہارے امیر کو مویشی، غلہ، کپڑے، نقدی سب کچھ دینے کے لیے تیار ہیں۔''

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے انہوں نے اللہ کی تعریف اور حضورﷺ کا ذکر کیا پھر رستم، اس کے سالاروں اور امراء کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

''تم نے جو کچھ عرب کی تنگی معیشت، فاقہ مستی اور تنگ دستی کا حال بیان کیا وہ سب صحیح اور درست ہے۔ ہم کو یہ سب معلوم ہے۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔ دنیا کا دستور یہی ہے کہ آج تنگی ہے تو کل فراخی۔ آج اگر عشرت ہے تو کل عسرت ہو گی۔ اگر تم لوگ اس کا شکر ادا کرتے جو تم کو حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو جاتا بلکہ تمہارا یہ لشکر اس سے کم ہوتا جو تم کو حاصل ہے۔

لیکن چونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس لیے کفرانِ نعمت اور ناشکری کا وبال تم پر نازل ہو گا۔ بے شک اللہ نے ہم میں اپنے نبی کو بھیجا جس نے ہم کو راہِ راست کی ہدایت کی۔ کفار اور مشرکین اور بت پرستوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔

تم کو اختیار ہے کہ چاہے اسلام قبول کر لو تو ہم تم کو اپنا بھائی بنا لیں گے اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں گے۔ یا جزیہ دینا اختیار کر لو اور اگر

دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو لڑو۔'' اس کے بعد کچھ سوچ کر کہا۔

''بات یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں نے تمہارے یہاں کے کھانوں کا مزہ چکھ لیا ہے۔ اب ان کو تمہارا ملک لیے بغیر صبر نہیں آئے گا۔''

رستم نے یہ تقریر سن کر بے پناہ غصے کا اظہار کیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے الفاظ سن کر اس سے ضبط نہ ہو سکا، بے تاب ہو کر بولا۔

''اگر تم اسی جستجو اور خیال میں مارے جاؤ پھر؟''

جواب میں مغیرہؓ بن شعبہ نے ہنس کر کہا۔

''جو شخص ہم میں سے مارا جائے گا، جنت میں داخل ہو گا اور جو لوگ ہم میں سے باقی رہ جائیں گے وہ فتح یاب اور غالب ہوں گے۔''

رستم نے اس جواب سے پھر غصے اور غضب ناکی کا اظہار کیا، طیش میں آ گیا اور قسم کھا کر کہنے لگا۔

''اب میں ہرگز ہرگز صلح نہ کروں گا جب تک تم سب کو قتل نہ کر لوں گا۔''

رستم کا یہ جواب سن کر مغیرہؓ بن شعبہ واپس چلے گئے تھے۔

اس کے بعد رستم نے اہلِ فارس کو جمع کر کے صلح کی بابت مشورہ کیا اور جنگ کے انجام سے ڈرایا۔ لیکن اہلِ فارس نے باالاتفاق رائے لڑائی کو پسند کیا اور اسی رائے پر مصر ہوئے۔

اس صورتحال کے بعد حضرت مغیرہؓ بن شعبہ واپس اپنے لشکر کی طرف چلے گئے تھے۔ اس کے دوسرے دن اتمام حجت کے لیے حضرت سعدؓ نے ایک شخص کو دعوتِ اسلام کے لیے رستم کے پاس بھیجا۔ جب اس مسلمان کو رستم کے سامنے پیش کیا گیا تب رستم کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی جرأت مندی میں مسلمانوں کا وہ سفیر کہنے لگا۔

''تم نے حسب عادتِ پہلے عربوں پر اپنے احسانات جتائے پھر ان کو مال و زر دینے کا اقرار اور وعدہ کیا۔ جانتے ہو مسلمان ایسا معاملہ نہیں کرتے۔ چنانچہ اپنے جس قاصد کو اتمام حجت کے لیے سعدؓ بن ابی وقاص نے رستم کے پاس بھیجا تھا وہ بھی اپنے لشکر کی طرف لوٹ گیا۔ اس قاصد کے ناکام واپس جانے پر طرفین سے اعلانِ جنگ ہو گیا۔ رستم نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کہلا بھیجا۔

''تم ہماری طرف آؤ گے یا ہم دریا کو عبور کر کے تم پر حملہ آور ہوں؟''

حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔ ''تم ہماری طرف آ جاؤ۔''

رستم کو یہ جواب شام کے وقت ملا۔ اس نے پل کی طرف رخ کیا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے اس خطرے کو پہلے تاڑ لیا تھا اس لیے چند آدمیوں کو پہلے ہی پل کی حفاظت پر متعین کر دیا تھا۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو اس سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے رستم کو یہ پیغام بھیجا۔

''تم پل کی طرف رخ نہ کرو۔ ہم نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم اس کو خالی نہیں کریں گے۔''

رستم یہ سن کر عتیق کے مقام پر ٹھہر گیا۔ صبح ہونے تک بانس، مٹی وغیرہ کافی مقدار میں جمع کر کے پل تعمیر کرنا شروع کیا۔ دوپہرے سے پہلے ہی پل تیار ہو گیا۔ رستم معہ لشکر دریا کو عبور کر کے دریا کی دوسری سمت گیا۔ رستم تختِ زریں پر بیٹھا اور لشکر کی تربیت میں مصروف ہوا۔

جنگی ہاتھیوں میں سے نصف کو قلب یعنی وسطی حصے میں رکھا۔ ان ہاتھیوں میں وہ سفید ہاتھی بھی تھا جو سارے ہاتھیوں کا سردار تسلیم کیا جاتا تھا۔ دوسرے نصف میں سے آدھا میمنہ میں اور دوسرا آدھا میسرہ میں رکھا گیا تھا۔

رستم نے اپنے سالاروں میں سے جالینوس، فیروزان اور دوسرے سالاروں کو لشکر کے مختلف حصوں کا کمانڈر مقرر کیا۔ مدائن سے قادسیہ تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس نے خبر رسانی کی غرض سے ڈاک کا بندوبست کر دیا تھا تاکہ قادسیہ میں رستم پر جو واقعات گزریں یا جو کچھ وہ کرے اس کی اطلاع فوراً بآسانی یزدگرد کو ہو جائے۔

سفیروں کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی ناکامی کے بعد لاچار اور مجبور ہو کر رستم نے اپنے لشکر کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی جبکہ رستم کے لشکر کی تعداد پونے دو لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور وہ ہر طرح مسلمانوں کے لشکر کی نسبت بہتر سامانِ حرب سے مسلح تھا۔

اس پر مسلمانوں کے لیے دشواری یہ اٹھی کہ انہی دنوں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پھوڑے پھنسیوں کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ساتھ ہی عرق النساء کے درد کی بھی آپؓ کو شکایت ہو گئی۔ لہٰذا نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے۔ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے لشکر کے سرے پر ایک پرانے زمانے کی بنی ہوئی پختہ عمارت کھڑی تھی۔

چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اس عمارت کی چھت پر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ کر اپنی جگہ اپنے لشکر کا سالار حضرت خالدؓ بن عرفطہ کو تجویز کیا۔ لیکن لڑائی کے نقشے اور میدانِ جنگ کے اہم تغیر اور تبدیل کو حضرت سعدؓ نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ برابر حضرت خالدؓ بن عرفطہ کے پاس ہدایات روانہ کرتے رہے۔

ایرانی لشکر کی تیاریوں کی خبر سن کر مسلمان بھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''مجاہدو! اپنے اپنے مورچے اور مقامات پر پہاڑ کی طرح جمے رہنا اور جب متحرک ہو تو دریا کے پُرجوش سیلاب کی طرح یلغار کرنا۔ میں نمازِ ظہر کے بعد پہلی تکبیر کہوں گا تو تم لوگ بھی تکبیر کہنا اور لشکر کی صفوں کو درست کر کے مستعد ہو جانا۔ جب دوسری تکبیر سنو تو تم بھی تکبیر کہنا اور مسلح ہو کر نوک دار نیزوں کو دشمن کے سینوں میں پیوست کرنے کے لیے سامنے کر لینا اور شمشیر بکف ہو جانا۔ پھر جب تیسری تکبیر کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچے تو اپنے اپنے لشکر کو مناسب موقع پر لے جا کر لڑائی پر تل جانا۔ چوتھی تکبیر کو سنتے ہی دفعتہً تکبیریں کہتے ہوئے دین کے دشمنوں کی صفوں میں گھس جانا اور لاحول ولاقوۃ کہہ کر دست بدست لڑنے لگنا۔''

چنانچہ اپنے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق باری باری حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جب تین بار تکبیریں بلند کیں تو ان تکبیروں کے جواب میں جب پورے لشکر نے تکبیریں بلند کیں تو اردگرد کے کوہ و دمن تکبیروں کی آوازوں سے گونج اٹھے تھے۔ ابھی آپ نے چوتھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ ایرانی لشکر سے ایک سورما انفرادی جنگ کے لیے نکلا۔ اس کا نام ہرمز تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ اپنے سر پر سونے کا تاج پہنے ہوئے تھا۔ فارس کے مشہور امراء میں سے تھا۔ اس نے مسلمانوں کے لشکر کی طرف منہ کر کے انفرادی مقابلوں کے لیے اپنا مدمقابل طلب کیا۔

اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی لشکر سے حضرت غالبؓ بن عبداللہ اسدی نکلے۔ اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ جونہی وہ قریب گئے، ہرمز نے چاہا ان پر ایک جان لیوا حملہ کر کے اپنے سامنے زیر کر لے لیکن غالبؓ بن عبداللہ نے ہرمز کی کسی ترکیب کو چلنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ ہرمز کو اپنے سامنے بے بس

کر کے حضرت غالبؓ بن عبداللہ اسدی نے ہرمز کو گرفتار کر لیا اور اسے قیدی بنا کر اپنے لشکر میں لے آئے۔

اس انفرادی مقابلے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے حضرت عاصمؓ انفرادی مقابلے کے لیے نکلے۔ ایرانی چونکہ انفرادی مقابلے کی ابتداء کر چکے تھے لہٰذا مسلمان بھی اسے اہمیت دے رہے تھے۔ جب عاصمؓ انفرادی مقابلے کے لیے نکلے تو رستم کے لشکر سے ایک سوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا حضرت عاصمؓ کے پاس آیا۔ حضرت عاصمؓ نے اس ایرانی سورما پر اپنے نیزے کا وار کیا۔ اس نے ان کے نیزے کو اپنی ڈھال پر روک لیا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے حضرت عاصمؓ نے دوسرے ہاتھ سے تلوار کھینچ کر حملہ کیا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے وہ ایرانی سورما خوفزدہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگا۔ حضرت عاصمؓ نے تعاقب کیا اور ایرانی لشکر کی اگلی صفوں کے قریب جا کر اسے پکڑ لیا اور اسے گرفتار کر لیا۔

اس طرح مسلمانوں نے دو انفرادی مقابلے جیت لیے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایرانی لشکر سے ایک اور سورما نکلا۔ اس کے پاس چاندی کا گرز تھا۔ جڑاؤ تاج اپنے سر پر رکھے ہوئے تھا۔ گھوڑوں کو کلیلیں کرواتا ہوا نکلا اور انفرادی مقابلے کے لیے مسلمانوں کی طرف منہ کر کے اپنا مدمقابل مانگا۔ چنانچہ مسلمانوں کے لشکر سے عمروؓ بن معدی کرب مقابلے کے لیے نکلے۔

اس ایرانی نے ابن معدی کرب پر اپنا گرز چلایا اور انہوں نے اس ایرانی کے وار کو خالی دے کر اس کی کمر میں ڈال کر اٹھا لیا اور اسے گھوڑے سے اچک کر اپنے گھوڑے پر آگے بٹھا لیا۔ اس طرح اسے گرفتار کر لیا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے رستم نے انفرادی مقابلوں کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ اس لیے کہ جو بھی ایرانی سورما انفرادی مقابلے کے لیے اترتا، عربوں کے سالار اس پر غالب آتے چلے گئے تھے اور مغلوبیت کی وجہ سے ایرانیوں کے اندر بددلی پھیل گئی تھی۔ جبکہ مسلمانوں کے جوش و جذبے میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ اپنی فتح مندی پر تکبیریں بلند کرنے لگے تھے۔

ایرانیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی پوری قوت سے مسلمانوں کے ساتھ ٹکرائیں گے۔ لہٰذا مسلمانوں نے بھی اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلمانوں کے سالاروں میں سے

حضرت عمروؓ بن معدی کرب، حضرت عاصمؓ بن عمرو، حضرت ربیعؓ، حضرت سعدؓ کے حکم کے مطابق تمام لشکر اسلام میں گشت لگا کر لوگوں کو جہاد اور جنگ پر آمادہ کرنے لگے۔ اس موقع پر لشکر کے اندر جو شعراء تھے انہوں نے رجز خوانی شروع کی۔ قاریوں نے سورۂ انفال کی تلاوت سے تمام لشکر میں ایک جوش اور ہیجانی کیفیت برپا کر کے رکھ دی تھی۔

اس جنگ سے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ مؤرخین کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دوسری عورتوں کی طرح اس جنگ میں عرب کی ایک شاعرہ بھی لشکر میں شامل تھی جس کا نام خنسا تھا اور اس کے چار بیٹے تھے۔ چاروں کے چاروں لشکر میں شامل تھے۔ پس اس موقع پر اس نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''عزیز بیٹو! تم اپنے ملک پر بھاری نہ تھے۔ نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم نے اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لا کر فارس کے آگے ڈال دیا۔ اللہ کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد ہو، جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو، میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی اور نہ تمہارے ماموں کو فضیحت جانا۔ آگے بڑھو اور آخر تک ایرانیوں سے جنگ کرو۔''

یہ سنتے ہی اس کے بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب اس کے چاروں بیٹے نظروں سے اوجھل ہو گئے تو عرب کی شاعرہ خنسا نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔

''اے اللہ! میرے بیٹوں کی حفاظت کرنا۔''

عرب کی یہ شاعرہ جس کا نام خنسا تھا، مرثیہ گوئی میں بہت بڑا کمال رکھتی تھی۔ عرب میں جو عکاظ نام کا بازار لگتا تھا اس میں موجود ہوا کرتی تھی اور اس کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا۔ ''مرثی العرب'' یعنی تمام عرب سے اچھی مرثیہ گو۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے رستم نے جنگ کی ابتداء کی۔ سب سے پہلے اس نے اپنے ہاتھیوں کی صف کو مسلمانوں کی طرف ریلے کی صورت میں آگے بڑھایا۔ مسلمانوں کی طرف سے جن لوگوں نے سب سے پہلے ان ایرانیوں کا سامنا کیا ان کا تعلق عربوں کے قبیلے بنی اسد سے تھا۔ بنی اسد کے جنگجو مجاہدوں نے بڑے شاندار انداز میں ایرانیوں کے ان ہاتھیوں کو روکا۔ لیکن اس نام کے قبیلے کا خاصا بڑا نقصان ہوا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے میدان جنگ کا یہ رنگ دیکھا تو بنی اسد کے لوگوں کو للکارا اور قبیلہ کندہ کو کمک کے لیے حکم دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں چنانچہ بنو اسد کے لوگ شاہینوں کی طرح ایرانی ہاتھیوں کی طرف لپکے اور دادِ شجاعت دینے لگے۔ لیکن جب ان کو بھی ہاتھیوں نے نقصان پہنچانا شروع کیا تو حضرت سعدؓ نے قبیلہ کندہ کے لوگوں کو پکارا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی پکار پر بنو کندہ نے آگے بڑھ کر اس شان سے حملہ کیا کہ ہاتھیوں کو انہوں نے روک دیا۔ جو ایرانی ہاتھیوں کی آڑ میں آگے بڑھتے چلے آ رہے تھے، انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر بنو کندہ کے ایک سردار اشعث بن قیس نے جب دیکھا کہ بنو اسد کے لوگ بڑی جانثاری، بڑی جرأت مندی کے ساتھ ہاتھیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اے گروہ کندہ! کیا ناموری اور مردانگی کا سہرہ بنو اسد کے سر پر باندھا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے۔ کیا مردانگی دکھا رہے ہیں۔ دیکھو اس وقت عرب کی ہر قوم اپنے مورچے سے حرکت کر چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ تم نے اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی۔

کہتے ہیں اشعث بن قیس کے یہ الفاظ ادا کرنے تھے کہ بنو کندہ آگ اور آہن کا طوفان بن کر آگے بڑھے اور نا صرف ایرانی ہاتھیوں بلکہ خود ایرانیوں پر بھی جان لیوا ضربیں لگانے لگے تھے۔

اب مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑ گیا تھا اس موقع پر زور دار انداز میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے چوتھی تکبیر کہی تھی۔ چوتھی تکبیر کے جواب میں پورے لشکر نے جب تکبیریں بلند کیں تو پورا میدان گونج اٹھا تھا۔ اس گونج نے ایرانیوں کے دلوں اور ان کے جوش کو ماند و منجمد کر کے رکھ دیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے رستم نے پھر اپنے لشکر کو سنبھالا دیا۔ ہاتھیوں کو ایک بار پھر اس نے آگے بڑھایا، جنگی ہاتھیوں نے مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کیا۔ اس موقع پر مصیبت یہ اٹھ کھڑی ہوئی کہ مسلمان سواروں کے گھوڑے ہاتھیوں کی صورت میں ان کالے کالے پہاڑوں کو دیکھ کر بدک کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے عاصمؓ بن عمرو کو صورتِ حال سنبھالنے کے

لیے حکم دیا۔ چنانچہ حضرت عاصمؓ بن عمرو حضرت سعدؓ کے حکم پر تیر اندازوں کو ہاتھیوں اور ان کے سواروں پر تیر اندازی کا حکم دینے لگے۔ خود عاصمؓ بن عمرو نے بھی نیزہ لے کر ہاتھیوں پر حملہ کر دیا اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی نیزے سنبھالے اور ہاتھیوں کی سونڈوں پر حملہ شروع کر دیئے۔ تیر اندازوں نے زور دار انداز میں ہاتھیوں پر تیر اندازی کی جس کی وجہ سے ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے رستم کے تیر اندازوں کو تیر چلانے کا موقع پر نہ ملا۔ ان میں سے اکثر منہ کے بل زمین پر گر گئے۔ اس طرح رستم کی طرف سے ہاتھیوں کا یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ اس روز شام تک لڑائی جاری رہی۔ بالآخر رات نے اپنا سیاہ دامن پھیلا دیا۔ دن کی روشنی جاتی رہی چنانچہ فریقین نے اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کو نیام میں کر کے میدان جنگ سے اپنی لشکر گاہ کا رخ کیا۔ اس روز کی لڑائی کا نام یوم ریمات رکھا گیا تھا اور یہ لڑائی ہجری چودہ محرم کے مہینے میں لڑی گئی تھی۔

اگلے روز کا سورج جب طلوع ہوا تب مسلمانوں کے لیے ارضِ شام کی طرف سے ایک خوشخبری آئی۔ فاروق اعظمؓ کے حکم سے شام کے محاذ سے لشکر کا ایک حصہ ایرانی محاذ پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی مدد کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس لشکر کا مقدمہ الجیش جس کی کمانداری حضرت قعقاعؓ بن عمرو کر رہے تھے وہ لڑائی کے دوسرے دن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچ گیا اور ساتھ ہی حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے حضرت سعد بن ابی وقاص پر یہ بھی انکشاف کیا کہ وہ صرف مقدمہ الجیش لے کر آئے ہیں اور شام سے جس لشکر کو ایران کے محاذ پر منتقل کیا گیا ہے اس لشکر کا باقی حصہ ان کے پیچھے پیچھے قادسیہ کا رخ کیے ہوئے ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ہوئی، اب انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ ہولناک انداز میں ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

اگلے دن صبح نماز فجر کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے سب سے پہلے گزشتہ دن کے شہداء کو قادسیہ کے مشرق کی جانب دفن کرایا۔ گزشتہ دن شہداء کی تعداد پانچ سو تھی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کا سامان رات ہی کو کر دیا گیا تھا۔ شہداء کی تدفین سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر نے اپنی صفیں درست کیں اس لیے کہ ایرانی بھی میدان میں آ کر اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔

اگلے روز پھر انفرادی مقابلوں کی ابتداء ہوئی سب سے پہلے مسلمانوں کے سالار

حضرت قعقاعؓ بن عمرو میدان میں اترے اور ایرانی لشکر کی طرف منہ کر کے اپنا مدِ مقابل مانگا۔

ایرانیوں کی طرف سے ان کا نامور سپہ سالار حضرت قعقاعؓ بن عمرو کا مقابلہ کرنے کے لیے اترا۔ اس کا نام باہمن جادویہ تھا۔ باہمن جادویہ ایرانیوں کا وہ سالار تھا جس پر ایرانیوں کو بڑا گھمنڈ، بڑا ناز تھا کہ تیغ زنی میں اس کا مقابلہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ باہمن جادویہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو کے ساتھ ٹکرایا۔ باہمن جادویہ کی بدقسمتی کہ وہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو کے سامنے چند لمحے بھی نہ نکال سکا اور آپ نے باہمن جادویہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے ایرانی مزید بددل ہونا شروع تو ہو گئے کیونکہ گزشتہ دن کی لڑائی نے ہی ان پر بددلی قائم کر رکھی تھی۔ ان کے لشکر کی تعداد دو لاکھ کے لگ بھگ تھی جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمان صرف تیس ہزار تھے اور گزشتہ دن شام تک لڑنے کے باوجود وہ مسلمانوں کو ذرا برابر پسپا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تھے اور یہ معاملہ ایرانیوں کے لیے بڑا حیران کن تھا کہ دو لاکھ ایرانی تیس ہزار عربوں پر غالب نہیں آ سکے۔

لہٰذا اگلے روز جب قعقاعؓ بن عمرو کے ہاتوں ان کا نامور سالار باہمن جادویہ بھی ہلاک ہوا تب ایرانیوں کے دلوں میں وسوسات اٹھنے لگے۔ ان وسوسات کو دور کرنے کے لیے رستم نے یہ فیصلہ کیا کہ اب مزید انفرادی مقابلوں کا انعقاد نہیں کیا جائے گا بلکہ اپنے پورے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے مسلمانوں پر ضرب لگا دینی چاہیے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رستم نے اپنے لشکر کو زندگی کی بے کیف جلن میں زخموں کے نگر تلاش کرتی بھٹکتی آوارہ خوفناک گدھوں کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر ایرانی مسلمانوں پر تنہائیوں کے قہر خانوں تک میں لہو کے طوفان اٹھاتی، تلملاتی مضطرب لہروں لب بستر جیسی راتوں میں آوازوں تک کو تحلیل کر دینے والی خاک و خون کی پراسرار اشاریت کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جس وقت رستم نے اپنے لشکر کو حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھایا عین اسی وقت مسلمان سالاروں کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے سنسان اور ژولیدہ ماحول میں دلوں کی دھڑکنوں اور راتوں کی جلن میں زوال پر آمادہ کرتی شکستگی کے انداز میں تکبیریں بلند

کیں، تکبیروں کی ان آوازوں نے گلستانوں کی آغوش، ندی نالوں کے ساحلوں، ساگر کی طغیانیوں، بحر کی گہرائیوں، نمود کی راہ میں حائل ہوئے خودسر جھونکوں، ویرانوں میں جھانکتی سورج کی کرنوں، بے سوز سینوں، آئینوں کے ساگر اور اجالوں کی شمعوں تک میں ایک انقلاب، ایک عجیب اور انوکھا جذبہ بھر کر رکھ دیا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے تکبیروں کی ان آوازوں نے سماوی نعمتوں، خدائی برکتوں اور رموزِ کن کی لہروں کی طرح ہر شے کے اندر فسوں خیزیاں طاری کرنا شروع کر دی ہوں۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے اپنے کام کی ابتدا کی تھی اور اپنی صفوں کی یکجہتی برقرار رکھتے ہوئے مسلمان بت خانوں کی آذریت میں خورشید خیر بن کر ابھرتی ہوئی وحدانیت رواں بادلوں کی سربلندیوں میں گھوم جانے والے سایوں کی طرح ابھرتے خطرناک اور کامرانی کے نقیبوں کی طرح آگے بڑھے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھتے ہوئے ایرانیوں کے سانسوں کی سلوٹ سلوٹ ان کی گردش لہو کی لہر لہر، ان کے نفس کے زیر و بم پر لگتے اندیشے بھرتی رقصاں فضا کی طرح چھانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے تیز حملوں سے ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے نظام شمسی کی انوکھی قہرمانیت بن کر بادلوں اور ہواؤں اور تاریخ کے انقلاب اور تغیر پر قدغن لگانے کا ہنر جان لیا ہو۔ بڑی تیزی سے وہ اس طرح ایرانیوں پر ضرب لگا رہے تھے جیسے وہ سنگ کو آئینوں کے عکس میں تبدیل کر دیں گے۔ دونوں لشکر لاکھوں قرنوں کی مسافتوں کے اندر بھڑکتے الاؤ کی غارت کی طرح بپھر کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ایرانی جو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے۔ انہوں نے شروع سے ہی بھرپور کوشش کی کہ مسلمانوں کو شکست دے کر مار بھگائیں پر وقت کی آنکھ نے دیکھا مسلمانوں کے حملوں میں ضمیر وقت کی توقیر اور کائنات کی روح کی عزت جیسی تازگی شہابوں کی نمی میں سربلندی اور ستاروں کی مناجات میں آسودگی تھی، دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے قادسیہ کے میدان میں زندگی کا خون کر دینے والے آگ اور خون کے پیغام اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وحشت اور بربریت کی پرچھائیاں تقدیر کے بدترین نوشتوں کی دھمکیاں چار سو رقص کرنے لگی تھیں۔ آخری امیدوں میں ڈوبتی خستگی و بے چارگی ہر شے پر اعضاء شکنی پژمردگی اور اضمحلال طاری کرنے لگی تھی۔

ایرانی جو یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمان ان کے سامنے تھوڑی دیر بھی نہ نکال

سکیں گے اب کسی قدر مایوسی کا شکار ہونے لگے تھے۔ اس لیے کہ وہ اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ مسلمان قضا کے کھردرے ہاتھوں کی طرح ان پر ضربین لگا رہے تھے اور ان کے حملوں کی وجہ سے رزم گاہ میں مایوسی کی گھٹائیں حوصلہ شکنی کے غبار اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ افق کے لال گوں دریچوں جیسی جان سوزی اور تباہ کاری اردگرد رقص کرنے لگی تھی۔ مسلمان برابر اپنی یکجہتی برقرار رکھنے کے لیے تکبیریں بلند کر رہے تھے اور ان تکبیروں سے ایرانی لشکر کے اندر بے یقینی کی دھند اور محرومی کے سائے زیادہ گہرے کرنا شروع کر دیئے تھے۔

دو لاکھ کے لشکر پر تیس ہزار مسلمانوں کی یہ یلغار تاریخ کے اوراق کا ایک عجوبہ تھی اس لیے کہ ان کے تیز حملوں نے ایرانیوں کے اندر بددلی، بے یقینی کی کیفیت پیدا کرنی شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں کے حملوں سے ایسے لگتا تھا جیسے انہوں نے قطرے سے قطرے کو ملا کر بحر، ذرے کو ذرے سے ملا کر صحرا میں تبدیل کرنے کا ہنر جان لیا ہو یا یہ کہ انہوں نے کائنات کی نادیدہ طنابیں کھینچ کر زمین کو بساط کی طرح اپنے سامنے سمیٹ لینے کا ہنر جان لیا ہو۔ بڑی تیزی کے ساتھ مسلمانوں نے ایرانیوں کے تعصب اور گھمنڈ کو ذلت و نکہت اور ان کے غرور اور تمرد کو خوف اور وحشت میں تبدیل کر دینا شروع کر دیا تھا۔

کچھ اس روز کی لڑائی میں بھی ایرانیوں نے ہاتھیوں سے کام لے کر مسلمانوں کو پسپا کرنا چاہا۔ ایرانیوں کے ہاتھیوں کے اندر ایک سفید ہاتھی تھا جو ہاتھیوں کا سرکردہ خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت قعقاعؓ اور حضرت عاصمؓ دونوں اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوئے اور فیل سفید جو ہاتھیوں کا سردار شمار کیا جاتا تھا اس پر حملہ آور ہو کر مار ڈالا۔

سفید ہاتھی کے مارے جانے کے بعد وہ ایک دوسرے ہاتھی پر حملہ آور ہوئے تو وہ میدان سے جان بچا کر بھاگا اس کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر دوسرے ہاتھیوں نے بھی تقلید کی اس طرح جنگ کے اس روز ہاتھیوں کا وجود بجائے اس کے مسلمانوں کے لشکر کو نقصان پہنچاتا خود ایرانیوں کے لیے نقصان رساں ثابت ہوا۔

یہ بھی بڑے زور کی لڑائی تھی صبح سے شام تک جاری رہی۔ غروب آفتاب کے بعد تھوڑی دیر کے لیے دونوں لشکر ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور پھر فوراً مستعد ہو کر

ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہو گئے۔

مغرب کے وقت سے شروع ہو کر صبح تک یہ لڑائی جاری رہی۔ تمام رات لڑائی کا شور وغل اور ہنگامہ برپا رہا۔ نہ پوری کیفیت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو معلوم ہو سکتی تھی نہ ہی ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کو۔

غرض یہ رات بھی ایک عجیب رات تھی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رات بھر دعا میں مصروف رہے۔ آدھی رات کے بعد انہوں نے میدان جنگ کے شور وغل میں حضرت قعقاعؓ کی آواز سنی، اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

''سب سمٹ کر ایرانیوں کے قلب پر حملہ کرو اور رستم کو گرفتار کر لو۔''

اس آواز نے نہ صرف حضرت سعدؓ کو تسکین دی بلکہ تمام مسلمانوں میں ازسرنو طاقت پیدا کر دی۔ تمام دن اور تمام رات لڑتے ہوئے لشکری بری طرح تھک کر چور چور ہو گئے تھے مگر اب پھر ہر قبیلہ کے سردار ہر سالار نے اپنے اپنے ساتھیوں کو مقابلے کے لیے انگیخت کیا، بڑے زور شور سے تلواریں چلنے لگیں۔

حضرت قعقاعؓ کی ہم رکابی میں لڑتے ہوئے مسلمان بڑی تیزی سے ایرانی لشکر کے وسطی حصے کی طرف بڑھے تھے۔ اسی حصے میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ بھی شامل تھے۔ رستم نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا ایک حصہ اس کے لشکر کے وسطی حصے میں پہنچ کر اسے ہدف بنانے پر تل گیا ہے تب وہ بڑا فکرمند ہوا اس وقت وہ ایک زریں تخت پر بیٹھا ہوا اپنے لشکر کو لڑا رہا تھا اور لشکر کے دوسرے حصوں کو قاصدوں کے ذریعے احکامات بھی بھجوا رہا تھا۔ مسلمانوں کے لشکر کے اس حصے کے قریب پہنچنے پر رستم خود تخت سے اتر کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا اس موقع پر ایک عجیب تبدیلی رونما ہوئی۔ ہلال بن علقمہ اور عتبہ بن ہشام ان لشکریوں میں شامل تھے جو بڑی تیزی سے رستم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہلال بن علقمہ نے کیونکہ قسم کھا رکھی تھی کہ کبھی موقع ملا تو رستم کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا لہٰذا وہ موت کی پرواہ کیے بغیر بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنے سامنے آنے والے لشکریوں کو کاٹتا ہوا رستم کی طرف بڑھا تھا۔

❁ ❁ ❁

ہلال بن علقمہ آگے بڑھ کر رستم پر حملہ آور ہوا۔ رستم اپنے آپ کو بے مثال تیغ زن اور لاجواب محارب خیال کرتا تھا لیکن ہلال بن علقمہ نے آگے بڑھ کر رستم پر حملہ کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہلال بن علقمہ نے اپنی برچھا نما تلوار کا وار رستم پر کیا جو اس کی کمر پر لگا اور زخمی ہوا۔ زخمی ہو کر رستم بھاگا اور دریا میں کود پڑا۔ ہلال بن علقمہ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ رستم کو اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچا اور دریا سے باہر نکال لیا چنانچہ پانی سے رستم کو نکالنے کے بعد ہلال بن علقمہ نے رستم کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ہلال بن علقمہ بڑی جرأت مندی اور شجاعت کا مظاہرہ کرتا ہوا رستم کے تخت پر کھڑا ہو کر بلند آواز میں پکارنے لگا۔

''خدا کی قسم میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔''

اس آواز کے سنتے ہی مسلمانوں نے زور زور سے تکبیریں بلند کرنا شروع کیں۔ اول تو ان تکبیروں نے ہی ایرانیوں کے ہوش حواس باختہ کر دیئے۔ دوسرے جب ان کے اندر یہ خبر پھیلنے لگی کہ مسلمانوں نے تو ان کے سپہ سالار رستم کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے تب ایرانی میدان سے بھاگے۔

اس جنگ میں ایرانی اپنا وہ جھنڈا بھی لے کر آئے تھے جس کے متعلق ایرانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جنگ کے دوران اگر وہ علم ہو تو ان کی فتح یقینی ہے۔

حضرت ضرارؓ بن خطاب نے آگے بڑھ کر اس ایرانی پر حملہ کیا جس نے وہ علم اٹھایا ہوا تھا۔ اس کا کام تمام کر کے ایرانیوں کے اس جھنڈے پر قبضہ کر لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جھنڈے کے عوض حضرت ضرارؓ بن خطاب کو تیس ہزار دینار ملے۔ حالانکہ وہ دو لاکھ دس ہزار دینار کی مالیت کا تھا۔

اس طرح قادسیہ کے میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے کل چھ ہزار آدمی شہید ہوئے جب ایرانی میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے اور چاروں طرف ان کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں مسلمانوں کے کچھ دستے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔ تعاقب کرنے والوں میں حضرت قعقاعؓ، حضرت شرجیلؓ نمایاں تھے۔ ان دونوں حضرات سے پہلے زہرہؓ بن حیات بھی اپنے حصے کے دستوں کو لے کر بھاگتے ایرانیوں کے پیچھے لگ چکے تھے۔

ایرانیوں کا نامور سپہ سالار جالینوس بھی رستم کے مارے جانے کے بعد بھاگ اٹھا تھا اور مسلمان سالار زہرہؓ بن حیات نے جالینوس کو جا لیا۔ جالینوس اس وقت میدان

جنگ سے بھاگنے والے اپنے لشکریوں کو اپنے گرد جمع کر چکا تھا۔ چنانچہ اپنے دستوں کے ساتھ زہرہؓ بن حیات جالینوس اور اس کے لشکریوں پر حملہ آور ہوئے اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں حضرت زہرہؓ نے جالینوس پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دیا اور اس کے تمام سامان و مال پر قبضہ کر کے حضرت سعدؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جالینوس کا سامان بڑا قیمتی تھا اور اس کے سامان سے متعلق حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے فاروقِ اعظمؓ سے اجازت طلب کی اور فاروق اعظمؓ نے جواب میں نا صرف حضرت زہرہؓ کی تعریف اور ستائش کی بلکہ حکم دیا کہ جالینوس کا سارا قیمتی سامان زہرہؓ کے حوالے کر دیا جائے۔

ایرانیوں کے بھاگ جانے کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ہلال بن علقمہ کو بلایا۔ رستم کو قتل کرنے پر شاباش دی اور ساتھ ہی مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے رستم کا تمام سامان، اور اسلحہ بلال بن علقمہ کو دے دیا تھا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے میدانِ جنگ کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد مال غنیمت جمع کیا اور فوراً فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں فتح کی خوشخبری کا پیغام ایک تیز رفتار شتر سوار کے ذریعے بھجوایا۔ اسے مدینہ کی طرف روانہ کیا اور وہ شتر سوار اتفاق سے فاروقِ اعظمؓ کو شکل سے نہیں جانتا تھا۔ دوسری طرف خود فاروقِ اعظمؓ کا یہ حال تھا کہ قادسیہ کی جنگ سے متعلق وہ بڑے بے چین تھے۔ روزانہ صبح اٹھ کر مدینہ سے باہر دور تک نکل جاتے اور قادسیہ کے قاصد کا انتظار کرتے اور دوپہر کے بعد واپس مدینہ آ جاتے تھے۔

ایک دن مدینہ کے باہر کھڑے ہوئے قاصد کے انتظار میں چشم براہ تھے کہ دور سے ایک شتر سوار نظر آیا۔ آپؓ اس کی طرف بھاگے۔ جب وہ قریب آیا تو پوچھا کہاں سے آ رہے ہو۔

سوار نے جواب دیا۔ ''قادسیہ سے سعدؓ بن ابی وقاص نے فتح کا نامہ دے کر مجھے امیر المومنینؓ کی طرف بھیجا ہے۔''

فاروقِ اعظمؓ یہ جواب سن کر فرطِ شوق سے بے تاب ہو کر مفصل حالات دریافت کرنے لگے۔ قاصد اپنے شتر کو اسی طرح ہانکتا رہا اور فاروقِ اعظمؓ اس کے ساتھ بھاگنے لگے۔ قاصد نے کہنا شروع کیا۔

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی اس قدر مشرکین معرکہ جنگ میں مارے گئے اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا۔''

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ شتر سوار کی رکاب پکڑے ہوئے فاروقِ اعظمؓ دوڑتے جاتے تھے اور برابر حالات پوچھتے جاتے تھے۔ جب وہ شتر سوار مدینہ شہر میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا جو لوگ بھی پاس سے گزرتے تھے وہ امیرالمومنینؓ پکارتے ہوئے سلام کہتے تھے۔ تب شتر سوار نے جانا کہ جو اس کے اونٹ کی رکاب پکڑے اس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے ہیں وہی امیرالمومنینؓ فاروقِ اعظم ہیں۔ اس انکشاف پر ابن اثیر لکھتے ہیں کہ قاصد کانپ اٹھا۔ خوف طاری ہو گیا۔

''امیرالمومنینؓ آپ نے مجھے شروع میں اپنا نام کیوں نہ بتا دیا مجھ سے بہت بڑی گستاخی ہوئی ہے۔''

فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا۔ ''بھائی کوئی حرج نہیں ہے۔ تم سلسلہ کلام منقطع نہ کرو چنانچہ اسی طرح اس سوار کے ساتھ ساتھ مکان تک آئے۔ اتنی دیر تک لوگ بھی وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ نے لوگوں کو قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنائی، اور ایک نہایت پراثر تقریر کی اور اسی تقریر میں آپؓ نے تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جانے والا یہ جملہ بھی کہا تھا۔

''بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بناؤں، میں خود اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں البتہ خدمت کا بار میرے سر ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم لوگ آرام سے اپنے مکان میں سوؤ تو میری خوش نصیبی ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضر ہو تو میری بدبختی ہے کہ میں تم کو تعلیم دیتا ہوں قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔''

اسی جنگ کے دوران تاریخ کے دو اہم واقعات بھی پیش آئے۔ پہلا واقعہ ابومحجن ثقفی کا اور دوسرا واقعہ حضرت عمرو بن مہدی کرب کا۔

پہلا واقعہ تو ابومحجن ثقفی کا ہے وہ کچھ اس طرح پیش آیا کہ جس وقت قادسیہ کی لڑائی زور و شور سے جاری تھی اس وقت ابومحجن ثقفی جو جنگ کے ماہر تھے۔ تیغ زنی میں بھی لاجواب تھے۔ شاعر بھی تھے۔ شراب پینے کے جرم میں انہیں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے میدان جنگ میں ایک عارضی زندان میں ڈال رکھا تھا۔ ابومحجن ثقفی نے قید خانے کی کھڑکی سے لڑائی کا جب تماشا دیکھا تب اپنے اوپر ضبط نہ ہو سکا۔ بے تاب ہو کر آپ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زوجہ سلمیٰؓ کو پکارا اور انہیں مخاطب کر کے

فرمایا۔

''آپ مجھ کو خدا کے لیے چھوڑ دیں اگر میں زندہ بچ گیا تو واپس آ کر اپنے ہاتھ سے بیڑیاں پہن لوں گا اور اگر میں مارا گیا تو مجھے دفن کرا دیجئے گا۔''

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زوجہ نے کچھ خیال نہ کیا اور اسے قید خانے سے نہ نکالا۔ جس پر ابومحجن ثقفی افسوس کے لہجے میں عربی کے اشعار پڑھنے لگا جن کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا۔

''اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازی کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔

جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیریں اٹھنے نہیں دیتیں اور اس طرح دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ کسی کو پکارو تو وہ سنتا ہی نہیں۔''

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زوجہ پر ان اشعار کا ایسا اثر پڑا کہ انہوں نے خود جا کر ابومحجن ثقفی کی بیڑیاں کاٹ دیں اور لڑائی میں حصہ لینے کے لیے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا گھوڑا بھی پیش کیا جس کا نام بلقا تھا۔

ابومحجن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے گھوڑے بلقا پر سوار ہو کر میدان جنگ میں نکلے نیزہ بازی کرتے ہوئے اور اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایرانیوں کے میمنہ پر حملہ کیا۔ چند ایرانیوں کو قتل کرنے کے بعد پلٹے اور اسی طرح تکبیریں بلند کرتے ہوئے میسرہ پر ٹوٹے وہاں بھی کئی ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس طرح زور و شور سے حملہ کیا جس طرف جاتا تھا صف کی صف الٹ دیتا تھا تمام لشکر اس کے مردانہ وار حملوں پر متحیر تھا۔

خود حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی حیران تھے کہ یہ کون جری ہے۔ دل ہی دل میں کہتے تھے کہ حملے کا انداز تو ابومحجن کا ہے لیکن وہ تو قید میں ہے۔ اگر قید نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ ابومحجن ہے۔ اس پر طرفہ تماشا یہ کہ اس سوار کے نیچے تو میرا ہی بلقا نام کا گھوڑا ہے۔

جب رات ہوئی تو ابومحجن نے میدان جنگ سے واپس آ کر خود بیڑیاں پہن لیں اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زوجہ نے ان سے اس قید کی وجہ دریافت کی ابومحجن نے جواب دیا۔

''مجھ کو کسی اور وجہ سے امیر نے اسیر نہیں کیا۔ میں جاہلیت میں دائم الخمر تھا اور وہ تم

بخت عادت اب بھی نہیں چھوٹی۔ اگر پینے کو نہیں ملتی تو زبان ہی سے اشعار میں کہہ کر ذائقہ لے لیتا ہوں۔"

جب صبح ہوئی تو ابومحجن ثقفی کی اس جرأت مندی اور اس واقعہ کا تذکرہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے روبرو ہونے لگا تو آپؓ کی زوجہ نے تمام حالات آپؓ سے کہہ دیئے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اسی وقت اٹھے اور ابومحجن ثقفی کو رہا کر دیا اور کہا۔

"واللہ مسلمانوں میں جو شخص ایسی جانثاری کرے میں اس کو قید نہیں کر سکتا۔"

جواب میں ابومحجن نے بھی بڑی جانثاری سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مخاطب کر کے وعدہ کیا۔

"واللہ میں بھی آج سے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" چنانچہ اس کے بعد ابومحجن نے کبھی شراب نہ پی۔

دوسرا حیرت انگیز واقعہ عمروؓ بن مہدی کرب کا ہے۔

جنگ کے دوران باوجود برچھیوں کے زخموں سے چور چور تھے تاہم تلوار ہاتھ میں تھی اور برابر دشمن پر وار کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک ایرانی سوار اُن کے برابر سے نکلا اور اس نے ان پر وار کیا۔

انہوں نے مڑ کر اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے ہر چند مہمیز کیا لیکن گھوڑے نے جگہ سے حرکت نہ کی۔ آخر سوار اتر کر بھاگا اور یہ گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے اور تھوڑی دیر کے لیے دم لینے کو لشکر سے باہر آئے پھر جوش مردانگی سے حریف کی صفوں میں گھس گئے۔

ایرانیوں نے ان کے حملے سے مجبور ہو کر ہاتھی کو آگے بڑھایا اور اس کے دائیں بائیں پیدل فوجیں رکھیں۔ عمروؓ بن مہدی کرب نے گھوڑا چھوڑ دیا۔ پیادہ ہو کر قدم بڑھائے اور اپنے رفیقوں سے کہا۔

"میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم میرے پیچھے رہنا ورنہ عمروؓ بن مہدی کرب مارا گیا تو پھر عمروؓ بن مہدی کرب پیدا نہ ہوگا۔"

یہ کہہ کر تلوار نیام سے کھینچ لی۔ ہاتھی پر حملہ کیا۔ فارس کی پیدل فوجیں جو اس کے دائیں بائیں تھیں وہ ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر غبار اٹھا کہ یہ نظر سے غائب ہو گئے۔ ان کے رفقاء نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمن کے

قدم اکھڑ گئے۔ اس طرح عمروؓ بن مہدی کرب نے ایرانیوں کے اس طور پر حملہ آور ہو کر ان کے لشکر کے ایک حصے کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مدائن شہر میں کالاس ایک روز بھاگتا ہوا اپنی رہائشگاہ میں داخل ہوا۔ اسے اس حالت میں دیکھتے ہوئے انجار، رجینا اور البانہ تینوں پریشان ہوگئی تھیں۔ اس موقع پر انجار نے بڑی تشویش اور فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

''کیا بات ہے...... آج تم لوگ معمول سے زیادہ خوش ہو، بھاگتے ہوئے بھی گھر میں داخل ہوئے ہو۔''

اس پر کالاس تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دیوان خانے کی طرف گیا اور ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تینوں میرے ساتھ دیوان خان میں آ کر بیٹھو پھر میں تم تینوں سے اچھی خبر کہتا ہوں۔''

انجار، رجینا اور البانہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتی ہوئی دیوان خانے میں داخل ہوئیں اور کالاس کے سامنے جا کر بیٹھ گئیں۔ کالاس نے کچھ سوچا پھر اس کی نگاہیں اپنے سامنے البانہ پر جم گئی تھیں۔ جواب میں البانہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

''بابا! آج تو آپ میری طرف ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے میں آپ کے لیے اجنبی ہوں یا آپ نے اس سے پہلے مجھے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔''

جواب میں کالاس نے قہقہہ لگایا کہنے لگا۔

''میری بچی آج معاملہ ہی ایسا ہے کہ میں تجھے فخر سے دیکھنے پر مجبور ہوں۔ بیٹی! تو جانتی ہے اس سے پہلے میں رجینا کے لیے ایک خوشخبری لے کر آیا تھا۔ جب عتبہ بن ہشام نے ایرانیوں کے سالار کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ دن رجینا کے لیے خوشی اور

طمانیت کا دن تھا۔ میری بچی! آج ایسا ہی ایک دن تیرے لیے بھی آ گیا ہے۔''

''کیا میرے لیے کوئی خوشخبری ہے......'' مسکراتے ہوئے البانہ نے پوچھا تھا۔

''بیٹی! یہ صرف خوشخبری نہیں بلکہ ایک بہت بڑی اور اہم خبر ہے اور تمہارے لیے خوشی کی خبر یہ ہے کہ بلال بن علقمہ نے جنگ کے دوران ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

اس موقع پر البانہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی جبکہ رجینا بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی اور البانہ کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا اس کے بعد البانہ اور رجینا کے کہنے پر کالاس نے وہ تفصیل بھی بتا دی تھی جس طرح ہلال بن علقمہ نے رستم کا کام تمام کیا تھا۔

اس بار رجینا کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''بابا! یہ ساری خبریں آپ کو کیسے ملیں؟''

کالاس رکا اور دم لیتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میری بچی! کچھ لشکری بھاگ کر مدائن میں آئے ہیں۔ انہوں نے قادسیہ میں لڑی جانے والی جنگ کی اطلاع کی ہے۔ قادسیہ کے میدان میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو بدترین شکست دی اور اس شکست کے دوران ہی ایرانیوں کا سپہ سالار رستم بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب مسلمان یقیناً مدائن کا رخ کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس رُکا پھر کہنے لگا۔ ''میری بچیو! رونما ہونے والے حالات بتاتے ہیں کہ میری دونوں بچیوں کے اچھے دن آنے والے ہیں۔ جس روز مسلمانوں کا لشکر مدائن کی طرف آیا یقیناً عتبہ بن ہشام اور بلال بن علقمہ بھی اس میں شامل ہوں گے اور میرا دل کہتا ہے کہ مدائن میں جس وقت ایرانیوں کا لشکر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر پائے گا اور مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ جس روز ایسا ہوگا میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف جاؤں گا۔ ان دونوں کو بلا کر یہاں لاؤں گا اور اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی کا اہتمام کر دوں گا۔ جس روز ایسا ہوگا اس روز میں سمجھوں گا وہ دن میرے اور میری بیوی انجار کے لیے سب سے بڑا اور خوشیوں بھرا دن ہوگا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب کالاس خاموش ہوا۔ کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد کالاس کی بیوی انجار کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ کی آمد سے پہلے رجینا اور البانہ میرے ساتھ ایک موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ ان دونوں کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے لیے اس سے بڑی کوئی رہائشگاہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ان دونوں بہنوں کا کہنا ہے کہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے جو ان کے لیے نقدی کی تھیلیاں بھجوائی تھیں ان سے بڑی آسانی کے ساتھ مدائن شہر میں ایک اچھی بلکہ شاندار حویلی خریدی جاسکتی ہے اور اس میں ہم سب قیام کرلیں گے۔''

انجار جب خاموش ہوئی تب کالاس نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''میری دونوں بچیو! میں تمہارے ارادوں کو رد نہیں کرتا نہ ہی ان کی نفی کرتا ہوں۔ پر میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو آنے دو۔ شادی کے بعد ہوسکتا ہے وہ مدائن شہر میں رہائش نہ رکھنا چاہیں تم دونوں کو کہیں اور لے جانا چاہیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر مدائن شہر میں حویلی خریدنے سے کیا فائدہ اور میرا یہ اندازہ بھی ہے کہ وہ دونوں مدائن شہر میں رہائش نہیں رکھیں گے۔ اس بنا پر......''

یہاں تک کہتے کہتے کالاس خاموش ہو گیا اس لیے کہ رجینا اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''بابا! آپ ٹھیک کہتے ہیں لہٰذا فی الحال ہم اپنے ان ارادوں کو التواء میں ڈالتی ہیں۔ جب وہ دونوں آجائیں گے، ہماری ان سے شادی ہو جائے گی پھر جس طرح وہ کہیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔ بابا! میں اور البانہ نے اماں کو یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ شادی کے بعد ہم سب ایک اچھی حویلی میں پرآسائش زندگی بسر کریں۔ بہر حال جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ اس بنا پر ہم انتظار کریں گی اور جو فیصلہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں بھائی مل کر کریں گے وہ ہمارے لیے آخری ہوگا۔''

رجینا کا یہ جواب سن کر البانہ، انجار اور کالاس تینوں مطمئن ہو گئے تھے پھر کالاس دیوان خانے میں بیٹھا رہا جبکہ وہ تینوں اٹھ کر گھر کے روزمرہ کے کاموں میں لگ گئی تھیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے قادسیہ کی جنگ کے بعد دو مہینے تک قادسیہ کے میدانوں میں ہی قیام کر کے انتظار کیا کہ اب ان کے لیے فاروق اعظمؓ کا اگلا حکم کیا ملتا ہے۔ اس دوران ایرانی نئی جنگ کی ابتداء کرنے کے لیے اپنی تیاریوں کو عروج پر لے آئے تھے۔ ایرانیوں کے وہ لشکری جو قادسیہ میں شکست اٹھانے کے بعد بھاگے تھے انہوں نے بابل کا رخ کیا تھا۔ بابل ایک محفوظ اور مستحکم مقام تھا جہاں پر ایرانیوں کے نامور سالاروں میں سے تخیر خان، مہران اہوازی ہرمزان وغیرہ موجود تھے۔ اتنی دیر تک رستم کے بعد ایرانیوں کا سب سے بڑا سالار فیروزان بھی وہاں پہنچ گیا اس طرح بابل میں ایرانیوں کی خاصی بڑی مقدار ہوگئی اور سارے سالاروں نے یہ فیصلہ کیا کہ بابل کے نواح میں فیروزان کی سرکردگی میں مسلمانوں سے جنگ کر کے اپنی قسمت کا پانسا پلٹنا چاہیے۔ چنانچہ ان حالات میں ایرانی لشکر فیروزان کی سرکردگی میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تیاریوں کو عروج پر لے گئے تھے۔

دوسری طرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس بھی فاروق اعظمؓ کا حکم پہنچ گیا اور انہیں پیش قدمی کے لیے کہا گیا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کے حکم کے مطابق لشکر کے اندر جو اہل وعیال تھے اور جن کی خاصی تعداد تھی انہیں عتیق کے مقام پر چھوڑ کر ایک حصہ ان کی حفاظت کے لیے رکھا گیا اور لشکر نے قادسیہ سے کوچ کیا۔

اس موقع پر لشکر کے آگے آگے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک مقدمہ الجیش روانہ کیا اور مقدمۃ الجیش کے کماندار زہرہ بن حیات اور ان کا تحت شرجیل بن سمط اور عبداللہ بن معتمبر تھے۔

مسلمانوں کا یہ مقدمۃ الجیش جب اسقن کے مقام پر پہنچا تو وہاں ایک ایرانی سالار

بسیری نے قیام کیا ہوا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ رستن کے مقام پر مسلمانوں کا چھوٹا سا ایک مقدمۃ الجیش نمودار ہوا ہے تو اس نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش پر حملہ آور ہو کر اس کا قتل عام کر کے ایرانیوں کی شکستوں کا انتقام لیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا وہ مقدمۃ الجیش جونہی رستن کے مقام پر پہنچا بسیری فوراً حرکت میں آیا اور مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش پر منتشر راہوں پر تشنگی کی موت، روتی راتوں میں برستے سنگ گراں اور زیست کی سیاہ راہ میں بے پردہ وحشتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

بسیری اس بنا پر خوش تھا کہ مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کی تعداد تھوڑی ہے جبکہ اس کے پاس خاصا بڑا لشکر ہے لہٰذا فتح مند وہی رہے گا۔ اس کے حملے کے جواب میں مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کے سالار زہرہ بھی زمین پر رینگتی پرچھائیوں اور شانوں پر مسافتوں کی تھکن طاری کر دینے والے دشت کے بے روگ بگولوں کی طرح حرکت میں آئے چنانچہ ان کی قیادت میں مسلمان لشکری تکبیریں بلند کرتے ہوئے وقت کے گونگے کواڑوں پر دستک دیتی موت کی وادیوں میں سرگرداں لہروں، یادوں کی اتھاہ گہرائیوں تک میں خوف بھرتی اور فراز کوہ تک کے اوپر سے گزر جانے والی بے نام لمحوں کی سرسراہٹوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

بسیری زیادہ دیر تک مسلمانوں کے اس مقدمۃ الجیش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے لشکر کی اکثریت کو مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت کم ایرانیوں کو بسیری کے ساتھ اپنی جانیں بچا کر بھاگنے کا موقع ملا۔ حضرت زہرہؓ نے اپنے مقدمۃ الجیش کے ساتھ بھاگتے ایرانیوں کا ہانپتی ناموشیوں کا تعاقب کرتی کرنوں، تاریک ٹھٹھرے موسموں میں جذبات اور احساسات کی طرح پیچھا کیا۔ اس تعاقب کے دوران بھی کئی ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ ایرانی بھاگتے بچتے بچاتے بابل کی طرف چلے گئے تھے جہاں ان کا ایک بہت بڑا لشکر ان کے سب سے بڑا سالار فیروزاں کی سرکردگی میں مسلمانوں سے ٹکرانے کے لیے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے چکا تھا۔

اتنی دیر تک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی باقی لشکر کو لے کر اپنے مقدمۃ الجیش سے آن ملے تھے۔ لہٰذا پورے لشکر نے اب بابل کا رخ کیا تھا جہاں رستم کے بعد ایرانیوں کا سب سے بڑا سالار فیروزان دیگر ایرانی سالاروں میں سے تخیر خان مہران

اہوازی اور مہرمزان کے ساتھ اپنی جنگی تیاریوں کو آخری شکل دے چکا تھا۔ چنانچہ اپنے لشکر کو یہ ایرانی سالار بابل شہر سے باہر لائے اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جونہی اپنے لشکر کو لے کر بابل کے نواح میں پہنچے ان کی آمد سے پہلے ہی جنگ کی ابتداء کرنے کے لیے ایرانیوں نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ یہ دیکھتے ہوئے مسلمان بھی اپنی صفوں کو استوار کرنے لگے تھے۔

جنگ کی ابتدا ایرانیوں کی طرف سے ہوئی چنانچہ فیروزان اپنے ساتھی سالاروں کے ساتھ موت کی وادیوں میں سرگرداں خونی راتوں کے دل خراش لمحوں، سناٹا سناٹا ویرانی طاری کرتی وحشی تند ہواؤں، کوہستانوں کا سینہ شق، سمندر کا سینہ چیر کر آتش و آہن کا سیلاب کھڑا کرتے دہکتی آگ کے تلاطم کے خروش اور نفرت کی سنگ باری کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جواب میں مسلمانوں نے پہلے عصیان میں ڈوبی یورش پر ہیبت اور جلال طاری کر دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں۔ تکبیروں کی ان آوازوں نے نفس نفس میں سجدوں کا ثبات بدن بدن کو شکن شکن اور حیات کی رفتہ آوازوں کی طرح دشمنوں پر دل شکنی طاری کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کے بعد مسلمان بھی خیالوں کی سنہری کشتیوں میں ہجر کے دشت زاروں کا کرب سہاتے حالات کے بدترین طوفانوں، دہشت کے خارزار کے دامن تار تار کر دینے والے رقص کرتے شعلوں صحرا کی وسعتوں سمندر کی گہرائیوں تک کو لرزاں کر دینے والے عذاب اور اداس شام پر مسلط ہوتی تاریکیوں کو بے کیف کر دینے والی جلن اور حرارت کی طرح ایرانیوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدان جنگ کے اندر سیال آگ کی صورت موجوں میں بنتے بھنور رقص کرنے لگے تھے۔ سوختہ مقدر درد کی تحریریں ندامت کی تھکن پر سوار رقص کرنے لگی تھیں۔ دل کا سکون روح کا صبر و تحمل، وحشت کی گھنی موجوں میں کھونے لگا تھا۔ موت کی رقصاں انگلیاں ہولناک طاقتور موت کی طرح ہر شے پر فنا کے گھاٹ اتار دینے والی جبروت کی طرح چھانے لگی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ فیروزان اور اس کے ماتحت کام کرنے والے سارے ایرانی سالار زیادہ دیر تک مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور بابل کے نواح میں شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شکست اٹھا کر بھاگنے کے بعد بچے کھچے ایرانی لشکر اپنے سالاروں کے ساتھ مختلف مقامات کی طرف چلے گئے تھے۔ کچھ بھاگنے والے ہرمزان کے ساتھ اہواز شہر کی طرف چلے گئے۔ ایک بڑا حصہ فیروزان کے ہمراہ نہاوند کی طرف چلا گیا تھا جہاں پر کسریٰ کا خزانہ محفوظ کیا گیا تھا اور ایک گروہ کو تخیر خان اور مہران اہواز لے کر مدائن کی طرف چلے گئے تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے آگے بڑھ کر بابل پر قبضہ کر لیا اس کے بعد لشکر کو آرام اور ستانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد انہوں نے بابل سے کوچ کیا۔ اپنے لشکر کا مقدمۃ الجیش پہلے کی طرح زہرہؓ کے حوالے کیا اور انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

چنانچہ حضرت زہرہؓ اپنے مقدمۃ الجیش کو لے کر آگے بڑھتے ہوئے کوثی کے مقام پر جا پہنچے۔ کوثی ایک تاریخی مقام ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو یہیں قید کیا تھا۔ اس وقت قید خانے کی جگہ محفوظ تھی۔ اس جگہ کو دیکھتے ہوئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے درود پڑھ کر قرآنِ مقدس کی یہ آیت پڑھی۔

تلک الایام نداولھا بین الناس

کوثی کو ایرانی اپنا بہت اہم شہر خیال کرتے تھے۔ وہاں ایک لشکر بھی موجود تھا جس کی کمانداری ایک سالار شہریار کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ حضرت زہرہؓ اپنے مقدمۃ الجیش کے ساتھ جب وہاں پہنچے تو شہریار نے کوثی شہر سے باہر نکل کر حضرت زہرہؓ کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ دونوں لشکر جب آپس میں ٹکرائے تو تھوڑی دیر کے ٹکراؤ کے بعد ہی اس جنگ میں شہریار مارا گیا اور اس کے ہمراہی میدان جنگ سے بھاگ نکلے اسی دوران حضرت سعدؓ بن ابی وقاص باقی لشکر کو لے کر وہاں آ گئے اور انہوں نے شہریار کے قاتل کو اس کا اسباب دے دیا۔ اس کے بعد زہرہؓ ساباط کی طرف بڑھے۔ اہل ساباط نے زہرہؓ کو جزیہ دے کر صلح کر لی اور زہرہؓ نے جو وہاں ایرانی دستے تھے انہیں شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے ایرانیوں کے شہر بجیرہ شیر کا رخ کیا تھا۔ بجیرہ شیر پایہ تخت مدائن کے قریب ایک مقام تھا جہاں پر ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ یہ رسالہ جو کئی دستوں پر مشتمل تھا اور چھوٹے لشکر کی حیثیت رکھتا تھا ہر روز صبح کو قسم کھاتا تھا کہ ہمارے جیتے جی سلطنت فارس پر زوال نہ آنے پائے گا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہاں ایک

شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بے حد مانوس تھا۔ لہٰذا عجیب نہیں کہ اسی شیر کی مناسبت سے اس مقام کو بجیرہ شیر کہتے ہوں۔ مسلمانوں کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو وہاں جو ایرانیوں کا سالار تھا وہ تڑپ کر باہر نکلا تا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ باہر نکل کر اس نے انفرادی جنگ کے لیے اپنا مدمقابل مانگا۔ مسلمانوں کی طرف سے ہاشمؓ نکلے اور ایسی صفائی سے بجیرہ شیر کے سالار پر حملہ کیا کہ پہلے ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، ہاشمؓ کی اس کارگزاری سے اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے جوشِ مسرت سے حضرت ہاشمؓ کی پیشانی چوم لی اور جواب میں حضرت ہاشمؓ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

بابل سے نکل کر مدائن کی طرف جاتے ہوئے یہ دوسرا موقع تھا کہ مسلمانوں نے انفرادی جنگ میں ایرانی سورماؤں کو زیر کر دیا تھا۔ دوسرے موقع پر حضرت ہاشمؓ نے بجیرہ شیر کے سالار کو موت کے گھاٹ اتارا اور پہلا واقعہ کوثی شہر کے نواح میں پیش آیا تھا اور وہ اس طرح کہ حضرت زہرہؓ جب کوثی پہنچے تو ایک ایرانی سورما باہر نکلا اور میدان جنگ میں آ کر پکارا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مسلمانوں میں جو بہادر تمام لشکر میں منتخب ہو وہ میرے مقابلے پر آئے۔“

اس پر زہرہؓ نے اس ایرانی کو مخاطب کر کے کہا۔

”میں خود تیرے مقابلے کو آنے کا تھا لیکن تیرا یہ دعویٰ ہے تو تیری سرکوبی کو کوئی معمولی شخص جائے گا۔“ یہ کہہ کر آپؓ نے ابونباتہؓ کو جو ایک غلام تھا اشارہ کیا اور وہ گھوڑے کو کودا کر میدان میں پہنچے۔

شہریار نے اس غلام کو کمزور خیال کر کے ایک دم نیزہ پھینک دیا اور ان کی گردن پر ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔

لیکن اس ایرانی سورما کی بدقسمتی کہ ایک دم ابونباتہؓ نے پلٹا کھایا۔ اس پلٹا کھانے کی وجہ سے ایرانی سورما نیچے آ گیا اور ابونباتہؓ اس کے اوپر چڑھ دوڑے اور اس کی چھاتی پر بیٹھ گئے پھر کمر سے خنجر نکال کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس طرح ایرانی سورما کا خاتمہ ہوا۔ اس کے مارے جانے پر ایرانی لشکر جو اس کے ہم رکاب تھا بھاگ نکلا۔ اس طرح بابل سے مدائن کی طرف جاتے ہوئے مسلمانوں نے دو انفرادی مقابلوں میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔

بحیرہ شیر وہی شہر تھا جہاں مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کے سالار حضرت زہرہؓ بھی شہید ہوئے۔ بحیرہ شہر کو فتح کرنے کے لیے جب آخری جنگ ہوئی تو اس روز ایرانیوں کا ایک دیوہیکل جنگجو میدان میں نکلا۔ میدان میں آیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔''

اس کی پکار پر وقت ضائع کیے بغیر حضرت زہرہؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئے۔ پہلے دونوں میں نیزہ بازی ہوتی رہی پھر ایرانی جنگجو نے نیزہ پھینک کر تلوار کھینچ لی۔ حضرت زہرہؓ نے بھی اس پر تلوار چلائی۔ تھوڑی دیر تک تلواریں چلتی رہیں جب اس سے بھی ایرانی جنگجو کامیاب نہ ہوا تو کندھے سے کمان اتار کر تیر برسانے لگا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ انفرادی مقابلہ بڑا عجیب وغریب تھا۔ حضرت زہرہؓ نے اس ایرانی جنگجو کو تو زیر کر لیا لیکن اس مقابلے کی تفصیل لکھتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں۔

جس روز یہ انفرادی مقابلہ ہوا اس روز ایرانیوں نے طویل محاصرے سے گھبرا کر مرنے پر قسمیں کھائیں۔ سرفروشانہ قلعے سے تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دینا شروع کیا۔ حضرت زہرہؓ جو ایک مشہور اور نامی سالار تھے اور اکثر معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ ان کی زرہ بوسیدہ تھی کہیں کہیں سے اس کی کڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

جب آپ انفرادی مقابلے کے لیے نکلے تو لوگوں نے کہا۔ زرہ تبدیل کر کے دوسری پہن لیجیے۔

حضرت زہرہؓ بولے۔ ''میری یہ قسمت کہاں ہے کہ دشمن کا تیر سب کو چھوڑ کر مجھے آ لگے۔''

اتفاق ایسا ہوا کہ لڑائی کے دوران سب سے پہلے مسلمانوں میں ان ہی کو تیر لگا۔ لوگوں نے جب دوڑ کر وہ تیر نکالنے کا قصد کیا تو حضرت زہرہؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''یہ تیر میرے بدن میں رہنے دو میں اسی وقت تک زندہ ہوں جب تک یہ تیر میرے بدن میں ہے۔ لہٰذا مجھے ایسے ہی رہنے دو شاید اسی حالت میں میں دو ایک

دشمنانِ دین کو مار کر مروں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے۔ چنانچہ ایرانی سورما اور رئیس کو ایک ہی وار میں ختم کر دیا اور خود زمین پر گر کر انتقال کر گئے۔ اس کے بعد ایرانیوں نے تھوڑی دیر تک لڑ کر بھاگنا شروع کیا۔ اپنے لشکر کے بھاگنے کے بعد شہر کے لوگوں نے صلح کا پرچم لہرانا شروع کر دیا۔

اس طرح مسلمانوں کا لشکر مدائن کے قریب بحیرہ شیر میں داخل ہوا اور وہاں جو ایوان شاہی تھا اسے دیکھ کر جوشِ مسرت سے تکبیریں بلند کرنے لگے اور خوش ہو کر ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

یہ کسریٰ کا ابیض محل ہے۔ یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ اس شہر کی فتح کے بعد اطراف سے ہزاروں لوگ گرفتار کیے گئے اور ان کے متعلق فاروق اعظمؓ نے لکھا۔

''جو شخص جزیہ دینا قبول کرے یا ہتھیار ڈال دے یا لڑتے ہوئے بیٹھ جائے۔ اس کو امان دے دینا اور جو شخص بھاگے اس کو گرفتار کرو اس کی بابت تم کو اختیار ہے۔''

اس شہر کی فتح کے بعد دریائے دجلہ کے غربی کنارے کے کل دہقان اور آس پاس کے علاقے مسلمانوں کی امان میں آ گئے تھے اور مسلمانوں کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ بہر حال اسلامی لشکر فاتح کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہوا۔ اس موقع پر مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بحیرہ شیر کو فتح کر لیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ اب بحیرہ شیر اور ایرانیوں کے مرکزی شہر میں صرف دریائے دجلہ مائل تھا۔

اسی دوران حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ خبریں بھی پہنچیں کہ ایرانیوں کا شہنشاہ یزدگرد مسلمانوں کی آمد کا سن کر اپنے سارے خزانے اور اموال لے کر مدائن سے بھاگ گیا ہے اور کسی دوسرے شہر میں پناہ لینے کے لیے چلا گیا ہے۔ اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے یہ فیصلہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو آگے بڑھ کر مدائن پر قبضہ کر لیا جائے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے ہوئے تھے انہیں توڑ کر بے کار کر دیا۔ دجلہ کے کنارے دور دور تک نظر دوڑانے پر بھی کسی کشتی کا پتا نہ ملتا تھا۔ ساری کشتیاں ایرانیوں نے غائب کر دی تھیں۔ دریائے دجلہ کے کنارے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص دوسرے روز دجلہ کو عبور کرنے کے لیے تدبیریں کرنے

لگے۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد ایک روز حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اٹھے اور خداوند قدوس کی حمد کے بعد لوگوں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔

''بہادرو! تمہارے دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر اب دریا کے دامن میں پناہ لے لی ہے۔ تم جب تک اس کو عبور نہ کرو گے اس وقت تک تم اس پر کامیابی حاصل نہ کر پاؤ گے۔ اگر یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ کشتیوں کا انتظار کرو گے تو ایک زمانہ گزر جائے گا۔ کیا تمہارے جوش نے تم میں اس قدر استقلال نہیں پیدا کیا کہ تم اللہ کا نام لے کر اس دریا کو عبور نہ کر جاؤ۔ ہماری یہ رائے ہے کہ اس سے پہلے کہ دنیا تم کو اپنے گرداب میں لے، اپنے دشمنوں سے نبٹ لو۔ میں نے اللہ کے بھروسے پر اس دریا کو عبور کر جانے کا قصد کیا ہے۔''

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے یہ الفاظ سن کر لشکریوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''چلو اللہ کے نام پر۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ارادوں میں تم کو کامیابی عطا کرے گا۔''

اپنے لشکریوں کے یہ الفاظ سن کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص خوش ہو گئے پھر اپنے لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''کون ایسا بہادر ہے جو دریائے دجلہ کو عبور کرتے وقت لشکر کی حفاظت کرے۔''

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی اس پکار پر حضرت عاصمؓ بن عمرو بولے اور بلند آواز میں فرمایا۔

''میں ہوں ...... اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے لیے پیدا کیا ہے۔'' یہ کہہ کر چھ سو تیر اندازوں کو لے کر ایک بلند مقام پر دریائے دجلہ کے کنارے جا بیٹھے۔ یہ ساری کارروائی مکمل ہونے کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے قرآن مقدس کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے سالاروں اور لشکریوں نے بھی مردانگی اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو بپھرے ہوئے دریائے دجلہ میں ڈال دیا تھا۔

مسلمانوں کا لشکر جب دریائے دجلہ کے نصف حصے کو عبور کر چکا تو مخالف سمت سے ایرانیوں نے تیر اندازی کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان دریائے دجلہ عبور نہ کر سکیں۔ واپس چلے جائیں اس طرح ان کا مرکزی شہر مدائن بچ جائے لیکن ایرانیوں کی بدبختی کہ جونہی انہوں نے دوسرے کنارے سے مسلمان لشکریوں پر

تیر اندازی شروع کی حضرت عاصمؓ بن عمرو جنہیں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے چھ سو بہترین تیر اندازوں کے ساتھ دریائے دجلہ کے ایک اونچے مقام پر بٹھا دیا تھا۔ انہوں نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے ایرانیوں پر طوفانی اور موسلا دھار بارش کی طرح تیر اندازی کی۔ مسلمانوں کی اس تیر اندازی سے ان گنت ایرانی دوسرے کنارے پر تیروں سے چھد کر مقتول اور مجروح ہوئے۔ چنانچہ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا ایک حصہ تو صرف ان پر تیر اندازی کر رہا ہے اور انہیں بے پناہ نقصان پہنچا رہا ہے اور مسلمانوں کے لشکر کا بڑا حصہ بڑی تیزی سے دریائے دجلہ کے پاٹ کو ناپتا ہوا ان کا رخ کر رہا ہے چنانچہ اس بلائے بے درماں سے اپنی جان بچانے کی تدبیروں میں مصروف ہو کر وہ ایسے ڈرے، ایسے خوفزدہ ہوئے کہ مسلمانوں کو دریا عبور کرنے سے نہ روک سکے، ابھی ایرانیوں میں کشمکش اور افراتفری ہی پھیلی ہوئی تھی کہ آخر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے انہیں کیسے اور کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے کہ اسلامی لشکر دریائے دجلہ کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اس طرح ایرانیوں سے ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ ایرانی زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے اور ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ یزدگرد مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے اہل و عیال اور خزانوں کو مدائن سے روانہ کر چکا تھا تاہم قصرِ ابیض یعنی شاہی محل اور دارالسلطنت میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ جب یزدگرد کو یہ خبر ملی کہ مسلمانوں کا لشکر تو دریائے دجلہ کو عبور کر چکا ہے اور اب مدائن میں داخل ہو گا تب یزدگرد جو اپنے اہل خانہ اور ضرورت کی اشیاء کو پہلے ہی مدائن سے نکال چکا تھا خود بھی مدائن سے چل دیا۔

چنانچہ اسلامی لشکر نے مدائن شہر کی مختلف سمتوں سے مدائن شہر میں داخل ہونا شروع کیا۔ خود باشندگانِ شہر نے شاہی محلات کی لوٹ مار مسلمانوں کے پہنچنے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی شروع کر دی تھی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ایران کے مرکزی شہر کے شاہی محل یعنی قصرِ ابیض میں داخل ہوئے اور جب وہ محل میں داخل ہوئے تو مؤرخین لکھتے ہیں وہ قرآنِ مقدس کی تلاوت کرتے ہوئے ایران کے اس قدیم اور عظیم الشان محل میں داخل ہوئے تھے۔

مدائن میں داخل ہو کر وقت کی آنکھ نے ایک عجیب سماں دیکھا۔ وہ قصرِ ابیض جسے ایران کی قوت کا مرکز اس کی طاقت کا مظہر خیال کیا جاتا تھا جب وہ مسلمانوں کی گرفت میں آیا تو قصرِ ابیض میں جس جگہ ایران کے شہنشاہ کسریٰ کا تخت تھا وہاں منبر رکھا گیا اسی قصر کے اندر جمعہ کی نماز ادا کی گئی کیونکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ جب مسلمان قصر میں داخل ہوئے یہ پہلا جمعہ تھا جو دارالسلطنت ایران میں ادا کیا گیا۔ اس محل شاہی میں جس قدر تصاویر اور تماثیل تھیں وہ قائم رہیں نہ حضرت سعدؓ نے ان کو توڑا نہ وہاں سے جدا کیا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کیونکہ مدائن میں آپ نے قیام کرنا تھا اس لیے آپ نے نماز قصر نہ کی تھی۔

جو ایرانی مسلمانوں کے دریائے دجلہ کو عبور کرنے کے بعد اور تھوڑی دیر ٹکرانے کے بعد بھاگے تھے ان کے تعاقب میں لشکر کا ایک حصہ دے کر زہرہؓ بن حیات کو روانہ کیا گیا تھا۔ مالِ غنیمت کے ڈھیر تھے جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مال غنیمت اکٹھا اور فراہم کرنے کے لیے عمرو بن مقرن کو مقرر کیا اور اس کی تقسیم پر سلیمان بن ابیعہ باہلی مامور ہوئے۔

اس مالِ غنیمت میں شہنشاہ ایران کی بہت سی نادرِ روزگار چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ چاندی سونے کے جواہرات کی بہت سی مورتیں، کسریٰ کا شاہی لباس، اس کا زرنگار تاج، اس کی زرہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں مسلمانوں نے ان کے بھاگنے والوں سے چھینیں جو ان چیزوں کو لے کر ایوان شاہی سے بھاگتے تھے۔

اس کے علاوہ ایران کے ایوانِ شاہی کے خزانے اور عجائب خانے میں سے چین کے بادشاہ قیصر روم، ہندوستان کے راجہ داہر، بہرام گور، ساوش، نعمان بن منظر، کسریٰ ہرمز فیروز کے خود، زرہیں، تلواریں اور خنجر تک دستیاب ہوئے جو عجائباتِ روزگار سمجھ کر شاہی خزانے میں محفوظ رکھے جاتے تھے اور ایرانی ان چیزوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

ان چیزوں کے ملنے پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے دست راست اور عالمِ اسلام کے بہترین سالار حضرت قعقاعؓ کو اجازت دی کہ ان تلواروں میں سے وہ جس تلوار کو پسند کریں لے لیں۔

حضرت قعقاعؓ نے یہ سن کر قیصر روم ہرکولیس کی تلوار اٹھا لی۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی طرف سے انہیں بہرام گور کی زرہ بھی مرحمت فرما دی تھی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے خمس کے علاوہ جو چیزیں نادراتِ روزگار میں شمار ہوتی تھیں وہ سب جمع کر کے دربارِ خلافت کو روانہ کر دیں۔ انہی نادراتِ روزگار میں کسریٰ کا فرش تھا جو بہار کے نام سے موسوم تھا۔ یہ فرش نوے گز لمبا اور دس گز چوڑا تھا۔ اس میں پھول پتیاں درخت نہریں، تصویریں، غنچے سب سونے چاندی اور جواہرات سے بنائے گئے تھے۔

شاہانِ فارس جب موسم بہار گزر جاتا تھا تو اس کی یاد میں اس فرش پر بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ جب یہ تمام چیزیں مدینہ منورہ پہنچیں تو لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔

فاروق اعظمؓ نے تمام سامان اور اسباب کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

جہاں تک کسریٰ کے نایاب فرش کا تعلق تھا تو فرش کی نسبت فاروق اعظمؓ نے لوگوں سے مشورہ کرنا شروع کیا۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے بلکہ اس کو ویسے کا ویسا ہی رکھا جائے لیکن اس موقع پر حضرت علیؓ نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا۔ نہیں اس کو تقسیم کر دیا جائے۔

چنانچہ حضرت علیؓ کا کہا مانتے ہوئے حضرت فاروقؓ اعظم نے کسریٰ کے اس فرش کو کاٹ کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسریٰ کے فرش کا جو حصہ حضرت علیؓ کے حصے میں آیا وہ آپؓ نے تیس ہزار دینار میں فروخت کیا تھا۔

ایران کے قصرِ ابیض سے جو چیزیں ملیں ان کی فہرست بڑی طویل اور ان میں عجیب وغریب اشیاء تھیں۔ علامہ ابن اثیر اس مال غنیمت سے متعلق لکھتے ہیں کہ جس وقت اسلامی لشکر مدائن میں داخل ہوا اس وقت افراتفری اور ایک ہلڑ بازی کا سماں برپا ہو گیا تھا۔ قصرِ ابیض اور اس کے عجائب خانے سے جس کے ہاتھ جو چیز لگی اس کو وہ لے بھاگ جاتا۔ اتفاق سے ایک مسلمان سالار عصمتؓ بن خالد ایک غیر معمولی راستے سے گزرے تو دیکھا دو اشخاص دو گدھوں پر کچھ اسباب لادے ہوئے تیزی سے قدم اٹھاتے چلے جا رہے تھے۔

عصمتؓ نے لپک کر ایک تلوار چلائی تو وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا یہ المناک واقعہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ گدھوں کو وہیں چھوڑ گیا۔

عصمتؓ بن خالد ان گدھوں کو لے کر عمروؓ بن مقرن کے پاس لائے چونکہ انہیں

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مالِ غنیمت کے جمع کرنے پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ ان کی موجودگی میں جب ان دونوں گدھوں سے سامان اتارا گیا تو اس سامان سے قیمتی قیمتی عجوبہ چیزیں نکلیں۔ ان عجائبات میں سے سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ یاقوت اور زمرد اس کے سینے اور پیشانی پر جڑے ہوئے تھے۔ سوار چاندی کا تھا لیکن جواہرات سے لدا ہوا تھا اور چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی۔ بیش قیمت یاقوت اور ہیرے اس کی مہار میں تھے۔ اس کا سوار بھی سونے کا تھا۔ سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔

ملنے والے مالِ غنیمت کو جب ساٹھ ہزار لشکریوں میں تقسیم کیا گیا تو ہر سوار کو بارہ بارہ ہزار ملے۔ ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے لشکر کے اندر جو عورتیں تھیں ان کی حفاظت کی خاطر قادسیہ کے مقام پر چھوڑا ہوا تھا۔ لہٰذا مدائن کی فتح کے بعد ساری عورتوں کو بھی جو لشکر میں شامل تھیں مدائن بلا لیا گیا تھا۔ دوسری طرف ایران کا بادشاہ یزدگرد اپنے دوسرے بڑے شہر حلوان پہنچ کر بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ لشکری جمع کرنے لگا تھا تاکہ نئے سرے سے مسلمانوں کا مقابلہ کرے اور مسلمانوں سے اپنی ماضی کی شکستوں کا انتقام لے۔

❁ ❁ ❁

❁

جس روز مسلمان فاتح کی حیثیت سے ایران کے مرکزی شہر مدائن میں داخل ہوئے تھے عتبہ بن ہشام اور اہلال بن علقمہ دونوں جمعہ کی نماز پڑھ کر جب فارغ ہوئے اور بازار جانے کے لیے نکلے تو سامنے کی طرف انہوں نے دیکھا کالاس ان کی طرف آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے دونوں اس کی طرف لپکے۔ کالاس قریب آ کر بڑے پرجوش انداز میں ان سے بغلگیر ہوا پھر دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ دونوں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ گھر چلیں۔ جس وقت اسلامی لشکر مدائن شہر میں داخل ہوا۔ رجینا اور البانہ دونوں بڑی فکرمند تھیں کہ نجانے ان کا کیا حشر ہوگا لیکن شہر بالکل پرسکون رہا اس لیے کہ یزدگرد اور اس کے لشکری مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ دونوں آپ دونوں سے متعلق بڑی پریشان اور فکرمند ہیں کہ آپ دونوں نجانے کہاں ہوں گے۔''

جواب میں عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''کالاس میرے محترم! اب آپ، آپ کی بیوی کے علاوہ رجینا اور البانہ دونوں کو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہر پر اس وقت مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ کسی پر کوئی زیادتی کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ میں اور ہلال بن علقمہ دونوں جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد باہر نکلے تھے کہ دیکھیں مدائن شہر میں اگر کوئی بازار یا اس کی کوئی دکان کھلی ہو تو اس کا جائزہ لیں اور آپ چاروں کے لیے کوئی چیز لے کر آپ کا رخ کریں۔''

اس پر کالاس مسکرایا اور کہنے لگا۔

''آپ دونوں کو ہمارے لیے کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ دونوں جب

میرے ساتھ گھر میں داخل ہوں گے تو رجینا اور البانہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی وہ کس قدر بے چینی اور فکرمندی سے آپ دونوں کا انتظار کرتی ہیں۔ ان کی اس کیفیت کو میں الفاظ میں نہیں بیان کرسکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کالاس جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام کسی قدر سنجیدہ ہوکر کہنے لگا۔

''کالاس میرے محترم! رجینا اور البانہ کی طرف جانے سے پہلے میں چاہتا ہوں تم ہم دونوں بھائیوں کو نیانوس کی طرف لے جاؤ جو آذری دخت کے دونوں قاتلوں باریز اور نوذا سے متعلق جانتا ہے اور ان کا بدترین دشمن بھی ہے۔ میں پہلے ان دونوں قاتلوں سے متعلق نیانوس سے تفصیل حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہم دونوں رجینا اور البانہ کے پاس جائیں گے۔ کالاس! میں اور ہلال بن علقمہ نے عہد کر رکھا تھا جونہی ہمیں فرصت کا موقع ملا ہم نوذر اور باریز دونوں سے آذری دخت کے قتل کا انتقام سب سے پہلے لیں گے۔

لہٰذا میرے محترم رجینا اور البانہ کے پاس جانے سے پہلے ہمیں نیانوس کے پاس لے کر جاؤ۔ میں اس سے گفتگو کروں گا پھر اس سے معاملہ طے کرنے کے بعد ہم تمہارے ساتھ جائیں گے۔''

کالاس نے عتبہ بن ہشام کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد کالاس ان دونوں کو لے کر ایک طرف ہولیا تھا۔

چند کوچوں اور گلیوں سے گزرنے کے بعد آخر ایک حویلی کے دروازے پر کالاس رکا دروازے پر اس نے دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔ کالاس نے اسے سلام کہا۔ ساتھ ہی کالاس عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہی نیانوس ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی کالاس نے نیانوس سے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کا بھی تعارف کروا دیا تھا۔

یہ تعارف ہونے کے بعد نیانوس چونکا اور شکایت بھرے انداز میں کالاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کالاس! یہ تو نے کیا کیا۔ اتنے محترم اشخاص کو تو نے دروازے پر ہی کھڑا کر دیا۔ کم از کم انہیں اندر لے کر آتے۔ میرے دیوان خانے میں بٹھاتے پھر ہمارا تعارف کرواتے۔'' اس کے بعد نیانوس آگے بڑھا۔ باری باری عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ کو گلے لگا کر ملا پھر دونوں کے ہاتھ پکڑ کر اپنی حویلی کے اندر لے گیا اور دیوان خانے میں جا بٹھایا۔

چاروں جب آمنے سامنے نشستوں پر بیٹھ گئے تب عتبہ بن ہشام نیانوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کا ممنون اور شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس قدر اپنائیت اور گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہم لوگ آج ہی مدائن شہر میں داخل ہوئے ہیں......''

عتبہ بن ہشام یہیں تک کہہ پایا تھا کہ نیانوس بول اٹھا۔ ''میں جانتا ہوں اسلامی لشکر آج ہی مدائن میں داخل ہوا ہے...... کیا آپ دونوں رجینا اور البانہ سے مل کر آ رہے ہیں۔''

اس پر عتبہ بن ہشام مسکرایا اور کہنے لگا۔ ''نہیں...... ہم نے یہاں جمعہ کی نماز ادا کی اس کے بعد بازار کا جائزہ لینا چاہتے تھے کہ محترم کالاس مل گئے۔ یہ ہمیں گھر لے جانا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں کہا کہ رجینا اور البانہ سے ملاقات کرنے سے پہلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں اس لیے کہ میں اور ہلال بن علقمہ نے عہد کیا تھا کہ جب بھی ہمیں فرصت کا موقع ملا سب سے پہلے ہم آذری دخت کے قاتلوں سے انتقام لیں گے۔ اسی بنا پر کالاس کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ ہمیں ان قاتلوں سے متعلق بتائیں۔ اگر آپ ان کے محل وقوع سے واقف ہوں تب بھی اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کریں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب بڑی اپنائیت میں نیانوس کہنے لگا۔

''پہلے میں آپ لوگوں کے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں۔ کھانا کھائیں اس کے بعد آرام سے بیٹھیں۔ میں پورے واقعات اور حالات آپ سے عرض کروں گا۔''

اس پر عتبہ بن ہشام چونکتے ہوئے کہنے لگا۔ ''نہیں کھانا ہم محترم کالاس کے ہاں

ہی جا کر کھائیں گے۔ آپ کی مہربانی ہمیں نوذر اور باریز سے متعلق کچھ بتائیں۔''

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ کے جواب میں نیانوس نے چند لمحوں تک بڑی اپنائیت کے انداز میں باری باری عتبہ بن ہشام اور بلال بن علقمہ کی طرف دیکھا پھر اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ اس کے بعد وہ بڑی کرب خیز آواز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے آذرمی دخت اور اس کی بہن بوراں دخت سے بڑا پیار تھا۔ خصوصیت کے ساتھ میں آذرمی دخت کو بڑا پسند کرتا تھا۔ وہ اچھی خصلتوں اور اچھے مزاج کی لڑکی تھی۔ اس کی حیثیت میرے ہاں بیٹی کی سی تھی۔ میرا بڑا احترام کرتی تھی۔ بوراں دخت ذرا مختلف مزاج اور سخت طبیعت کی تھی لہٰذا آذرمی دخت کے ساتھ اکثر و بیشتر اختلاف رائے ہی رکھتی تھی چونکہ آذرمی دخت کو میں اپنی بیٹی کہتا تھا اور بیٹی کی طرح ہی مجھے اس سے چاہت تھی لہٰذا اس کے قتل ہونے کا مجھے اتنا غم تھا جیسے میری حقیقی بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو۔ جب اسے قتل کیا گیا تو میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ کبھی موقع ملا تو قاتلوں سے انتقام لوں گا۔ کیونکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں یہ فرض ادا نہیں کر سکا اور شاید اس کائنات کا خالق یہ کام تم دونوں سے لینا چاہتا ہے اور پھر عتبہ بن ہشام! خصوصیت کے ساتھ تمہارا فرض بنتا ہے کہ قاتلوں سے انتقام لو۔ اس لیے کہ آذرمی دخت نے زندگی میں اگر کسی سے پیار کیا تھا تو وہ تم تھے۔ اس نے زندگی میں کسی کو نہیں چاہا تھا۔ تم پہلے نوجوان تھے جو اس کی محبت کا محور اور مرکز بنے۔''

نیانوس کی اس گفتگو سے عتبہ بن ہشام اداس ہو گیا تھا۔ نیانوس جب خاموش ہوا تب اس بار بلال بن علقمہ بول اٹھا۔

''کیا آپ ہمیں بتائیں گے کہ نوذر اور باریز ان دنوں کہاں ہیں۔''

جواب میں نیانوس نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''میں چونکہ نوذر اور باریز دونوں سے انتقام لینے کا خواہش مند تھا۔ لہٰذا میں نے دونوں کے پیچھے اپنے آدمی لگا رکھے تھے۔ انہیں بھی اس بات کا خدشہ تھا کہ انہوں نے آذرمی دخت کو قتل کیا ہے۔ لہٰذا آذرمی دخت کا کوئی نہ کوئی حمایتی انہیں موت کے گھاٹ اتار دے گا اس لیے کہ بعد میں انہیں اس بات کی بھی بھنک پڑ گئی تھی کہ رستم نے چونکہ آذرمی دخت کو صرف بینائی سے محروم کر کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا تھا اس نوذر اور باریز نے ہی اسے قتل کرنے پر رستم کو انگیخت کیا اور رستم نے جب آذرمی دخت کو ان

کے حوالے کیا تو ان دونوں نے قتل کر دیا۔

اس بنا پر نوذر اور باریز ظن و گمان میں پڑ گئے تھے کہ آذرمی دخت کا کوئی نہ کوئی حمایتی ان کے درپے ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ بہت پہلے مدائن شہر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ میں نے ان کے پیچھے اپنے آدمی لگائے تھے وہ دراصل اپنی جانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے مدائن سے بہت دور نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے مدائن میں رہتے ہوئے رستم کے توسط سے دولت کے انبار جمع کر لیے تھے جنہیں لے کر وہ تبریز شہر کی طرف چلے گئے۔ میں نے ان کے پیچھے اپنے آدمی لگائے جو ان کے محل وقوع کو جاننے کے بعد واپس آ گئے جو آدمی میں نے ان کے پیچھے لگائے ان میں میرا ایک خاص آدمی ہے جو میرا خادم ہے نام اس کا مردون ہے۔ وہ ان کے محل وقوع سے خوب واقف ہے۔ میرے دونوں عزیز بیٹو! اگر تم دونوں نوذر اور باریز سے آذرمی دخت کا انتقام لینا چاہو تبریز کا رخ کرنا چاہو تو میں اپنے خادم مردون کو تمہارے ساتھ روانہ کر دوں گا۔ وہ باریز اور نوذر تک تمہاری رہنمائی کرے گا۔''

اس کے ساتھ ہی اپنی نشست پر بیٹھے ہی بیٹھے نیانوس نے مردون کو پکارا۔ تھوڑی دیر بعد درمیانی عمر کا ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔ نیانوس نے سب کا تعارف کروایا۔ اس پر مردون بڑے پرجوش انداز میں آگے بڑھ کر عتبہ بن ہشام اور بلال بن علقمہ سے ملا پھر نیانوس کے اشارہ کرنے پر مردون ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد نیانوس نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

''محترم عتبہ بن ہشام اور بلال بن علقمہ آپ دونوں جب اور جس وقت بھی باریز اور نوذر سے انتقام لینے کے لیے تبریز کا رخ کرنا چاہیں مردون اسی وقت آپ کے ساتھ ہو لے گا۔ اس سلسلے میں جتنے اخراجات آئیں گے وہ میں برداشت کروں گا۔''

نیانوس کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا کہنے لگا۔

''یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو اس سلسلے میں کچھ نہیں خرچ کرنا پڑے گا۔ آپ کا ہم پر اتنا ہی کافی احسان ہے اور مہربانی ہے کہ آپ نوذر اور باریز تک پہنچنے کے لیے اپنے خادم مردون کو ہمارے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ خداوند قدوس نے چاہا تو مردون کی رہنمائی میں باریز اور نوذر سے ہم خوب نمٹیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نیانوس جب خاموش ہوا تب پہلی بار مردون بولا اور عتبہ

بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں پوری طرح آپ کا ساتھ دوں گا۔ میں حرب وضرب کے فنون سے بھی آگاہ ہوں لیکن ساتھ ہی آپ کو یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ ان سے کسی حیلے، کسی حربے سے نمٹنا ہوگا اس لیے کہ وہ دو یعنی باریز اور نوذر ہی نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے کچھ ساتھی بھی ہیں اور وہ سب اوباش اور غیر ذمہ دار لوگ ہیں۔''

جواب میں عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ ''کوئی بات نہیں...... بس تم ذرا ان تک ہماری رہنمائی کرنا پھر دیکھنا میں اور ہلال بن علقمہ ان سے کیسے نمٹتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام دم لینے کے لیے رکا پھر مردون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا تم آج عشاء کے بعد تبریز کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہو سکتے ہو۔''

مردون خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''کیوں نہیں...... آپ جب اور جس وقت چاہیں میں آپ کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔''

اس پر عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ اور کالاس بھی کھڑے ہو گئے پھر عتبہ بن ہشام نیانوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''محترم نیانوس! میں اور ہلال بن علقمہ ابھی رجینا اور البانہ کی طرف جاتے ہیں۔ ان سے ملیں گے۔ اس کے بعد آپ مردون کو تیار رکھیے گا۔ عشاء کے بعد میں اور ہلال بن علقمہ اس کے ساتھ تبریز کی طرف روانہ ہونا پسند کریں گے۔''

نیانوس نے اس سے اتفاق کیا تھا لہٰذا اس سے اجازت لے کر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں جب اپنی جگہ سے اٹھے تو حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

اس پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ اپنی جگہ پر رک گئے۔ مردون دیوان خانے سے باہر نکل گیا۔ مسکراتا ہوا واپس آیا اور اس کے ساتھ اسی کی عمر کا ایک شخص بھی تھا۔ مردون کے ساتھ جب نئے آنے والے کو نیانوس نے دیکھا تو نیانوس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی پھر وہ عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابن ہشام یہ جو شخص آیا ہے اس کا نام جوین ہے۔ میرے فداکاروں میں سے ہے۔ یہ بھی نوذر اور باریز کے پیچھے میں نے لگا رکھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ اور

ساتھی بھی تھے اور یہ سب میں نے باریز اور نوذر پر نگاہ رکھنے کے لیے مقرر کیے ہوئے تھے'' پھر نیانوس نے براہ راست جوین کو مخاطب کیا۔

''میرے عزیز! کیا تو آذرمی دخت کے قاتلوں سے متعلق مزید معلومات لے کر آیا ہے۔''

اس پر جوین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''آپ کا اندازہ درست ہے۔ نوذر اور باریز اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنے کے بعد تبریز کی طرف گئے تھے۔ سب نے وہیں قیام کیا تھا پھر انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور شاید یہ احتیاط برتی کہ سب کو ایک ہی جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ مختلف مقامات پر رہائش رکھنی چاہیے تاکہ کوئی سب کو نقصان نہ پہنچائے۔ اسی بنا پر باریز نے تو تبریز ہی میں قیام کر رکھا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ ساتھی ہیں جبکہ دوسرا بڑا ایرانی سالار نوذر ترمذ شہر کی طرف چلا گیا ہے۔ اس کے ساتھ بھی اس کے کچھ ساتھی ہیں اس کے ساتھ بنو تمیم کے دو عمدہ تیغ زن ہیں جنہیں اس نے اپنا محافظ بنا رکھا ہے۔ ان سب کے پاس دولت کے انبار ہیں جنہیں وہ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جوین جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام نیانوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہمارا یہاں رکنا اور زیادہ سودمند ثابت ہوا۔'' پھر نیانوس عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابن ہشام! آپ ابھی رجینا اور البانہ کی طرف جائیں۔ دونوں بھائی ان کے پاس قیام کریں۔ عشاء کے بعد مردون اور جوین دونوں آپ کے ساتھ جانے کے لیے بالکل تیار ہوں گے۔ آپ یہاں آ جائیے گا۔ یہیں سے میں آپ کی رخصتی کا اہتمام کروں گا۔''

نیانوس کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ خوش ہو گئے تھے۔ پھر وہ کالاس کے ساتھ وہاں سے نکل گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کالاس کی چھوٹی سی حویلی میں داخل ہو رہے تھے جونہی وہ کالاس کے ساتھ حویلی میں داخل ہوئے کالاس نے بیرونی دروازہ بند کیا اور وہ ابھی صحن میں ہی ہوں گے کہ اندر سے ایک ساتھ رجینا، البانہ اور انجار نکلیں۔ عتبہ بن ہشام اور

ہلال بن علقمہ کو دیکھتے ہوئے رجینا اور البانہ کی خوشی اور طمانیت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس موقع پر تینوں خوش تھیں۔ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے تینوں سے سلام کہا۔ اس موقع پر سب سے پہلے رجینا نے دونوں کو خوش آمدید کہا پھر شکوہ کرنے کے انداز میں رجینا عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بابا کب سے آپ دونوں کو لینے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ صبح سے شہر میں یہ خبر پھیلی ہوئی تھی کہ مسلمان شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ اسی وقت بابا آپ دونوں کو تلاش کرنے اور لانے گئے تھے اتنی دیر لگ گئی۔ میں اور البانہ تو یہ سمجھ رہی تھیں کہ آپ بابا کو بھی اپنے ساتھ لے کر کسی مہم پر روانہ ہو گئے ہیں۔''

رجینا کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کھل کر مسکرا دیئے تھے۔ دوسری طرف کالاس بھی خوشی کا اظہار کر رہا تھا پھر کالاس نے رجینا کو مخاطب کیا۔

''بیٹی! دونوں کو صحن میں ہی کھڑا کر کے گفتگو کرتی رہو گی یا..........''

کالاس اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ رجینا بیچاری فی الفور معذرت طلب انداز میں کہنے لگی۔ ''آپ دونوں کھڑے کیوں ہو گئے ہیں۔ اندر آئیں۔ اس کے ساتھ ہی سب ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب رجینا اور البانہ دونوں نے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو جنگوں میں ان کی کارگزاری پر انہیں مبارکباد دی۔ اس کے بعد عتبہ بن ہشام رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''رجینا! ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے...... مجھے امید ہے تم اور میری بہن البانہ برا نہیں مانو گی اور جو فیصلہ ہم نے کیا ہے اس سے تعاون کرو گی۔''

رجینا نے گھورنے کے انداز میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

''یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ کچھ کہنے یا کرنے کے لیے آپ کو مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اور البانہ تو آپ کے خیالات سے پوری طرح ہم آہنگی رکھتی ہیں۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں وہ ہم دونوں سے پوچھے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔ ہمیں آپ پر اتنا اعتماد اور بھروسہ تو ہے۔''

جواب میں عتبہ بن ہشام رجینا کے الفاظ سن کر خوشی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ پھر کہنے لگا۔

رجینا دراصل جس وقت محترم کالاس ہمیں ملے انہیں ہم ساتھ لے کر تمہاری طرف

آنے کی بجائے نیانوس کی طرف چلے گئے تھے۔'' اس کے بعد عتبہ بن ہشام نے نیانوس کے ہاں جو گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل رجینا اور البانہ دونوں سے کہہ دی تھی۔

عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب البانہ پہلی بار اس کی طرف دیکھتے ہوئے مخاطب ہوئی۔

''بھائی! یہ کمال کا فیصلہ ہے...... آپ دونوں ہمارے پاس آئے بھی اور پھر جانے کی تیاری بھی شروع کر دی۔ ایک رات بھی ہمارے پاس رہنے کا عزم نہیں کیا...... اس کے علاوہ آپ دونوں جانتے ہیں میں اور رجینا یہاں غیر محفوظ تھیں ہم دونوں بابا کی جس قدر بھی احسان مند ہوں، جس قدر بھی ان کا شکریہ ادا کریں............''

یہاں تک کہتے کہتے البانہ کو رک جانا پڑا اس لیے کہ اس کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے کالاس کہنے لگا۔

''بیٹے! تمہاری حیثیت میری دو بیٹیوں کی سی ہے۔ اگر کوئی اپنی بیٹیوں کی حفاظت کرتا ہے تو کیا اس کا احسان مند ہونا چاہیے۔ اس کا ممنون ہونا چاہیے...... نہیں ہرگز نہیں...... جو کچھ میں نے کیا یہ میرے فرائض میں شامل تھا۔ میری بچیو! تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض ہے اس لیے اس سلسلے میں تم دونوں کو نہ ہی کسی قسم کی ممنونیت نہ ہی شکرگزاری کے اظہار کی ضرورت ہے۔''

کالاس جب خاموش ہوا تب رجینا پیار بھرے انداز میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ نے جو فیصلہ کیا ہے...... میں سمجھتی ہوں کہ یہ بہت اچھا، بہت عمدہ فیصلہ ہے۔ میں اور البانہ یقیناً دونوں اس سے اتفاق کریں گی۔ اگر آپ آج ہی عشاء کے بعد نیانوس کے دو آدمیوں مردون اور جوین کے ساتھ قاتلوں کی تلاش میں نکلنا چاہتے ہیں تو میں اور البانہ آپ کے اس ارادے، آپ کی اس منصوبہ بندی کو سلام پیش کرتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی رجینا کو خاموش ہو جانا پڑا اس لیے کہ عتبہ بن ہشام نے اپنے کندھے پر لٹکتی ہوئی خرجین اتاری اس کے ایسا کرنے پر ہلال بن علقمہ بھی اپنے کندھے سے لٹکتی ہوئی خرجین اتار رہا تھا۔ پھر دونوں نے اپنی اپنی خرجینوں سے کچھ تھیلیاں نکالیں دونوں نے دو دو تھیلیاں نکال کر کالاس کی گود میں رکھ دیں۔ پھر عتبہ بن ہشام کالاس کو

مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نیانوس کی حویلی سے ادھر آتے ہوئے راستے میں جو آپ کی ہماری گفتگو ہوئی تھی اس کے مطابق یہ نقدی آپ اپنے پاس رکھیں......''

عتبہ بن ہشام کو رک جانا پڑا اس لیے کہ کالاس اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ چاروں نقدی کی تھیلیاں اس نے رجینا اور البانہ کے سامنے رکھ دیں پھر کہنے لگا۔

''محترم عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ! جو چار تھیلیاں آپ دونوں نے مجھے دی ہیں ان پر رجینا اور البانہ کا حق بنتا ہے۔ اس لیے یہ چاروں تھیلیاں میں نے دونوں بہنوں کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان تھیلیوں میں جو نقدی ہے اس پر رجینا اور البانہ حق رکھتی ہیں کہ ان تھیلیوں کی نقدی کو جیسے چاہیں استعمال کریں۔''

کالاس رکا، کچھ سوچا اس کے بعد رجینا اور البانہ دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میری دونوں بیٹیو! نیانوس کی حویلی سے ادھر آتے ہوئے راستے میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے ساتھ تم دونوں کے مستقبل سے متعلق میری تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے جو فیصلہ ان دونوں نے مل کر کیا ہے اس کے مطابق آج عشاء کے بعد نیانوس کے دونوں آدمیوں مردون اور جوین کے ساتھ اپنی مہم پر روانہ ہو جائیں گے۔ ان دونوں کے گھوڑے بھی لشکر گاہ میں ہیں۔ یہاں سے روانہ ہونے کے بعد پہلے یہ لشکر گاہ جائیں گے۔ اپنے گھوڑوں کو لینے کے بعد پھر نیانوس کے دونوں آدمیوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔

ادھر آتے ہوئے میری بچیو! یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد تم چاروں کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ عتبہ بن ہشام نے یہ بھی تجویز پیش کی ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں تم دونوں مدائن شہر میں اپنی رہائش کے لیے عمدہ حویلیوں کا انتخاب کرو۔ ان حویلیوں کو خرید لیا جائے گا اور شادی کے بعد تم دونوں ان حویلیوں میں قیام کرو گی۔''

کالاس جب خاموش ہوا تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ ''کالاس میرے محترم! آپ نے ادھوری بات کی ہے جو حویلیاں خریدی جائیں گی وہ رجینا اور البانہ نہیں آپ خریدیں گے اور پھر ان حویلیوں میں عتبہ بن ہشام اور رجینا، ہلال بن علقمہ اور البانہ نہیں رہیں گے بلکہ آپ دونوں میاں بیوی بھی ہمارے

ساتھ رہیں گے۔ آپ اپنے آپ کو ایک طرف کیوں کر رہے ہیں۔ یہ جو آپ کا مکان ہے یہ ویسے کا ویسا رہے گا، آپ اسے بیچنا چاہیں تو بیچ کر رقم اپنے پاس رکھ لیجیے گا۔ نہ بیچنا چاہیں اپنی نشانی کے طور پر رکھنا چاہیں تو ویسے کا ویسا رہے گا۔''

عتبہ بن ہشام جب رکا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری مسکراہٹ مٹھاس اور پوری شیرینی میں رجینا کہنے لگی۔

''آپ کی اس گفتگو، آپ کے ان الفاظ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ شادی کے بعد بابا اور اماں دونوں ہمارے ساتھ رہیں گے۔ اس طرح ہمیں یہ احساس نہیں ہو گا کہ ہم نے اپنے عزیز اقارب کو کھویا ہے۔''

اس کے ساتھ رجینا اور البانہ دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر رجینا اپنی جگہ سے اٹھی ان کے سامنے نقدی کی چاروں تھیلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ چاروں تھیلیاں اس نے اٹھائیں اور کالاس کی گود میں رکھ دیں پھر کہنے لگی۔

''بابا! آپ نے یہ نقدی کی تھیلیاں اٹھا کر ہمارے سامنے رکھنے کی غلطی کی ہے۔ آپ ہمارے بڑے ہیں۔ کیا باپ کے ہوتے ہوئے کوئی بیٹی یہ کام کر سکتی ہے جو کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کے ہوتے ہوئے میں اور البانہ اپنی رہائش گاہیں خریدیں گی۔ بابا یہ کام آپ کا ہے آپ ہی کو کرنا ہے۔ نقدی کی یہ تھیلیاں اپنے پاس رکھیں اور میں ایک بات اپنے حبیب عتبہ بن ہشام اور اپنے بھائی ہلال بن علقمہ کی طرف سے کہتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھ سے اتفاق کریں گے۔ بابا یہ جو نقدی کی تھیلیاں آپ کو دی جا رہی ہیں ان میں کس قدر نقدی ہے۔ آپ کو یہ گننے کی ضرورت نہیں ہے حویلیوں پر کتنا خرچہ آئے گا یہ بھی آپ سے کوئی نہیں پوچھے گا اور نہ ہی آپ سے اس نقدی کا کوئی حساب لے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رجینا رکی پھر جواب طلب سے انداز میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا میں نے درست کہا ہے۔''

عتبہ بن ہشام مسکرایا اور رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''رجینا! درست سے بھی کوئی اچھا لفظ میرے ذہن میں ہوتا تو میں وہ استعمال کرتا تم نے ہمارے دل کی ترجمانی کی ہے۔ نقدی کی یہ تھیلیاں اب محترم کالاس کے پاس رہیں گی۔ ان تھیلیوں

میں سے جیسے اور جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ یہ تھیلیاں ان کی ملکیت ہیں۔''

رجینا اور عتبہ بن ہشام کی اس گفتگو سے کالاس ہی نہیں انجار کی خوشی کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ رجینا نے پھر عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھا کہنے لگی۔

''میں اپنی اور اپنی بہن البانہ کی طرف سے آپ دونوں سے ایک اچھی خبر کہنا چاہتی ہوں۔''

اس پر مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔''رجینا! اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تم البانہ محترم کالاس اور اماں انجار چاروں اسلام قبول کر چکی ہو تو یہ بات نیانوس کی حویلی سے اس طرف آتے ہوئے راستے میں کالاس ہمیں بتا چکے ہیں۔''

رجینا کھل کر مسکرا دی کہنے لگی۔''بس میں تو یہی آپ سے کہنا چاہتی تھی کہ ہم اب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ اب جبکہ شام ہونے والی ہے ...... میں اپنی اور البانہ دونوں کی طرف سے آپ سے گزارش کرتی ہوں جس مہم پر آپ دونوں نے روانہ ہونا ہے اس پر بڑی احتیاط سے کام کیجئے گا...... آپ دونوں جانتے ہیں کہ میرا اور البانہ کا اب اس دنیا میں کالاس انجار اور آپ دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ میں اور البانہ کسی صورت یہ نہیں چاہیں گی کہ آپ دونوں کی زندگیاں خطرے میں پڑیں لیکن آذرمی دخت کے قاتلوں سے انتقام لینا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا سارے عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے میں آپ دونوں سے التماس کروں گی کہ اس مہم میں محتاط رہیے گا۔ جان بوجھ کر یا غفلت سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈالیے گا۔''

رجینا کی اس گفتگو کا جواب عتبہ بن ہشام دینا ہی چاہتا تھا کہ انجار رجینا اور البانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بیٹے سورج غروب ہو رہا ہے۔ کھانا کب سے تیار پڑا ہے۔ کھانا لگاؤ سب مل کر کھائیں۔''

اس پر رجینا اور البانہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسی کمرے میں کھانا لگا دیا گیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ سب سے مل کر وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔ پہلے لشکر گاہ کی طرف گئے وہاں سے اپنے گھوڑے لیے اس کے بعد وہ نیانوس کی حویلی آئے۔ وہاں سے مردون اور جوین کو ساتھ لیا۔ اس کے بعد وہ اپنی مہم پر روانہ ہو گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ ایک روز دونوں مردون اور جوین کے ساتھ تبریز شہر کے نواح میں نمودار ہوئے۔ ایک جگہ رک کر عتبہ بن ہشام مردون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ علاقے تم دونوں کے دیکھے بھالے ہیں۔ پہلے شہر کی کسی نواحی سرائے کا رخ کرو۔ اس کے بعد اپنے کام کی ابتدا کریں گے۔''

جواب میں مردون کہنے لگا۔''شہر کے جنوب مشرق میں ایک کافی عمدہ اور بڑی سرائے ہے۔ ادھر ہی چلتے ہیں۔''

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے اس سے اتفاق کیا لہٰذا چاروں آگے بڑھے۔

جہاں تک تبریز شہر کا تعلق ہے تو یہ ایران کا خوبصورت شہر ہے۔ کبھی آذربائیجان میں ہوا کرتا تھا۔ ارمنی مؤرخ وردان کے مطابق ارمنی حکمران خسرو نے ساسانی بادشاہ اردشیر اول کے خلاف انتقامی جذبے کے تحت ایرانی علاقے میں اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ مؤرخین کے مطابق اس شہر کی تعمیر میں ہارون رشید کی بیوی زبیدہ اور بقول مؤرخ بلاذری کچھ اور حکمرانوں نے بھی شہر کی فصیل کی تعمیر میں حصہ لیا۔

کہا جاتا ہے کہ تبریز میں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں اور جن زلزلوں سے اسے بہت زیادہ نقصان پہنچا وہ ہجری دو سو چوالیس ہجری چار سو چونتیس میں آئے۔ جو زلزلہ سن آٹھ سو اٹھاون میں آیا اس سے یہ شہر بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔

چنانچہ المتوکل کے دور میں یعنی ہجری دو سو سنتالیس اور سن سات سو اکسٹھ تک یہ شہر نئے سرے سے تعمیر ہوا۔ اس کے بعد یہ شہر مختلف ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہا۔

ہجری چار سو چونتیس میں تبریز ایک مرتبہ زلزلہ کے باعث تباہ برباد ہو گیا اور ہجری چار سو اڑتیس یعنی سن دس سو چھیالیس میں ناصر خسرو نے تبریز میں سیف الدولہ ابو منصور کو بادشاہ بنایا۔

ہجری چار سو چھیالیس سن دس سو باون میں ابو منصور نے طغرل کی اطاعت قبول کر لی۔ مؤرخ المقدسی نے تبریز کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کا معاصر ابن حوقل تبریز کو آذربائیجان کا سب سے زیادہ آباد شہر بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے خرید و فروخت بکثرت ہوتی تھی اور یہاں ارمنی پارچہ جات بنانے کے کارخانے تھے۔

ابن مسکویہ نے بھی تبریز پر قلم اٹھایا ہے۔ وہ لکھتا ہے تبریز ایک شاندار شہر ہے۔ اس کے اردگرد ایک مضبوط فصیل ہے اور یہ باغوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے باشندے شجاع جنگجو امیر ہیں۔

ناصر خسرو نے ہجری چار سو اڑتیس میں شہر کا کل رقبہ چودہ سو قدم طویل اور چودہ سو چوڑا لکھا ہے۔ عہد سلاجقہ میں تبریز کا ذکر بہت کم سننے میں آیا۔ سلجوقی سلطان برکیاروق اور اس کے بھائی محمد کے مابین تنازعہ ہوا تو برکیاروق تبریز کے جنوبی پہاڑی علاقے میں چلا گیا بعد میں صلح ہونے پر یہ شہر محمد کے حصے میں آیا۔ ہجری پانچ سو اٹھارہ میں سلطان محمود نے تبریز میں خاصا وقت گزارا اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی سعود نے اس پر قبضہ کر لیا۔

لیکن داؤد بن محمد نے سعود سے یہ شہر چھین لیا اور تبریز میں رہ کر ایک وسیع مملکت پر حکمرانی کرتا رہا۔

سن ہجری چھ سو ستارہ میں منگولوں نے تبریز کا محاصرہ کر لیا اور ایک کثیر رقم بطور فدیہ لے کر واپس جانے پر رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ہر سال یہ روش اختیار کر لی۔ ہجری چھ سو بائیس میں جلال الدین خوارزم شاہ تبریز میں داخل ہوا اور چھ سال تک اس نے اس شہر پر حکمرانی کی۔

ہجری چھ سو چون اور سن بارہ سو چھپن میں ہلاکو خان بغداد کی فتح کے بعد آذربائیجان گیا اور مراغہ میں سکونت اختیار کی۔ سن بارہ سو باسٹھ اور ہجری چھ سو اکسٹھ میں ہلاکو خان شمالی قفقاز میں اپنے چچا زاد بھائی اور پہلے اسلام قبول کرنے والے منگول شہزادے برقا خان سے ٹکرایا۔ برقا خان کے ہاتھوں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ واپس لوٹا اور اس کے بعد مر گیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اباقا نے ان علاقوں پر حکومت قائم کی اور تبریز کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔

اس کے بعد ہجری سات سو چھتیس اور سن تیرہ سو چھتیس میں جلائر یعنی ایل خانی خاندان تبریز پر عروج پذیر ہوا۔ ہجری سات سو چھیاسی یعنی سن تیرہ سو چوراسی میں جب تیمور نے ایران پر پہلی مرتبہ حملہ کیا تو سلطانیہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سمرقند واپس چلا گیا۔ اس کے بعد سب سے بڑے دشمن توقتمش خان نے سن سات سو ستاسی میں ایک مہم آذربائیجان کے خلاف بھیجی تو حملہ آوروں نے تبریز پر قبضہ کر لیا لیکن سلطان احمد

جلائر تبریز پر قابض ہو رہا تھا کہ اسے تیمور نے پھر نکال دیا اور تبریز کے باشندوں پر ایک تاوان لگا دیا تھا۔

اس کے بعد ایک شخص میراں شاہ اس شہر کا حکمران بنا۔ ہجری سات سو تہتر سن چودہ سو چھیاسی میں اوزون حسن نے تبریز کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس کے دور میں تبریز ایک بہترین شہر تھا۔ یہاں خوب رونق تھی جہاں تمام ملکوں کے سفراء یہاں آتے تھے۔ اوزون حسن کے بعد اس کا بیٹا یعقوب تبریز کا حاکم ہوا۔

ہجری نو سو چھ اور سن پندرہ سو میں ایران کے شہنشاہ اسماعیل اول نے تبریز پر قبضہ کر کیا یہ صفولی خاندان کا بانی تھا۔ ہجری نو سو بیس اور سن پندرہ سو چودہ میں جنگ چالدران کی وجہ سے عثمانیوں کے لیے تبریز کا راستہ کھل گیا۔ چنانچہ نو دن کی لڑائی کے بعد عثمانی ترکوں کے سلطان سلیم نے تبریز پر قبضہ کر لیا۔

ترکوں نے بڑی نرم پالیسی اختیار کی۔ انہوں نے صرف ان خزانوں پر قبضہ کیا جو ایرانی بادشاہوں نے جمع کر رکھے تھے۔

سلطان سلیم نے صرف ایک ہفتہ تبریز میں قیام کیا اور ہجری نو سو ترانوے اور سن پندرہ سو پچاسی میں ترک سلطان مراد ثالث کا وزیراعظم اور عثمان پاشا چالیس ہزار فوج لے کر تبریز پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے بڑھا چنانچہ ستمبر کے مہینے میں ترکوں کے شہر پر قبضہ ہو گیا۔ عثمان پاشا نے تبریز کی حفاظت کے لیے مربع شکل کا ایک قلعہ بنایا یہ قلعہ چھتیس روز میں تیار ہوا تھا۔

چنانچہ ایرانی حکمران عباس اول کے بعد ترکوں اور ایرانیوں میں باہمی کشمکش ازسرِ نو شروع ہوئی یہاں تک کہ ہجری دس سو چھیالیس اور سن سولہ سو پینتیس میں سلطان مراد رابع نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور تبریز پر پھر قبضہ کر لیا۔

عثمانی سلطان مراد رابع کے ہاتھوں یہ سارا شہر تباہ و برباد ہو گیا لیکن اس سلطان کے دور میں تبریز نے پہلے سے کہیں زیادہ شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے میں تبریز کی آبادی تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ نفوس کے لگ بھگ تھی۔

اس کے بعد سن سولہ سو تہتر میں جب شاہ سلیمان اول کا زمانہ تھا۔ تبریز کی آبادی تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ تھی۔ پندرہ ہزار مکان تھے۔ تقریباً اتنی ہی دکانیں تھیں یہ واقعی بہت بڑا اور اہم شہر تھا۔ اگرچہ ان معلومات میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اس شہر کے

بارے میں یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ اس وقت ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔

ہجری گیارہ سو بیالیس سن سترہ سو انتیس میں نادر شاہ افشار تبریز میں داخل ہوا۔ نادر شاہ نے آذر بائیجان کا صوبہ امیر ارسلان کے سپرد کر دیا تھا۔ نادر شاہ کی وفات کے بعد ابراہیم خان نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا لیکن جلد ہی نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کے ہاتھوں مارا گیا۔

سن سترہ سو اسی میں زلزلے کی وجہ سے تبریز کو ایک بار پھر نقصان پہنچا۔ ہجری بارہ سو پانچ اور سن سترہ سو نوے میں قاچار خاندان کے بانی محمد خان نے آذر بائیجان پر قبضہ کیا تو اس نے تبریز کو حسین خان کی جاگیر میں شامل کر دیا۔

ہجری بارہ سو چودہ اور سن سترہ سو ننانوے میں ایک شخص عباس مرزا تبریز کا حکم بنا اس کے وقت سے تبریز ولی عہد سلطنت ایران کی رسمی قیام گاہ کے طور پر رہا۔ انیسویں صدی کے آخر تک تبریز کے اندر تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ سن انیس سو انیس تک اس شہر کی تاریخ بڑی پرآشوب رہی ہے۔ سن انیس سو انیس میں رضا خان بطور ایک نئے گورنر جنرل کے تبریز میں آیا تو اس نے یہاں پھیلی ہوئی بدنظمی کو ختم کیا اور یہی گورنر جنرل بعد میں ایران کا بادشاہ بنا۔

تبریز کے قدیم ترین آثار قدیمہ مغل دور کی یادگار میں سے ہیں۔ یہ آثار ویران ہو چکے ہیں۔ صرف ایک مسجد کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جسے نیلی مسجد کہتے ہیں۔ تبریز کی آبادی سن انیس سو چوہتر میں پانچ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اب یہ شہر قالینوں، خشک پھلوں روئی اور چمڑے کی تجارت کی وجہ سے مشہور ہے۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں مردون اور جوین کے ساتھ تبریز کی ایک سرائے میں داخل ہوئے۔ اپنی قیام گاہ کا بندوست کرنے کے بعد گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر ان کے چارے دانے کا انتظام کیا گیا۔ پہلے چاروں نے مل کر کھانا کھایا پھر سرائے کے ایک کمرے میں اکٹھے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد عتبہ بن ہشام مردون اور جوین کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’’میرے دونوں ساتھیو پہلے یہ بتاؤ کہ تبریز میں کس کس نے قیام کر رکھا ہے اور ترمذ شہر میں کون ٹھہرا ہوا ہے۔‘‘

عتبہ بن ہشام کے اس سوال پر مردون نے اپنے ساتھی جوین کی طرف جواب طلب سے انداز میں دیکھا۔ اس پر جوین نے گلہ صاف کیا پھر عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

’’تبریز میں باریز نے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ قیام کر رکھا ہے۔ ان چھ میں سے چار باریز کے پرانے ساتھی ہیں جبکہ دو کا تعلق عربوں کے قبیلے بنو تمیم سے ہے۔ جہاں تک باریز کے دوسرے ساتھی نوذر کا تعلق ہے تو باریز کی طرح اس کے ساتھ بھی اس کے چھ ساتھی ہیں جو سارے اس کے پرانے قدیم ساتھی اور نمک خوار ہیں ان سب کے پاس دولت کے انبار ہیں۔ باریز نے یہاں تبریز میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے عمدہ قسم کی رہائشگاہ کا اہتمام کیا ہے۔ ایسے ہی نوذر نے ترمذ شہر میں قیام کیا ہے۔ اسلامی لشکر نے ابھی دریائے دجلہ عبور نہیں کیا تھا کہ باریز اور نوذر وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ ان کے ساتھی بعد میں قصرِ ابیض کی انتہائی قیمتی اشیاء کو لے کر ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس بنا پر باریز اور نوذر کے پاس دولت کے انبار ہیں۔ باریز اور نوذر

جس وقت ان علاقوں کی طرف سفر کر رہے تھے تو ان کے ساتھ کچھ فالتو خچریں تھیں جن پر ان کا مال و دولت لدا ہوا تھا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جوین رکا کچھ سوچا پھر دوبارہ عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ اس موقع پر میں ایک بات آپ سے کہنا ضرور پسند کروں گا اور وہ یہ کہ باریز اور نوذر دونوں بہترین اور بلا کے خونخوار قسم کے تیغ زن ہیں ان کے ساتھ جو ان کے ساتھی ہیں وہ بھی ایران کے مانے ہوئے تیغ زن رہے ہیں لہٰذا ان سے نمٹنا کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔ اس موقع پر میں آپ سے گزارش کروں گا کہ اس سے نمٹنے کے لیے کوئی طریقہ استعمال ہونا چاہیے جہاں تک بنوتمیم کے ان دو تیغ زنوں کا تعلق ہے تو وہ باریز اور نوذر کے ایرانی جنگجوؤں سے بھی زیادہ اچھے اور عمدہ قسم کے تیغ زن ہیں اور انہیں ایک طرح سے باریز نے اپنے ساتھ محافظوں کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ یہ باریز اور نوذر صرف آذری دخت کے قتل کے مجرم نہیں ہیں۔ انہوں نے ایران کے اندر اور بہت سے لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا ایران میں جس وقت رستم اور دوسرے بڑے سالار فیروز کے درمیان رقابت اور کشمکش کا سلسلہ جاری تھا تو اس باریز اور نوذر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رستم کی حمایت کرتے ہوئے رستم ہی کے کہنے پر فیروز کے بہت سے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا چونکہ انہیں فیروز کے ہمنواؤں اور ساتھیوں سے بھی خطرہ تھا۔ اس بنا پر یہ مدائن سے نکل کر ان علاقوں کی طرف بھاگ آئے۔ میرے خیال میں باریز اور نوذر کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ آپ دونوں حضرات آذری دخت کا انتقام لینے کے لیے ان کے پیچھے ہیں۔ بہرحال جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ باریز نوذر اور ان کے ساتھی بڑے عمدہ اور بڑے اعلیٰ پائے کے تیغ زن ہیں۔ لہٰذا کوئی محفوظ طریقہ استعمال کرتے ہوئے اس سے نمٹنا چاہیے۔"

جواب میں عتبہ بن ہشام کچھ سوچتا رہا پھر بڑی راز داری کے ساتھ اس نے ہلال بن علقمہ سے مشورہ کیا۔ اس کے بعد وہ مردون اور جوین کی طرف بڑے غور سے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

"میرے دونوں عزیز ساتھیو! یہ معاملہ تو طے ہے کہ تم دونوں باریز نوذر اور ان کے ساتھیوں کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہو۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ کیا باریز اور نوذر بھی تم

دونوں سے متعلق متعارف ہیں۔"

اس بار عتبہ بن ہشام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مردون بول اٹھا۔

"وہ مجھے اور جوین دونوں کو نہیں جانتے۔"

مردون کے اس جواب پر عتبہ بن ہشام کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے پھر کچھ سوچا اس کے بعد دوبارہ مردون اور جوین کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"اگر باریز اور نوذر تم دونوں کو تمہارے چہروں سے نہیں پہنچانتے تو میں سمجھتا ہوں ہمارا مسئلہ کافی حد تک حل ہو گیا ہے۔ مردون تم ہمارے ساتھ رہو۔ جوین تمہارے ذمے میں ایک کام لگا رہا ہوں۔ جس وقت ہم سرائے کی طرف آئے تھے تم نے دیکھا سرائے کے شمال مغربی حصے میں کافی کھلا اور وسیع میدان ہے اور اس میدان کے اطراف میں درختوں کے گھنے جھنڈ بھی ہیں۔ میں زیادہ عرصہ ان علاقوں میں قیام کر کے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اپنے دشمنوں سے نمٹ کر فی الفور واپس اپنے لشکر میں شامل ہو کر میں اور ہلال بن علقمہ دونوں اپنا فرض ادا کرنا چاہتے ہیں لہٰذا جوین تم ابھی اور اسی وقت اٹھ کے باریز کی طرف جاؤ نوذر نے کیونکہ ترمذ شہر میں قیام کر رکھا ہے اس سے بعد میں نمٹیں گے۔ تم دونوں پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا یہ باریز اور نوذر رستم کے ساتھی سالاروں سے بھی واقف ہیں اور ان کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔"

اس پر جوین جھٹ سے بول اٹھا اور کہنے لگا۔ "سب سے واقف ہیں اور ان کے ساتھ کام بھی کرتے رہے ہیں۔" اس پر مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

"اگر یہ بات ہے تو مجھے غور سے سنو۔ ایرانیوں کا شہنشاہ یزدگرد مدائن سے بھاگ چکا ہے۔ اس وقت اس کے ساتھ کئی بڑے بڑے سالار ہیں۔ ان میں سے چار کے نام مجھے اس وقت یاد ہیں۔ ایک کا نام خسرو شنوم، دوسرے کا نام زیلبی، تیسرے کا نام ادین بن ہرمزان اور چوتھے کا نام بیکان ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ باریز اور نوذر ان چاروں میں سے کسی سے زیادہ مانوس اور قریب ہیں۔"

عتبہ بن ہشام کے اس سوال پر مردون فوراً بول اٹھا۔ "نوذر اور باریز خسرو شنوم سے زیادہ مانوس ہیں۔ اس لیے کہ خسرو شنوم براہ راست رستم کے ساتھ رہا ہے۔ گو زیلبی، ادین بن ہرمزان اور بیکان بھی رستم کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ باریز اور نوذر

ان سے خوب شناسا ہیں لیکن یہ دونوں زیادہ مانوس خسرو شنوم سے ہیں۔''

مردون جب خاموش ہوا تب جوین کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''میرے بھائی! تم ابھی اور اسی وقت اٹھ کر باریز کی قیام گاہ کی طرف جاؤ اس کے پاس پہنچو اپنا تعارف کراؤ کہ تم مدائن کے رہنے والے ہو اور خسرو شنوم کے چند قابل اعتبار ساتھیوں میں سے ہو۔ اس سلسلے میں گفتگو کے دوران نیانوس کا نام تک نہ آنے دینا اس لیے کہ باریز اور نوذر دونوں نیانوس کے بدترین دشمن ہیں۔ چنانچہ اپنے آپ کو خسرو شنوم سے وابستہ کرتے ہوئے باریز پر یہ انکشاف کرنا کہ کچھ لوگ اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے لیے تبریز پہنچ گئے ہیں۔ ظاہر ہے جب تم باریز پر یہ انکشاف کرو گے کہ وہ اور اس کے ساتھی چونکیں گے تم سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیسے خبر ہوئی۔ تم باریز سے کہنا کہ تمہیں خسرو شنوم نے تمہاری طرف بھیجا ہے اور یہ اطلاع دی ہے کہ دو عرب سالار عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے قتل کے درپے ہیں لہٰذا ان سے محتاط رہنا۔

دورانِ گفتگو باریز پر یہ بھی انکشاف کرنا کہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں تمہیں آذرمی دخت کے انتقام کا بدلہ لینے کے لیے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں اور اس وقت دونوں نے تبریز کی سرائے میں قیام کر رکھا ہے۔ باریز پر یہ بھی انکشاف کرنا کہ تم اور مردون دو ساتھی ہو دونوں کو خسرو شنوم نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ باریز پر یہ بھی انکشاف کرنا کہ وہ دو عرب سالار تمہیں قتل کرنے کے لیے آئے ہیں ان کے ساتھ ان کا کوئی تیسرا ساتھی نہیں ہے۔ انہوں نے سرائے میں قیام کیا ہوا ہے اور اس وقت وہ گھڑ دوڑ کے لیے سرائے کے شمال مغرب میں جو کھلا میدان ہے وہاں گھڑ دوڑ کے لیے گئے ہوئے ہیں۔

باریز کو یہ بھی مشورہ دینا کہ باریز اگر اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرکت میں آئے تو ان دونوں عرب سالاروں کا خاتمہ کر کے اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں کو محفوظ کر سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب دم لینے کے لیے رکا تب بڑی طمانیت کا اظہار کرتے ہوئے جوین کہنے لگا۔

''جو کچھ آپ نے کہا ہے میں اسے سمجھ گیا ہوں۔ اب آپ ایسا کریں تینوں سرائے

سے نکل کر اس میدان کی طرف چلے جائیں۔ میں باریز اور اس کے ساتھیوں کو لے کر اسی میدان کی طرف آؤں گا۔ میرے آنے تک آپ میدان کے اطراف میں جو درختوں کے گھنے جھنڈ ہیں وہاں گھات لگا لینا اور جب باریز اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں آئے گا تو آپ با آسانی اس سے نمٹ سکیں گے۔''

جوین جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا تم خوب سمجھے۔ اب تم اٹھ کر باریز کی طرف جاؤ۔ ہم تینوں یہاں سے نکل کر اس کھلے میدان کی طرف جاتے ہیں۔ اگر باریز اپنے سارے ساتھیوں کو لے کر آیا تو پھر ہم تھوڑی دیر گھات میں رہ کر اس کے ساتھیوں کی تعداد کم کریں گے اور اگر وہ سارے ساتھیوں کو ساتھ نہ لایا تو کھلے میدان میں اس کی راہ روکیں گے اور اس کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اب تم اٹھ کر جاؤ۔''

اس کے ساتھ ہی جوین اٹھ کھڑا ہوا۔ عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، مردون بھی کھڑے ہو گئے۔ چاروں اصطبل کی طرف آئے۔ اپنے گھوڑوں کو تیار کیا۔ سوار ہوئے جوین اپنے گھوڑے کا رخ موڑتے ہوئے شہر کے اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا جبکہ عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ اور مردون سرائے کے شمال مغرب میں جو کھلا میدان تھا اپنے گھوڑوں کو اس سمت دوڑا رہے تھے۔

تبریز کی ایک حویلی کے سامنے جوین اپنے گھوڑے سے اترا وہ ایک کافی بڑی محل اور قلعہ نما حویلی تھی۔ اپنے گھوڑے کو اس نے حویلی کے صدر دروازے کے قریب باندھ دیا پھر اس نے حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔

پہلی دستک پر کسی ردعمل کا اظہار نہ ہوا تھا۔ آخر جوین نے دوبارہ دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا کوئی نوجوان تھا۔ جوین کو دیکھتے ہی اس نے پوچھ لیا۔

''تم کون ہو۔ حویلی کے دروازے پر کیوں دستک دی ہے اور کیا چاہتے ہو۔''

ساتھ ہی دروازہ کھولنے والا جوین کے گھوڑے کی طرف غور سے دیکھنے لگا تھا۔

یہاں تک کہ جوین نے اسے مخاطب کیا۔

''میرے عزیز میں حلوان شہر کی طرف سے آیا ہوں۔ مجھے رستم کے دستِ راست خسرو شنوم نے بھیجا ہے۔ میرے پاس باریز اور نوذر کے لیے ایک انتہائی اہم پیغام

ہے۔ کیا تم مجھے ان کے پاس لے جا سکتے ہو۔ میری ان سے ملاقات کرا سکتے ہو۔ میرے پاس ان کے لیے ایک ایسا پیغام ہے جس میں ان کی خیریت اور عافیت پنہاں ہے۔''

دروازہ کھولنے والے نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔ ''گھوڑے کو یہیں رہنے دو اندر آؤ۔''

جوین حویلی میں داخل ہوا۔ دروازہ کھولنے والے نے اسے دیوان خانے میں بٹھایا اور کہنے لگا۔

''یہیں رکو میں باریز کو بلا کر لاتا ہوں۔''

جوین چپ چاپ وہاں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد باریز اپنے چھ سات ساتھیوں کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہوا۔ جوین کیونکہ باریز اور نوذر دونوں کو شکل سے پہچانتا تھا لہٰذا باریز جب دیوان خانے میں داخل ہوا تب جوین اس کی عزت سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ایسا کرنے پر باریز خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ باریز ایک خوب قد آور دیو ہیکل نوجوان تھا۔ اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی اس طرح اسی نوع کے آدمی تھے۔ باریز جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک نشست پر بیٹھ گیا تب جوین بھی جہاں سے اٹھا تھا وہاں ہو بیٹھا پھر باریز نے جوین کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''میرے ساتھی نے مجھے بتایا ہے کہ تم حلوان کی طرف سے آئے ہو اور تمہیں میری طرف خسرو شنوم نے بھیجا ہے۔ کہو کیا معاملہ ہے۔ خسرو شنوم میرے بہترین ہمدردوں اور ساتھیوں میں سے ہے۔ اس نے یقیناً تمہیں ایک اچھا ہی پیغام دے کر بھیجا ہوگا۔''

اس پر جوین نے گلہ صاف کیا۔ کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ باریز ہیں۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ نوذر کہاں ہیں۔''

اس پر ہلکی سی مسکراہٹ میں باریز کہنے لگا۔ ''میں باریز ہی ہوں جہاں تک میرے ساتھی نوذر کا تعلق ہے تو وہ یہاں نہیں۔ اس نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دنوں ترمذ شہر میں قیام کر رکھا ہے۔ تم کہو پیغام کیا ہے۔''

اس پر جوین غور سے باریز کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''جو پیغام میں آپ تک لے کر آیا ہوں یا جو پیغام میں آپ کو پہنچانے لگا ہوں میری آپ سے استدعا ہے

کہ وہ پیغام آپ اپنے ساتھی نوذر تک بھی پہنچائیے گا۔ اگر آپ نہ پہنچانا چاہیں یا آپ کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہ ہو تو پھر مجھے نوذر کا پتا بتا دیجئے گا۔ میں یہاں سے سیدھا اس کے پاس ترمذ جاؤں گا اور جس خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے مجھے خسرو شنوم نے بھیجا ہے اس خطرے سے اسے آگاہ کروں گا۔''

جوین کے ان الفاظ پر باریز چونکا فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیسا خطرہ......''

جوین نے پھر گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگا۔ ''خسرو شنوم نے مجھے آپ کے نام یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ دو عرب سالار آپ سے آذرمی دخت کا انتقام لینے کے لیے تبریز پہنچ چکے ہیں۔ میں اکیلا نہیں آیا۔ خسرو شنوم نے مجھے اور میرے ایک ساتھی کو ادھر روانہ کیا ہے جو عرب نوجوان آپ سے آذرمی دخت کا انتقام لینے کے لیے آئے ہیں ان کے نام عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ ہیں۔ میرے خیال میں آپ ان سے واقف ہوں گے......''

یہ دونوں نام سن کر باریز چونکا حیرت زدہ سے انداز میں جوین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تو نے ٹھیک کہا...... عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ دونوں کا قیام مدائن شہر میں تھا اور وہ ہمارے سابق بادشاہ خسرو پرویز اور ملکہ شیریں سے بڑے مانوس تھے اور بعد میں مدائن شہر کے اندر یہ بھی افواہیں اڑی تھیں کہ شیریں کی حسین اور خوبصورت بہن رجینا اور آذرمی دخت دونوں عتبہ بن ہشام کی طرف مائل تھیں وہ عربوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایرانی لشکر میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد ان کا کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کدھر گئے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایرانی لشکر سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ اب تم مزید کہو کیا معاملہ ہے۔''

باریز جب خاموش ہوا تب جوین بولتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔

''محترم باریز! عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں تبریز پہنچ چکے ہیں۔ میں اور میرا ساتھی گزشتہ دو دن سے یہاں قیام کیے ہوئے ہیں۔ ہم نے تبریز شہر کی ایک ایک سرائے کا جائزہ لیا۔ اس لیے کہ خسرو شنوم نے مجھے ہدایت کی تھی کہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کا تبریز میں کوئی جاننے والا نہیں ہے لہٰذا آپ اور آپ کے ساتھی نوذر پر

حملہ آور ہونے کے لیے اور آپ دونوں کو تلاش کرنے کے لیے وہ یقیناً کسی سرائے میں قیام کریں گے۔ اس بنا پر ہم نے ساری سراؤں کا جائزہ لیا۔ آخر ہم نے دونوں کو تلاش کرلیا۔ وہ شہر کی شمالی سرائے میں قیام کیے ہوئے ہیں۔ اس وقت وہ دونوں گھڑ دوڑ کے لیے سرائے سے ملحقہ جو کھلا میدان ہے اس کی طرف گئے ہیں۔ میرا ساتھی ان کے تعاقب میں ہے اور ان پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ مگر آپ ان دونوں سے نمٹنا چاہتے ہیں تو اس وقت ان دونوں سے نمٹنے کا بہترین اور آسان طریقہ ہے کیونکہ وہ گھڑ دوڑ کے لیے گئے ہیں۔ وہیں ان پر حملہ آور ہوں اور ان کا خاتمہ کر دیں ورنہ وہ کوئی بھی مناسب موقع پا کر آپ پر حملہ آور ہونے سے دریغ نہیں کریں گے۔ میرے خیال میں ابھی انہوں نے آپ کی رہائشگاہ کو تلاش نہیں کیا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ یہاں تبریز میں انہوں نے کسی سے رابطہ قائم کیا ہے کہ نہیں یا یہ کہ آپ کے کسی جاننے والے نے آپ سے متعلق ان سے مخبری کی ہے یا نہیں لیکن جونہی انہیں آپ کے محل وقوع کی خبر ہوئی وہ آپ پر حملہ آور ہوں گے کیونکہ کسی نے ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ رستم آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہتا تھا۔ صرف اندھا کر کے زندان میں ڈال دینا چاہتا تھا۔ آپ اور نوذر نے اسے مشورہ دیا کہ آذرمی دخت کو قتل کر دیا جانا چاہیے لہٰذا رستم نے آذرمی دخت کو آپ دونوں کے حوالے کر دیا اور آپ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا لہٰذا وہ آپ دونوں سے آذرمی دخت کے قتل کا انتقام لینے کے درپے ہیں۔''

جوین جب خاموش ہوا تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے باریز کہنے لگا۔

''تم ہمارے لیے بہت اچھی بلکہ قیمتی خبریں لے کر آئے ہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے۔''

''وہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ پر نگاہ رکھنے کے لیے ان کے تعاقب میں ہے۔ اگر آپ ابھی اور اسی وقت نکل کھڑے ہوں تو ان دونوں سے بڑی آسانی کے ساتھ نمٹا جا سکتا ہے۔''

اس پر باریز نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''اپنے گھوڑوں کو تیار کرو۔ اور ابھی یہاں سے ہم سرائے کے اس وسیع میدان کی طرف جائیں گے۔''

چنانچہ باریز کے کہنے پر اس کے ساتھی فوراً حرکت میں آئے۔ گھوڑوں کو انہوں نے تیار کیا پھر وہ جوین کے ساتھ حویلی سے نکلے اور جس سرائے میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے قیام کر رکھا تھا اس سرائے کے شمال مغرب میں جو کھلا میدان تھا۔ جوین کی رہنمائی میں اس میدان کی طرف ہو لیے تھے۔

جب وہ سرائے کے قریبی اس میدان میں داخل ہوئے تب باریز جوین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارا ساتھی کہاں ہے۔ گھوڑ دوڑ کا یہ میدان تو خالی پڑا ہے یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں۔ دیکھ اگر ہمارے ساتھ دھوکہ فریب کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں رہو گے۔''

باریز کے ان الفاظ پر جوین کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا کہنے لگا۔

''کیا آپ ناحق مجھ پر بداعتمادی اور شک کا اظہار نہیں کر رہے ہیں...... اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ کر گیا تھا جس نے ان پر نگاہ رکھنی تھی آپ تھوڑی دیر صبر تو کریں۔''

جوین کے ان الفاظ سے باریز کچھ مطمئن سا ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑا سا ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ درختوں کے ایک جھنڈ سے مردون نمودار ہوا، اسے دیکھتے ہوئے باریز کی طرف منہ کر کے جوین کہنے لگا۔

''یہ جو درختوں کے جھنڈ سے نکلا ہے یہی میرا ساتھی ہے۔''

باریز کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے اس کے ساتھی بھی مطمئن تھے۔ سب جب مردون کے پاس آئے تو مردون کو مخاطب کرتے ہوئے جوین نے پوچھا۔

''وہ دونوں عرب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کہاں ہیں جن پر میں نے تمہیں نگاہ رکھنے کے لیے کہا تھا۔''

اس پر مردون اپنے سامنے اشارہ کرنے لگا۔

''یہاں سے بمشکل دو فرلانگ آگے وہ درختوں کے ایک جھنڈ تلے بیٹھے ہیں۔ ان کے گھوڑے بھی ان کے پاس ہی کھڑے ہیں۔ وہ اس میدان میں کچھ دیر گھوڑ دوڑ کرتے رہے ہیں۔ میرے خیال میں اب تھک ہار کر یا تو اس جھنڈ تلے بیٹھے ستا رہے ہیں یا آپس میں کوئی صلاح مشورہ کر رہے ہوں گے۔''

مردون کے ان الفاظ سے باریز خوش ہو گیا تھا پھر دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم دونوں ہمارے پیچھے پیچھے آؤ...... اگر وہ درختوں کے جھنڈ تلے ستا رہے ہیں تو پھر ہم انہیں ہمیشہ کے لیے ستانے پر مجبور کر دیں گے۔ تم دونوں ہمارے پیچھے رہو۔'' ساتھ ہی باریز نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ہتھیار سنبھال لینے کی تنبیہہ کر دی تھی۔

اس طرح باریز اور اس کے ساتھی اس کے چھ ساتھی اور سب کے پیچھے جوین اور مردون سب آگے بڑھے۔ ابھی وہ چند ہی قدم آگے گئے ہوں گے کہ درختوں کے جھنڈ کے اندر سے ایسی لگاتار اور تیز تیر اندازی آئی کہ باریز کے چھ ساتھیوں میں سے تین تیروں سے چھلنی ہو کر لاشوں کی صورت میں اپنے گھوڑوں سے نیچے گر گئے۔ باریز اور اس کے باقی تین ساتھیوں نے جس طرف سے تیر آئے تھے اس طرف اپنی ڈھالیں سامنے کر لی تھیں تاکہ تیر اندازی سے محفوظ رہ سکیں۔

اپنے تین محافظوں کے مارے جانے کے باعث باریز ابھی پریشانی، فکرمندی اور تعجب ہی کا اظہار کر رہا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کے اندر سے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی باریز اور اس کے ساتھیوں کے غضب اور غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اتنی دیر تک جوین اور مردون بھی باریز اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے سے ہٹ کر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف چلے گئے تھے۔

اس موقع پر باریز نے بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے مردون کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''تو اس کا مطلب ہے تم دونوں دھوکہ دہی سے کام لے کر ہم کو ادھر لائے ہو اور تم ہمارے مخلص اور خیر خواہ نہیں بلکہ اس عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ سے ملے ہوئے ہو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد باریز رکا پھر براہ راست اس نے چند لمحوں تک عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا پھر اپنا منہ وہ عتبہ بن ہشام کی طرف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں تمہیں اور تمہارے ساتھی ہلال بن علقمہ دونوں کو پہچان گیا ہوں...... اگر تم دونوں اس نیت سے نکلے ہو کہ آذرمی دخت کے قتل کا ہم سے انتقام لو گے تو اس میں تم دونوں کو کامیابی حاصل نہیں ہو گی بلکہ اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ تم نے جو مدائن کے ان دو آدمیوں کو اپنے ساتھ ملایا ہے تو یہ بھی تمہارے لیے سودمند ثابت نہیں

ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سے انتقام لینا تو بہت دور کی بات۔ اب تو تم اپنی جان بچا کر بھی نہیں بھاگ سکو گے۔ سنو ان سرزمینوں کی طرف اپنی کامیابی کے بجائے تم دونوں اندھیرے خیالات بے جہت راستوں، تلخ سچائیوں کی حرارت اور گہرے گھنے اندھیروں میں حسرتوں کے خار اور دہکتے سورج تلے کم فہم راستوں کی تھکن کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہو۔ اگر تم خاموشی کے اداس آنگنوں کو زیست کے خوشنما ساحروں، خیالات اور احساسات میں خوش خوانی کے جذبوں کے عروج، دل و جان کے دریچوں کے لیے پھولوں پر برستی شبنم سحر کی کرنوں خواہشوں کی ڈالیوں پر جگنوؤں کے دیوں کی تلاش میں نکلے ہو تو پھر تم نے پاگل پن اور احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ اب تبریز کے اس میدان کے اندر ہم تمہاری روح کی تسکین کا سارا نشہ اتار کر تمہیں اہل جفا کے عذابوں، ستم کشوں کے عتابوں کا شکار کریں گے۔ تمہاری جرأت اور ہنرمندی کی سرشاری میں غم بھرے المیوں کی بارش، یادوں کے سکھ میں سلگتے دکھ بھرے لمحے بھر کر رکھ دیں گے۔

سنو آذرمی دخت کے قتل کا انتقام لینے کے لیے نکلنے والو...... لکھ رکھو اس میدان میں مجبوریوں کے آنسو، دکھوں کی آہیں، قتل گاہوں کی تاریکی، ادھوری آرزوؤں اور مقتل گاہوں کی پلی رتیں تمہارا مقدر بننے والی ہیں۔''

باریز جب تک بولتا رہا عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں چپ چاپ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب باریز چپ ہوا تب یوں لگا جیسے فنا کی موجوں کے درمیان سمندر کی وحشت خیز آوازیں بلند ہوئی ہوں یا موت کی منڈی کی طرف ہانک دینے والا گندھک اور کوئلے کا دھماکہ ہوا ہو۔ اس لیے کہ دھاڑتی ہوئی آواز میں عتبہ بن ہشام نے وقت کا سکتہ توڑا تھا اور باریز کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تیرے جیسے سرد رتوں کی پیلی دھوپ ویرانیوں سے باتیں کرتے ٹوٹے پتوں اور زندگی کی تپتی لو کی کہانیاں رقم کرنے والے ہم نے بھی بہت دیکھ رکھے ہیں۔ قضا کے اندھیرے میں بے حیائی کی چادر اپنے کندھوں پر ڈالے تلخی محرومی خوف اور بے بسی کے پھانسی کے پھندے اپنے گلوں میں لٹکائے گھومنے والے آوارہ نوجوان ہم نے بہت دیکھے۔ سن باریز یہ جو تو وقت کی بدترین آندھیوں بے تحاشا قوت فولاد کا دل رکھنے والے سورماؤں کی سی باتیں کر رہا ہے تو ایسے تیغ زنوں کو تو ہم داستانوں کے بکھرے اوراق زندگی کی دھوپ چھاؤں موت و مرگ کے سناٹوں اور دھواں دھواں مسرتوں کی

شام کی طرح اڑا کر رکھ دیتے ہیں۔ آ مجھ سے ٹکرا پھر دیکھ میں تیری حالت کیسے اور کس طرح ریت پر لکھے حروف اندھوں کی بستی میں پھرتے سایوں، موسموں کے چاک پیکر آنکھوں میں لاوارثی کے دروغاروں کی گھنی تیرگی اور گناہوں کے اندھیروں جیسی کرتا ہوں۔''

عتبہ بن ہشام یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب باریز نے ایک قہقہہ لگایا اور خوفناک انداز میں کہنے لگا۔

''یہ بھی تو نے خوب کہی۔ تم دو ہمارے سامنے مسلح ہو۔ باقی دو جو تمہاری رہنمائی کرتے ہوئے تمہیں ہمارے پاس لے کر آئے ہیں دونوں نہتے ہیں۔ حیرت ہے میرے اور میرے تین ساتھیوں کے مقابلے میں تم دو یعنی ہم چار کو تم دونوں تنگ و تاریک وحشتوں، دکھ کے المیوں، بے اعتنائی کی رتوں اور الجھے الجھے نوکیلے سرابوں کی دھمکیوں سے ڈراتے ہو۔''

یہاں تک کہتے کہتے باریز کو رک جانا پڑا اس لیے کہ عین اسی لمحہ جوین اور مردون دونوں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حرکت میں آئے اور اپنے گھوڑوں کی زین کے ساتھ بندھے ہوئے نیاموں سے انہوں نے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں۔ ساتھ ہی گھوڑوں کے ہنے سے لٹکتی ہوئی ڈھالیں بھی وہ سنبھال چکے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے باریز اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر اعضاء شکنی زیست کی گھٹن اور وحشتوں کے سندیسوں کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس صورتِ حال میں باریز نے کوئی فیصلہ کیا پھر مخصوص انداز میں اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد چاروں نے مل کر خاموشیوں کے قفل توڑتی قہرمانیت کی ان گنت شور کرتی لہروں کے سے انداز میں اپنے مخصوص نعرے بلند کیے۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھ کر وقت کے نگار خانے میں فضا کی اڑاتی دھول اور قہر کی سنگ باری تپتے موسموں کی تشنگی کی طرح عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ اور ان کے دونوں ساتھیوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ بھی سمندر کی طرف بھاگتے دریاؤں، عذاب بھری آشفتگی اور نفرت کی سیلابی لہروں کی طرح باریز اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

عتبہ بن ہشام براہ راست باریز سے ٹکرایا تھا۔ باریز نے جب دیکھا کہ شروع کے

حملے میں ہی عتبہ بن ہشام اس پر حاوی ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تب اس نے ایک دم اپنے گھوڑے کا رخ موڑا ایک طرف ہٹنا چاہتا تھا کہ اچانک جوین یا مردون دونوں میں سے کسی ایک پر پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر عتبہ بن ہشام کے ساتھیوں کی تعداد کم کرے لیکن عتبہ بن ہشام اس پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا جب عتبہ بن ہشام اس کی طرف لپکا تب اسے روکنے کے لیے باریز نے اپنی تلوار کا وار اُس پر کیا۔ عتبہ بن ہشام نے اس کی تلوار کو اپنی تلوار پر روکا پھر اپنی ڈھال کو حرکت میں لایا۔ ڈھال اس کے سر پر دے ماری ساتھ ہی زور سے چلایا۔

''باریز! قسم خدائے برتر و مہربان کی تو پاگل احمق اور بے وقوف ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ میرے سامنے سے ہٹ کر میرے ساتھیوں میں سے کسی ایک پر حملہ آور ہو کر میرے ساتھیوں کی تعداد کم کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ تیری بھول ہے۔ اس وقت تک تو میں تیرے جسم کے پرخچے اڑا کر رکھ دوں گا۔''

باریز نے جب اندازہ لگایا کہ عتبہ بن ہشام اس کے ارادے، اس کی نیت کو بھانپ گیا ہے تب اس نے اپنے گھوڑے کو پلٹانا شروع کیا۔ بس اس کا گھوڑے کا پلٹانا تھا کہ عتبہ بن ہشام نے اپنی کارروائی مکمل کی۔ ایک دم اپنی ڈھال کو حرکت میں لایا اور ڈھال کو اس نے باریز کے کندھے پر مارنا چاہا۔ باریز نے جب اپنے اس شانے کا دفاع کیا تو عین اسی لمحہ عتبہ بن ہشام کی چمکتی ہوئی تلوار برق کی طرح گری اور باریز کے دوسرے شانے کو نیچے تک کاٹتی چلی گئی تھی۔ باریز نے ایک خوفناک چیخ بلند کی۔ اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔

باریز کے اس طرح مارے جانے پر اس کے تینوں ساتھی حوصلہ ہار گئے تھے۔ تب بھاگنے کے لیے ادھر اُدھر دیکھنے لگے تھے کہ اسی دوران عتبہ بن ہشام نے ایک کا خاتمہ کر دیا۔ اسی دوران ایک بچنے والوں میں سے ایک بھاگ کھڑا ہوا۔ اس پر عین اسی لمحہ عتبہ بن ہشام نے خنجر نکال کر اس کی پیٹھ پر مارا اور بھاگنے والا بھی اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا۔ آخری بچنے والا چوتھا اپنے گھوڑے سے نیچے کود کر معافی مانگنے لگا تھا۔ اس نے اپنی تلوار اور ڈھال ایک طرف پھینک دی تھی۔

یہ صورتِ حال عتبہ بن ہشام اور اس کے ساتھیوں کے لیے بڑی خوش کن تھی۔ چنانچہ عتبہ بن ہشام اپنے گھوڑے سے اترا اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ بھی

نیچے کود گیا تھا۔ جوین اور مردون بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئے۔ اس دوران باریز کا آخری بچنے والا ساتھی بھاگا اور اپنے آپ کو عتبہ بن ہشام کے قدموں میں گرا دیا اور گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے معاف کر دیں۔ میرا آذرمی دخت کے قتل میں کوئی حصہ نہیں۔ بس باریز تو ہمیں دولت اور ضروریات زندگی کی لالچ میں اپنے ساتھ لیے پھرتا تھا ورنہ اس کے سیاہ کارناموں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔

عتبہ بن ہشام ایک دم پیچھے ہٹ گیا اسے کھڑا ہونے کے لیے کہا اس پر وہ کھڑا ہو گیا۔ عتبہ بن ہشام نے کچھ دیر تک گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کیا۔

"پہلے یہ بتا کہ تمہارے ساتھ بنوتمیم کے جو تیغ زن تھے وہ کدھر گئے...... کیا وہ نوذر کے ساتھ ترمذ شہر کی طرف چلے گئے ہیں......؟"

اس پر بچنے والے نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

"نہیں...... دراصل بنوتمیم کے ان دونوں تیغ زنوں کو باریز اور نوذر دونوں نے اپنے ساتھ محافظوں کے طور پر رکھا تھا۔ اس لیے کہ وہ بڑے اچھے تیغ زن تھے۔ ان کے ساتھ کچھ روزینہ اور معاوضہ بھی طے ہوا تھا لیکن اس روزینے اور معاوضے میں اس باریز نے بددیانتی کی کوشش کی جس پر بنوتمیم کے ان دونوں تیغ زنوں کی باریز سے تکرار ہوگئی چنانچہ باریز نے ان کے خلاف سازش کی کہ آنے والی شب کو ان دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان کو بھی باریز کے ارادوں کی بھنک پڑ گئی چنانچہ وہ باریز کو چھوڑ کر واپس اپنے قبیلے کی طرف چلے گئے۔"

اس انکشاف پر عتبہ بن ہشام کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کیا تم بنوتمیم کے ان دونوں جوانوں کے نام بتا سکتے ہو۔"

اس پر وہ جھٹ سے بول اٹھا۔ "ان میں سے ایک کا نام سعد بن قیس اور دوسرے کا نام برق بن اسد تھا۔"

عتبہ بن ہشام نے کچھ سوچا پھر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب تم اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور جس حویلی میں اس باریز کی رہائش تھی

وہاں ہمیں لے کر چلو۔"

وہ نوجوان چپ چاپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون اس کے پیچھے ہو لیے تھے۔

آخر سب حویلی میں داخل ہوئے۔ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں دیوان خانے میں آئے پھر عتبہ بن ہشام جوین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس نوجوان کے ساتھ لگ جاؤ اور باریز نے جس قدر مال اسباب قیمتی اشیاء اس حویلی میں رکھی ہیں وہ سب اٹھا کر اس دیوان خانے میں لے آؤ۔"

اس پر جوین اور مردون فوراً حرکت میں آئے۔ اس نوجوان کو ساتھ لیا اور جو کچھ حویلی کے اندر نقدی، قیمتی جواہرات اور دوسرا نایاب سامان تھا وہ سارا لا کر دیوان خانے میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

عتبہ بن ہشام نے خود آگے بڑھ کر اس سارے سامان کے سات حصے کیے۔ سامان کی تقسیم کے بعد وہ سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں نے اس سارے سامان کے سات حصے کیے ہیں۔ ایک حصہ میرا، ایک میرے بھائی بن علقمہ کا، تیسرا حصہ جوین کا، چوتھا حصہ مردون کا پانچواں حصہ تمہارا۔"

باریز کے زندہ بچ جانے والے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے کہا تھا۔ "اور باقی جو دو حصے بچتے ہیں وہ بنی تمیم کے ان دو نوجوانوں تک پہنچائے جائیں گے جن کے نام سعد بن قیس اور برق بن اسد ہیں جن کو ان کے ساتھ مقرر کیے جانے والا معاوضہ نہیں ملا تھا اور باریز نے انہیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہا تھا اور وہ باریز کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

عتبہ بن ہشام کی اس تقسیم پر جوین، مردون اور باریز کا زندہ بچنے والا ساتھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر باریز کا زندہ بچنے والا ساتھی عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

"کیا آپ مجھ سے کوئی تعرض نہیں کریں گے...... مجھے موت کے گھاٹ تو نہیں اتار دیں گے...... اگر آپ مجھے موت کے گھاٹ نہ اتاریں تو میں قسمیہ کہتا ہوں ساری زندگی آپ کا جانثار اور وفادار بن کر رہوں گا۔"

اس پر مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ "جو تمہارا حصہ علیحدہ کیا ہے وہ اٹھاؤ

ہماری طرف سے تم آزاد ہو جہاں جانا چاہو تمہیں اجازت ہے، ابھی اور اسی وقت جا سکتے ہو۔ اگر اس حویلی میں رہنا چاہو تب بھی تمہاری مرضی۔ ایسی صورت میں یہ حویلی تمہاری ہو گی۔"

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر اس نوجوان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی پھر عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون نے اپنا اپنا حصہ اٹھایا، عتبہ بن ہشام ن بنوتمیم کے دونوں نوجوانوں کے حصے بھی اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے پھر باریز کے زندہ بچنے والے ساتھی کو مخاطب کر کے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

"ہم اب یہاں سے رخصت ہوتے ہیں یہ حویلی تمہاری ہے۔ خواہ اس میں رہائش رکھوں یا اسے بیچ کر رقم حاصل کر لو۔"

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون باہر نکل گئے تھے۔ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر وہ تبریز سے نکل کر ترمذ شہر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

ترمذ شہر ترکستان کے مشہور و معروف شہروں میں شمار کیا جاتا ہے جو دریائے آمو کے بائیں کنارے دریائے سرخان کے دہانے کے قریب واقع ہے۔ اس شہر کی بنیاد سے متعلق مؤرخین کا خیال ہے کہ سکندر اعظم نے رکھی تھی۔

جب مسلمان اس شہر میں پہنچے تو ترمذ میں بدھ مت عروج پر تھا اور وہاں ایک ہزار کے قریب بھکشو موجود تھے۔ اس زمانے میں ترمذ ایک بہت بڑے حکمران کے تحت تھا جو شاہ ترمذ کے لقب سے مشہور تھا۔ اس زمانے میں دریا کے کنارے ایک مستحکم قلعہ تھا۔

ترمذ شہر کو ہجری ستر یا سن چھ سو نواسی میں موسیٰ بن عبداللہ بن خازم نے فتح کیا اور تقریباً پندرہ سال تک اسلامی حکومت سے بغاوت کر کے اس پر قابض رہا۔ یہاں تک کہ ہجری پچاسی سن سات سو چار کے آخر میں عثمان بن مسعود نے مقفل بن مہلب کے حکم سے اسے فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔

بقول مؤرخ مقدسی ترمذ آمو دریا پر ایک اہم بندرگاہ تھی یہاں کشتیاں بنا کر باہر بھیجی جاتی تھیں اور یہاں کا صابن بڑا مشہور تھا۔

سلطان محمود غزنوی اور اس کے جانشینوں کے عہد میں یہ شہر دوسرے شہروں کی طرح جو دریائے جیحوں کے شمال میں تھے۔ بلخ کے تابع اور غزنوی سلطنت کا ایک حصہ ہوا کرتے تھے۔ ہجری پانچ سو چھتیس اور سن گیارہ سو اکتالیس میں جب سادرا نہر کی حکومت قرہ ختائیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تو بھی ترمذ پر سلجوقیوں کا قبضہ رہا۔ ہجری پانچ سو اکیاون اور سن سترہ سو چھپن میں سلطان سنجر نے ترمذ میں ہی پناہ لی۔ اس کے بعد قرہ ختائیوں کا اس شہر پر قبضہ ہو گیا۔

ہجری چھ سو ایک اور سن بارہ سو پانچ میں عماد الدین عمر جو غوریوں کی طرف سے بلخ

کا حاکم تھا۔ ترمذ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بہرام شاہ یہاں کا حاکم مقرر ہوا لیکن ایک سال بعد ہی خوارزم شاہ نے ترمذ فتح کر کے قرہ ختائیوں کو لوٹا دیا جب سلطنت قرہ ختا کو زوال آ گیا تو یہ شہر سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ہجری چھ سو سترہ اور سن بارہ سو اکیس میں منگولوں کے ہاتھوں یہ شہر بالکل تباہ و برباد ہوگیا۔

کہتے ہیں ابن بطوطہ جب بلخ پہنچا تو ترمذ کی حالت بہتر ہو چکی تھی جبکہ بلخ ابھی کھنڈرات ہی کی شکل میں تھا۔ ترمذ اپنے پہلے مقام سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر دوبارہ آباد ہوا اور اس کی حیثیت ایک اہم اور بڑے شہر کی تھی۔ باشندے خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ منگول حملے کے بعد ترمذ کو مدینۃ الرجال یعنی مردوں کے شہر کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ہجری آٹھ سو دس اور سن چودہ سو سات میں خلیل سلطان نے ترمذ کو دوبارہ تعمیر کروا دیا۔ دسویں صدی ہجری اور سولھویں صدی عیسوی سے ترمذ ازبکوں کی حکومت میں شامل رہا۔

بلخ کی لڑائی میں جو ازبکوں اور اورنگزیب عالمگیر کے درمیان زمانہ شہزادگی میں ہوئی ترمذ پر ہندوستانی فوجوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہ شہر شیر علی کے قبضے میں چلا گیا بعد کے زمانے میں فسادات کی وجہ سے یہ شہر ایک بار پھر تباہ و برباد ہوا۔ یہاں تک کہ ہجری دس سو بہتر اور سن سترہ سو پچاسی میں ایک شخص محمد رحیم خان نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کروایا لیکن اس شہر کی قسمت میں ایک بار پھر بربادی اور تباہی لکھی تھی۔

تیرھویں صدی ہجری اور انیسویں صدی کے دوسرے وسط میں ترمذ کہنہ کے کھنڈرات کے قریب حصار اور صالح آباد کے گاؤں کے سوا اور کچھ باقی نہ تھا۔ ہجری تیرہ سو بارہ اور سن اٹھارہ سو چورانوے میں ترمذ کے کھنڈرات سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ایک روسی قلعہ تعمیر ہوا جو آہستہ آہستہ شہر بن گیا۔ اس وقت ترمذ میں زیادہ آبادی کردوں کی تھی۔ سن انیس سو سولہ میں ترمذ ریلوے کا افتتاح ہوا لیکن انقلاب روس کے دوران یہ ریلوے لائن تباہ کر دی گئی جسے اب دوبارہ تعمیر کر دیا گیا ہے۔

ترمذ کے آثار قدیمہ میں ابو عبداللہ محمد بن علی کا مقبرہ جو نویں صدی ہجری یا پندرھویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا تھا ایک نفیس ترین عمارت ہے۔ اس کا شمار وسط ایشیا

کی خوبصورت ترین عمارات میں ہوتا ہے۔ ترمذ نے کئی ایک مشہور ہستیوں کو جنم دیا جنہوں نے اسلامی دنیا میں اہم مقام حاصل کیا۔ ایسی مشہور شخصیتوں میں سے ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ہیں جو محدث اور عالم دین تھے۔ ان کی تصانیف کو صحاح ستہ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ دوسری اہم شخصیت جس کو ترمذ نے جنم دیا وہ ابوعبداللہ محمد بن ترمذی ہیں جو امام بخاری کے ہم سبق تھے۔

ترمذ پہنچ کر عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون نے تبریز ہی کی طرح ایک سرائے میں قیام کیا۔ اس کے بعد عتبہ بن ہشام کے کہنے پر جوین اور مردون دونوں نوذر اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے لگ گئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے روزمرہ کے کاموں پر نگاہ رکھی جائے۔ تین دن اسی طرح گزر گئے۔ چوتھے روز شام کے قریب جس وقت عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ سرائے میں اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جوین اور مردون دونوں مسکراتے ہوئے داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی عتبہ بن ہشام بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''تمہارے چہرے بتاتے ہیں کہ آج نوذر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف تم کوئی کامیابی حاصل کرنے کے بعد لوٹے ہو۔''

اس پر جوین اور مردون دونوں آگے بڑھ کر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے سامنے بیٹھ گئے پھر گفتگو کا آغاز جوین نے کیا اور کہنے لگا۔

''ابن ہشام آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم نوذر اور اس کے ساتھیوں سے متعلق بہت اچھی اور سودمند اطلاعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔''

نوذر سے متعلق اطلاعات یہ ہیں کہ باریز کی طرح اس کے ساتھ بھی اس کے چھ محافظ ہیں۔ اس نے اپنی رہائش کے لیے یہاں ایک حویلی خرید رکھی ہے۔ ہم تین دن تک اس کے روزمرہ کے کاموں پر نگاہ رکھتے رہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا معمول یہ ہے کہ وہ ہر روز دریا کے کنارے ایک مے خانے میں آتے ہیں وہاں کافی دیر بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ مے خانہ مجوسیوں کا ہے۔ بہت بڑا مے خانہ ہے۔ یہاں لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ چنانچہ نوذر اور اس کے ساتھی بھی رات گئے تک اس مے خانے میں بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور اس کے بعد وہاں سے نکل کر اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے جاتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جوین جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز! پہلے یہ بتا یہ مے خانہ شہر کے نواح میں ہے یا شہر سے ملحقہ ہے۔"

اس پر جوین نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"میں نے آپ سے گزارش کی کہ یہ دریائے آمو کے کنارے ہے اور شہر سے لگ بھگ آدھے میل کے فاصلے پر ہوگا۔ شہر سے ایک پختہ شاہراہ اس مے خانے کی طرف جاتی ہے۔"

جوین کے خاموش ہونے پر عتبہ بن ہشام نے جستجو بھرے انداز میں پھر پوچھ لیا۔

"کیا تو نے نوذر اور اس کے ساتھیوں کی رہائش گاہ بھی دیکھ لی ہے؟"

جواب میں جوین مسکرایا۔ پہلے اس نے اثبات میں گردن ہلائی پھر کہنے لگا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں اور مردون نے نوذر اور اس کے ساتھیوں کی رہائشگاہ بھی دیکھ لی ہے جس طرح باریز نے تبریز شہر میں ایک قلعہ نما حویلی میں رہائش رکھی تھی ایسے ہی نوذر نے بھی ایک انتہائی محفوظ حویلی ترمذ شہر میں خریدی ہے اور اسی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس نے رہائش رکھی ہوئی ہے۔ یہ لوگ دن بھر کہیں آتے جاتے نہیں ہیں بس جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں سورج غروب ہونے کے کچھ دیر بعد دریائے آمو کے کنارے جو مے خانہ ہے وہاں آتے ہیں۔ وہاں کافی دیر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اٹھ کر شہر کی طرف ہو لیتے ہیں اور اپنی رہائشگاہ کی طرف چل دیتے ہیں۔"

جوین کی گفتگو سن کر عتبہ بن ہشام خوش ہو گیا تھا۔ ہلال بن علقمہ بھی مسکرا رہا تھا پھر عتبہ بن ہشام نے ہلال بن علقمہ کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

"ابن علقمہ میرے بھائی ہم تین دن ترمذ شہر میں قیام کر چکے ہیں۔ میرے خیال میں کافی ستا چکے ہیں اور آرام بھی کر چکے ہیں۔ میرے بھائی میں چاہتا ہوں آنے والی شب کو نوذر سے نمٹ لیا جائے۔ اس کے بعد واپسی کا سفر کیا جائے۔ یہاں سے نکل کر ہم بنو تمیم کا رخ کریں گے پھر لشکر میں شامل ہوں گے۔"

عتبہ بن ہشام کے پوچھنے پر ہلال بن علقمہ کہنے لگا۔ "ابن ہشام میرے بھائی! جو کچھ تو نے سوچ رکھا ہے وہی درست ہے۔ آج رات نوذر اور اس کے ساتھیوں سے

نمٹ لینا چاہیے اور پھر ہمیں وقت ضائع کیے بغیر واپسی کا سفر شروع کر دینا چاہیے۔"

عتبہ بن ہشام کی اس تجویز سے جوین اور مردون نے بھی اتفاق کیا تھا پھر چاروں کمرے سے نکلے اور کھانا کھانے بھٹیار خانے کی طرف ہو لیے تھے۔

❁❁❁

رات رنگوں کی کہانیوں جواں پھولوں کی داستانوں فن پاروں کی روداتوں فطرت کے موقع کمال کی حقیقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹتی وقت کے اوراق کو الٹتی چلی جا رہی تھی۔ گہری ہوتی شب نے ہر بے کل باطن، ہر بے قرار دل پر غنودگی طاری کرنا شروع کر دی تھی جبکہ خود رات بے قرار لمحوں کو آسودہ کرتی بڑی تیزی سے سحر کی روشنی کی تلاش میں بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

ایسے میں نوذر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب دریا کے کنارے کے مے خانے سے نکل کر ترمذ شہر کی طرف روانہ ہوا تو اس نے ابھی آدھا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ چاروں طرف پھیلی گہری تاریکی میں ایک دہکتی اور خوف طاری کرتی آواز اسے اور اس کے ساتھیوں کو سنائی دی۔

"نوذر...... اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہاں ہو وہیں کھڑے ہو جاؤ...... اپنے ہتھیار اپنے گھوڑوں سے نیچے پھینک دو ...... تم سب ہمارے تیروں کی زد میں ہو...... اگر تم میں سے کسی نے حرکت کرنے کی کوشش کی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

نوذر اس وقت اپنے ساتھیوں کے آگے آگے تھا۔ اچھا دیوپیکر انسان تھا۔ یہ آواز سن کر اس نے ذومعنی انداز میں اپنے قریب آ کر کھڑے ہو جانے والے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر ایک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اس شہر میں تو ہماری کسی کے ساتھ دشمنی نہیں...... پھر کس نے ہمیں رکنے اور جان سے مار دینے کی دھمکی دی ہے۔ ساری دشمنیاں ساری عداوتیں تو ہم مدائن شہر کے اندر ہی چھوڑ کر آ گئے تھے...... یہ ہمارے پیچھے کون آن نکلا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نوذر رکا پھر ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"یہ کوئی ہمیں لوٹنے والا رہزن یا بٹ مار تو نہیں...... ہم خود یہی پیشہ کرنے والے ہیں...... آؤ چلتے ہیں...... دیکھتے ہیں دھمکی دینے والا ہمارا کیا بگاڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ایک اکیلا ہی ہو اور یونہی ہمارے اوپر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔"

اس کے ساتھ ہی نوذر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس کے پیچھے پیچھے جب اس کے ساتھی بھی روانہ ہوئے تو سنسناتا ہوا ایک تیر آیا اور نوذر کے ایک ساتھی کی چھاتی کو چیرتا ہوا نکل گیا اور نوذر کا وہ ساتھی گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا۔ ساتھ ہی ایک خوف طاری کرتی اور تحکمانہ سی آواز پھر سنائی دی۔

''نوذر...... تجھے میں نے تنبیہ کی تھی کہ یہیں رک جانا...... تم اتنے تمرد اور گھمنڈ میں آ گئے ہو کہ میری آواز کو تو نے کوئی اہمیت نہ دی ...... جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو ورنہ اب مزید آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا زہریلا تیر تیری چھاتی کو چیرتا ہوا نکل جائے گا...... میں اور میرے ساتھی تمہارے اردگرد ہیں...... قبل اس کے کہ سب چھلنی کر دیئے جاؤ...... اپنی تلوار اور خنجر کی پیٹیاں کھول کر ایک طرف پھینک دو اور خود اپنے گھوڑوں سے اتر کر گھوڑوں کے پیچھے دس قدم دور جا کر کھڑے ہو جاؤ۔''

نوذر پر اب خوف اور لرزہ طاری ہو گیا تھا وہ جان گیا تھا کہ معاملہ کوئی خطرناک ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے ایک ساتھی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ مزید ساتھیوں سے وہ جدا نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا پہلے خود گھوڑے سے اترا اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ساتھی بھی اتر گئے سب نے اپنی پیٹیاں کھول کر ایک جگہ ڈال دیں اور اپنے گھوڑوں سے دس قدم پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

اس بار پھر کڑکتی ہوئی تحکمانہ سی آواز سنائی دی۔ ''سب اس مہ خانے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ جس طرف سے شراب پی کر آئے ہو۔''

یہ کڑکتی اور خوف طاری کرتی آواز عتبہ بن ہشام کی تھی۔

نوذر اور اس کے ساتھی فوراً حرکت میں آئے اور جس سمت سے آئے تھے اسی سمت منہ کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔ اب انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ اندھیرے میں ان کے خلاف کون حرکت میں آ رہا ہے۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑے رہے ہوں گے کہ پھر کھولتی ہوئی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

''اب اپنی پشت کی طرف منہ کر لو۔''

نوذر اور اس کے ساتھیوں نے جب مڑ کر دیکھا تو ان کے پیچھے مسلح جوان کھڑے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان مسلح جوانوں نے ان کے ہاتھ کس کر پشت پر باندھ دیئے تھے اور منہ پر ڈھاٹے لگا کر رکھ دیئے تھے۔

اس کے بعد عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ اور ان کے دونوں ساتھی حرکت میں آئے۔ نوذر کے مرنے والے ساتھی کی لاش بھی اٹھا کر ایک گھوڑے پر رکھ دی تھی پھر عتبہ بن ہشام نے جوین کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''تم اپنے گھوڑے کو آگے رکھو اور ان کی رہائشگاہ کی طرف چلو۔''

اس پر جوین اپنا گھوڑا آگے لے آیا اس طرح عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ اور مردون ان سب کو ہانکتے ہوئے ترمذ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

ترمذ شہر کے نواح ہی میں ایک حویلی کے دروازے پر جوین رک گیا اور عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہی ان کی قیام گاہ ہے۔''

عتبہ بن ہشام اپنے گھوڑے سے اترا ان میں سے ایک کے پاس آیا۔ اس کے منہ سے بندھا ہوا کپڑا کھولا اور بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم میں سے نوذر کون ہے اور اس حویلی کے قفل کی کنجی کس کے پاس ہے۔''

اس نے اپنے قریب ہی گھوڑے پر سوار شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ نوذر ہے۔ حویلی کے قفل کی کنجی اسی کے پاس ہے۔''

عتبہ بن ہشام نے پھر اس کے منہ پر ڈھاٹا لگا دیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے ہٹا۔ نوذر کے پاس آیا۔ اس کے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور سخت لہجے میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''حویلی کے قفل کی چابی دو۔''

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام نے پشت پر بندھے ہوئے اس کے ہاتھ کھولے۔ نوذر نے چپ چاپ چابی اپنے لباس کے اندر سے نکال کر دے دی۔ عتبہ بن ہشام نے اس کے ہاتھ پھر پشت پر باندھ دیئے۔ اتنی دیر تک جوین نے آگے بڑھ کر عتبہ بن ہشام سے چابی لی۔ قفل کھولا اس طرح سب کو ہانکتے ہوئے وہ حویلی میں داخل ہوئے اور حویلی کے صدر دروازے کو اندر سے زنجیر لگا دی تھی۔

عتبہ بن ہشام کے کہنے پر ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون ان سب کو ہانکتے ہوئے ایک کمرے میں لے گئے پھر کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ساتھ ہی عتبہ بن ہشام کے کہنے پر جوین اور مردون حرکت میں آئے اور ان کے منہ پر جو ڈھاٹے

بندھے ہوئے تھے وہ کھول دیئے گئے تھے۔

جس کمرے میں ان سب کو جمع کیا گیا تھا اس کے کونے میں چھوٹی سی ایک مشعل جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں نوذر اور اس کے ساتھی خوفزدہ سے انداز میں عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، حوین اور مردون کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ نوذر نے کچھ حوصلہ کیا اور عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو تم عتبہ بن ہشام اور تمہارے ساتھ ہلال بن علقمہ ہے۔ تمہارے دو ساتھی کون ہیں...... انہیں میں نہیں جانتا لیکن تم دونوں کو ہم نے مدائن شہر میں خوب دیکھ رکھا ہے...... اب یہ بتاؤ کہ تم نے ہماری یہ حالت کیوں کی...... کیا ہمارے ساتھ کوئی مذاق ٹھٹھہ کر رہے ہو...... اس لیے کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں...... کوئی عداوت نہیں پر تم لوگوں نے تیراندازی کر کے میرے ایک ساتھی کو کیوں موت کے گھاٹ اتار دیا...... کس وجہ سے ہمارے ہاتھ پشت پر باندھے اور ہمارے منہ پر ڈھاٹے لگانے کے بعد ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے یہاں لے آئے؟''

نوذر جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام تھوڑی دیر قہر بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اچھا ہوا تم نے مجھے اور میرے بھائی ہلال بن علقمہ کو پہچان لیا...... تم کہتے ہو ہماری تمہارے ساتھ کوئی عداوت اور دشمنی نہیں ہے...... ساتھ ہی یہ بھی پوچھتے ہو کہ تمہارے ہاتھ پشت پر کیوں باندھے گئے۔ تمہارے منہ پر ڈھاٹے کیوں لگائے گئے ہیں۔ سن نوذر! میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ جب آذرمی دخت کو گرفتار کرنے کے بعد رستم نے اسے اس کی بینائی سے محروم کر دیا تھا اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے جان سے نہیں مارے گا بلکہ زندان میں ڈال دے گا۔ تب کس وجہ سے تم نے اور تمہارے ساتھی باریز نے رستم کو یہ مشورہ دیا کہ آذرمی دخت کو زندہ نہیں رکھنا چاہیے۔ موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔ سو رستم نے آذرمی دخت کو تم دونوں کے حوالے کر دیا اور تم نے اس معصوم لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار دیا...... کیا اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں تمہاری کوئی منفعت، تمہارا کوئی فائدہ تھا...... اگر رستم نے اسے بینائی سے محروم کر دیا تھا اور وہ اسے زندان میں ڈال دینا چاہتا تھا تو تم دونوں کیوں آڑے آئے...... اگر اسے زندان میں ڈال دیا جاتا تو ہم اسے زندان سے نکال کر کسی محفوظ جگہ لے جاتے جہاں وہ اپنی آئندہ

زندگی پرسکون ماحول میں گزار دیتی...... جو سوال میں نے تم سے کیا ہے اس کا جواب دو پھر میں آگے بڑھتا ہوں۔''

عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب نوذر کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''میں اب سارے معاملے کو سمجھ گیا ہوں۔ مدائن شہر میں یہ افواہ ضرور اٹھی تھی کہ آذرمی دخت کا کسی کی طرف جھکاؤ ہے اور یہ جھکاؤ بہت سے لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری طرف تھا۔ آذرمی دخت اپنی چاہت اور محبت کو چھپاتی رہی لیکن اس کی بڑی بہن بوران دخت کو شاید اس کا علم ہو گیا تھا اور دبی دبی زبان میں مدائن شہر میں یہ بھی آوازیں اٹھنے لگی تھیں کہ آذرمی دخت اپنا زیادہ وقت عتبہ بن ہشام کے پاس کیوں گزارتی ہے۔ لوگ کھل کر اس لیے نہیں بولتے تھے کہ آذرمی دخت کے باپ خسرو پرویز نے تمہیں آذرمی دخت کو تیغ زنی اور گھوڑ دوڑ کا اتالیق اور استاد مقرر کیا تھا۔''

نوذر جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''سارے معاملے کو جلد ہی سمجھ گئے ہو...... کیا اب بھی تم مجھ سے سوال کرو گے کہ ہماری تمہارے ساتھ کیا دشمنی اور عداوت ہے...... ہم نے تمہارے ہاتھ پشت پر کیوں باندھے اور منہ پر ڈھاٹے کیوں لگا دیئے۔''

''اس کا مطلب ہے تم ہم سے آذرمی دخت کے قتل کا انتقام لینے کے لیے آ گئے ہو......'' غور سے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے نوذر نے سوال داغا تھا۔

''ہاں...... آرمی دخت کے قتل کا انتقام لینے کے لیے ہی میں اور ہلال بن علقمہ اس طرف آئے ہیں۔ آذرمی دخت کو کیونکہ رستم نے بینائی سے محروم کیا تھا اور جس وقت یہ حادثہ پیش آیا تھا اس وقت میرے بھائی ہلال بن علقمہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ قدرت نے کبھی موقع دیا تو آذرمی دخت کو بینائی سے محروم کرنے کی وجہ سے یہ رستم کو ضرور موت کے گھاٹ اتارے گا اور پھر تم نے سنا ہو گا کہ یہی میرا بھائی ہلال بن علقمہ ہے جس نے جنگ کے دوران رستم کی گردن کاٹی تھی اور آذرمی دخت کا انتقام لیا تھا۔

اس کے بعد میں نے خود فیصلہ کیا تھا کہ باریز اور نوذر سے آذرمی دخت کے قتل کا انتقام ضرور لوں گا۔ سو دیکھ میں تیرے سر پر پہنچ گیا ہوں۔''

نوذر کچھ دیر عجیب سی بے بسی میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''اگر میں رات کے اس وقت تمہارا الزام ماننے سے انکار کر دوں کہ میں نے باریز کے ساتھ مل کر آذرمی دخت کو قتل کیا تھا تو پھر بھی تم مجھے موت کے گھاٹ اتار دو گے...... تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں اور باریز نے آذرمی دخت کو موت کے گھاٹ اتارا۔ تمہارے پاس کون سی دلیل ہے۔ جس کے تحت تم یہ کہہ رہے ہو کہ رستم نے آذرمی دخت کو صرف بینائی سے محروم کرنے کے بعد زندان میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا جبکہ باریز اور میں نے اسے موت کے گھاٹ اتارا...... کوئی بھی معاملہ، کوئی بھی فیصلہ بغیر ثبوت کے تو نہیں کرنا چاہیے۔''

اس پر ہلکا سا قہقہہ عتبہ بن ہشام نے لگایا پھر نوذر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نوذر! ایرانی امراء میں سے ایک شخص نیانوس ہے...... کیا تم اسے جانتے ہو...... کبھی ایران کے بہترین امراء میں اس کا شمار ہوتا تھا...... سالار بھی رہا تھا...... اب بوڑھا ہو چکا ہے۔ دیکھو سچ بولنا جھوٹ بولو گے تو بڑی اذیت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔''

نیانوس کا نام سن کر نوذر کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا...... میں نیانوس کو جانتا ہوں......''

''اگر تو نیانوس کو جانتا ہے تو پھر سن تجھے یہ بھی خبر ہو گی کہ نیانوس آذرمی دخت کو اپنی بیٹی کی طرح پسند کرتا تھا۔ جب تم دونوں نے آذرمی دخت کو ہلاک کر دیا تو نیانوس کو اس کا بڑا سخت صدمہ ہوا وہ کیونکہ بوڑھا ہو چکا ہے لٰہذا تم دونوں سے آذرمی دخت کے قتل کا انتقام نہ لے سکا چنانچہ اسی نے ہم پر انکشاف کیا کہ آذرمی دخت کے قاتل تم اور تمہارا ساتھی باریز ہے...... کیا اب بھی تم انکار کرتے ہو۔

اور سنو یہ جو میرے اور ہلال بن علقمہ کے ساتھ دو ساتھی ہیں ان میں سے ایک کا نام جوین اور دوسرے کا نام مردون ہے۔ یہ نیانوس ہی کے آدمی ہیں۔ نیانوس ہی نے انہیں اور ان کے کچھ ساتھیوں کو تمہارے اور باریز کے پیچھے لگایا تھا۔ مجھے اور ہلال بن علقمہ کو تو خبر ہی نہیں تھی کہ تم اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ یہاں ترمذ شہر میں آ کر آباد ہو گئے اور اپنے ساتھ دولت کے انبار لے کر آئے ہو یہ تو نیانوس کے انہی مخبروں نے ہمیں اطلاع دی تو ہم تم پر گرفت کرنے کے لیے آ گئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام رکا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''نوذر! یہ بھی سنو اور جو کچھ میں کہنے لگا ہوں یہ خبر شاید تمہارے لیے دل شکنی کا باعث بنے کہ تم اور تمہارا ساتھی باریز دونوں شمال کے ان علاقوں کی طرف آئے۔ پہلے ہمیں خبر پہنچی کہ تم دونوں نے تبریز کا رخ کیا ہے اور وہاں جا کر تم اپنے دشمنوں سے دور پرسکون زندگی بسر کرنا چاہتے ہو...... ہمیں یہ بھی خبر ملی کہ چونکہ تم دونوں نے آذرمی دخت کے علاوہ اور بہت سے امراء کو بھی رستم کے کہنے پر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جس میں رستم کے بعد ایران کے سب سے بڑا سالار فیروز کے بھی کچھ ساتھی تھے۔ اس بنا پر تم اپنے آپ کو جنوب کے ان علاقوں میں غیر محفوظ سمجھتے تھے اور اس طرف آ گئے۔ نوذر! سنو مدائن سے نکل کر ہم چاروں نے تبریز کا رخ کیا تھا وہاں ہم نے تمہارے ساتھی باریز اور اس کے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ تبریز سے ہی ہم تمہاری طرف آئے ہیں۔ تبریز سے ہی ہمیں یہ خبر ملی کہ تم دونوں نے بنو تمیم کے دو تیغ زنوں کو اپنے محافظوں کے طور پر اپنے ساتھ رکھا تھا انہیں جو روزینہ دینے کا وعدہ کیا تھا اس میں تم دونوں نے بد دیانتی کی اور یہ فیصلہ کیا کہ اب بنو تمیم کے ان محافظوں کی تمہیں ضرورت نہیں اس لیے کہ تم دونوں محفوظ مقامات کی طرف آ گئے ہو تم دونوں نے ان کا خاتمہ کرنا چاہا جس کی انہیں خبر ہو گئی اور وہ واپس اپنے قبیلے کی طرف چلے گئے۔

کیا یہ حقیقت نہیں جس کا میں نے تم پر انکشاف کیا ہے اور کیا تم مانو گے کہ باریز کو ہم موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں اور اب تمہاری حویلی میں اب تمہیں بھی تمہارے ساتھیوں سمیت تمہارے برے انجام تک پہنچائیں گے۔''

اس کے بعد عتبہ بن ہشام نے ہاتھ کے اشارے سے جوین اور مردون کو اپنے پاس بلایا۔ ان کے کان میں تھوڑی دیر کھسر پھسر کرتا رہا جس کے بعد وہ دونوں پیچھے ہٹے نوذر کے ایک ساتھی کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے منہ سے ڈھاٹا بھی ہٹا دیا پھر جوین اس کے کان میں کہنے لگا۔

''یہ بتاؤ کہ زندگی چاہتے ہو کہ موت''

وہ کپکپانے لگا تھا جسم پر لرزاں طاری ہو گیا تھا۔ منت کرنے کے انداز میں جوین سے کہنے لگا۔

''اگر تم لوگ مجھے معاف کر دو تو میں تم سب کا شکر گزار ہوں گا۔ میں اپنی آئندہ زندگی روپوشی میں گزار دوں گا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔''

اس پر جوین پھر اس کے کان میں کہنے لگا۔

''اگر زندگی چاہتے ہو، موت سے بچنا چاہتے ہو تو پھر اس حویلی کے اندر نوذر نے مال و دولت اور قیمتی سامان کی صورت میں جو کچھ جمع کر رکھا ہے وہ لا کر یہاں جمع کر دو۔''

اس پر وہ شخص خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ہاں میں ایسا کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ ایک طرف چل دیا۔ جوین اور مردون اس کے ساتھ تھے۔ چنانچہ وہ سارا سامان لا لا کر اس جگہ ڈھیر کرنے لگا جس کمرے میں سب جمع تھے۔ آخر جوین سے کہنے لگا۔

''بس اس وقت اس حویلی میں یہی ہے۔''

عتبہ بن ہشام نے پھر ہاتھ کے اشارے سے جوین کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ قریب آیا تب عتبہ بن ہشام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس مال کے بھی سات حصے کر دو۔ ایک حصہ میرا، ایک ہلال بن علقمہ کا، تیسرا حصہ تمہارا، چوتھا مردون کا پانچواں اس شخص کا جو نوذر کا ساتھی ہے جس کے ہاتھ کھولے گئے ہیں جو یہ سارا سامان لے کر آیا ہے اور باقی دو حصے بنی تمیم کے ان محافظوں کے ہوں گے جن کے ساتھ نوذر نے اور اس کے ساتھی باریز نے غداری کی ہے۔ انہوں نے بنو تمیم کے ان آدمیوں دونوں تیغ زنوں کو محافظ کے طور پر رکھا تھا لیکن ان سے بددیانتی کی لہٰذا انہیں ان کا حصہ ضرور ملے گا۔

جوین نے فوراً سارے مال کے سات حصے کر دیئے سب نے اپنا اپنا حصہ سنبھال لیا۔ اس کے بعد جوین اور مردون کی طرف عتبہ بن ہشام نے مخصوص اشارہ کیا جس پر جوین اور مردون دونوں حرکت میں آئے۔ نوذر اور اس کے ساتھیوں پر تلواریں برساتے ہوئے ان کا خاتمہ کر دیا۔ یہ صورتحال نوذر کے زندہ بچنے والے ساتھی کے لیے بڑی حوصلہ شکن تھی اس کے چہرے پر موت رقص کرنے لگی تھی۔ عتبہ بن ہشام اس موقع پر گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ عتبہ بن ہشام اس قدر گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے تب وہ کانپنے لگا۔ یہاں تک کہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں عتبہ بن ہشام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارے مرنیوالے ساتھیوں کے گھوڑے بھی تمہارے ہیں۔ تمہارے لیے جو

حصہ علیحدہ کیا ہے وہ تمہاری گرفت میں جا چکا ہے۔ ہم یہاں سے کوچ کرنے لگے ہیں تم اب آزاد ہو ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ اس سے پہلے باریز کے ساتھ بھی ہم نے یہی معاملہ کیا تھا۔ اس کے ایک ساتھی کو زندہ رکھا تھا۔ باریز کے پاس جو کچھ ملا اس میں سے اس کو بھی حصہ دیا اور آزاد کر دیا۔ اسے کہا تھا کہ چاہے تو وہ باریز کی حویلی پر قبضہ کر کے وہاں قیام کر لے چاہے کسی اور جگہ جا کر ٹھہر جائے۔ تمہارے لیے بھی ہم یہی فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر تم یہاں قیام کرنا چاہو تو آج سے نوذر کی یہ حویلی تمہاری ہے۔ نوذر اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑوں پر بھی قبضہ کر لو کہیں اور جانا چاہو تو کوئی اور تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنے گا۔ ہم اب یہاں سے رخصت ہوں گے۔''

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون وہاں سے نکلے۔ رات کی گہری تاریکی میں وہ ترمذ شہر سے کوچ کر گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون چاروں ایک روز بنوتمیم کے علاقے میں داخل ہوئے۔ بنوتمیم عربوں کا ایک نامور اور مشہور قبیلہ تھا اس کا نسب نامہ کچھ اس طرح تھا۔ تمیم بن مرہ بن ادین بن الیاس بن مضر اس لحاظ سے اس قبیلے کا شمار مضر قبائل میں ہوتا تھا۔

اس خاندان اور اس قبیلے کے بارے میں ابتدائی معلومات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ بنو تمیم کا ذکر تاریخ میں پہلی بار چھٹی صدی میں آتا ہے۔ اس زمانے میں یہ عظیم قبیلہ تھا جو عرب کے مشرقی ساحل پر ایک بڑے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ نجد کے تمام علاقے بحرین کے ایک حصے اور یمامہ کے ایک حصے پر بھی یہی لوگ آباد تھے۔

بنوتمیم کیونکہ بدولی تھے انہوں نے کبھی شہر نہیں بسائے۔ ہجر، الاحساد اور الجرعا جیسے شہروں میں یہ لوگ میلوں اور منڈیوں کے موقع پر اکثر جایا کرتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے ان مقامات کو فتح بھی کیا تھا لیکن زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ یہ لوگ ان شہروں کی آبادی کو تنگ کرتے، کبھی ان سے صلح کر لیتے کبھی جنگ چھیڑ دیتے اور کبھی شہریوں کو فدیہ وصول کرنے کے لیے پکڑ کر لے جاتے۔

بنوتمیم لدت مناف اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے۔ علاقے کی وسعت کے لحاظ سے یہ لوگ زمانہ قدیم ہی سے بہت سے گروہوں اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ان میں ہر گروہ اپنی جگہ خودمختار تھا یہی وجہ ہے کہ اس قبیلے کے مختلف گروہوں میں کبھی اتحاد قائم نہ ہو سکا۔

اس قبیلے کے بڑے بڑے گروہ جو مشہور ہوئے وہ زیادہ تر زید منات، عمرو، سعد، مالک، منقر عطارد، منظلہ، دارم، ہربوع، ریاح، کلیب اور مجاشع وغیرہ تھے۔

بنوتمیم میں بڑے بڑے مشہور اور معروف شاعر بھی گزرے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیم اور ان کے ہمسایوں بکر بن وائل کی مسلسل رقابت رہی اور دوسری طرف شاہان ایران سے ان کے تعلقات بھی بڑے استوار تھے۔ شاہانِ ایران نے بنوبکر اور بنوتغلب کو اپنے زیراثر لانے کے بعد بنوتمیم پر بھی اپنا سکہ جمانا چاہا کیونکہ تمیم کی موجودگی سے عرب کے مشرقی ساحل اور یمن کے ساتھ ایرانیوں کے بری راستے ہمیشہ خطرے میں رہتے تھے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں نے آس پاس کے قبیلوں پر غلبہ حاصل کیا اور وسطی عرب پر بھی مدینے کی اسلامی حکومت کا رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا تو بنوتمیم نے بھی مسلمانوں کے ساتھ اتحاد قائم رکھنے میں فائدہ سمجھا۔

چنانچہ ہجری آٹھ میں انہوں نے ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور باہمی دوستی کا معاہدہ کیا لیکن اس وقت انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد اپنی خودمختاری کا اعلان کرنے والوں میں انہوں نے سب سے پہلے سبقت کی۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے شدید حملوں کے باعث انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا بعد میں اسلامی فتوحات کے دوران میں انہوں نے اپنے سپاہیانہ جوہر دکھائے۔ اس کے بعد تمیمی مجاہدین کا ایک بڑا حصہ ایران کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ پہلے کوفہ اور بصرہ کے دو بڑے فوجی مقامات پر آباد ہوئے بعدازاں خراساں کا رخ کیا۔ یہاں عباسیوں کے دورحکومت میں عربی آبادی میں سے اکثریت انہی کی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ بدستور اپنی جنگجویانہ رواج کی نمائش کرتے رہے۔ انہوں نے بنواُمیہ کے دور کی تمام باغیانہ تحریکوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

بنوتمیم نے خوارج کی حیثیت سے کافی مستعدی دکھائی۔ اس تحریک کے آغاز سے غالی خارجی یہی لوگ ازارقہ کا سردار قطری بن الفجاء اور اس کے اکثر پیروکار تمیمی ہی تھے۔ عباسیوں کی تحریک میں بھی یہ لوگ پیش پیش رہے اور آخر میں افریقہ میں خاندانِ بنواغلب کی بنیاد ڈالنے والا ابراہیم بن انلب بھی بنوتمیم ہی سے تعلق رکھتا تھا۔

بہرحال بنوتمیم کی ایک بستی کے قریب جا کر عتبہ بن ہشام نے ایک جگہ اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ اس لیے کہ پاس سے کچھ لوگ گزر رہے تھے۔ اس کی طرف

دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون نے بھی اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے انہیں روک دیا تھا۔ پھر عتبہ بن ہشام نے قریب سے گزرنے والوں میں سے ایک کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

"میرے عزیز! اگر تو برا نہ مانے تو کیا تو بنوتمیم کے ان علاقوں میں ہماری رہنمائی کرے گا۔ ہم یہاں اجنبی ہیں۔ بنوتمیم کے دو جوانوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ایک کا نام سعد بن قیس اور دوسرے کا نام برق بن اسد ہے۔"

عتبہ بن ہشام نے جس شخص کو مخاطب کر کے یہ سوال کیا تھا وہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے ایک اور آدمی گزر رہا تھا وہ چونکا جس سے سوال کیا تھا اس سے پہلے ہی بول اٹھا اور کہنے لگا۔

"جن دونوں جوانوں کا تم نے ذکر کیا ہے وہ دونوں آپس میں رشتہ دار ہیں۔ میں بھی ان کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں ان کے پاس لے کر جاتا ہوں۔"

اس شخص کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ خوش ہو گئے تھے۔ پھر چاروں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور اس کے ساتھ ہو لیے۔

وہ شخص ایک مکان کے سامنے رک گیا اور پھر مکان کے دروازے پر اس نے دستک دی تھی۔ اتنی دیر تک عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون چاروں اپنے گھوڑوں سے اتر کر کھڑے ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، دروازہ کھولنے والا ایک بوڑھا شخص تھا اور جس نے دستک دی تھی وہ عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ سعد بن قیس کا باپ ہے" پھر اس نے بوڑھے کو مخاطب کر کے بنوتمیم کا وہ جوان کہنے لگا۔

"یہ چاروں سوار سعد بن قیس اور برق بن اسد سے ملنا چاہتے ہیں۔"

اس پر وہ بوڑھا کہنے لگا۔ "وہ دونوں نماز کے لیے گئے ہیں۔ ابھی آنے ہی والے ہوں گے۔"

اس پر عتبہ بن ہشام نے ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہنا شروع کیا۔

"اس کا مطلب ہے یہ دونوں سعد بن قیس اور برق بن اسد اسلام قبول کر چکے ہیں اور جس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ بنوتمیم کے سارے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔"

یہاں تک کہتے کہتے عتبہ بن ہشام کو رک جانا پڑا۔ اس لیے کہ وہ بوڑھا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اندر آ کر بیٹھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ آ جاتے ہیں۔"

اس پر عتبہ بن ہشام اپنے گھوڑے کو ایک طرف باندھنے لگا تھا۔ ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون نے بھی اپنے گھوڑوں کو باندھنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران ایک طرف سے دو جوان آتے دکھائی دیئے۔ اس پر وہ بوڑھا جسے رہنمائی کرنے والے نے سعد بن قیس کا باپ بتایا تھا خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"لو وہ دونوں آ گئے ہیں۔ سعد بن قیس میرا بیٹا ہے۔ برق بن اسد میرا بھتیجا ہے۔ یہ ساتھ والے مکان میں وہی رہتا ہے۔"

عتبہ بن ہشام اپنے گھوڑے کو باندھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر تک وہ قریب آ گئے اور سعد بن قیس کا باپ آنے والوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ چاروں تم دونوں سے ملنا چاہتے ہیں۔"

اس پر وہ دونوں قریب آئے تب عتبہ بن ہشام انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہم بڑی دور کی منزل سے آئے ہیں۔ بیٹھیں گے نہیں اچھا ہوا آپ دونوں یہاں مل گئے ہیں۔ تم دونوں میں سے سعد بن قیس اور برق بن اسد کون ہے۔"

اس پر جب ان دونوں نے اپنا تعارف کروایا تب علقمہ بن ہشام نے جوین کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر اس نے چار تھیلیاں نکالیں وہ چاروں تھیلیاں عتبہ بن ہشام نے لیں دو اس نے سعد بن قیس اور دو برق بن اسد کی طرف بڑھائیں اور کہنے لگا۔

"یہ تم دونوں کی ہمارے پاس امانت تھی جو تم تک پہنچانا ہمارا فرض تھا۔"

سعد بن قیس اور برق بن اسد نے اپنے اپنے حصے کی دونوں تھیلیاں پکڑ لیں۔ جب ان کے منہ کھول کر دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے پھر سعد بن قیس، عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"جو کچھ آپ نے کہا ہے ہم سمجھ نہیں سکے اور یہ جو نقدی اور دوسری قیمتی اشیاء سے

بھری ہوئی چار تھیلیاں دو مجھے اور دو میرے چچا زاد کو تھما رہے ہیں ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ یہ کون سی امانت ہے جو آپ ہمیں سونپ رہے ہیں۔''

اس پر ہلکا سا تبسم عتبہ بن ہشام کے چہرے پر نمودار ہوا کچھ کہنے لگا تھا کہ سعد بن قیس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔

''یوں میرے مکان سے باہر کھڑے ہو کر گفتگو کرنا میں سمجھتا ہوں آپ جیسے چاروں مہمانوں کی توہین ہے۔ آپ اندر آیئے اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

عتبہ بن ہشام اس کی بات مانتے ہوئے ان کے ساتھ ہولیا۔ ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون بھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ سب جا کے ایک کمرے میں بیٹھ گئے پھر سعد بن قیس نے جستجو بھرے انداز میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اب کہیں معاملہ کیا ہے۔ میری اور میرے چچا زاد بھائی برق بن اسد کی کسی کے پاس کوئی امانت ہی نہ تھی۔ یہ جو چار تھیلیاں آپ ہمیں نقدی اور دوسری اشیاء سے بھری ہوئی دے رہے ہیں ان میں اس قدر ہے کہ ہم دونوں کے خاندان پوری زندگی اس پر گزر بسر کر سکتے ہیں۔ پہلے ان کی تفصیل اور ان کی حقیقت کہیے تا کہ ہم دونوں کو اطمینان ہو۔''

اس پر عتبہ بن ہشام نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگا۔

''کیا تم دونوں نے دو اشخاص باریز اور نوذر کے ہاں ان کے محافظوں کے طور پر ملازمت شروع کی تھی؟''

سعد بن قیس اور برق بن اسد نے چونکتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی تب عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''وہ کچھ لوگوں کے قاتل تھے اور جن کو قتل کیا تھا وہ ہمیں ہماری جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ میں اور میرے ساتھ یہ ہلال بن علقمہ ہے ہم دونوں مسلمان ہیں لہٰذا ہم باریز اور نوذر کی تلاش میں نکلے اور یہ جو ہمارے دو ساتھی ہیں انہوں نے ان کا پتہ لگایا۔ باریز اور اس کے ساتھیوں سمیت ہم نے تبریز شہر میں موت کے گھاٹ اتارا۔ نوذر اور اس کے ساتھیوں کو ترمذ شہر میں ان کے انجام سے دوچار کیا۔ دیکھو میرے عزیز ساتھیو! مال دولت کی صورت میں جو کچھ باریز اور نوذر سے ملا اس کے سات حصے کیے گئے۔ ایک حصہ میرا، تین حصے میرے ان ساتھیوں کے دو حصے تمہارے اور ایک حصہ ہم

نے نوذر اور اور باریز کے زندہ رکھنے والے ساتھیوں کو دے دیا تھا۔ یہ جو دو تھیلیاں تمہیں تھمائی گئی ہیں ان میں سے ایک تھیلی باریز کی دولت کے حصے کی اور ایک نوذر کے حصے کی تم دونوں کے لیے ہے۔ ان دونوں نے تم سے بے وفائی کی تھی۔ تمہارے واجبات دینے کی بجائے انہوں نے تمہارے خلاف سازش تیار کرتے ہوئے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہا اور تم اپنی جانیں بچا کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ ہم پر یہ حقیقت نوذر کے ایک ساتھی نے واشگاف کی تھی چنانچہ جب مجھے اس زیادتی کی خبر ہوئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ باریز اور نوذر کو قتل کرنے کے بعد جو کچھ ان کے ہاں سے ہمیں ملے گا اس میں تم دونوں کو بھی برابر کا حصہ دار خیال کیا جائے گا۔ سو میرے بھائی تم دونوں کو جو کچھ دیا گیا ہے یہ تمہارا حصہ ہے اور ایک طرح سے یہ ہمارے پاس تم دونوں کی امانت تھی جو ہم نے تم دونوں کے حوالے کر دی ہے۔ اب ہم یہاں رکیں گے نہیں ہمیں وقت ضائع کیے بغیر مدائن کا رخ کرنا ہے جہاں ہمارے کچھ عزیز بڑی بے چینی سے ہمارے منتظر ہوں گے۔''

اس پر سعد بن قیس کہنے لگا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمارے لیے اتنے بڑے اور معزز مہمان اور یوں بغیر کسی خدمت خاطر اور تواضع کے رخصت ہو جائیں۔''

اس پر عتبہ بن ہشام نے اپنی جگہ پر اٹھ کر سعد بن قیس کا شانہ تھپتھپایا کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! برا نہ ماننا ہم جلدی میں ہیں پھر کبھی وقت نے موقع دیا تو ملاقات ہو گی۔ اس وقت ہمیں روکنے کی کوشش نہ کریں اس پر سعد بن قیس کہنے لگا۔

''اچھا میں آپ کو روکوں گا نہیں ...... بس چند لمحے رکیے۔'' ساتھ ہی سعد بن قیس نے اپنے چچا زاد برق بن اسد کے کان میں کچھ کہا جس پر وہ اٹھ کر چلا گیا تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور انار کے اس کے کچھ قرابے لے کر آیا۔ سب کو اس نے انار کا رس پیش کیا۔ جب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ پی چکے تب دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر عتبہ بن ہشام سعد بن قیس اور برق بن اسعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! اب ہمیں اجازت دو ہم رخصت ہوں گے۔ جس مقصد کے لیے ہم آئے تھے وہ ہم پورا کر چکے۔ تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دی ہے۔ اب ہم مطمئن اور خوش ہیں۔''

سعد بن قیس اور برق بن اسد مکان کے باہر تک ان کے ساتھ آئے۔ جب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے اپنے گھوڑوں کی باگیں کھول لیں تب سعد بن قیس اور برق بن اسد آگے بڑھے۔ باری باری سب سے گلے ملے اس کے بعد عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ، جوین اور مردون چاروں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگاتے ہوئے ایک طرف ہانک دیا تھا۔

بنو تمیم کی اس بستی سے نکل کر وہ اس شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے جو وہاں سے مدائن شہر کی طرف جاتی تھی۔ جہاں رجینا اور البانہ دونوں بڑی بے چینی سے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی منتظر تھیں۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں ایک روز مدائن شہر میں کالاس کے مکان میں داخل ہوئے۔ بیرونی دروازہ کھلا تھا دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے مکان میں داخل ہوئے۔ ابھی وہ صحن کے درمیانی حصے میں ہی پہنچے تھے کہ اندر سے رجینا، البانہ، انجار، کالاس چاروں بھاگتے ہوئے باہر آئے۔ ان کی آمد پر بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں نے پہلے اپنے گھوڑوں کو باندھا ان سے بندھا ہوا سارا سامان جو خرجینوں میں تھا اپنے کندھوں سے لٹکا لیا۔ اس کے بعد وہ چاروں سے ملے۔ ساتھ ہی سب دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

سب سے پہلے گفتگو کا آغاز رجینا نے کیا اور بڑی میٹھی نگاہوں سے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”جس مہم پر آپ دونوں نکلے ہوئے تھے۔ اس کا کیا ہوا۔“

جواب میں عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے باریز اور نوذر کی مہم کے علاوہ بنو تمیم کی طرف جانے کے سارے واقعات تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد جہاں رجینا اور البانہ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں وہاں انجار اور کالاس بھی فخریہ انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز کالاس نے کیا اور عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ دونوں نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت کہا تھا رہائش کے لیے دو اچھی حویلیاں خریدی جائیں لیکن آپ دونوں کی غیر موجودگی میں ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔

میں نے اس سلسلے میں اپنی دونوں بیٹیوں رجینا اور البانہ سے جب بات کی تب دونوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اپنی رہائش کے لیے جو بھی حویلی خریدی جائے گی آپ دونوں کی موجودگی میں خریدی جائے گی۔ اس بنا پر آپ دونوں کی غیر موجودگی میں ہم نے کچھ نہیں کیا۔“

کالاس کے اس انکشاف پر عتبہ بن ہشام رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”رجینا! تم دونوں نے مل کر کچھ کر لینا تھا تمہارے ساتھ بابا ہیں، اماں انجار ہے اور پھر یہ بھی دیکھو ہم ایک ہفتہ تک یہاں سے لشکر کے ساتھ کوچ کر جائیں گے۔“

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر رجینا اور البانہ دونوں چونک سی گئی تھیں۔ چنانچہ رجینا نے جھٹ سے پوچھ لیا کہاں اور کدھر کوچ کریں گے آپ؟“

عتبہ بن ہشام بڑے غور سے رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”لشکر ایک ہفتے بعد یہاں سے کوچ کرے گا اور جلولہ شہر کا رخ کرے گا......“

عتبہ بن ہشام یہیں تک کہہ پایا تھا کہ بیچ میں کالاس بول اٹھا۔

”بیٹے اگر تم دونوں بھائیوں کا قیام یہاں صرف ایک ہفتہ ہے تو پھر میری گزارش ہے میں چاہوں گا آج ہی تم چاروں کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔ بچو اگر نئی رہائش گاہیں نہیں بھی ملتی تو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حویلی جس میں ہم رہ رہے ہیں اس میں تین بڑے اور ایک چھوٹا کمرہ ہے بڑے کمروں میں سے ایک ایک تم دونوں بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ لے لینا ایک کمرہ میرے اور تمہاری اماں انجار کے لیے رہے گا۔ اس کے باوجود چھوٹا ایک کمرہ پھر بھی خالی رہے گا۔ میرے بچو! کیا شادی کے بعد تم دونوں رجینا اور البانہ کو ساتھ لے جانا پسند کرو گے؟“

اس پر عتبہ بن ہشام کالاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بابا! بات یہ ہے کہ جہاں تک شادی کرنے کا تعلق ہے تو ہم دونوں آج شادی کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن رجینا اور البانہ کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے اس لیے کہ یہ جلولہ کی مہم کٹھن اور تکلیف دہ ہوگی اس کے علاوہ جس لشکر کا تعین کیا گیا ہے جو جلولہ پر حملہ آور ہوگا اس میں کسی عورت اور کسی سالار کے اہل خانہ کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس بنا پر شادی کے ایک ہفتے بعد میں اور ہلال بن علقمہ دونوں لشکر کے ساتھ جلولہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ رجینا اور البانہ دونوں یہیں رہیں گی۔“

اس کے بعد عتبہ بن ہشام نے مخصوص انداز میں ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا پھر دونوں ایک ساتھ اٹھے اور جو خرجینیں ان دونوں نے اپنے کندھوں سے لگا رکھی تھیں وہ انہوں نے اتار دیں اور دونوں خرجینیں کالاس کی گود میں رکھ دی تھیں۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی اس حرکت پر کالاس چونکا، پہلے غور سے خرجینوں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”بچو! یہ کیا ہے......تم دونوں تو ایک خطرناک مہم پر روانہ ہوئے تھے یہ جو خرجینیں بھاری بھرکم تم نے میری گود میں رکھ دی ہیں ان میں ہے کیا؟“

جواب میں عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”بابا ان دونوں کو کھول کر دیکھ لو۔“ کالاس نے دونوں خرجینوں کو کھول کر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ حیرت زدہ سا ہو کر کہنے لگا۔

”اس قدر نقدی اور قیمتی اشیاء میں نے تو ایسی چیزیں اس سے پہلے کبھی دیکھی ہی نہیں تھیں۔“

اس پر مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ ”یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ہم نے باریز اور نوذر سے حاصل کی ہیں۔ یہ ہم دونوں کا حصہ ہے۔ ایسے ہی حصے بنوتمیم کے ان دو جنگجوؤں کو بھی دیئے گئے ہیں جن سے باریز اور نوذر نے دھوکہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسی قدر حصہ نیانوس کے دونوں آدمی جوین اور مردون کو بھی دیا گیا ہے۔ وہ بے حد خوش ہیں اور دونوں ہمارے ساتھ ہی مدائن شہر میں داخل ہوئے ہیں اور کارگزاری کی اطلاع دینے کے لیے نیانوس کی طرف گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسا ہی ایک ایک حصہ باریز اور نوذر کے ان ساتھیوں کو بھی دیا گیا تھا جنہوں نے نوذر اور باریز کی دولت نکالنے میں ہم سے تعاون کیا تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام جب خاموش ہوا تب کالاس اپنی جگہ پر اٹھا۔ ایک نگاہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ پر ڈالی پھر کہنے لگا۔

”میرے دونوں محترم بیٹو! اب تم دونوں کی شادی رجینا اور البانہ سے ہونے والی ہے لہٰذا جو کچھ بھی تم لاؤ گے وہ آئندہ رجینا اور البانہ کی گود میں رکھا جائے گا۔ اس کے بعد کالاس نے رجینا اور البانہ کی طرف بڑھتے ہوئے جب خرجینیں ان دونوں کو دینا چاہیں تب رجینا اور البانہ دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئیں پھر رجینا شکوہ بھری آواز

میں کالاس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! آپ نے ہم دونوں کو اپنی بیٹیاں بنا رکھا ہے۔ کیا یہ عمل باعثِ شرم خصوصیت کے ساتھ ہم دونوں کے لیے باعثِ عار نہ ہوگا کہ گھر میں جو کچھ مال و دولت کی صورت میں آئے وہ براہ راست ہمیں دیا جائے اور آپ کو نظرانداز کر دیا جائے۔ آپ اس گھر کے بڑے ہیں۔ اس گھر میں جو کچھ آئے گا آپ کے حوالے کیا جائے گا اور آپ اسے جیسے چاہیں خرچ کریں اس سے پہلے بھی میں نے اس موضوع پر آپ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی تھی۔ بابا! آئندہ اگر آپ نے ایسی چیزیں ہمارے حوالے کرنے کی کوشش کی تو پھر میں یہ سمجھوں گی کہ آپ مجھے اور البانہ کو اپنی بیٹیاں نہیں سمجھتے اور اپنے ہاں ہماری حیثیت آپ ایک اجنبی کی سی محسوس کرتے ہیں۔''

رجینا کی اس گفتگو سے کالاس شرم سار سا ہو گیا تھا۔ دونوں خرجینیں سنبھال لیں۔ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد رجینا اور البانہ اٹھ کر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے لیے کھانا تیار کرنے لگی تھیں۔ اسی روز عتبہ بن ہشام اور رجینا، ہلال بن علقمہ اور البانہ کا نکاح پڑھا دیا گیا تھا اور ان کی شادیوں کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ شادی کے ایک ہفتے بعد عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں لشکر میں شامل ہو کر جلولہ شہر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

دراصل مدائن کو فتح کرنے کے بعد جب مسلمانوں نے یہاں قیام کیا تو اس وقت مسلمانوں پر انکشاف ہوا کہ ایرانیوں کا شہنشاہ یزدگرد بھاگ کر حلوان کی طرف جا چکا ہے اور وہاں وہ اپنے طور پر اپنی عسکری طاقت کو مضبوط کر رہا ہے اس کے علاوہ ایرانیوں نے جلولہ شہر کو بھی اپنی طاقت اور قوت کا مرکز بنانا شروع کیا تھا اس لیے کہ رستم کا بھائی خرزاد بن فرخ زاد ان دنوں جلولہ میں قیام کیے ہوئے تھا۔ رستم کے اس بھائی نے سامانِ حرب بڑی قابلیت اور حوصلے کے ساتھ فراہم کرنا شروع کیا۔ قلعے اور شہر کے گرد خندق کھدوائی اور تیز نوکیلے گوکھرو بنوا کر مسلمانوں کی آمد اور حملے کے راستے پر بچھوا دیئے۔ یہ جنگی تیاری اور عسکری اجتماع اس قدر عظیم اور عام تھا کہ ایک طرف ایرانیوں کی آنکھیں اس عزت پر لگی ہوئی تھیں دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اس کا خاص طور سے خیال تھا کہ ایرانیوں نے ان پر ضرب لگانے کے لیے اپنی جنگی تیاریوں کو اپنے

عروج پر پہنچا دیا ہے۔

چنانچہ یہ ساری کیفیت قاصد کے ذریعے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مدینہ منورہ میں حضرت فاروقؓ اعظم کی طرف لکھ بھیجی۔

فاروقؓ اعظم کے پاس یہ تفصیل پہنچی تو آپؓ نے ایرانیوں سے نمٹنے کے لیے جو حکم جاری کیا وہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپؓ نے لشکر کے سالاروں تک کو خود مقرر کیا اور کس کس نے کس طرح حملہ کرنا ہے پوری تفصیل سے قاصد کو بتایا گیا۔ آپ نے فرمایا۔

''بارہ ہزار کا ایک لشکر ہاشمؓ کو دے کر جلولہ کی مہم پر روانہ کیا جائے۔ اس لشکر کے مقدمۃ الجیش پر حضرت قعقاعؓ کو مقرر کیا جائے۔ لشکر کے میمنہ کی کمانداری معشرؓ بن مالک کو، لشکر کے میسرہ کی کمانداری عمروؓ بن مالک کی سرداری میں دی جائے اور لشکر کے ساقہ کے حصے پر عمروؓ بن مرہ کو سالار مقرر کیا جائے۔''

چنانچہ فاروقؓ اعظم کا یہ پیغام جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچا تو آپؓ نے فاروق اعظمؓ کے حکم کے مطابق حضرت ہاشمؓ کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر جلولہ کی طرف روانہ کیا۔ لشکر میں فاروق اعظمؓ کے حکم کے مطابق حضر قعقاعؓ، معشرؓ بن مالک، عمروؓ بن مالک، عمروؓ بن مرہ کو شامل کر دیا گیا تھا۔ اسی لشکر میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ بھی شامل ہو کر جلولہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

مسلمان جب جلولہ شہر کے نواح میں پہنچے تو رستم کے بھائی خرزاد نے پہلے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور اپنی قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ خرزاد بن فرخ زاد چاہتا تھا کہ پہلے جلولہ شہر سے باہر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ مسلمانوں سے ٹکرائے اگر مسلمانوں کے مقابلے میں اسے فتح اور کامیابی حاصل ہوئی تو جہاں تک ہو سکا مسلمانوں کا تعاقب کرے گا اور ان کے پورے لشکر کا خاتمہ کر کے رکھ دے گا اور اگر پسپائی اختیار کرنا پڑی تو جلولہ شہر میں محصور ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا رہے گا۔

اس کے علاوہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں خرزاد بن فرخ زاد نے گوکھرو تیار کر رکھے تھے تا کہ بوقتِ ضرورت انہیں شہر کے گرد پھیلا دیا جائے اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کو محدود کر دیا جائے۔

جس وقت رستم کے بھائی خرزاد بن فرخ زاد کو یہ اطلاع پہنچی کہ مسلمان اب جلولہ

پر حملہ آور ہونے کے لیے کوچ کرنے والے ہیں تب پہلے اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ جلولہ شہر میں محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے گا لیکن جب اس کے مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ مسلمانوں کا صرف بارہ ہزار پر مشتمل ایک لشکر جلولہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے تب خرزاد کے حوصلے بلند ہو گئے اس لیے کہ جلولہ شہر میں اس وقت ایرانیوں کا کئی لاکھ پر مشمل ایک لشکر تھا۔ چنانچہ جب خرزاد کو اطلاع ملی کہ مسلمان صرف اپنے بارہ ہزار جنگجوؤں کے ساتھ جلولہ شہر پر ضرب لگانا چاہتے ہیں تب شہر میں محصور رہنے کے بجائے اس نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں پر ضرب لگانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

چنانچہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی خرزاد نے جلولہ شہر کے باہر اپنے لشکر کو استوار کر لیا مسلمانوں نے بھی وہاں پہنچ کر اپنے لشکر کی صفیں درست کر دی تھیں۔ فاروقؓ اعظم کے حکم کے مطابق پورے لشکر کی کمانداری حضرت ہاشمؓ کے پاس تھی۔ مقدمۃ الجیش کی کمانداری حضرت قعقاعؓ کے پاس، میمنہ پر معشرؓ بن مالک، میسرہ پر عمروؓ بن مالک اور لشکر کے چھوٹے سے حصے کو جس کا نام ساقہ رکھا گیا تھا عمروؓ بن مرہ کو سالار مقرر کیا گیا تھا۔

کچھ دیر تک ایرانیوں کے لشکر میں زور زور سے طبل پیٹے جاتے رہے۔ مسلمانوں کی تھوڑی تعداد کو دیکھتے ہوئے ایرانی طنزیہ انداز میں نعرے لگا رہے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف آوازیں کس رہے تھے۔ ایسے میں ایک ایرانی تیغ زن جنگجو اور سورما اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا دونوں لشکروں کے وسطی حصے میں آیا۔ پھر اپنی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے مسلمانوں کی طرف سے انفرادی مقابلے کے لیے اپنا مدِ مقابل مانگا۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں کیونکہ حضرت قعقاعؓ کے ساتھ ہی کام کر رہے تھے اور اس وقت حضرت قعقاعؓ مقدمۃ الجیش کے سالار تھے اور عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں ہی مقدمۃ الجیش میں شامل تھے چنانچہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں حضرت قعقاعؓ اپنے گھوڑے پر سوار دشمن کے لشکر پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔ ان کے پاس آکر عتبہ بن ہشام بڑی انکساری میں کہنے لگا۔

''امیر! ایرانی تیغ زن دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہے اور ہم سے اپنا مدمقابل مانگ رہا ہے۔ آج تک میں نے آپ سے کچھ نہیں مانگا جس کام پر بھی

آپ نے مجھے مقرر کیا لشکر کے جس حصے میں بھی رکھا میں نے پوری تندہی سے وہ کام کیا۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے اس ایرانی کے مقابلے میں انفرادی مقابلے کے لیے اترنے دیں۔''

حضرت قعقاعؓ چونکہ مقدمۃ الجیش کی کمانداری کر رہے تھے۔ مقدمۃ الجیش آگے تھا لہٰذا حضرت قعقاعؓ نے بڑی شفقت سے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔

''میں تمہارے اس جذبے کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میدان میں اترو۔ تم ایک عرصے سے میرے ساتھ کام کر رہے ہو۔ تمہاری تیغ زنی، حرب وضرب کے فنون سے میں پوری طرح مطمئن ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم اس ایرانی سورما کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔''

حضرت قعقاعؓ کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ پرجوش انداز میں اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان میں اترنے والے ایرانی کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا۔

میدان کے وسطی حصے کی طرف جاتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے لمحہ بھر کے لیے آسمان کی طرف دیکھا پھر انتہائی عاجزی اور انکساری میں وہ اپنے سر کو زین کے ہنے کی طرف جھکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اے مالکِ دوجہاں! وقت کے قافلوں میں تو ہی کرب کے مناظر کو شبنم کے تازہ باب میں تبدیل کرتا ہے تو ہی مرگ کے لمحات کو سنہرے خوابوں ضبط کے شکستہ بندھن کو بہار کی تازہ انجمنوں میں تبدیل کرنے والا ہے۔ میرے اللہ! میں طلسم خانہ ارض وسماں میں تو ہی وہ واحد ذات ہے جو گناہ کے گماشتوں، ہجرتوں کے عذابوں کو نیک عمل کی خواہش کے سامنے سرنگوں کرتا ہے تو ہی جبر والم کی علامتوں، گناہ کی تمازتوں کو انسانی عظمتوں کے افکار کے سامنے ذلیل و پست کر کے رکھ دیتا ہے تو ہی طبقاتی تصادم، معاشرتی تضاد کے ذلت بھرے تاریک کھنڈروں کو سچائی کی کروٹوں کے سامنے زیر رکھنے والا ہے۔

میرے اللہ! تو ہی روشنی سے روشنی کا سلسلہ ملاتا ہے۔ میرے اللہ! تیرا ہی نام لے کر تیرے ہی نام سے ابتداء کرتے ہوئے میں خوف اور وحشت کے طوفانوں میں اترنے لگا ہوں۔ میرے اللہ میری زندگی کی تمام آرزوؤں کو تو ہی تکمیل کرنے والا ہے۔

میرے مالک! مجھے ہمت دینا کہ میں سیاہ گھناؤنے عزائم اور نفس پرستی کے طوفان کے سامنے نیک عمل کی خواہش بن کر کھڑا ہو جاؤں۔ مجھے ہمت اور استقامت دینا کہ میں اس کے سامنے خیر کا لمحہ بن کر فوز مندی اور کامیابی کی ساعت بن کر نکلوں۔ میرے اللہ! خون کے جوار بھاٹے اور گرم کھولتے دوزخ اور باغی آوازوں بھری اس رزم گاہ میں مجھے کامیاب اور کامران رکھنا۔"

اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا عتبہ بن ہشام جب انفرادی مقابلے کے لیے نکلنے والے اس ایرانی سورما کے سامنے گیا تب اس نے عتبہ بن ہشام کو مخاطب کیا اور جلتی کڑکتی بارعب آواز میں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے مقابلے پر آنے والے ذرا اپنا نام تو کہہ......"

"میرا نام عتبہ بن ہشام ہے......" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے جواب دیا تھا۔ "تو ذرا اپنا نام تو کہہ......"

اس ایرانی سورما نے عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے ایک مکروہ قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔

"اس رزم گاہ میں تو چند ساعتوں کا مہمان ہے اور چند ساعتوں کے مہمان کو اپنا نام بتانے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ بس تو اتنا ہی یاد رکھ فی الوقت اس رزم گاہ میں تیرے لیے میرا نام موت اور مرگ ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ ایرانی سورما رُکا۔ دوبارہ عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کس نے تجھے زیست کے الجھے دائروں، تنگ لڑا کے کسیلے لمحوں اور وقت کے بیابانوں میں دل کی جراحتوں سے دوچار کرنے کو بھیج دیا ہے۔ جب میری تلوار تیرے خلاف حرکت میں آئے گی تو تو اپنے آپ کو جلتی راہوں کے عذاب، وقت کی سلگتی اداؤں، درد کی آگ، تیروں کی طوفانی بارش اور لہو کی اوس سے بھی بدتر حالات میں کھڑا دیکھے گا۔ اپنی تلوار پھینک اور میرے سامنے سرنگوں ہو جا۔"

لمحہ بھر کے لیے کھا جانے والے انداز میں عتبہ بن ہشام نے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"سن کالے ذہن کے انسان! تیری اور تیری شمشیر اور تیغ کی ایسی تیسی...... زمانے

کی لوح پر میرا رب جب چاہتا ہے سوچوں کی مٹی پھانکتے لمحوں کو فطرت کے خواب نگر میں تبدیل کر جاتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے روح کی کھولتی حدت کو مہتاب کی نرم چاندنی میں تبدیل کر کے انسان کی آنکھ کے سامنے لے آتا ہے۔ سن وہموں کے پروردہ انسان میں اپنے اس مالک کا نام لے کر میدان میں اترا ہوں جس کا میں غلام ہوں اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ وہ سناٹوں کے پھیلے جال میں دکھ کی پیلی صداؤں کو سراسیمہ کرتی اندھیری وحشتوں کو اجالوں کی شمعوں، آئینوں کے روپ اور صبح کی تازہ کرنوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

آ میرے خلاف حرکت میں آ...... اپنی تلوار کو جنبش دے...... مجھ پر ضرب لگا اور پھر دیکھ میں کیسے تیرے لیے فنا کا غیر مانوس نقش موت کی بے کراں علامت فتح مندی کا طواف کرتی صداقت اور موت کے پیمانے میں ڈھالتے دستِ ریزہ گر سا ثابت ہوتا ہوں۔ دیکھ وقت ضائع نہ کر آ...... ایک دوسرے کے خلاف اپنی تلواروں اور ڈھالوں کو حرکت میں لائیں پھر وقت کا منصف فیصلہ کرے گا کس کی تلوار کی کاٹ زیادہ ہے اور کس کی حرب وضرب کی ہنرمندی میں فتح مندی اور کامیابی کا راز پنہاں ہے۔"

عتبہ بن ہشام کی اس گفتگو پر وہ ایرانی سورما بھڑک اٹھا تھا اور طوفانی انداز میں اس نے عتبہ بن ہشام پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔ اپنی ہنرمندی، اپنی تیغ زنی کے جوہر ایک دوسرے پر عیاں کرتے رہے۔ اس کے بعد عتبہ بن ہشام نے اپنے گھوڑے کو تھوڑا سا ایک طرف ہٹایا اور پھر اس ایرانی سورما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"مقابلہ شروع ہونے سے پہلے تو تو میری سوچوں کی سطح پر سفاکانہ تحریریں رقم کرنے کی دھمکی دیتا تھا۔ طمع کو ناقص کرتے انگاروں اور فلک پر منہ زور بادلوں کی گھرتی گھٹاؤں کی سی گفتگو کرتا تھا۔ سمندر کے سکوت کو درہم برہم کرتی طوفان سے گلے ملتی ساحلی ہواؤں کی سی دھمکیاں دیتا تھا لیکن تھوڑی دیر مجھ سے تیغ زنی کا مقابلہ کرنے کے بعد میں نے تو یہ جانا ہے کہ تو تیغ زنی کے فن میں تاریکی اور مایوسی سے لپٹتی سنسان راہوں سا بالکل بے ضرر انسانی جسم کے زندان میں قید جھوٹے سچے خوابوں سا خام کار ہے۔ یونہی مقابلہ شروع کرنے سے پہلے تو بیل کی طرح رانبھتا تھا۔ دیکھ! میں نے تیرے حرب ضرب کی گہرائی کو جانچ اور بھانپ لیا ہے۔ اب میں دفاع تک نہیں رہوں

گا۔ جارحیت پر اتروں گا۔ دفاع میں رہتے ہوئے میں نے تیری ہنرمندی کی گہرائی کو دیکھ لیا ہے۔ اب میں تجھ پر ضرب لگاؤں گا تو دیکھنا تیرے سینے میں آندھیاں دل میں ہنگاموں کا عالم تیری آنکھوں میں آنسو تیرا استقبال کریں گے۔ سن ریگ دشت میں شیشے کے متلاشی ہر ضرب سے چشمے نہیں پھوٹتے ہر ہاتھ یدِ بیضا نہیں ہوتا، ہر ہاتھ دستِ عصا نہیں ہوتا۔''

پھر عتبہ بن ہشام نے تھوڑی دیر تک غیض وغضب میں ڈوبی دھواں دار تکبیریں بلند کیں اس کے بعد وہ عظمتِ ماضی کے نشان اٹھائے گراں گوش بگولوں، رگوں میں زہر گھولتے زندہ دلی کے افسانوں بے صدا ٹوٹے کھنڈروں گرد آلود لوحوں، شکست خوردہ قسم کی سی حالت کرتے بلائے جان بنتے نفرت کے قرینوں، شکستگی کا سامان اٹھائے زمستانیوں، طوفانوں اور سانسوں میں حدت کی بساند بھر دینے والی کامرانیوں کی کہکشاؤں کی طرح اس ایرانی سورما پر حملہ آور ہوتے ہوئے ضربیں لگانے لگا تھا۔

عتبہ بن ہشام جو اس سے پہلے اس ایرانی کی جارحیت کے سامنے اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھے ہوئے تھا۔ اب جو وہ جارحیت پر اترا تب وہ ایرانی اس کے تیز حملوں کے سامنے دنگ رہ گیا۔ کچھ دیر تک وہ ایرانی سورما عتبہ بن ہشام کے جان لیوا حملوں کو روکتا رہا پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ اب اس کی حالت عتبہ بن ہشام کے جان لیوا حملوں کے سامنے ٹوٹے خوابوں کی دھجیوں، دائرہ دائرہ پھیلتی اندھی پرچھائیوں، اور بے بسی کے قصوں سے بھی ابتر ہونا شروع ہوگئی تھی۔

انفرادی مقابلے کے لیے نکلنے والے اس ایرانی نے اپنی پوری کوشش کی، اپنا ہر جتن آزمایا کہ عتبہ بن ہشام کے جنوں خیز مستانی ہواؤں اور جسم پر کوڑے برساتی آندھیوں جیسے حملوں غرور اور گھمنڈ کے قلعے گراتی آتش کی لپٹوں کے گورکھ دھندے اور ہواؤں کے اڑتے موت کے ہیولوں جیسی ضربوں کے سامنے اپنا دفاع کرے لیکن ہر آنے والا لمحہ اس کے لیے دشواریاں اس کے لیے پیچیدگیاں کھڑا کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس موقع پر اس ایرانی سورما پر تیز حملے کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام چلا کر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جس کو یاد کرنا ہے کر لے...... اب میں تجھے بے ضمیروں کی صف میں کھڑا کر کے موت بن کر تیرے جسم کی رگیں کھولنے لگا ہوں۔''

اس کے بعد اچانک عتبہ بن ہشام نے لہولہو طلسم کے رواں موجوں اور افق کے

سندوری کناروں تک کو مانند کرتی غضب ناک صداؤں میں تکبیریں بلند کیں پھر اس ایرانی سورما کو اس نے اپنی ڈھال کا ایک نہ سمجھ آنے والا چکمہ دیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی تلوار بھی گرائی اور اس ایرانی کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ فضاؤں کے اندر ایک خوفناک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی اس کے بعد وہ ایرانی اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔

اس انفرادی مقابلے کی وجہ سے ایرانی لشکر کے اندر ماند کرتی کیفیت طاری ہوگئی تھی جبکہ اسلامی لشکر میں زور زور سے خوشی اور طمانیت بھری تکبیریں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اس کیفیت کو رفع کرنے کے لیے ایرانی سالار فوراً اپنے لشکر کو حرکت میں لائے پھر وہ وقت کی رفتار میں زمین سے لاشیں اگاتی گناہوں کی یلغار، خیر کی احادیث وصال کی حکایتوں پر جدائی کی شام اور جہالت کا موضوع بن کر چھاتی آندھیوں، تلخ قصوں کے گہرے زخموں بیزار جدوجہد اور نفس پرستی کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جوابی کارروائی اور اپنے کام کی ابتداء کرنے سے پہلے مسلمانوں نے سمندر کی تلاطم خیزیوں شکست و ریخت کے در کھولتی صداؤں، گونگی منطقوں، سیاہ آوازوں پر جمالِ مہتاب اور مسکراتے تصور کی ردا ڈالتی آوازوں میں تکبیریں بلند کیں اس کے بعد وہ بھی ایرانی لشکر پر زندگی کو ناپید اور بانجھ کرتی پیاسی ساعتوں رزم گاہ کے زندان میں تن کی کرب خیز آزمائشیں وحشت بھری مسافتیں کھڑی کرتی سلگتے تھل کی لو اور وقت کی خوفناک صداؤں میں خلا کے برجوں سے اترتی مرگ کی نوبت کی خوفناک آوازوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے جلولہ شہر کے باہر ٹکرانے کے باعث تاریخ کی الجھی گلیوں میں وقت ہر شے کو لیر لیر کرنے لگا تھا۔ قضا امر لمحوں کے در بند کرتی حسرتوں کے در کھولنے لگی تھی۔ کرب خیز آندھیاں زنگ آلود سوچیں دکھ ساگر کی بپھرتی لہریں اور موت کی آہٹیں چار سو چل نکلی تھیں۔

کچھ دیر تک گھسان کا رن پڑا۔ ایرانیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں پر تیز حملے کرتے ہوئے انہیں مار بھگائیں۔ ایرانیوں کو یہ فوقیت بھی تھی کہ ان کا لشکر لاکھوں پر محیط تھا جبکہ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف بارہ ہزار تھی۔

اس کے باوجود ایرانیوں کے اس جرار لشکر کے سامنے مسلمان لوہے اور پتھر کی چٹانوں کی طرح جم گئے تھے۔ ایرانیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے پاؤں اکھاڑنے اور انہیں پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن انہیں اپنے کسی جتن، کسی ارادے میں ذرا برابر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

اس کے بعد ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کے لشکری عربوں کے تازہ اترنے، عذابوں پیلے موسموں کی دستکوں اور تشنگی کی موج کے سے حملوں کے سامنے ان کے لشکریوں کی حالت دکھ کی دھڑکنوں موت کی آہٹوں سراب بھرے بے آب ویرانوں بے رفاقت اندھے سفر اور تاریک رات کی ہتھیلی پر راکھ آلود سحر سے بھی بدتر ہونا شروع ہو گئی ہے۔ تب انہوں نے اپنی بہتری اپنی عافیت اسی میں جانی کہ اپنے لشکر کو سمیٹتے ہوئے اپنی شکست کو قبول کرتے ہوئے جلولہ شہر میں محصور ہو جائے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان حالات میں ایرانی سالار نے اپنے لشکر کے اندر پسپائی کے بگل بجوا دیئے۔ ان بگلوں کا بجنا تھا کہ ایرانی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت پیچھے ہٹے اور پھر بھاگ کر جلولہ شہر میں محصور ہو گئے تھے۔

لاکھوں کا لشکر رکھنے والے ایرانی سالار خرزاد بن فرخ زاد نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں پر غالب آئے لیکن بارہ ہزار مسلمانوں نے لاکھوں ایرانیوں کو کھنگال کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ شہر میں محصور ہونے کے بعد ایرانی سالار اور رستم کے بھائی خرزاد بن فرخ زاد نے سب سے پہلے شہر کی فصیلوں پر محافظ مقرر کیے۔ اس کے بعد شہر کی فصیل کے اوپر ہی ایک برج کے اندر اس نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا تاکہ اپنی شکست پر گفتگو بھی کی جائے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے لشکر پر نگاہ بھی رکھی جا سکے۔

چنانچہ خرزاد بن فرخ زاد کے کہنے پر اس کے سارے سالار اس برج میں جمع ہو گئے جب ایسا ہو چکا تو خرزاد کچھ دیر تک سارے سالاروں کا جائزہ لیتا رہا پھر انتہائی شکستہ اور دکھ بھری آواز میں اپنے سارے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں دیکھتا ہوں ہمارے لاکھوں کا لشکر صرف بارہ ہزار مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ ابھی تک ہماری شکست اور مسلمانوں کی فتح کا جو راز ہے وہ میں نہیں جان سکا اور پھر ہماری بدبختی یہ کہ اب تک مسلمانوں کے ساتھ جس قدر ہمارے ٹکراؤ ہوئے ہیں ان

میں کامیابی مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی ہے۔

اب جو ہمارا رن پڑا ہے تو اس میں مجھے قوی اور پختہ یقین تھا کہ جلولہ شہر سے باہر ہم مسلمانوں کو شکست دینے اور پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن عجوبہ بات یہ ہے کہ ہم لاکھوں کا لشکر رکھنے کے باوجود بھی ان بارہ ہزار مسلم جنگجوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ کیا یہ نتیجہ حیرت انگیز اور ناقابل اعتبار نہیں ہے۔ میں ابھی تک یہ نہیں جان سکا کہ مسلمان کم تعداد رکھنے کے باوجود وہ کون سا حربہ، وہ کون سا کلیہ استعمال کرتے ہیں جس کے تحت وہ اپنے مخالف کی شکست اور اپنی فتح مندی کو یقینی بنا لیتے ہیں۔''

خرزاد کے اس سوال کے جواب میں جب سارے سالار خاموش رہے تب خرزاد گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا پھر اپنے ایک سالار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہمارے پاس کچھ مسلمان قیدی ہیں ان میں سے کسی ایک کو پکڑ کر لاؤ جو ان میں سے صاحب علم ہو میں اس کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہوں۔''

اس پر وہ سالار وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ ایک مسلمان قیدی تھا۔ خرزاد نے اسے بڑی عزت اور بڑے احترام کے ساتھ اپنے سامنے بٹھایا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دیکھ میں نہ تیرا نام پوچھوں گا نہ تیرا حسب نسب جاننے کی کوشش کروں گا۔ میں تیرے سامنے ایک معاملہ رکھتا ہوں۔ اگر تو اس کا جواب سچائی پر رہتے ہوئے دے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا۔ دیکھ مجھے گمراہ نہ کرنا۔ ایرانی قوم گزشتہ کئی سال سے عربوں سے ٹکرا رہی ہے لیکن ہر موقع پر فتح اور نصرت عربوں کے قدم چومتی ہے۔ بدبختیاں شکست و ریخت اور ہر طرح کی ذلت اور نکبت ہماری ہی جھولی میں گرتی ہے۔ میں تم سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ عرب جو تعداد میں ہم سے کم ہیں، ہر لڑائی، ہر جنگ میں ہماری تعداد ان کی نسبت بہت زیادہ ہوا کرتی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ ہر موقع پر کامیابی اور فوز مندی ان حملہ آور عربوں ہی کے قدم چومتی ہے۔ اگر تم میرے ان سوالوں کا جواب سچائی پر رہتے ہوئے دو گے تو میں تمہیں تمہاری آزادی کی ضمانت دیتا ہوں۔''

اس مسلمان نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگا۔

''میں نہیں جانتا ایرانی لشکر میں آپ کی کیا حیثیت ہے۔ پہلے اپنا مقام اور رتبہ کہیں پھر میں گفتگو کا آغاز کروں۔''

اس پر خرزاد کہنے لگا۔ ''میں ایرانی لشکر کا یہاں سالارِ اعلیٰ ہوں اور ایران کے نامور سالار رستم کا چھوٹا بھائی ہوں۔''

اس پر اس عرب نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔ ''رستم کے بھائی میں تم پر انکشاف کروں گا کہ خداوندِ قدوس نے ہمارے اندر ایک محترم نبیؐ کو مبعوث کیا، ان سے پہلے ہم پتھر اور مٹی کی مورتیوں کے علاوہ بھوت پریت پر بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کو خدا سمجھ کر یا خدا کا مقرب سمجھ کر پوجتے تھے۔ عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ایک خدائے اعظم کے قائل تھے لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں، فرشتوں کو بھی اس لیے پوجتے تھے کہ ان کو وہ خدا کا مقرب اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

ہماری بت پرستی کی انتہا یہ تھی کہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ یہ کل پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں کہ اتنی تعداد تو خانہ کعبہ کی وسعت میں سما نہیں سکتی تھیں بلکہ ان میں خاصی تعداد رنگین تصاویر کی تھیں اور دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور پھر ہماری یہ بدبختی تھی کہ چونکہ کعبہ تمام عرب کا مرکز تھا اس لیے ہر فرقے کے معبود بزرگانِ دین کا اس گھر میں مجمع تھا۔ چنانچہ بتوں کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر اللہ کے نبی ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، حضرت مسیحؑ، حضرت مریمؑ کی تصویریں تھیں اس لیے کعبہ کے یہودیوں، اسماعیلی، عربوں اور عیسائیوں کے لیے بھی آسودگی قلوب بننے کا دعویٰ سمجھا جاتا تھا۔ خانہ کعبہ میں اس قدر بت رکھنے کی تشریح کچھ یہ تھی کہ سال کے ہر دن کے لیے ایک نیا بت تھا۔ سال کے تین سو ساٹھ دنوں کی تقریبی مدت کے لیے تین سو ساٹھ بت تھے۔ یہ صرف تین سو ساٹھ خانہ کعبہ کے اندر بتوں کی تعداد ہے۔

اس کے علاوہ عرب کے ملک کے گوشہ گوشہ میں بت رکھے ہوئے تھے۔ ان کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قاعدے کے مطابق خاص بنائے ہوئے بتوں کے علاوہ عربوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ راستے میں چلتے چلتے کوئی اچھا سا پتھر بھی ان کو مل جاتا۔ اس کو دیوتا بنا لیتے تھے اور کبھی اس سے اچھا پتھر مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیتے تھے اور بدقسمتی سے کوئی پتھر ہاتھ نہ آتا تو مٹی کا گول پلا بنا کر بکری کا دودھ اس پر ڈالتے تھے اور پھر وہ دیوتا بن جاتا تھا۔ عرب میں ایک قبیلہ تھا جس نے آٹے کی مورتی بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ ہر قبیلے کا اپنا ایک علیحدہ بت بھی ہوا کرتا تھا۔ کہیں لات کہیں منات کہیں مناف کہیں سواع کہیں

سعد کہیں حساف کہیں نائلہ۔ اس کے علاوہ اور بہت سے بت تھے جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی اور اس کائنات کے مالک کو پسِ پشت ڈال دیا گیا تھا۔

ہم عربوں کی بدقسمتی یہ کہ ہم خود تو بت پرستی میں مبتلا تھے لیکن ہمارے اندر اور ہمارے آس پاس دوسرے مذاہب تھے وہ بھی بت پرستی میں بری طرح مبتلا تھے۔ ہمارے قرب جوار میں مجوسیت کا مذہب تھا۔ مجوسیت ایک طرح سے تم لوگوں کا قومی مذہب خیال کیا جاتا ہے اس کا بانی زرتشت بتایا جاتا ہے۔ مجوسیت والے یزدان اور اہرمن دو خداؤں کے قائل ہیں۔ ایک فائلِ خیر، دوسرا فائلِ شر۔ یزدان کو نور اور اہرامن کو ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس ہمارے اندر خداوندِ قدوس نے ہمارے محترم نبی ﷺ کو مبعوث کیا۔ تب خدا نے ہماری ہدایت کا سامان کیا اور مجوسیوں سے متعلق ہمیں کہا کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا تو ایک ہی ہے۔ ساتھ ہی فرمایا خدا آسمان و زمین کی روشنی ہے۔ حمد ہو اللہ کی جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ تاریکی اور روشنی کو بنایا۔ اس طرح ہمارے پیغمبر کے ذریعے جہاں ہمیں ہمارے بتوں سے نجات ملی وہاں مجوسیت کی بھی نفی کر دی گئی۔

دوسرا بڑا مذہب ہمارے اندر سائیبیوں کا تھا سائیبین کا اصل ملک بابل تھا اور اس ملک میں ستارہ پرستی کا رواج مدت سے تھا اس کے ساتھ ان میں ارواح پرستی بھی تھی۔ ستاروں کے ہیکل ان کے معبد تھے۔ یہ عراق کا نہایت قدیم مذہب تھا۔ رفتہ رفتہ سیاسی انقلابات کے بعد ان پر جو مذہب غالب آتا گیا ان کے کچھ اجزاء ان میں شامل ہو گئے تھے۔ ان میں بنی اسرائیل کی یہودیت ایرانیوں کی مجوسیت یونانیوں کا فلسفہ، رومیوں کی عیسائیت، ہر چیز سرایت کر گئی اور خدائے واحد پر ان کا اعتقاد نہ رہا تھا لیکن ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے۔ تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے صبح کو طلوع آفتاب اور دوپہر کو عین زوال کے وقت شام کو آفتاب ڈوبنے تک ان کا عتقاد تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے۔ تمام ستارے آغازِ عالم سے ہر وقت اپنی جگہ سے ہٹتے رہتے ہیں اور بڑھتے رہتے ہیں لیکن قطب کا تارہ ہمیشہ ایک ہی حال پر اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اس لیے وہ قبلہ ہے اس طرف منہ کر کے اپنی دعا اور مناجات پڑھا کرتے تھے۔ دن میں تین مرتبہ ہر نماز کے لیے ان کو غسل کرنا پڑتا تھا۔

اس کے علاوہ ہماری سرزمینوں میں عیسائیت بھی سرایت کیے ہوئے تھی۔ عیسائیت شام کا شاہی مذہب تھا اس لیے شمالی عرب کے وہ قبائل جو حدود شام میں جا کر آباد ہو

گئے تھے انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ بنولخم بنوجذام بنو عاملہ کے قبیلے جو عراق کی سمت میں پھیلے ہوئے تھے عیسائی تھے۔ حیرہ کے عرب بادشاہوں نے گو مستقل طور پر عیسائیت قبول نہیں کی تاہم اس بنا پر کہ ان کے حرم میں عیسائی عورتیں تھیں ان میں متعدد بادشاہ عیسائی ہو گئے تھے۔ حیرہ میں ان ہی عورتوں نے دیر خانقاہیں اور کلیسے بنوائے۔ یہاں راہب لوگ رہتے تھے اور ان کے ذریعے سے یہاں نوشت وخواندگی کا کسی قدر رواج تھا۔ چنانچہ سلاطینِ حیرہ کے حالات انہیں خانقاہوں میں قلم بند کیے گئے۔

اندرونِ عرب میں بھی عیسائیت کے نشان ملتے تھے۔ طے کا قبیلہ جو نجد کے قریب آباد تھا عیسائی تھا۔ قبیلہ قریش کے خاندان بنو اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے۔ ان میں ورقہ بن نوفل کا نام اہم ہے۔ عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان کا ایک عیسائی تھا اور اوس خزرج میں بھی ایک دو آدمی عیسائی تھے جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے وہاں تمام تر لوگ عیسائی تھے وہاں کلیسا بھی تھا جہاں راہب رہا کرتا تھا۔ خاص یمن کے اندر باوجود اس کے کہ عیسائی حبشیوں نے چالیس پچاس برس حکومت کی، عیسائیت فروغ نہ پا سکی۔ تمام سلاطین یمن میں عبد کلال نام کا ایک بادشاہ صرف عیسائی تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہودیت نے یہاں بڑا برگ و بار پیدا کیا۔ حمیر یہودی تھے۔ بنوکنعانہ، بنو الحارث، بنی کعب اور کندہ میں بھی یہودیت تھی۔ یثرب سے شام تک عرب کے اکثر سبز مقامات یہودیوں کے قبضے میں تھے۔ بنو قریضہ، بنو قینقاع، اہل خیبر تمام کے تمام یہودی تھے۔ یثرب یعنی مدینہ منورہ میں یہودیوں کی آبادی تھی یہاں ان کا ایک بیت المقدس تھا جہاں علماء یہود اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کر کے سامی ان کو سنایا کرتے تھے۔ یثرب میں یہودیوں کے مذہبی تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس خزرج کے قبیلوں میں لوگ نذر مانتے کہ بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائیں گے۔

اس تاریکی اور گھپ اندھیرے میں کائنات کے مالک اور محترم خداوندِ قدوس نے ہمارے اندر ایک محترم نبیؐ مبعوث کیے جنہوں نے خداوندِ قدوس کے بھیجے ہوئے پیغام کی روشنی میں ہمارے اندر ایک انقلاب برپا کر دیا۔ ہماری زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ کہاں ہم بت پرست تھے اور کہاں ہمارے اس محترم پیغمبرؐ نے خداوندِ قدوس کا حکم ہمیں سناتے ہوئے فرمایا۔

کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں نہ نفع

اور کہتے ہیں کہ یہ معبودانِ باطلان اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے رسولؐ! تم ان لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو ایسی خبر سناتے ہو جس کو وہ نہ آسمان پر پاتا ہے نہ زمین میں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے پھر ہمیں تنبیہہ کی گئی کہ اے اہلِ مکہ والو! ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں میں کتنی ہی ہلاکتیں کر دیں اور اپنی نشانیاں طرح طرح سے دکھائیں تاکہ وہ شرک سے باز آ جائیں مگر ان کے باز نہ آنے پر جب ہمارا عذاب آیا تو جن کو انہوں نے تقریبِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے خدا کے سوا اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان مشرکوں کی کیوں مدد نہ کی بلکہ وہ ان سے کھوئے گئے اور یہ حقیقت تھی کہ ان کی بہتان بندی اور افترا بر داری تھی۔

پھر کائنات کے مالک نے ہمارے لیے حکم جاری کیا۔ دیکھو یاد رکھو خاص عبادت اللہ کے لیے ہی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے اولیاء اختیار کر رکھے ہیں ان کا قول ہے کہ ہم اولیاء کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے نزدیک کر دیں گے اور جس بات میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جھوٹے ناشکرے کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

رستم کے بھائی خداوندِ قدوس کی طرف سے بھیجے گئے اسی پیغام نے ہمارے اندر ایک انقلاب برپا کر دیا اور پھر یہ بھی بات یاد رکھنے کی ہے کہ کیونکہ محبت کا شعلہ حسن و احسان سے بھڑکتا ہے اور محبت کا نتیجہ محسن کی اطاعت اور رضا جوئی ہے لہٰذا انسان جب کسی کے احسان سے واقف ہوگا تو اس کے دل میں محسن کی محبت رضا جوئی پر آمادگی خود بخود پیدا ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مقدس کتاب میں بار بار بڑی کثرت سے لوگوں کو اپنے احسانات یاد دلا کر سمجھایا کہ ہم نے اپنی صفتِ رحمانیت کے تحت تمہارے آرام اور راحت کے کیسے کیسے سامان پیدا کیے ہیں۔ ایک بلید طبع اور کج فہم انسان ہماری اس مقدس کتاب میں اس قسم کی آیات کو سرسری اور راس تذکرہ کو غیر ضروری سمجھتا ہے حالانکہ انسان کو اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کے لیے آمادہ کرنے کا اس سے بڑھ کر دوسرا طریقہ تجویز بھی نہیں کیا جا سکتا۔

محترم خرزاد! نسلِ انسانی ہمیشہ اپنے حقیقی محسن یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو فراموش شدہ حقیقت یاد دلاتا رہا ہے۔ اسی جذبہ محبت کے بیجا استعمال نے انسان کو خدا

جیسے محسنِ حقیقی سے غافل کر کے اس کی محبت کو کم اور ماں یا باپ دادا یا اپنی قوم اور قبیلے کی محبت کو حد سے زیادہ بڑھا کر انسان کو صراطِ مستقیم سے جدا اور گمراہ کیا۔ تمام گناہوں کا جمیع اور خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی نافرمانی شرک ہے۔ یہ شرک اور دوسرے گناہ عقل سلیم فہم مستقیم کی مخالفت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عقل سلیم یا اسلام کی مخالفت میں سب سے زیادہ جو چیز انسان کو آمادہ کرتی ہے وہ جذبہ محبت کا بیجا استعمال اور باپ دادا کی محبت کو خدا اور رسول کی محبت پر ترجیح دینا ہے جس کو دوسرے الفاظ میں تقلید آبا اور خاندانی عصبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا خداوندِ قدوس نے ہماری مقدس کتاب میں شرک اور تقلید ابا رکی سب سے زیادہ مذمت کی اور بار باران دونوں کا برائی اور حقیقت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مسلمان رکا پھر رستم کے بھائی خرزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''رستم کے بھائی! میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ تمام دوسرے مذہب کے مقابلے میں اسلام زیادہ واضح اخلاقی قانونی نظام کی خصوصیت کا حامل ہے۔ اس میں مومن کی زندگی اور افکار عقائد کی اس مثالی مجموعہ الیاحات کے مطابق منظم کیا جاتا ہے جو ہمارے محترم رسولؐ پر وحی ہوا۔ اس طرح اسلام نے نیک بد اور حق و باطل کا اپنا نظام قائم کیا جو اس کی میزانِ عدل کے مطابق صحیح اور درست ہے۔ اس نظام کے عقلی جواز کی صورت یہی تھی کہ دوسرے مذہب کی طرح اسلام بھی کہتا اس نظام کا سرچشمہ خدا کی مشیت اور عدل ہے اس اصل کی عقلی تجویز اس درجہ ضروری ہے کہ انسان اکثر محض ایمان وایقان کی بناء پر اسے پورا کر لیتا ہے۔ میں یہ بھی کہوں کہ اسلام کے قانونی نظریے کے مطابق صرف خدا کی ذات قدرت اور اختیار کی مصدر ہے اور صرف اس کو قانونِ کامل سے علم و آگاہی حاصل ہے۔ اس قانون کو جسے یہودیت اور عیسائیت میں ارادہ خداوندی کا مظہر یا خدا کی تخلیق قرار دیا گیا تھا۔ ہمارے مذہب نے اور زیادہ واضح اور نمایاں کر کے پیش کیا۔ رستم کے بھائی کیونکہ ہم نے سارے بتوں سارے پرانے اعتقادات سارے تعصب پر مبنی اعتقادات کو یکسر پامال کر کے اپنے آپ کو صرف خداوندِ قدوس کی عبادت تک محدود کر لیا۔ ہم جو کام کرتے ہیں اپنے خداوندِ قدوس کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں۔ ہم اگر جنگ میں حصہ لیتے ہیں تو یہ سمجھ کر لیتے ہیں چونکہ ہم سچائی اور حق پر

ہیں لہٰذا ہمارا خالق، ہمارا رب جس کے ہم غلام ہیں وہ ہماری مدد اور اعانت کرے گا اور خارزاد تو دیکھتا ہے جب ہم اپنے خداوند قدوس کی رضا، اس کی حمایت، اس کی نصرت کے متلاشی بن کر کسی لشکر کے خلاف حرکت میں آتے ہیں تو ہم عددی فوقیت کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہمارا رب اور محترم خدا بڑے بڑے لشکروں کے سامنے ہمیں کامیابی اور فوزمندی عطا کرتا ہے۔ بس یہی ہماری کامیابیوں کا نسخہ ہے۔

جہاں تک ہمارے مقابلے میں تمہاری شکست کا سوال ہے تو تم نے بہت سے خدا بنا رکھے ہیں۔ آباء پرستی بھی کرتے ہو، آگ کی بھی پوجا پاٹ کرتے ہو حالانکہ آگ صرف مظہر ہے۔ خداوند قدوس کی پیدا کردہ وہ چیز ہے جس سے انسان فائدے حاصل کرتا ہے۔ یہ آگ چونکہ میرے خداوندِ قدوس کی تخلیق کردہ شے ہے لہٰذا تخلیق کی پرستش کرتے ہو لہٰذا ناکام ہو ہم تخلیق کرنے والے خالق واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ اُسی سے مدد مانگتے ہیں لہٰذا وہ ہمیں کامیابی اور نصرت عطا کرتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مسلمان خاموش ہو گیا اس کی ساری تقریر سن کر خرزاد گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا پھر اس موقع پر وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک لشکری بھاگتا ہوا آیا اور خرزاد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جنگ کے دوران مسلمانوں نے جن ایرانیوں کو قیدی بنایا تھا انہوں نے رحم دلی سے کام لیتے ہوئے ان سارے قیدیوں کو چھوڑ دیا ہے۔''

اس انکشاف پر خرزاد نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا پھر اپنے سامنے بیٹھے اپنے ایک سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جس مسلمان کو تم لے کر آئے ہو اسے بھی ساتھ لے جاؤ اور چند قیدی مسلمانوں کے جو ہمارے پاس ہیں انہیں آزاد کر دو۔''

اس کے ساتھ ہی خرزاد کا وہ لشکری مسلمان کو ساتھ لے گیا اور اس کے ساتھ باقی ساتھیوں کو بھی رہا کر دیا گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

جلولہ شہر سے باہر ایک بار ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد مسلمانوں نے جلولہ شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ دوسری طرف ایران کا بادشاہ یزدگرد ان دنوں حلوان شہر میں قیام کیے ہوئے تھا اور حلوان شہر میں اس وقت ایران کے بڑے سالاروں میں سے خسرو شنوم زیلبی ہرمزان بیکان اور کچھ دسرے سالار قیام کیے ہوئے تھے۔ یزدگرد کو جب جلولہ شہر کے نواح میں اپنے لاکھوں کے لشکر کو صرف بارہ ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کی خبر ملی تھی یزدگرد بڑا پریشان اور فکرمند ہوا چنانچہ اس نے حلوان شہر میں اس کے ساتھ جو سالار قیام کیے ہوئے تھے ان کا اجلاس طلب کر لیا۔

جب سارے سالار حلوان شہر میں یزدگرد کے پاس جمع ہو گئے تب یزدگرد کچھ دیر سوچتا رہا پھر اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ خبر میں بھی سن چکا ہوں اور تم تک بھی پہنچ چکی ہے کہ جلولہ کے باہر مسلمانوں نے ہمارے لشکر کو بدترین شکست دی اور ہمارا لشکر اس وقت جلولہ شہر میں محصور ہو گیا ہے اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس موقع پر ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ پہلے آپس میں مشورہ کرو اس کے بعد مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو۔''

سارے سالار آپس میں صلاح مشورہ کرتے رہے اور ان کا جواب سننے کے لیے کچھ دیر تک یزدگرد ان کی طرف خاموشی سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ خسرو شنوم سب کی نمائندگی کرتے ہوئے یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہم نے بہت سوچ بچار سے کام لیا اور اس وقت سارے سالار کسی ایک نقطہ پر متفق نہیں ہوئے بلکہ دو آراء سامنے آئی ہیں۔ میں اور میرے کچھ ساتھی چاہتے ہیں کہ حلوان شہر میں جو اس وقت لشکر ہمارے پاس موجود ہے اسے لے کر ہمیں نکلنا چاہیے اور

جلولہ شہر سے باہر مسلمانوں کے جس لشکر نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اس پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ ایسا کرنا ہمارے لیے آسان ہے جب ہم یہاں سے کوچ کر کے جلولہ کا رخ کریں گے تو اس کوچ سے پہلے اپنے مخبروں کو جلولہ شہر کی طرف روانہ کر دیں گے اور وہاں اپنے سالار خرزاد بن فرخ زاد کو اطلاع بھیج دیں گے کہ ہم لشکر لے کر حلوان سے نکل رہے ہیں لہٰذا ہم مسلمانوں پر باہر سے حملہ آور ہوں گے شہر کے اندر سے وہ بھی نکلے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائے۔ جب اس طرح مسلمانوں پر دو طرفہ حملے شروع ہو جائیں گے تو مسلمانوں کی فتح کو ہم شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیں گے اور ایسا کر کے مسلمانوں سے نمٹنا ہمارے لیے بڑا آسان اور سہل ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو شنوم جب خاموش ہوا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے غور سے یزدگرد کہنے لگا۔

''یہ تمہاری اور تمہارے کچھ ساتھیوں کی رائے ہے۔ سالاروں کا دوسرا گروہ کیا کہتا ہے۔''

اس پر خسرو شنوم نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''باقی سالار یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ جو لشکر اس وقت حلوان شہر میں آپ اور ہمارے ساتھ ہے اسے حلوان شہر ہی میں رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کا بارہ ہزار کا لشکر جلولہ شہر کو فتح نہیں کر پائے گا۔ اس لیے کہ قلعہ بڑا مضبوط ہے۔ شہر کے اردگرد خندق کھدی ہوئی ہے اور پھر وہاں ہزاروں کی تعداد میں گوکھرو ہیں جنہیں بچھا کر ہمارا سالار خرزاد بن فرخ زاد مسلمانوں کی شہر کی طرف پیش قدمی کو روک سکتا ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا خیال ہے کہ حلوان کے لشکر کو جلولہ کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ اس سے ہمارے لیے خطرات اٹھ کھڑے ہوں گے اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کا صرف بارہ ہزار کا لشکر جلولہ شہر پر حملہ آور ہوا ہے باقی لشکر باقی سالاروں اور ان کے سالارِ اعلیٰ سعدؓ بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ابھی منتظر ہے کہ اس نے کس پہلو پر ضرب لگانی ہے۔ ان سالاروں کا کہنا ہے کہ اگر حلوان میں مقیم ہمارا لشکر نکل کر جلولہ کی طرف بڑھا اور محاصرہ کرنے والے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو یہ ممکن ہے مسلمانوں کا سالارِ اعلیٰ سعدؓ بن ابی وقاص باقی سارے لشکر کو لے کر بڑی تیزی سے اسے سمیٹتا ہوا جلولہ کا رخ کرے اور اگر ایسا ہوا تو پھر ہمیں ناقابل تلافی نقصان

اٹھانا پڑے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لیے خسرو شنوم رکا پھر دوبارہ وہ یزدگرد کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں نے سالاروں کے دونوں گروہوں کے نظریات آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ آخری فیصلہ کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ جیسا حکم دیں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد خسرو شنوم خاموش ہو گیا جواب میں یزدگرد تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اس کے بعد اس نے نگاہ اٹھا کر خسرو شنوم کے علاوہ باقی سارے سالاروں کا جائزہ لیا پھر وہ اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"خسرو شنوم! جو کچھ تم نے اور تمہارے کچھ ساتھیوں نے سوچا ہے میں اس سے قطعی اتفاق نہیں کرتا جو کچھ دوسرے گروہ نے سوچا ہے اسے میں پسند کرتا ہوں۔ دیکھو اس وقت جو لشکر حلوان میں ہے وہ اگر جلولہ کی طرف مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلتا ہے تو یاد رکھنا اس کے ہمیں دو نقصان ہوں گے۔ تم لوگوں نے صرف ایک پہلو پر نگاہ رکھی ہے کہ حلوان کا لشکر اگر جلولہ کی طرف جاتا ہے تو مسلمانوں کا سالارِ اعلیٰ باقی لشکر کو سمیٹتا ہوا جلولہ کا رخ کرے گا اور ہمارے لیے خطرات کھڑے کر دے گا لیکن اس کا ایک اور پہلو بھی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ اگر ہم حلوان سے نکل کر جلولہ کا رخ کرتے ہیں تو حلوان شہر بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا اور ہماری غیر موجودگی میں مسلمانوں کے چند دستے حلوان کی طرف آ کر شہر پر قابض ہو جائیں گے۔ اس طرح حلوان ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور اگر وہاں مسلمانوں کا پورا لشکر ہمارا مقابلہ کرنے کے لیے پہنچ جاتا ہے تو پھر ماضی کے ٹکراؤ کو سامنے رکھتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جلولہ بھی ہمارے ہاتھوں جاتا رہے گا۔ اس بناء پر جو فیصلے میں نے کیے ہیں غور سے سنو۔

میں آج ہی یہاں سے ایک لشکر اور کچھ سالاروں کو لے کر رے شہر کا رخ کروں گا۔ رے شہر میں قیام کے دوران میں وہاں لشکری بھرتی کروں گا اور اپنے سالاروں کے ذریعے نئے لشکریوں کی تربیت کا کام شروع کر دوں گا۔ دیکھو مسلمانوں کے ساتھ ہماری جنگوں کا سلسلہ طویل ہو سکتا ہے اور میں خود چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ طویل رہے تاکہ ہمیں مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا موقع مل

جائے۔ اس طرح ہم بیک وقت مسلمانوں کے سامنے تین بڑے لشکر لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایک وہ لشکر جو اس وقت جلولہ شہر میں مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے دوسرا لشکر وہ جو حلوان میں قیام کیے ہوئے ہے اور تیسرا لشکر میں رے میں جا کر تیار کروں گا اور مجھے امید ہے کہ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو آنے والے دور میں مسلمانوں کو ہم پسپا کر کے ان سے اپنی سرزمینیں واپس لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد یزدگرد خاموش ہو گیا کچھ دیر اس نے اپنے سالاروں کا جائزہ لیا پھر کہنے لگا۔ "اب جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر اپنی رائے کا اظہار کرو۔"

جواب میں خسرو شنوم سمیت سارے سالاروں نے بھی یزدگرد کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ یہ معاملہ طے ہونے کے بعد یزدگرد اسی روز لشکر کا ایک حصہ اور کچھ سالاروں کو لے کر رے شہر کی طرف کوچ کر گیا تھا اور حلوان شہر میں اس وقت جو لشکر موجود تھا اس کا سالارِ اعلیٰ خسرو شنوم کو بناتا چلا گیا تھا۔ اس طرح خسرو شنوم حلوان میں رہتے ہوئے نئے لشکری بھرتے کرتے ہوئے اپنے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھانے لگا تھا۔ دوسری طرف یزدگرد بھی رے شہر پہنچ کر بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اور وہاں بھی اس نے اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر ایک لشکر تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

ادھر مسلمانوں نے جلولہ شہر کا محاصرہ جاری رکھا اور یہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ اس محاصرے سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جلولہ کے محاصرے کے ایام میں بہت سے معرکے ہوئے اور ہر معرکے میں ایرانی مغلوب ہوتے رہے۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جلولہ شہر میں اس وقت لاکھوں ایرانی جنگجو موجود تھے جبکہ مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز نہ تھی۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اپنی جمعیت کی کثرت اور سامانِ حرب کی فراوانی پر اعتماد کر کے ایرانیوں نے مسلمانوں کا جی توڑ کر مقابلہ کیا تھا مگر انہیں شکست اٹھانا پڑی لہٰذا شہر میں محصور ہوئے اب مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تھا اور ایرانی اپنے سالار خرزاد بن فرخ زاد کی کمانداری میں محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے۔

خرزاد شہر میں محصور رہ کر یہ سمجھتا تھا کہ وہ محفوظ ہے اس لیے کہ شہر کے گرد خندق تھی۔ قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کے ساتھ یہ سلسلہ شروع کیا کہ وقفے

وقفے سے چھوٹے لشکر نکلتے کبھی دن کے وقت مسلمانوں سے ٹکراتے اور کبھی رات کے وقت شہر سے نکل کر مسلمانوں پر شب خون مارتے لیکن ان سارے ٹکراؤ کے دوران زیادہ نقصان ایرانیوں کا ہی ہوا۔

چنانچہ ایرانیوں کے سردار خرزاد بن فرخ زاد نے جب یہ اندازہ لگایا کہ جلولہ شہر کا محاصرہ طول پکڑتا جا رہا ہے اور اگر یہ محاصرہ اسی طرح جاری رہا تو جلولہ شہر کے لوگ اس محاصرے سے تنگ آ جائیں گے اور اپنے لشکر سے ہی نفرت کرنے لگ جائیں گے۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن تھا کہ شہر کے اندر اجناس کا قحط پڑ جائے اور ایرانی مجبور ہو کر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ ان سوچوں کے تحت خرزاد نے ایک رات شہر کی فصیل کے بڑے برج میں اپنے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

چنانچہ سارے سالار جب شہر پناہ کے اس برج میں جمع ہو گئے تب انہیں مخاطب کرتے ہوئے خرزاد کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! مسلمانوں نے ہمارا محاصرہ کر رکھا ہے۔ محاصرہ طول پکڑتا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب مسلمان اس طرف آئے اور ہم نے شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا تو ہمیں پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ میں سمجھتا ہوں ہماری یہ پسپائی اور شکست ایک وقتی عمل تھا ورنہ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ اس لیے کہ جلولہ شہر میں لاکھوں پر مشتمل ہمارا لشکر ہے جبکہ ہمارے مقابلے میں مسلمان چند ہزار پر مشتمل ہیں ایسی صورت میں تو مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر ہمیں ان کے پرخچے اڑا دینے چاہیے تھے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ہزاروں کی تعداد کے سامنے لاکھوں کی تعداد محصور رہنے پر مجبور ہے۔

میں ایک اور بات تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ اگر یہ محاصرہ طول پکڑتا گیا تو ہمارے لیے نقصان ہی نقصان سامنے آئیں گے۔ جلولہ شہر کے لوگ محاصرے کی طوالت کی وجہ سے ہم سے تنگ پڑ سکتے ہیں۔ ہمارے خلاف آواز اٹھا سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں شہر کے اندر محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے ناممکن ہو جائے گا اور محاصرہ طول پکڑنے کا ہمیں یہ بھی نقصان ہو سکتا ہے کہ شہر کے اندر غذا کے ذخائر اگر ختم ہو گئے تو شہر کے اندر قحط کی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو شہر کے لوگ ہی مسلح ہو کر ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور جلولہ شہر کے دروازے خود ہی مسلمانوں کے لیے کھول دیں گے۔ اس لیے کہ اب دور اور نزدیک مسلمانوں کے عمدہ سلوک کی وجہ

سے لوگ ان سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ مسلمان جس علاقے پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ عورتوں، بچوں، بے بس اور مجبور لوگوں پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ صرف ان سے ٹکراتے ہیں جو مسلح ہو کر ان کے سامنے آتے ہیں۔ باغات نہیں کاٹتے، فصلوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ یہ سارے عمل ہمارے لشکری نہیں کرتے۔ ہمارے لشکریوں کے ہاتھوں کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں ہوتی جبکہ مسلمانوں میں صفت ہے کہ وہ عورتوں کا احترام کرتے ہیں اور کسی کی بے عزتی اور ذلت کا باعث نہیں بنتے۔ اس بناء پر اگر محاصرہ طول پکڑ گیا تو یاد رکھنا جلولہ شہر کے لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہماری نسبت وہ مسلمانوں کا ساتھ دینا زیادہ پسند کریں گے اور جس روز ایسا ہو گیا ہمارے لشکر کا جلولہ شہر میں قیام کرنا خطرے سے خالی نہ رہے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد خرزاد جب خاموش ہوا تب ایک سالار خرزاد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر حالات یہ صورت اختیار کر سکتے ہیں تو پھر آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔''

جواب میں خرزاد تھوڑی دیر تک گردن جھکا کر سوچتا رہا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اب شہر کے اندر محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے اپنے اس فعل کو ترک کر دیں۔ آنے والی صبح کو شہر سے نکل کر مسلمانوں کے سامنے پڑاؤ کیا جائے اور ایک بار پھر ان سے ٹکرا کر قسمت آزمائی کی جائے۔ میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا لاکھوں کا لشکر ہزاروں پر غالب نہیں آ سکتا۔ چند دن پہلے جلولہ شہر کے نواح میں جو مسلمانوں کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہوا تھا اور جس میں ہمیں پسپائی اور شکست اٹھانا پڑی تھی میں کوئی بات چھپاؤں گا نہیں، سچائی کے ساتھ کہوں گا، مجھے اس معرکے کی کوئی سمجھ نہیں آئی تھی کہ ہمارے اتنے بڑے لشکر کو کیسے شکست ہوئی اور کیسے مٹھی بھر مسلمانوں نے لاکھوں کے لشکر کو اپنے آگے آگے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اب جو فیصلہ میں نے کیا ہے وہ یہ کہ آنے والی صبح کو لشکر لے کر باہر نکلیں، جم کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اس وقت سارے سالار یہاں موجود ہیں اور اپنے ماتحت لشکریوں کے اندر یہ جذبہ پیدا کریں کہ ہم نے ہر صورت میں مسلمانوں کو شکست سے

دوچار کرنا ہے۔ اگر کل ہم شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں کامیابی نصیب ہوتی ہے تو یاد رکھنا ایران کی سرزمینوں میں جنگوں کا جو تسلسل جاری ہے اس کا چکر الٹا چلنا شروع ہو جائے گا۔ پہلے ہر موقع پر ہر میدان میں ہر رزم گاہ میں ہر رن میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہمیں شکست اور ہزیمت اٹھانا پڑی۔ جب ہم نے ایک بار مسلمانوں کو شکست دے دی تو یاد رکھنا مسلمانوں کے لشکریوں کے بڑھتے ہوئے حوصلے ماند پڑ جائیں گے اور آنے والے دنوں میں وہ جہاں کہیں بھی ہم سے ٹکرائیں گے بددلی کی وجہ سے تقدیر ہر جگہ ان کے دامن میں شکست اور پسپائی ڈالتی رہے گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد خرزاد جب خاموش ہوا تب سارے سالار آپس میں کچھ دیر کھسر پھسر کرتے ہوئے صلاح مشورہ کرتے رہے اس کے بعد ایک سالار سب کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے سالارِ اعلیٰ خرزاد بن فرخ زاد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہمارے محترم! جو فیصلہ آپ نے کیا ہے ہم سب اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ کب تک ہم شہر کے اندر مسلمانوں کے سامنے محصور پڑے رہیں گے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں، محاصرہ طول پکڑتا ہے تو محاصرے کی طوالت کی صورت میں ہمارے لیے خطرے ہی خطرے، ہمارے لیے نقصان ہی نقصان سامنے آتے رہیں گے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی صبح کو پورا لشکر لے کر شہر سے باہر نکلیں اور پوری تندہی سے مسلمانوں سے ٹکرائیں اور اپنی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست کو یقینی بنا کر رکھیں۔

اپنے سالاروں کے اس ردِعمل سے خرزاد بن فرخ زاد خوش ہو گیا تھا لہٰذا یہی فیصلہ ہوا کہ آنے والی صبح کو پورا لشکر شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں سے ٹکرائے گا اس کے بعد خرزاد اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور سارے سالاروں کو اس نے حکم دیا کہ اپنے اپنے لشکریوں کو کل صبح شہر سے باہر نکال کر مسلمانوں سے ٹکرانے کے لیے تیار کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی خرزاد اور اس کے سالار آخری فیصلہ کرنے کے بعد شہر کی فصیل سے اتر گئے تھے۔

اگلے روز خرزاد اپنے لشکر کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور مسلمانوں کے لشکر کے سامنے اس نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ مسلمان بھی سمجھ گئے تھے کہ خرزاد محصور رہنے سے تنگ آ کر اب اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور

ہو گا تا کہ مسلمانوں کو جلولہ شہر کا محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ ایرانیوں کی طرف دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

اس کے بعد جنگ کی ابتداء ایرانیوں کی طرف سے ہوئی اور ایرانی گزرتے وقت کو زنجیر کرتی سرسراتی ہولناک موت خیالوں کی گزرگاہ تک کو ویران کرتی وقت کی صدائے خوف انگیز اور بادلوں کی چادر کو ادھیڑتی برہم برق کے تازیانوں کی طرح آگے بڑھے اور پھر وہ خدا کی اس خدائی میں زمین کے حسن کو خراب کرتی صدیوں کی گناہ آلود اذیتوں زندگی کی گرم بازاری کو ماند کرتی قہرمانی دکھ، پچھتاووں کے سمندر، پھیلتی محرومیوں، درد کرب کے اندھیروں، آشوب بھری وحشتوں سے دوچار کرتے خزاں کے طوفان اور تخریب کی تند آندھیوں کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

مسلمانوں نے بھی فوراً اپنے کام کی ابتداء کی سب سے پہلے انہوں نے جدائی کے راستوں پر پھول اور شبنم جیسی صداؤں، فرصت کے موسموں میں امید و آرزو بھری آوازوں اور خوابوں کی تعبیر کرتی برق کی غضب ناکی کے انداز میں تکبیریں بلند کیں اس کے بعد مسلمان لشکر بھی گہرے پانیوں کی تہوں میں اٹھتی بپھرتی لہروں، ذرے کو خاک و خون میں نہلاتی روشنی کو روشنی سے جوہر کو جوہر سے منقطع کرتی رفتار کی طرح آگے بڑھے پھر وہ ایرانیوں پر بے خوابی کے گہرے جنگل میں ناامیدوں کے گھنے اندھیروں میں عزائم کے لبادے ارادوں کی جلن منصوبوں کی ردائیں چھین لینے والی گرجتے بادلوں کی انگڑائی خیالوں پر پہرے خواہشوں پر قدغن، خونریزی کے عمل پر پابندی ظلم کی فطرت پر رکاوٹ اور قتل کی رسومات کے سامنے سدِ باب کھڑے کرتے فنا کے لرزاں رنگوں رات کے اندھیرے میں شائیں شائیں کرتے کوڑوں دشت در دشت کی مسافتوں میں خونی داستانیں لکھتی قضا، لباس تار تار بدن لہولہو کرتے آگ کے لپٹوں کے گورکھ دھندلے ہجوم کے سمندر میں اٹھتی لہروں غصیلی روح کی طرح گھس جانے والی اذیتوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جلولہ شہر کے نواح میں دونوں لشکریوں کے یوں ٹکرانے سے چار سو بے صدا گونگی تنہائیوں میں وحشی طوفانی جذبے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ خون میں لتھڑی زمین پر فنا کے لرزاں رنگ بکھرنے رقص کرنے لگے تھے۔ سکتی ریت کا جبرِ مسلسل اپنا رنگ دکھانے

لگا تھا۔ بستیوں کو اجاڑ دینے والے آہنی عزائم کے شرو چار سوچ ناچ اٹھے تھے۔

ایرانیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو جلولہ کے نواح میں شکست دے کر اپنے سامنے سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیں۔ پھر ایرانیوں کی بدقسمتی کہ انہیں جلولہ کے نواح میں شکست کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ اس بار بھی خرزاد نے مسلمانوں کے سامنے سے شکست اور ہزیمت اٹھا کر بھاگتے ہوئے شہر میں محصور ہونے کی کوشش کی لیکن اس بار مسلمانوں نے پہلے ہی منصوبہ بندی کر رکھی تھی چنانچہ جب خرزاد نے شکست قبول کرنے کے بعد بھاگ کر شہر میں داخل ہونا چاہا تو مسلمانوں کے لشکر کے ایک حصے نے راہ روک لی اور بھاگتے شکست خوردہ ایرانیوں کو جلولہ شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اس موقع پر چار سو ایرانیوں کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ بچا کھچا ایرانی لشکر اپنے سالار خرزاد کی کمانداری میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچاتا ہوا رے شہر کی طرف بھاگ گیا تھا۔

اس جنگ سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایرانی اپنی سپاہ کی کثرت اور سامانِ حرب میں فوقیت رکھنے کی وجہ سے بڑے اعتماد بڑے ولولے کے ساتھ مسلمانوں سے جی توڑ کر لڑے اور مقابلہ کیا مگر مسلمانوں کے مقابلے میں ناکام اور نامراد ثابت ہوئے اور ایک لاکھ ایرانی اس معرکے میں مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس معرکے میں مؤرخین کے مطابق تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اسی طرح جلولہ شہر کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ شہر کا نظم ونسق درست کرنے کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی حرکت میں آئے وہ بھی آگے بڑھے۔ اتنی دیر تک مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی کہ ایرانیوں کا ایک کافی بڑا لشکر حلوان شہر میں خسرو شنوم کی سرکردگی میں مقیم ہے چنانچہ ایک لشکر حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو دے کر حلوان میں خسرو شنوم کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا۔

خسرو شنوم کو خبر ہو چکی تھی کہ جلولہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا ہے اور مسلمان جلولہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ اس کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر تھا چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ حلوان شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے گا۔ اگر اسے شکست ہوئی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لیے کہ اس سے پہلے ایرانیوں کو ان گنت شکستیں مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھانا پڑ چکی ہیں اور اگر اس معرکے میں وہ فتح یاب ہوا

مسلمانوں کے مقابلے میں اسے فوزمندی اور کامیابی حاصل ہوئی تو جنگ کا ناصرف پانسہ پلٹ جائے گا بلکہ اگر یزدگرد کو دوبارہ ایران کی مملکت ملی تو یزدگرد باقی سارے سالاروں کو فراموش کر کے خسرو شنوم ہی کو اپنے لشکریوں کا سالار اعلیٰ مقرر کر دے گا۔

چنانچہ ان ہی ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے خسرو شنوم حرکت میں آیا اور حضرت قعقاعؓ بن عمرو کی آمد سے پہلے ہی پہلے اس نے حلوان شہر سے باہر آمد سے پہلے ہی پہلے اس نے حلوان شہر سے باہر اپنے لشکر کو استوار کر کے حضرت قعقاعؓ بن عمرو اور ان کے لشکر کی آمد کا انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔

قعقاعؓ بن عمرو جونہی اپنے لشکر کے ساتھ حلوان شہر کے نواح میں پہنچے تو خسرو شنوم نے جو پہلے ہی لشکر کی صفیں درست کر چکا تھا اس نے اپنے لشکر میں جنگ کی ابتدا کرنے کے لیے طبل پیٹنے کا حکم دے دیا تھا۔

یہ حکم ملتے ہی بڑے خوفناک انداز میں ایرانی لشکر کے اندر طبل پیٹے جانے لگے۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں نے بھی اپنی ہر چیز کو اپنی پشت پر استوار کرنے کے بعد اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

ایرانی لشکر میں کچھ دیر تک طبل پیٹے جاتے رہے اس کے بعد خسرو شنوم نے اپنے کام کی ابتدا کی اور وہ تلاطم اور طغیانی کے جوش مارتے آگ کے بے کراں سلسلوں رگوں میں مرگ گھول دینے والی زہر میں ڈوبی نیزوں کی آنکھوں میں نوکیلے کانٹے بچھاتے صحرا کو الم خیزیوں اور دل کی گہرائیوں سے اٹھتے تباہی کی طلب کے خوفناک عناصر کی طرح اسلامی لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے اپنے کام کی ابتدا اپنے معمول کے مطابق بڑے شاندار انداز میں کی۔ پہلے انہوں نے خوشبو سے الفاظ روشنی سے معین مفہوم برکتوں بھرے حروف رحمتوں کے مسکن چاہتوں کے گہواروں آہٹوں کے نکھار اور نظر نظر میں سلامتی کے پیغام دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں اس کے بعد مسلمان مجاہدین تکبیریں بلند کرتے ہوئے جلتے پیاسے صحرا کے خوفناک اندھے قہر میں داخل ہو جانے والے کہکشاں کے چمکتے ستاروں کی طرح آگے بڑھے اور پھر وہ نفرت گزیدہ الفاظ کو شبنمی چاپ، تنہائی کے زہر کو ساحل کی سی تازگی، قحط سالی کے ستم کو بوندوں کے رقص وہموں کے خوابوں کو سحر کے بکھرتے جواہر میں تبدیل کر دینے والی فطرت کی فسوں خیزی کے دروازوں پر دستک

دیتے کیمیا گروں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

حلوان شہر کے نواح میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے بڑے بڑے سورماؤں کی گردنیں رزم گاہ کی مسافتوں کے سامنے جھکنے لگی تھیں۔ نظر نظر میں موت کے سندیسے نفس نفس میں قہرمانیت کھڑی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ روح میں نفرت کی سلگاہٹ اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ چاروں طرف رنج وغم کے کھلیان عظمت اور سربلندی کو گرانے لگے تھے۔ روحوں کی پاکیزگی جسموں کی طہارت مقاصد کی خون ریزیوں اور تمناؤں کی ترک تاز تلے دبنے لگی تھیں۔

رزم گاہ اجڑے اجڑے بریدہ ڈھل دھواں دھواں کھیتوں بے رزق خالی کاسۂ گدا خون سے احوال لکھتی شام سلگتے چہروں کے کرب دکھ کی کرب خیزی، نفرت کی آتش فشانی قضا کی گونجوں کا سماں پیش کرنے لگی تھیں قدم قدم پر زندگی کی کٹھنائیاں نظر نظر میں نفرت کے چراغ رقص کناں ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک خسرو شنوم اور مسلمانوں کے لشکر کے درمیان گھمسان کا رن پڑا خسرو شنوم بھی اپنے دوسرے سالاروں کی طرح اسی تکبر اسی گھمنڈ اسی غرور میں تھا کہ اسے کیونکہ عددی فوقیت حاصل ہے لہٰذا مسلمانوں کو مار بھگائے گا لیکن تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد فضاؤں کی بصارت ہی نے نہیں خسرو شنوم نے بھی دیکھا کہ موت کے تعاقب میں زندگی بن کر بھاگتے مجاہدوں کے سامنے اب ایرانیوں کی حالت بے نصیب بے ثمر دلوں مقدر کی پت جھڑ، زرد پتوں کے سایوں، بے صدا کاروانی شاہراہوں، شام کے سایوں میں سر جھکائے ٹیلوں، روح کی خستگی جذبات کے روگ اور راتوں کے ہجر سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

آخر حلوان کے نواح میں خسرو شنوم کو بدترین شکست ہوئی اور اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر وہ بھی اپنے دوسرے سالاروں کی طرح رے شہر کی طرف بھاگ گیا تھا جہاں ایران کا بادشاہ یزدگرد قیام کیے ہوئے تھا۔ اس طرح جلولہ او حلوان دونوں شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

حلوان شہر کے باہر حضرت قعقاعؓ بن عمرو اور ایرانی سالار خسرو شنوم کے ٹکراؤ سے متعلق مفسرین لکھتے ہیں حلوان میں خسرو شنوم کو ایک مناسب جنگی جمعیت کے ساتھ چھوڑ کر یزدگرد رے چلا گیا تھا حضرت قعقاعؓ جب معرکہ جلولہ کے بعد حلوان کی طرف

روانہ ہو گئے تو خسرو شنوم نے حلوان سے نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگا اور یوں حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے حلوان شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔

جلولہ اور حلوان شہروں کی فتح کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ بے شمار مالِ غنیمت لگا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان فتوحات کے بعد مالِ غنیمت کا خمس اور فتح کی خوشخبری حضرت زیادؓ کے ہاتھ فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی اور ایران کی سرزمینوں میں مزید آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی۔

حضرت زیادؓ یہ مالِ غنیمت لے کر شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے فاروقِ اعظمؓ نے فتح کا حال سن کر لوگوں کو جمع کیا اور زیادؓ کو حکم دیا کہ اب ان سب کو وہ حالات جو مجھ کو سنا چکے ہو سناؤ۔

چنانچہ حضرت زیادؓ نے نہایت زندہ دلی اور خوش طبعی کے ساتھ مسلمانوں کی بہادریوں کے نقشے کھینچ کر سامعین کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے فرمایا مالِ غنیمت کا انبار مسجد کے صحن میں اسی طرح موجود رہے اس کی چوکسی اور نگرانی کا انتظام بھی کر دیا گیا۔

اگلے دن فجر کے بعد آپ نے وہ تمام مال اسباب لوگوں کو تقسیم فرما دیا جواہرات کے انبار اور مالِ غنیمت کی بیش قیمتی اور کثرت کو دیکھ کر فاروقِ اعظمؓ رو پڑے تھے۔

اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فاروق اعظمؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''امیرؓ المومنین یہ تو مقام شکر ہے آپ روتے کیوں ہیں۔''

فاروق اعظمؓ نے جواب دیا۔''خدا تعالیٰ جس قوم کو دنیا کی دولت عطا فرماتا ہے اس میں رشک وحسد بھی پیدا ہو جاتا ہے اور اس لیے اس قوم میں تفرقہ پڑ جاتا ہے بس مجھے اس وقت اسی تصور نے رولا دیا تھا۔''

اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے حضرت سعدؓ کے جواب میں ان کے پاس حکم بھیجا کہ مسلمانوں نے گزشتہ جنگوں میں کافی صعوبتیں برداشت کی ہیں لہٰذا چند روز تک مسلمانوں کو آرام کرنے کا موقع دو اس کے بعد کسی نئی مہم کی ابتداء کرنا۔

حضرت قعقاعؓ بن عمرو حلوان شہر کے نواح میں خسرو شنوم کو بدترین شکست دینے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ وہیں قیام کیے ہوئے تھے کہ ایک روز جبکہ وہ اپنے خیمے میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے کہ خیمے کے دروازے پر عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نمودار ہوئے عتبہ بن ہشام نے جب اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تب قعقاعؓ بن عمرو نے شاندار انداز میں دونوں کا استقبال کیا خیمے میں لیجا کر دونوں کو اپنے قریب بٹھایا پھر عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم دونوں کا یوں میرے خیمے میں آنا کسی علت کے بغیر نہیں۔ لگتا ہے تم دونوں کوئی معاملہ سوچ کر میرے پاس آئے ہو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

جواب میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے ایک بار گہری نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''امیر! ہم چند دن کے لیے دونوں مدائن شہر جانا چاہتے ہیں اس لیے کہ......''

یہاں تک کہتے کہتے عتبہ بن ہشام کو رک جانا پڑا اس لیے کہ قعقاعؓ بن عمرو ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''میں جانتا ہوں تم دونوں نے نئی نئی شادیاں کی ہیں اور تم دونوں اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتے ہو۔ دیکھو تم دونوں کے حالات عجیب وغریب ہیں۔ شادی تو تم دونوں نے کر لی ہے پھر ابھی تک تم دونوں کے پاس مدائن شہر میں رہنے کے لیے اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ مدائن شہر کے رہنے والے کالاس کی بڑی مہربانی ہے اس نے تم دونوں کی بیویوں کو اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا ہے

اور اس کی بیوی بھی تمہاری بیویوں کو بیٹیوں کی طرح چاہتی ہے۔ تم دونوں ایک کام کیوں نہیں کرتے۔ اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ لشکر میں رکھو۔ دیکھو جلولہ اور حلوان کی فتح کے بعد کچھ دن تک ہمارے لشکر کی پیش قدمی رکی رہے گی۔ اس دوران سارے لشکر یکجا ہوں گے لشکر کے اندر سالاروں اور لشکریوں کے اہل خانہ بھی ہوں گے اس کے بعد لشکر کسی نئی مہم کی طرف بڑھے گا۔ تم دونوں اپنی بیویوں کو اپنے پاس رکھ لو اس طرح تمہاری کارگزاری میں زیادہ آسودگی اور طمانیت آئے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قعقاعؓ بن عمرو جب خاموش ہوئے تب ان کی طرف بڑی ممنونیت سے دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''امیر یہی تو میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ ہم دونوں مدائن جانا چاہتے ہیں۔ صرف چند روز وہاں قیام کریں گے اس کے بعد دونوں اپنی بیویوں کو لے کر لشکر میں شامل ہو جائیں گے۔''

قعقاعؓ بن عمرو کے چہرے پر پھر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا چنانچہ کہنے لگے۔

''میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔ جب اور جس وقت چاہو تم مدائن کی طرف روانہ ہو سکتے ہو لیکن اس موقع پر میں تم دونوں سے ایک بات کہوں گا کہ واپسی میں تاخیر سے کام نہ لینا۔ یوں جانو اب تم دونوں سے مجھے ایک طرح کی چاہت اور شفقت سی ہو چکی ہے اس کے علاوہ چھوٹے سالاروں کی حیثیت سے میں تم دونوں کی کارگزاری اور جنگ میں تم دونوں کی فداکاری سے بھی بڑا متاثر ہوں۔ اس بنا پر میں چاہوں گا کہ تم بہت جلد مدائن سے واپس لشکر میں آ جانا۔''

قعقاعؓ بن عمرو کے ان الفاظ پر دونوں مسکرائے پھر عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہم دونوں کو مدائن شہر جانے کی اجازت دے دی۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم زیادہ دن وہاں قیام نہیں کریں گے۔ دونوں اپنے اہل خانہ کو لے کر فوراً اپنے لشکر میں آ جائیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی دونوں قعقاعؓ بن عمرو سے اجازت لے کر خیمے سے نکل گئے تھے اور اسی روز وہ حلوان شہر کے نواح سے مدائن شہر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

دونوں ایک روز مدائن شہر میں داخل ہوئے۔ جس وقت وہ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک ہلال بن علقمہ چونکا اور عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابنِ ہشام میرے بھائی! ذرا سامنے تو دیکھو......''

ہلال بن علقمہ نے جس طرف اشارہ کیا تھا عتبہ بن ہشام نے جب اس طرف دیکھا تو وہاں کالاس، انجار اور البانہ تینوں خرید وفروخت کر رہے تھے۔

دونوں جب ان کے قریب پہنچے تب ان تینوں کی خوشی اور طمانیت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے پھر ہلال بن علقمہ کالاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بابا میری بہن رجینا کہاں ہے۔''

اس پر کالاس خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''بیٹے ہم تینوں کچھ گھریلو سامان خریدنے کے لیے آئے تھے۔ رجینا گھر پر ہی ہے۔ بچے شام ہو رہی ہے ہمارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ رجینا اور البانہ میں سے ایک گھر پر رہے کھانا تیار کرے باقی بازار سے سودا سلف خرید لیں گے۔ اس بنا پر رجینا گھر پر ہی رہی اور ہم تینوں ادھر چلے آئے۔''

کالاس کی اس گفتگو کا جواب ہلال بن علقمہ دینا ہی چاہتا تھا کہ اس دوران انجار حرکت میں آئی اور عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہلال بن علقمہ کو یہیں رہنے دو تم گھر جاؤ رجینا تمہیں دیکھ کر بے حد خوش ہو گی۔ ہم بھی تھوڑی دیر تک سامان خرید کر گھر آ جاتے ہیں۔''

انجار جب خاموش ہوئی تب ہلال بن علقمہ کہنے لگا۔ ''اماں ٹھیک کہتی ہے بھائی! تم گھر جاؤ...... رجینا سے ملو تمہاری آمد پر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔''

اس پر عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اسے ایڑ لگا کر ایک طرف بڑھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عتبہ بن ہشام کالاس کی حویلی کے سامنے اترا، گھوڑے کی باگ پکڑی، دوسرے ہاتھ سے حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔

پہلی دستک پر کوئی نہیں بولا تھا۔ دوسری دستک دینے کے بعد بند دروازے کے پیچھے سے مدہم خوبصورت کھنکتی مٹھاس بھری آواز سنائی دی۔

''کون ہے......!''

یہ آواز سن کر عتبہ بن ہشام مسکراتا، ہنستا رہا کوئی جواب نہ دیا آواز پھر سنائی دی۔

''کون ہے......!''

عتبہ بن ہشام پہچان گیا تھا آواز یقیناً رجینا کی تھی لہٰذا وہ بھی دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''پہلے دروازہ کھولو پھر بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔''

رجینا شاید عتبہ بن ہشام کی آواز پہچان گئی تھی۔ فوراً اس نے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے تھے۔ عتبہ بن ہشام نے دیکھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں دور دور تک خوشیاں ہی خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔

عتبہ بن ہشام گھوڑے کی باگ پکڑے اندر داخل ہوا پہلے دروازے کو اندر سے زنجیر لگائی جب وہ اپنے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جانے لگا تب رجینا بھاگ کر آگے بڑھی اور گھوڑے کی باگ عتبہ بن ہشام سے لینا چاہی اس پر عتبہ بن ہشام نے ہلکی سی پیار بھری ایک چپت اس کے گال پر لگائی اور کہنے لگا۔

''رجینا! یہ تمہارا کام نہیں ہے۔'' اس کے ساتھ ہی گھوڑے کی باگ پکڑے عتبہ بن ہشام اصطبل کی طرف گیا۔ رجینا مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ تھی جس وقت گھوڑے کو اصطبل میں لے جانے کے بعد عتبہ بن ہشام گھوڑے کے منہ سے دہانہ نکالنے لگا تھا عین اسی وقت رجینا حرکت میں آئی اور اس نے گھوڑے کی زین کا بند کھول دیا تھا۔ عتبہ بن ہشام اسے منع کرتا رہا لیکن جلدی جلدی رجینا نے گھوڑے کی زین اتار کر ایک طرف رکھ دی تھی۔ اتنی دیر تک عتبہ بن ہشام نے دہانہ اتار کر گھوڑے کو پانی پلایا اور اس کے آگے چارہ ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی دیوان خانے کی طرف چل دیئے۔

دونوں جب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے تب جستجو بھرے انداز میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے رجینا بول اٹھی۔

''بابا اماں اور البانہ گھر کا سامان خریدنے کے لیے بازار گئے ہوئے ہیں مجھے گھر ہی پر چھوڑ گئے تھے تاکہ میں شام کا کھانا تیار کر لوں۔ میں کھانا تیار کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میں بھاگی بھاگی دروازہ کھولنے چلی گئی۔ مجھے یہ بتائیں کہ

آپ اکیلے کیوں آئے ہیں۔ بھائی ہلال بن علقمہ کہاں ہیں۔''

اس پر عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اکیلا نہیں آیا ہلال بن علقمہ میرے ساتھ ہی ہے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد جس وقت ہم بازار سے گزر رہے تھے تو یہاں ہمیں بابا اماں اور البانہ دکھائی دیئے۔ چنانچہ اماں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ میں گھر تمہارے پاس جاؤں ہلال بن علقمہ کو انہوں نے اپنے پاس روک لیا ہے۔ وہ سامان خرید کر سب اکٹھے آجائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام رکا پھر کچھ دیر تک بڑے پیار بھری چاہت اور محبت میں رجینا کی طرف دیکھتا رہا اس پر رجینا کے لبوں پر تبسم نمودار ہوا کہنے لگی۔

''آج آپ اس طرح مجھے گھور کر دیکھ رہے ہیں کہ پہلے کبھی دیکھا نہ ہو اور آج پہلی بار مجھ پر فریفتہ ہو رہے ہوں۔''

اس پر دونوں کھلکھلا کر ہنس دیئے پھر عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ ''رجینا! دراصل میں اور ہلال بن علقمہ تمہیں اور البانہ کو لینے آئے ہیں۔ میں تھوڑی دیر تک تمہیں غور سے اس لیے دیکھتا رہا کہ تمہارے چہرے کے جذبات کا اندازہ لوں اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم میرے ساتھ لشکر کی خیمہ گاہ میں زندگی بسر کر لو گی۔''

عتبہ بن ہشام کے اس جواب پر رجینا ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی کچھ سوچا پھر کہنے لگی۔

''یہ آپ نے کیسا سوال کر دیا ہے۔ آپ کی ذات میرے لیے ایسی کشش کا باعث ہے کہ میرے ذہن کی زنبیل میں جو آوازیں اٹھتی ہیں ان میں سے مجھے صرف آپ کا نام سنائی دیتا ہے۔ میری آنکھوں کے دریچوں میں شبِ قدر سے سجے آپ سے ملن خواب ہی دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی سلامتی میری زندگی کا مقصد، آپ بنا میرے لیے تاریکی کے سوا کچھ نہیں، جب آپ جاتے ہیں تو ہجر کی اذیتیں اور دشت کے کانٹے میرا مقدر بنتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد جدائی کے خارزار میرا استقبال کرتے رہتے ہیں۔ میرے دل کی بستی کو اجاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

آپ میری زیست کا نایاب اثاثہ ہیں۔ میرے لیے قیمتی متاع ہیں آپ کے جانے کے بعد کہکشاں کے رقص کرتے ستاروں رات کی شہ نشین پر رقص کرتی چاندنی مچلتے بھاگتے لمحوں کی رفتار اور وقت کی خوشبو میں ڈھلتی سانسوں میں صرف مجھے آپ ہی کی یاد ستاتی ہے۔ آپ سے اطلس اور دیبا نہیں مانگتی رنگوں سے سجے گھر کا مطالبہ نہیں کرتی

میں تو صرف آپ سے آپ کا سنگ مانگتی ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے رجینا رکی پھر میٹھے میٹھے انداز اور محبت بھری نگاہ سے وہ عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کی محبت کی جڑیں میرے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہیں آپ کے بغیر یہ دن راتیں ستارے کہکشاں چاند سورج بادل برکھا روشنی سب میرے لیے اداس اور افسردہ ہیں۔ جب آپ لشکر میں شامل ہونے کے لیے چلے جاتے ہیں تو خدا گواہ ہے راتوں کی تنہائی میں آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھتے ہوئے میں اکثر سوچا کرتی تھی کون آپ سے ہمدردی کرتا ہوگا کون آپ کی بھوک پر پریشان ہوتا ہوگا۔ وقت کے جلتے بجھتے الاؤ میں کون آپ کی ضروریات کا خیال رکھتا ہوگا۔ آپ میری زندگی کی تاریک شب کے سحر اور میرے حسین سپنوں کی تعبیر ہیں پھر بھی آپ پوچھتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ لشکر گاہ میں رہ لوں گی۔''

اس پر بڑے شوق اور بڑی محبت میں رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔

''رجینا! میں ایسا اس لیے پوچھا کہ وہاں خیمہ گاہ کی زندگی میں تمہیں زمین کی پیٹھ پر سونا ہوگا۔ کیا تم ایسی زندگی برداشت کر لو گی۔''

اس پر رجینا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''اگر آپ میرے ساتھ ہوں تو زمین کی ننگی پیٹھ تو بہت دور کی بات آپ مجھے کنکر اور کانٹوں پر بھی سلا دیں گے تو میں وہاں بھی آپ کے ساتھ زندگی کے دن انتہائی خوشی سے گزار دوں گی۔ آپ کے ساتھ خیمہ گاہ کی زندگی بسر کرنا اور آپ کے ساتھ لشکر میں قیام کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی اور خواہش ہے اب بولیں آپ کیا کہتے ہیں۔''

رجینا کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی فوراً کہنے لگا۔

''اب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں اور ہلال بن علقمہ صرف دو دن یہاں قیام کریں گے۔ تیسرے دن ہم دونوں تمہیں اور البانہ کو لے کر یہاں سے لشکر گاہ کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ بابا اور اماں فی الحال یہیں رہیں گے جب ہم کہیں اپنا مستقل ٹھکانہ بنا لیں گے تو بابا اور اماں کو بھی وہاں بلا لیں گے۔''

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر رجینا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کہنے لگی۔

''آپ بیٹھیں میں مطبخ میں کھانا تیار کرلوں اتنی دیر تک سب آ جائیں گے پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی سے متعلق گفتگو کریں گے۔''

رجینا کے ان الفاظ پر عتبہ بن ہشام خوش ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہلال بن علقمہ، البانہ، کالاس اور انجار بھی آ گئے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا دو دن عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے وہاں قیام کیا پھر وہ دونوں رجینا اور البانہ کو لے کر اپنے لشکر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

❁

حلوان کی فتح کے بعد جب فاروق اعظمؓ نے اپنے سالاروں کو حکم جاری کیا کہ وہ لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کریں تو اس دوران تکریت اور جزیرہ کے علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی شروع ہوئی ہوا یوں کہ تکریت اور جزیرہ کے علاقوں میں ایرانی اور رومنوں نے مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ کرنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تکریت میں رومنوں اور ایرانیوں کا لشکر متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے اور ایک بار کسی محاذ پر مسلمانوں کو شکست دے دی تو پھر کسی محاذ پر ان کے قدم نہیں جمنے دیں گے۔ ایسا رومنوں اور ایرانیوں نے اس لیے کیا تھا کہ مسلمان جہاں ایک طرف رومنوں کو پے در پے شکستیں دے رہے تھے دوسری طرف ایرانیوں کی مملکت کے اندر بھی مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔

تکریت کا علاقہ دراصل ایرانی مملکت کے تحت تھا وہاں ایک ایرانی صوبہ دار رہا کرتا تھا۔ اس نے جب یہ سنا کہ مسلمانوں نے ایران کا مرکزی شہر مدائن فتح کر لیا ہے اور اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے تو اس نے تیز رفتار قاصد رومنوں کے سالاروں کی طرف بھجوائے اور ان سے یہ التماس کی کہ مسلمان جہاں رومنوں کو رگیدتے ہوئے ان کے علاقے ان سے چھین رہے ہیں وہاں ایران کے اندر بھی انہوں نے ایک انقلاب برپا کر رکھا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ رومن اور ایرانی دونوں متحد ہو کر کسی محاذ پر مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کریں۔

رومنوں کو کیونکہ بہت سے مسلمان سالاروں کے ہاتھوں شکستوں کا سامنا تھا لہٰذا وہ بہت آسانی سے ایران کے اس سرحدی صوبیدار کی اہانت پر آمادہ ہو گئے جب رومن اور ایرانی دونوں اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیے تو اپنی

طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے کے لیے انہوں نے عربوں کے ان قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو نصرانی تھے۔ ان قبائل میں بنو ایاز بنو تغلب بنو نمر وغیرہ شامل تھے۔

چنانچہ رومنوں کی ترغیب پر یہ قبائل بھی ایرانیوں اور رومنوں کے متحدہ لشکر میں شامل ہو گئے۔

فاروق اعظمؓ کو جب اس تبدیلی اور ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ نے ایران کے محاذ پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو حکم بھیجا کہ عبداللہ بن المعتم کو پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ تکریت کی طرف روانہ کیا جائے اور تکریت پر ضرب لگائی جائے۔

چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے فاروقِ اعظمؓ کے حکم کے مطابق لشکر تکریت کی طرف بھجوایا چنانچہ اسلامی لشکر نے جا کر تکریت شہر کا محاصرہ کر لیا بڑی خونریز جنگ کے بعد رومنوں اور ایرانیوں کے متحدہ لشکر کو شکست فاش دی چونکہ رومنوں اور ایرانیوں کے اس متحدہ لشکر میں عربوں کے تین نامور قبیلوں کے لوگ بھی شامل تھے لہٰذا جب متحدہ لشکر کو مسلمانوں نے شکست دی تب ان عرب قبائل کا بلا واسطہ تعلق اور رابطہ مسلمانوں سے ہوا جس کی بنا پر ان عرب قبائل میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔

چنانچہ اس بدترین شکست کے بعد ایرانیوں اور رومنوں کا متحدہ لشکر بھاگ کھڑا ہوا مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ان کی تعداد مزید کم کی اس جنگ میں بہت سے رومن اور ایرانی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں مالِ غنیمت اس قدر ہاتھ آیا کہ جب پانچواں حصہ نکال کر مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کیا گیا تو ایک ایک سوار کے حصے میں تین تین ہزار درہم آئے۔

تکریت کی شاندار فتح کے بعد مسلمان ابھی کوئی ارادہ ہی نہیں کر رہے تھے کہ اہل جزیرہ حرکت میں آئے کیونکہ تکریت کے بعد لازم تھا کہ مسلمان جزیرہ پر بھی حملہ آور ہوں گے۔ جزیرہ شام اور عراق کے درمیان کبھی رومن سلطنت کے زیرِ اثر ہوا کرتا تھا اور کبھی ایرانی اس کو اپنے قبضے میں لے لیا کرتے تھے۔

ان حالات میں اہلِ جزیرہ نے اسلامی فتوحات کے نقشے کو دیکھ کر رومنوں کے سالار ہرکولیس کو لکھا۔

''آپ شام کے مشرقی شہروں کی طرف حفاظتی افواج بھجوائیں ہم سب مل کر آپ اور آپ کے لشکریوں کی مدد کریں گے۔''

چنانچہ ہرکولیس نے اہلِ جزیرہ کی اس درخواست کو تائیدِ غیبی سمجھ کر شام کے مشہو شہروں کی طرف لشکر روانہ کیے۔

فاروقِ اعظمؓ کو جب رومنوں کی اس نقل و حرکت اور الجزیرہ کے لوگوں کے ارادو کا علم ہوا تو آپ نے ایرانی محاذ کے سپہ سالارِ اعلیٰ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا ک اہل جزیرہ کو ان کی حدود سے باہر نہ نکلنے دو۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے شامی محاذ کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو بھی لکھا کہ ہرکولیس کے لشکریوں کو حمص قنسرین کی طرف بڑھنے سے روکو۔ فاروق اعظمؓ کے یہ احکام ملنے کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اہلِ جزیرہ کو ان کی حدود سے باہر نہ نکلنے دیا جبکہ امین الملت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے رومنوں کو حمص اور قنسرین کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا یہ فائد ہوا کہ جزیرہ والے اکیلے رہ گئے۔ انہی حالات میں فاروق اعظمؓ کے حکم پر حضرت عیاضؓ بن غنم کو ایک لشکر دے کر الجزیرہ والوں پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ عیاضؓ بن غنم کے ہاتھ پر بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اسی سال جب پورے صوبہ جزیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا وہاں سے قبیلہ ایاز جو عیسائی مذہب رکھتا تھا جلاوطن ہو کر ہرکولیس کی سلطنت میں چلا گیا اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔

فاروق اعظمؓ کو جب عربوں کے قبیلے ایاز کی اس نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو فاروقِ اعظمؓ نے ہرکولیس کو خط لکھا اس خط کا متن کچھ اس طرح تھا۔

''مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ قبائل عرب سے ایک قبیلہ ہمارا ملک چھوڑ کر تمہارے شہروں میں چلا گیا۔ اگر تم ان عربوں کو اپنے ملک سے نہ نکالو گے تو ہم ان تمام عیسائیوں کو جو ہمارے ملک میں آباد ہیں نکال کر تمہارے پاس بھیج دیں گے۔''

ہرکولیس نے فاروق اعظمؓ کے خط کو پڑھتے ہی فوراً قبیلہ ایاز کو جو چار ہزار افراد پر مشتمل تھا اپنے علاقوں سے نکال دیا وہ شام اور جزیرہ میں واپس آ کر آباد ہو گئے۔

چنانچہ فاروق اعظمؓ نے حبیبؓ بن مسلمہ کو اور عراق و عرب پر ولیدؓ بن عقبہ کو انتظامی افسر مقرر فرمایا۔

اس عرب قبیلے کے واپس آنے پر ولید بن عقبہ کو لکھا گیا کہ ان لوگوں کو اسلام کی

طرف راغب کرو۔

چنانچہ ولید بن عقبہ نے اس حکم فاروقؓ کی تعمیل کی۔ جس کے جواب میں چند روز کے بعد بنو ایاز نے ایک سفارت مدینہ منورہ بھیجی اور کہلایا کہ ہم سے کوئی رقم جزیہ کے نام سے وصول نہ کی جائے۔ فاروق اعظمؓ نے ان کی درخواست کو قبول کر کے جزیہ سے دو چند رقم صدقہ کے نام سے وصول کرنے کا حکم وہاں کے عامل کو لکھ بھیجا اور قبیلہ ایاز نے اس کو بخوشی منظور کر لیا اور اس طرح قبیلہ ایاز کا یہ جھگڑا اور چپقلش ختم ہوئی۔

جن دنوں فاروق اعظمؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لشکریوں کو آرام اور ستانے کا حکم صادر فرمایا تھا اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے اپنے دور میں دو بہترین چھاؤنیاں یا دو بہترین اور عمدہ شہر آباد کیے، ایران کی فتوحات کے دوران مسلمان سالاروں کے علاوہ لشکریوں سے بھی فاروق اعظمؓ کو یہ اطلاعات ملیں کہ عربوں کو ایران کی آب و ہوا موافق نہیں آتی چنانچہ آپ نے احکام جاری کیے کہ اہلِ عرب کے لیے ایسی چھاؤنیاں تعمیر کی جائیں جن کی آب و ہوا عرب کی سرزمینوں سے بہت مشابہ اور صحت بخش ہو تاکہ لشکری جب لڑائی کے کام سے فارغ ہوا کریں تو وہ ان چھاؤنیوں میں آ کر قیام کر لیا کریں۔

اس زمانے میں بصرہ کے مقام پر ایک عسکری چھاؤنی دریائے دجلہ کے قریب قائم کی گئی اس چھاؤنی میں صرف پھوس کے چھپر تھے۔ جب لشکری کسی مہم پر جاتے تو چھپڑوں کو آگ لگا جاتے تھے واپس آ کر پھر اپنی ضرورت کے مطابق چھپر ڈال لیا کرتے تھے۔

اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے بصرہ میں مکانات بنوا دیئے اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسری چھاؤنی کوفہ کے مقام پر آباد کرنے کی منظوری دی جس سال بصرہ میں مکانات بننا شروع ہوئے اس سال کوفہ کی آبادی بھی شروع ہوئی۔ ان دو مقامات کی آب و ہوا عربوں کو بہت موافق آئی اور چند روز کے بعد یہ دونوں چھاؤنیاں دو بڑے شہروں میں تبدیل ہو گئیں جو اسلامی طاقت کے مرکز کے طور پر مشہور ہو گئے تھے۔

ان چھاؤنیوں کی آبادی کے بعد مسلمانوں کے لیے کچھ علاقوں میں کچھ شورشیں کھی ہوئیں۔ خاص کر اہواز کے علاقے میں مسلمانوں ے لیے بغاوتیں اٹھیں۔

ہوا یوں کہ ایرانیوں کا ایک نامور سپہ سالار نام جس کا ہرمزان تھا وہ جنگِ قادسیہ

سے فرار ہو کر صوبہ اہواز کے دارالصدر خوزستان میں جا کر مقیم ہو گیا تھا اور وہاں کے تمام متعلقہ شہروں پر قابض ہو کر اس نے مختلف مقامات سے لشکری بھرتی کر کے ان کی تربیت کا کام شروع کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ ہرمزان نا صرف اپنے لشکر کی تعداد بڑھاتا چلا گیا بلکہ اس علاقے پر اس نے خودمختارانہ حکومت قائم کر کے اپنی حدود حکومت کو وسیع کرنا شروع کر دیا تھا۔

چنانچہ جب فاروقِ اعظمؓ کو علم ہوا کہ اہواز میں ایرانیوں کا سالار ہرمزان طاقت اور قوت پکڑ رہا ہے اور اس کے بعد وہ مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آنا چاہتا ہے تب آپ نے کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں میں جو مسلمان لشکر قیام کیے ہوئے تھا اسے اہواز کے مقام پر ہرمزان سے ٹکرانے کے لیے روانہ کیا۔

مسلمانوں کے اس لشکر نے کوفہ اور بصرہ سے نکل کر اہواز کا رخ کیا چنانچہ یہ لشکر ہرمزان سے ٹکرایا ہرمزان کو کئی مقامات پر پے در پے شکستیں دے کر اسلامی لشکر نے ایک طرح سے ہرمزان کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا یہ صورتحال دیکھ کر ہرمزان جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

لیکن ہرمزان جھوٹا اور عہد شکن نکلا۔ چند روز کے بعد اس نے بغاوت اختیار کی اور سوقِ اہواز کے مقام پر ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے سامنے آن نمودار ہوا۔

بصرہ اور کوفہ سے جانے والا لشکر پھر اس سے ٹکرایا اور ہرمزان کو شکست دی چنانچہ شکست اٹھا کر ہرمزان بھاگا اور رام ہرمز کے مقام پر جا کر اس نے پناہ لے لی۔

ہرمزان نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کا تعاقب ترک نہیں کرتے۔ پے در پے اسے شکستیں دے رہے ہیں۔ تب اس نے پھر عاجز ہو کر مسلمانوں سے صلح کی درخواست پیش کی اور ادائے جزیہ کی شرط پر مسلمانوں نے ہرمزان سے صلح کر لی۔

اسی دوران کوفہ اور بصرہ سے جو لشکر ہرمزان سے ٹکرانے کے لیے گیا تھا اس لشکر کے سردار حرقوصؓ بن زبیر تھے۔ چنانچہ ہرمزان کو شکست دینے اور اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد انہوں نے جبل اہواز کے پاس اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تھا اور اہواز کے ویران شدہ شہروں کی آبادی کا کام شروع کیا۔

اسی عرصے میں مسلمانوں کو پھر یہ خبریں پہنچیں کہ یزدگرد جورے کے مقام پر قیام

کیے ہوئے ہے۔ اس نے چاروں طرف ہرکارے بھیج کر مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لیے ایک بہت بڑا تربیت یافتہ لشکر مسلمانوں کے مقابلے پر لانے کا تہیہ کیا ہے۔

فاروق اعظمؓ کو جب یہ خبریں ملیں تو آپ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ اس خطرے کے سدباب کے لیے مختلف سمتوں اور مختلف راستوں پر اسلامی دستے مقرر کر دو چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک دستہ احتیاطاً ہرمزان کے مقابل رام ہرمز کی جانب متعین کیا کیونکہ ہرمزان جو اس سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستیں اٹھا چکا تھا جب اسے خبر ہوئی کہ یزدگرد نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے تو اس کے حوصلے بڑھ گئے۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ یزدگرد کے احکامات کی تعمیل اور اس کے عزائم کو کامیاب بنانے کی ہر تدبیر کرے گا۔

چنانچہ ایک بار پھر مسلمانوں سے ٹکرانے کے لیے ہرمزان ایک بہت بڑا لشکر لے کر نکلا لیکن اس کی بدقسمتی کہ اسے مسلمانوں کے ہاتھوں پھر شکست فاش ہوئی۔ ادھر مسلمانوں نے رام ہرمز پر قبضہ کر لیا جہاں ہرمزان نے اپنا قیام رکھا ہوا تھا۔

چنانچہ شکست خوردہ ہرمزان فرار ہو کر تشتر کے مقام پر پہنچ کر پھر مسلمانوں کے خلاف لشکری جمع کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے تشتر کے قلعے کی مرمت بھی کرانی شروع کر دی تھی پھر اس نے چاروں طرف خندق کو بھی درست کر لیا اور برجوں کی مضبوطی کا بھی اہتمام کر لیا۔ ایران کے ادھر اُدھر بکھرے شکست خوردہ لشکریوں کو جب خبر ہوئی کہ ان کا سالار ہرمزان تشتر کے مقام پر لشکر جمع کر رہا ہے تاکہ مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آئے چنانچہ وہ بھی گروہ در گروہ جوق در جوق تشتر کے مقام پر ہرمزان کے پاس آ کر اس کے تحت کام کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ ان حالات سے نمٹنے کے لیے فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو بصرہ کی افواج کا سردار بنا کر بھیجا۔

ابوموسیٰؓ نے تشتر کی جانب پیش قدمی کی۔ مسلمانوں اور ہرمزان کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہرمزان نے اول کئی معرکے مسلمانوں سے کیے اور ہر معرکے میں اسے شکست اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ چنانچہ ہرمزان نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس کی کوئی بات بنتی نہیں۔ ہر دفعہ اسے ہی شکست کا

سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تب گرفتاری سے بچنے کے لیے ہرمزان تشتر کے قلعے میں محصور ہو گیا جبکہ تشتر شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اب مسلمانوں نے ہرمزان کے ساتھ تشتر میں محصور ہو جانے والے لشکر کو اپنا ہدف بنانے کا عزم کر لیا اور قریب تھا کہ قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جاتا کہ ہرمزان نے ابوموسیٰؓ کی خدمت میں ایک قاصد کے ذریعے یہ درخواست بھیجی۔

”میں اپنے آپ کو اس شرط پر آپ کے سپرد کرتا ہوں کہ آپ مجھے فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیج دیں اور میرے معاملے کو ان کے فیصلے پر چھوڑ دیا جائے۔“

ابوموسیٰؓ نے اس شرط کو منظور کر لیا چنانچہ ہرمزان کو انیس بن مالک اور احنف بن قیس کی ایک سفارت کے ہمراہ مدینہ منورہ میں فاروق اعظمؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر ہرمزان نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نے سر پر مرصع عمامہ رکھا۔ زرق برق لباس پہنا۔ اسی حالت میں اسے فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ فاروق اعظمؓ کو جب خبر ہوئی کہ ایرانیوں کے ایک سردار کو زندہ گرفتار کیا ہے اور وہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے تو آپؓ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ چنانچہ ہرمز کو فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

فاروق اعظمؓ نے ہرمز کو مخاطب کر کے کہا۔

”تم نے کئی مرتبہ بدعہدی کی ہے۔ اس کی سزا میں تمہارے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے۔ بتاؤ تم اپنی معذرت میں کیا کہنا چاہتے ہو؟“

ہرمزان نے کہا ”مجھے خوف ہے کہ آپ میری طرف سے معذرت سنے بغیر ہی مجھے قتل کر دیں گے۔“

فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ ”نہیں! تم خوف نہ کرو تمہاری معذرت ضرور سنی جائے گی۔“

پھر ہرمزان نے پانی مانگا۔ پانی اسے پیش کیا گیا تو ہرمزان نے پیالہ ہاتھ میں لے کر فاروق اعظمؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

”مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں آپ مجھ کو پانی پینے کی حالت میں ختم نہ کر دیں۔“

فاروق اعظمؓ نے فرمایا ”تم مطلق خوف نہ کرو جب تک پانی نہ پی لو گے اس وقت

تک تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔"

ہرمزان نے یہ سنتے ہی پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا "میں پانی نہیں پیتا اور اس شرط کے موافق آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ نے مجھ کو امان دے دی ہے۔"

فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا "تو جھوٹ بولتا ہے۔ ہم نے تم کو امان نہیں دی۔"

اس موقع پر حضرت انسؓ بن مالک بھی قریب ہی کھڑے تھے۔ فوراً فاروق اعظمؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"امیر المومنینؓ ہرمزان سچ کہتا ہے۔ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لو گے اور پانی نہ پی لو گے کسی خطرے میں نہ ڈالے جاؤ گے۔"

فاروق اعظمؓ یہ سن کر حیران رہ گئے اور ہرمزان کو مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے مگر میں تم کو دھوکہ نہ دوں گا۔ مناسب ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہرمزان نے اسی وقت کلمہ توحید پڑھا۔ فاروق اعظمؓ بہت خوش ہوئے۔ ہرمزان کو مدینے میں رہنے کے لیے جگہ دی۔ دو ہزار سالانہ تنخواہ مقرر کر دی اور اس کے بعد فارس کی مہموں میں اکثر ہرمزان سے مشورہ لیتے تھے۔ اس کے بعد فاروق اعظمؓ نے انس بن مالک اور احنف بن قیس وغیرہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"شاید تم ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے ہو اس لیے یہ بار بار ایران میں بغاوتیں اٹھ رہی ہیں۔"

یہ سن کر حضرت احنف بن قیس نے عرض کیا۔ "امیر المومنینؓ ہم ہمیشہ اپنے وعدوں کا ایفا کرتے ہیں اور نہایت محبت اور انس کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کی بار بار بغاوت اور سرکشی کا سبب صرف یہ ہے کہ آپ نے اپنے لشکروں کو بلادِ فارس میں آگے بڑھنے کی ممانعت کر رکھی ہے۔ اس بنا پر لشکری ستا رہے ہیں اور مسلمانوں کے لشکر کو اس حالت میں دیکھتے ہوئے اہل فارس کا بادشاہ یزدگرد فارس کے شہروں میں موجود ہے۔ جب تک یزدگرد فارس کے ملک میں زندہ اور سلامت موجود رہے گا اس وقت تک اہل فارس لڑنے اور ہمارا مقابلہ کرنے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔

فاروق اعظمؓ نے احنفؓ قیس کے کلام کی تصدیق کی پھر اس کے بعد بلاد فارس میں آپ نے اسلامی لشکر کو پیش قدمی کرنے کی اجازت دی تھی۔

ان دنوں فاروق اعظمؓ نے ایران کی مہم پر مقرر کیے جانے والے لشکر کو ستانے اور

آرام کرنے کا موقع فراہم کیا تھا انہی دنوں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی خوشخبری سننے کو ملی اور یہ مصر کی فتح کی خوشخبری تھی۔ ہوا یوں کہ فاروق اعظمؓ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو عمروؓ بن العاص نے ان سے مصر پر فوج کشی کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی چنانچہ فاروق اعظمؓ نے حضرت زبیرؓ بن عوام کو حضرت عمروؓ بن العاص کے نائب کی حیثیت سے مصر کی طرف روانہ ہونے کی اجازت دی۔ عمروؓ بن العاص چار ہزار اسلامی لشکر لے کر مصر کی طرف بڑھے۔ مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس فاروق اعظمؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت عمروؓ بن العاص نے تین شرطیں پیش کیں۔

یعنی اسلام قبول کر لو جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کرو نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

ان دنوں مصر میں رومن سردار ارتبون بھی اپنے لشکر کے ساتھ مقیم تھا سب سے پہلے ارتبون اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا اور حضرت عمروؓ بن العاص سے ٹکرایا۔ سخت معرکہ ہوا اور اس معرکے میں عمروؓ بن العاص نے ارتبون کو بدترین شکست دی اور وہ شکست اٹھا کر بھاگا۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے آگے بڑھ کر عین الشمس کا محاصرہ کر لیا۔

یہیں سے مصر کی فوجی چھاؤنی حصار فرما اور سکندریہ کے محاصرے کے لیے دو دستے روانہ کیے گئے۔ تینوں جگہ چند روز تک لڑائی اور محاصرے کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر عین الشمس والوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ صلح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے ان قیدیوں کو واپس دینے سے انکار کر دیا جن کو حالتِ جنگ اس سے پہلے گرفتار کیا جا چکا تھا۔

چنانچہ یہ معاملہ فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا۔

"مصریوں کے تمام قیدیوں کو واپس کر دو۔"

اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے زبیر بن عوام کو سپہ سالار بنا کر مقام قسطاط کی طرف روانہ کیا۔ یہاں ایک زبردست قلعہ جس کو حضرت زبیر نے جنگ و پیکار کے بعد فتح کر لیا اور پھر عمروؓ بن العاص نے سکندریہ پر حملہ کیا۔ تین مہینے کے محاصرے کے بعد سکندریہ بھی فتح ہو گیا اور مصر کے بادشاہ مقوقس نے جو سکندریہ میں مقیم تھا اس شرط پر صلح کی کہ جو شخص سکندریہ سے جانا چاہے اسے جانے دیا جائے اور جو سکندریہ میں رہنا

چاہے اسے رہنے دیا جائے۔ فتح سکندریہ کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے تمام عسکری سرداروں سالاروں اور لشکریوں کو سکندریہ میں ٹھہرا کر اردگرد کے علاقوں کی طرف حملے شروع کیے اور مصر کو فتح کرنے کے بعد اطراف و اکناف کے علاقوں پر انہوں نے اپنے حملوں کی ابتداء کی تھی اس طرح مصر کی فتح کی صورت میں مسلمانوں کو بہت بڑی خوشخبری ان دنوں نصیب ہوئی۔

انہی دنوں ایک اور انتہائی اہم معرکہ بھی سر کیا گیا اور یہ ایک طرح کی بحری لڑائی تھی جو فاروق اعظمؓ کے دور میں لڑی گئی۔ ہوا یوں کہ فاروق اعظمؓ کے دور میں علاء بن حضرمی عبرین کے حاکم تھے نے جب ایرانی سلطنت میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی پے درپے فتوحات دیکھیں اور یہ سنا کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی سرکردگی میں مسلمان یکے بعد دیگرے ایرانی شہروں کو فتح کرتے ہوئے اپنی فتوحات کا سلسلہ پھیلاتے جا رہے ہیں۔ تب انہوں نے بھی بحرین سے نکل کر اپنی فتوحات کے دائرے کو وسیع کرنے کا ارادہ کرلیا۔

فاروق اعظمؓ اور ان سے پیشتر صدیقؓ اکبر بھی سمندری سفر سے بے حد اعتراض کرتے تھے۔ فاروق اعظمؓ مدائن کی فتح کے بعد اکثر فرمایا کرتے تھے۔

''ہمارے اور فارس کے درمیان آتشی پہاڑ حائل ہو جاتے تو اچھا ہوتا نہ وہ ہم تک آ سکتے اور نہ ہم ان تک پہنچ سکتے۔''

لیکن اتفاقیہ طور پر یہ بحری جنگ چھڑ گئی۔ چنانچہ علاء الدین حضرمی نے بحری راستے سے ایران کے کچھ علاقوں کو اپنا ہدف بنانے کا تہیہ کیا۔ اسلامی لشکر استخر میں پہنچ کر اپنے جہازوں اور بڑی بڑی کشتیوں سے ساحل پر اترا وہاں کا حاکم ایرانیوں کی طرف سے خریز نام کا ایک شخص تھا وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مقابلے پر آیا۔ حضرت علاء بن حضرمی نے اپنے دو سالاروں خلید بن منذر اور جادویہ کو ایرانیوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔

جب مسلمان ایرانی سالار حریز کے سامنے صف آراء ہوئے تو اس موقع پر ایرانیوں نے ایک چال چلی اور ایک دم ان کے لشکر کا ایک حصہ کاوا کاٹتے ہوئے پشت کی طرف گیا اور مسلمانوں کے جہازوں پر انہوں نے قبضہ کرلیا۔

ایرانیوں کے جہازوں پر اس طرح قبضہ کرنے سے مسلمان خوف زدہ اور ہراساں

نہیں ہوئے۔ دوسری طرف ایرانی مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑا لشکر لے کر آئے تھے۔ اس تعداد نے بھی مسلمانوں کو خوف زدہ نہ کیا بلکہ ثابت قدمی اور استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے سالار خلید نے بڑے جوش کے ساتھ نماز ظہر کے بعد اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کیں۔ جارود ان کے ساتھ ان کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

اس موقع پر اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے خلید نے کہا۔

''مسلمانو! بے دل نہ ہونا...... ایرانیوں نے تم کو اپنی لڑائی کے لیے نہیں بلایا بلکہ ہم خود ان سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ہمارے جہازوں پر قبضہ کرلیا لیکن اللہ پر بھروسہ کر کے حملہ کرو۔ انشاء اللہ جہازوں کے ساتھ ان کا ملک بھی ہمارے قبضے میں آئے گا۔''

چنانچہ دونوں لشکریوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں کے دونوں سالار خلید اور جارور بڑی مردانگی سے رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور جو ایرانی سامنے آیا اس کو موت کے گھاٹ اتارتے چلے گئے۔ طاؤس کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایرانی لشکر کے مقابلے میں مسلمان سالار جاردر سینکڑوں ایرانیوں کو تہہ تیغ کرنے کے بعد شہید ہو گئے لیکن دوسرے، سالار خلید نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ایرانیوں کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں۔ چنانچہ زور دار معرکے پھر شروع ہوئے اور ان معرکوں میں مسلمانوں نے ہزاروں ایرانیوں کو خاک وخون میں تڑپا کر رکھ دیا۔ اس میں مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا جس کے سبب مسلمانوں نے پیش قدمی ختم کر کے پیچھے ہٹنا چاہا تو انہوں نے دیکھا کہ پشت پر ان کے جہاز بھی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کے جہازوں کو پہلے ہی سمندر میں غرق کر دیا تھا۔ مجبور ہو کر اسلامی لشکر نے خشکی کے راستے بصرہ کی طرف روانہ ہونا چاہا لیکن بدقسمتی سے ادھر بھی ایک ایرانی لشکر نمودار ہوا اور مسلمان لشکر کی انہوں نے راہیں مسدود کر دیں۔

جب مسلمانوں کی ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ یہ خبریں جب فاروق اعظمؓ کو ملیں تو وہ بہت برہم ہوئے۔ اس وقت بصرہ میں مسلمانوں کے سالار اور حاکم ابن غزوان تھے۔ آپ نے انہیں لکھ بھیجا کہ ایک لشکر لے کر ایرانیوں کے سامنے محصور

ہو جانے والے اپنے لشکر کے بچاؤ کا سامان کرے۔ اس کے ساتھ ہی فاروق اعظمؓ نے علاز بن حضرمی کو بھی ایک خط لکھا کہ انہوں نے بحری جنگ کی ابتداء کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی حکم جاری کیا کہ تمہارے پاس جس قدر لشکری ہیں انہیں لے کر بحرین سے نکل کر سعدؓ بن ابی وقاص سے جاملو چنانچہ فاروق اعظمؓ کا حکم پا کر بصرہ کے حاکم ابن غزوان کچھ صحابہ کے ساتھ لشکر کو لے کر روانہ ہوئے جس وقت ایرانیوں نے مسلمانوں کو محصور کر رکھا تھا ابن غزوان اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے چنانچہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک بار پھر گھمسان کا رن پڑا اور اس ٹکراؤ کے دوران مسلمانوں نے ایرانیوں کو بدترین شکست دی۔ بالآخر ایرانی شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے پڑاؤ سے مسلمانوں کو مال غنیمت کے ڈھیر کے ڈھیر ملے اس جنگ میں بے انتہا ایرانی مر گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ مال کی صورت بہت کچھ لگا۔ اسی دوران مسلمانوں کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ حضرت نعمانؓ بن مقرن ایک لشکر لے ایرانیوں کے بہت بڑے شہر نہاوند کی طرف بڑھے تھے لیکن راستے میں مسلمانوں کے ایک اور سالار ابنِ عبداللہ یسابور شہر اور قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے چنانچہ نعمان بن مقرن کی طرف جانے کے بجائے لیسابور کا محاصرہ تنگ کرنے میں ابن عبداللہ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

جس وقت محاصرہ جاری تھا تو اسلامی لشکر نے دیکھا کہ یک بیک لیسابور کے شہر والوں نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور کمال اطمینان سے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

ان کے ایسا کرنے پر مسلمانوں کو بڑا تعجب ہوا چنانچہ یسابور والوں سے دریافت کیا کیا معاملہ ہے تم لوگوں نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

اس پر شہر والے کہنے لگے کہ تم لوگوں نے جذیہ لے کر ہم سے مصالحت کر لی ہے اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا اور تنازعہ نہیں رہا۔

چنانچہ مسلمان تحقیق کرنے لگے کہ کب اور کس نے ان سے جذیہ کے بدلے میں ان سے صلح کر لی ہے اور انہیں امان دے دی ہے۔ چنانچہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کے ایک لشکر سے ایک غلام نے جو سوس شہر کا رہنے والا تھا اس نے امان نامہ بشرط ادائے جذیہ لکھ کر تیر میں باندھ کر شہر والوں کی طرف پھینکا تھا جسے شہر والوں نے قبول کر لیا اور شہر

پناہ کے دروازے کھول دیئے۔

جب مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم ایک حجت پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ایک غلام کے امان دینے سے تم امان نہیں پا سکتے۔

اس پر شہر والوں نے کہا کہ ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے ہمیں امان دی گئی ہے اس لیے ہم نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ چنانچہ جب بحث نے طول پکڑا تو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے یہ معاملہ مدینہ میں فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا چنانچہ فاروق اعظمؓ نے مسلمان لشکریوں کو لکھ بھیجا۔

غلام کے امان دینے کو جائز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا کہ مسلمان کا غلام بھی مسلمان ہے اس نے جس کو امان دی ہے اسے تمام مسلمان اپنی طرف سے امان دیں۔ اس طرح اس غلام کے امان دینے پر اس ایرانی شہر کے لوگوں کو فاروق اعظمؓ کے حکم پر امان دے کر محفوظ کر دیا گیا تھا۔

ان ہی ایام میں مسلمانوں کو دو اور حادثوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اول یہ کہ سرزمینِ عرب میں بہت بڑا قحط پڑا۔ اتنا سخت قحط تھا کہ پرندے تک بھوک سے پریشان ہو کر لوگوں کے پاس بے دھڑک چلے آتے تھے۔ غلہ کی گرانی سے عام پریشانی پھیل گئی۔ ساتھ ہی اطراف کے علاقوں میں بھی کھانے پینے کی اشیاء نایاب دکھائی دینے لگیں۔

اس زمانہ قحط میں فاروق اعظمؓ نے عجیب و غریب سرگرمی ظاہر کی قحط کے پورے زمانے میں دودھ گھی نہ کھانے کی قسم کھا لی ساتھ ہی آپ نے تمام ممالک اسلامیہ کے صوبہ جات کے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ ہر جگہ سے اہل مدینہ کے لیے غلہ روانہ کریں۔

چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے چار ہزار اونٹ غلے کے بھیجے۔ عمروؓ بن العاص نے سمندر کے راستے غلہ بھیجا جو بحر قلزم کے ذریعے عرب کی طرف بڑھا۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ بیس بڑے بڑے جہاز غلے سے بھرے ہوئے بحرہ قلزم کے راستے حضرت عمروؓ بن العاص نے روانہ کیے۔ ہر ایک جہاز میں چھ چھ ہزار من غلہ لدا ہوا تھا۔ جب ان جہازوں کے آنے کی خبر فاروق اعظمؓ کو ہوئی تو وہ خود ان کے ملاحظہ کو بندرگاہ تک تشریف لے گئے جو مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر تھی اور بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور قحط زدوں کا مفصل نقشہ ان کی سکونت اور رہائش کے

مطابق بنوایا تا کہ ان تک غلہ پہنچایا جائے جب یہ نقشہ تیار ہو گیا تب ہر ضرورت مند کو ایک اجازت نامہ جاری کر دیا گیا جس پر فاروق اعظمؓ کی مہر ثبت تھی اس اجازت نامے کے مطابق سب کو غلہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ فاروق اعظمؓ نے ہر روز بیس اونٹ ذبح کر کے اپنے اہتمام اور انتظام کے تحت قحط زدہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔

یہ قحط بارش نہ ہونے اور خشک سالی کی وجہ سے ہوا تھا چنانچہ خود فاروق اعظمؓ اہل مدینہ کو لے کر نماز استسقاء پڑھنے گئے اس کے بعد ایک نہایت پر اثر خطبہ عباس بن عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر دعا مانگی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ اللہ جل شانہٗ نے پانی برسایا جس سے قحط کی شکایت جاتی رہی۔

دوسرا اہم واقعہ جو ان دنوں پیش آیا وہ طاعون کا تھا جس دور میں عرب کی سرزمینوں میں قحط پڑا ہوا تھا عمواس کے علاقے میں طاعون پھوٹ نکلا۔ بڑے بڑے جلیل القدر اور عالی مرتبہ صحابی انتقال کر گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت یزیدؓ بن ابوسفیان، حضرت حرثؓ بن ہشام، حضرت سہیلؓ بن عمر، حضرت عتبہؓ بن سہیل، حضرت عامرؓ بن زیلدن اسی مرض میں مبتلا ہو کر راہی عالم آخرت ہوئے۔ فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مسلمانوں کو لکھ بھیجا۔

عساکر اسلامی کو طاعونی مقام سے نکال کر کسی دوسرے مقام پر قیام کرو۔ اس کے علاوہ ابوموسیٰ کو یہ حکم دیا کہ کوئی مقام جس کی آب و ہوا عمدہ ہو تلاش کرو اور خود بقصد شام روانہ ہوئے۔ سرغ پہنچے تو اپنے لشکر کے سالاروں سے ملاقات ہوئی جنھوں نے وبا کی شدت کی اطلاع دی۔ اکثر لوگوں نے فاروق اعظمؓ کو عمواس میں جانے سے روکا، روکنے والوں میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔

وبا کی بابت میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ جہاں پر وبا ہو وہاں نہ جاؤ۔ اگر اس مقام پر وبا پھیل جائے جہاں پر تم ہو تو وہاں سے نہ بھاگو۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر فاروق اعظمؓ واپس ہوئے اور یزیدؓ بن ابی سفیان کی شہادت کے بعد دمشق میں ان کے بھائی حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان کو وہاں کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔

ایران کے مدائن، جلولہ اور حلوان جیسے اہم شہر فتح ہونے کے بعد ایران کا شہنشاہ یزدگرد بھاگ کر رے شہر میں جا کر مقیم ہوا تھا اور وہاں کے حاکم نام جس کا آبان جادویہ تھا۔ اس نے یزدگرد کے رے شہر میں قیام کے دوران یزدگرد کے لیے بے وفائی کی علامات کا اظہار کیا۔ چنانچہ یزدگرد نے جب دیکھا کہ رے شہر کا حاکم آبان جادویہ اس کے ساتھ مخلص اور ہمدرد نہیں ہے تو رے شہر سے روانہ ہوا اور اصفہان کا رخ کیا۔

اصفہان میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ وہاں سے بھی نکلا اور کرمان کی طرف گیا۔ وہاں سے پھر اصفہان واپس آیا۔ دراصل یزدگرد کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں تھا۔ جہاں قیام کر کے وہ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرے۔

جب یزدگرد کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے صوبہ اہواز کو فتح کر کے اس پر تصرف کر لیا ہے تو یزدگرد مشرقی ایران یعنی خراسان کے شہر مرو میں آ کر مقیم ہوا۔ یہاں اس نے ایک آتش کدہ بنوایا اور اطمینان کے ساتھ رہنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ اہلِ عرب آگے نہ بڑھیں گے اور سرحدی مقامات تک اِن کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا لیکن اہواز پر مسلمانوں کا مکمل طور پر قبضہ ہونے اور اِن علاقوں کے مسلمانوں کے قبضے میں چلے جانے کی خبر سن کر یزدگرد کو طیش آ گیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کی غرض سے لشکر فراہم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اطراف و جوار کے امراء حکام کو خط لکھے اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے غیرتیں دلا کر آمادہ اور مستعد کرنا شروع کیا تھا۔

چنانچہ یزدگرد کے ان خطوط اس کے قاصدوں اور ان کوششوں کے نتیجے میں یکا یک طبرستان، جرجان، خراسان، اصفہان، ہمدان، سیندھ اور دیگر صوبوں میں

مسلمانوں کے خلاف سخت جوش اور مستعدی پیدا ہوئی اور جوق در جوق لشکری چاروں طرف سے سمٹ کر یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اس طرح یزدگرد کے پاس مروشہر میں لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ جنگجو جمع ہو گئے۔ یزدگرد نے فیروز نام کے ایک شخص کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا اور مسلمانوں سے ٹکرانے کے لیے نہاوند شہر کی طرف روانہ کیا۔

جب یزدگرد نے مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لیے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع کیا۔ تب مدینہ منورہ میں یہ ساری خبریں فاروق اعظمؓ کو ملیں اس سے پہلے فاروق اعظمؓ اپنے لشکریوں کو ایران کے اندر پیش قدمی کرنے کی اجازت دے چکے تھے۔ جب یزدگرد کی ان تیاریوں کی اطلاع فاروقِ اعظمؓ کو ملی تو فاروق اعظمؓ نے اس لشکر کے مقابلے کے لیے خود میدانِ جنگ کا رخ کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ نے فاروقِ اعظمؓ کے جانے کو مناسب نہ سمجھ کر اس رائے سے اختلاف کیا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے ان بزرگوں کی رائے کو منظور کر کے لشکر کا سپہ سالار نعمانؓ بن مقرن کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ کوفہ کے قریب جا کر کسی چشمے پر قیام کرو۔

انہی ایام میں فاروق اعظمؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایران کے محاذ سے واپس بلا لیا تھا اور وہ اس وقت مدینہ منورہ میں فاروق اعظمؓ کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ آپؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو طلب کیا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت کیا۔

''کوفہ میں کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے ہو؟''

اس پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے فرمایا۔ ''عبداللہ بن عتبان کو۔''

چنانچہ فاروق اعظمؓ نے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو حکم لکھ کر بھیجا کہ کوفہ کے لشکریوں کو نعمان بن مقرن کے ساتھ روانہ کر دو چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنے سالاروں میں سے حذیفہ بن الیمان اور نعیم بن مقرن کے ہمراہ لشکر روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی فاروق اعظمؓ نے اس لشکر کو جو ان دنوں اہواز میں مقیم تھا حکم دیا کہ فارس اور اصفہان کی ناکہ بندی کر دو تا کہ اہل نہاوند کو ایرانی امداد نہ پہنچا سکیں۔

چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی جگہ نعمان بن مقرن کو سالار بنا کر بھیجا گیا۔ جب لشکر ان کے پاس جمع ہو گئے تو انہوں نے بھائی نعیم بن مقرن کو مقدمۃ الجیش کا سالار مقرر کیا۔ میمنہ پر حذیفہ بن الیمان کو میسرہ پر سوید بن مقرن کو پیادہ لشکر پر قعقاعؓ

بن عمرو کو اور لشکر کے ساقہ کے حصے کا سالار ابنِ مسعود کو مقرر کیا گیا۔ لشکر کے ان سارے حصوں کو ملا کر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیس ہزار بنتی تھی چنانچہ اسی ترتیب کے ساتھ نعمان بن مقرن کی کمانداری میں یہ لشکر کوفہ سے روانہ ہوا اور نہاوند کی طرف بڑھا اور نہاوند شہر سے نو میل کے فاصلے پر جا کر قیام کیا۔ ادھر سے ایرانی لشکر بھی اپنے سالار فیروز کی کمانداری میں پیش قدمی کرتا ہوا آیا اور مسلمانوں کے سامنے ایران کے اس ڈیڑھ لاکھ کے لشکر نے پڑاؤ کیا تھا۔

دونوں لشکر کچھ دیر تک اپنی صفیں درست کرتے رہے۔ ایرانی لشکر میں لشکر کے اندر جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لیے بڑے بڑے طبل پیٹے جانے لگے تھے۔ اس کے بعد ٹکراؤ کی ابتداء ایرانیوں کی طرف سے ہوئی چنانچہ ایرانیوں نے اپنے لشکر کو دشت کے ذرے ذرے میں خوف مناظر بھرتی تیزی سے روپ بدلتی اجل کی سفاکیوں، سرخ طوفانوں کو جنم دیتے چیختے چلاتے سمندر اور انسانیت کش نظام میں جلتی زہریلی آندھیوں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اس کے بعد ایرانی وقت کو ساکت کرتی جاگتی بپھرتی موجوں، کائنات کی سانسوں کو بوجھل کرتے کرب کے برستے ساون، بادلوں میں گرجتے تند جھونکوں کی یلغار کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ایرانیوں کی طرف سے یہ بڑا ہولناک اور جان لیوا حملہ تھا۔ جواب میں مسلمانوں نے سب سے پہلے شاہراہ حیات کے چوراہوں میں وقت کو ساکت کرتی صداؤں اور آتشی لمحوں میں ڈھالتی درد کی بے انت راتوں کے خروش اور جاگتی بپھرتی جوش مارتی موجوں کے انداز میں تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد جوابی کارروائی کرتے ہوئے مسلمان بھی ایرانیوں پر خونی آنسوؤں کی دنیا آباد کرتی۔ آسمان سے برستی آگ، نفس نفس کے روزن سے جھانکتے بے کل باطن ذہنی انتشار صبح و شام تک کو بے قرار کر دینے والی طوفانی یورش، صف با صف کاسئہ حیات کو لہو میں سجائی ساعتوں اور ہر نفس کے دروازہ دل پر خونی دستک دیتی آوارہ قضا کی لکیروں اور کسب ہنر کی سرشاری کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے نہاوند شہر کے نواح میں زرد پتوں کی کہانیاں مقدر کی تشنہ روی، سرابی اذیتیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ میدان جنگ میں خزاں کی پیاس بلکتے، ایثار لمحے تلخ سچائیوں کی حرارت چار سو ناچ اٹھی تھیں۔

ایرانیوں نے شروع میں ہولناک حملے کیے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنگ مختصر ہو اور وہ مسلمانوں کو شکست دے کر مار بھگائیں۔ اس لیے کہ ان کے پاس ڈیڑھ لاکھ کا لشکر تھا جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس ہزار تھی۔

لیکن ایرانی نہیں جانتے تھے کہ وہ تیس ہزار مجاہد جو سر پر کفن باندھ کر ایرانیوں کے مقابل آئے تھے۔ وہ تین لاکھ کے لشکر کو بھی مار بھگانے کی ہمت اور جرأت رکھتے تھے۔

چنانچہ بقول مؤرخین پہلے دن صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی اور ڈیڑھ لاکھ ایرانی تیس ہزار مسلمانوں کو ایک انچ بھی پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ مسلمانوں کے تیز حملوں اور جان لیوا یلغار کے سامنے ایرانی لشکر کی حالت درد کی گھاٹیوں میں جبر کے آگے سر جھکاتی اسیری، اونگتی فضاؤں میں اداسی کی دھند، درختوں سے جدا بے خانماں پتوں، سلگتی سانسوں کی کشمکش، دھواں دھواں حسرتوں کی شام عمر رفتہ کے کہنہ طاق اور غموں بھرے لمحات کی بارش سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ پہلے دن کی لڑائی شروع ہوئی تو صبح سے لے کر شام تک دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا جبکہ تیس ہزار مسلمانوں نے ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں کو اپنے سامنے دبا کر رکھا تھا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کی تعداد بے شک ڈیڑھ لاکھ ہے لیکن تیس ہزار مسلمانوں کے سامنے وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے بلکہ تیس ہزار مسلمان ان پر بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہوتے رہے ہیں اور ان کے لشکر کی اچھی خاصی تعداد کو انہوں نے کم کر دیا ہے۔ چنانچہ اپنی حفاظت کی خاطر ایرانی ہمدان شہر کے اندر چلے گئے۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ ایرانیوں نے شہر کے باہر لوہے کے گوکھرو بچھا دیئے تھے جن کی وجہ سے اسلامی لشکر شہر کی فصیل کے قریب ہی نہیں جا سکتا تھا اور ایرانی جب چاہتے مختلف دروازوں سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر دن کے وقت حملہ آور ہو کر انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور کبھی شب خون مارتے ہوئے مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ نعمان بن مقرن نے اپنے خیمے میں سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ چنانچہ جو صورتِ حال سامنے آ رہی تھی وہ سارے سالاروں کے سامنے پیش کی گئی نعمان بن مقرن سارے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

ایرانیوں نے ایک طرح سے ہمارے خلاف چھاپہ مار جنگ کی ابتداء کر رکھی ہے۔ وہ خود تو شہر کے اندر محصور ہو گئے ہیں کبھی دن کے وقت ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہیں کبھی شب خون مار کر اپنے لیے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور میں اس طرح کی جنگ کو طول دینا نہیں چاہتا۔ اب تم لوگ آپس میں صلاح مشورہ کرو اور مجھے یہ بتاؤ کہ کون سا طریقہ استعمال کر کے اس جنگ کو مختصر کیا جائے اور ایرانیوں کو شکست دے کر بھگایا جائے۔

چنانچہ اس موقع پر حضرت طلحہؓ بن خالد کی رائے کو سب نے پسند کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ سارا لشکر چھ سات میل شہر سے پیچھے ہٹ کر کسی مناسب جگہ گھات میں چلا جائے جبکہ حضرت قعقاعؓ بن عمر کو لشکر کا ایک حصہ دیا جائے کیونکہ وہ ایرانیوں کے خلاف جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں چنانچہ جو لشکر حضرت قعقاعؓ بن عمرو کی سرداری میں دیا جائے وہ ایرانیوں پر حملہ آور ہو۔ ایرانی جب دیکھیں گے کہ ان کے مقابلے میں چھوٹا سا لشکر آیا ہے تو وہ شہر سے باہر نکل کر قعقاعؓ بن عمرو کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ کچھ دیر تک قعقاعؓ انہیں روکنے کی کوشش کریں گے اس کے بعد پیچھے ہٹتے چلے جائیں گے اور اس جگہ آ جائیں گے جس جگہ باقی لشکر نے گھات لگا رکھی ہو گی اور جب ایرانی وہاں آئیں گے تو پورا لشکر ان پر حملہ آور ہو گا۔ اس کے بعد جو ایرانی لشکر کی حالت ہو گی وقت کی آنکھ دیکھے گی۔ فضاؤں کی بصارت بھی نگاہ دوڑائے گی اور چاروں طرف عبرت خیزیاں ہی دیکھے گی۔

چنانچہ حضرت نعمان بن مقرن کے علاوہ سارے سالاروں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور اسی تجویز کے مطابق لشکر کو مرتب اور استوار کیا گیا لشکر کا ایک حصہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو کی سرکردگی میں دے کر باقی لشکر کو شہر سے سات میل پیچھے ہٹا لیا گیا تھا۔

چنانچہ نئی منصوبہ بندی کے تحت حضرت قعقاعؓ بن عمرو چھوٹا سا لشکر لے کر شہر والوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں کا اندازہ درست نکلا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر ان پر حملہ آور ہونے کے لیے آیا ہے تو ایرانی لشکر بڑے جوش و خروش کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ ایرانی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر کا فوراً حملہ آور ہو کر خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایرانی جب حضرت قعقاعؓ پر حملہ آور ہوئے تو وہ ایرانیوں کو روکتے اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے آہستہ

آہستہ پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔

ایرانی فتح کی خوشی میں مسلمانوں کے اس لشکر کو دباتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان خندقوں کے قریب پہنچ گئے جہاں اسلامی لشکر نے گھات لگا رکھی تھی۔

چنانچہ جونہی ایرانی لشکر وہاں پہنچا اسلامی لشکر کے سپہ سالارِ اعلیٰ نعمان بن مقرن اور ان کے ساتھی سالار اپنے لشکر کو لے کر نکلے اور تکبیریں بلند کرتے ہوئے یکا یک ایرانیوں پر حملہ آور ہو گئے۔

تھوڑی دیر پہلے ایرانی بڑے جوش انداز میں حضرت قعقاعؓ بن عمرو کا تعاقب کر رہے تھے اور اس پر خوش تھے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں انہیں کامیابی اور فتح مندی حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے لیکن جب پورا اسلامی لشکر اپنی گھات سے نکل کر حملہ آور ہوا تو ایرانی لشکر نہایت بے سروسامانی کے ساتھ بھاگا۔ مسلمانوں نے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

عین اس وقت جب ایرانی اور مسلمانوں کے درمیان جنگ اپنے زوروں پر تھی چاروں طرف قتال ہو رہا تھا۔ حضرت نعمانؓ بن مقرن جو لشکر کے سالارِ اعلیٰ تھے زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت نعمانؓ بن مقرن بڑے ضبط اور استقلال کے آدمی تھے۔ جس وقت آپ گھوڑے سے گرے تو آس پاس سے گزرتے ہوئے اپنے لشکریوں کو پکار کر کہا۔

''اگر میں اسی حالت میں مر جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر اٹھانے کو نہ آئے۔''

اتفاق سے ایک لشکری ان کی طرف نکلا۔ نعمانؓ بن مقرن زخمی حالت میں خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ پاس بیٹھنا چاہتا تھا کہ حضرت نعمانؓ بن مقرن نے وہی الفاظ ادا کیے جو اس سے پہلے کہے تھے چنانچہ ان کے الفاظ سن کر وہ لشکری ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر فوراً ایرانیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے لگا۔

لڑائی ختم ہونے اور فتح یاب ہونے کے بعد ایک دوسرا لشکری ان کے پاس سے ہو کر گزرا۔ دیکھا کہ نعمانؓ دم توڑ رہے تھے۔ چنانچہ سرہانے آ کر بیٹھ گیا۔ ان کے سر کو رانوں پر رکھ لیا۔

اس موقع پر نعمان بن مقرن نے آنکھیں کھولیں اور نہایت رقت آمیز آواز میں پوچھا۔

''اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوا ہے؟''

اس لشکری نے عرض کیا۔ ''اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔''

اس پر نعمانؓ بن مقرن نے اللہ کا شکر ادا کر کے کہا فاروق اعظمؓ کو اس فتح کی اطلاع فوراً کرنا۔ اس کے ساتھ ہی آپؓ نے دم توڑ دیا تھا۔ میدانِ جنگ میں کسی سالار کے ضبط استقلال اور صبر کی یہ مثال تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملے گی۔

حضرت نعمانؓ بن مقرن جب زخمی ہو کر اپنے گھوڑے سے گرے تو ان کے بھائی نعیمؓ بن مقرن نے فوراً اپنے بھائی کے کپڑے پہن کر اور اسلامی لشکر کا علم اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور لشکر والوں کو آخر تک اپنے سپہ سالار کے شہید ہونے کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایرانی لشکر جو میدانِ جنگ سے سراسیمہ ہو کر بھاگا۔ ان گوکھروں سے جو مسلمانوں کے لیے بچھائے گئے تھے اپنے آپ کو نہ بچا سکا اور خود ان گوکھروں میں مبتلا ہو کر ہزاروں ایرانی ہلاک ہوئے۔ چنانچہ ایرانی سالار فیروز بچے کھچے لشکریوں کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ نعیمؓ بن مقرن اور حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے بھاگتے ایرانیوں کا تعاقب کیا اور بچے کھچے ایرانی ہمدان کی طرف بھاگے۔ جہاں ان کا دوسرا سالار خسرو شنوم ایک لشکر کے ساتھ قیام کیے ہوئے تھا۔

مسلمانوں کی اس شاندار فتح کے بعد آتش پرستوں کا ایک سربراہ جو مذہبی پیشوا تھا خود حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیش قیمت جواہرات کا صندوقچہ جو اس کے پاس شاہی امانت کے طور پر رکھا تھا پیش کیا۔

حضرت حذیفہؓ نے مال غنیمت لشکر میں تقسیم کیا اور خمس کے ساتھ وہ جواہرات کا صندوقچہ بھی فاروق اعظمؓ کی خدمت میں صائب بن اقرہ کے ہاتھ روانہ کیا۔

❁ ❁ ❁

فاروقِ اعظمؓ کو چند روز سے کوئی خبر جنگ سے متعلق نہ ملی تھی۔ وہ بڑے منتظر اور پریشان تھے۔ جب صائب فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت لے کر پہنچے تو فاروق اعظمؓ بہت خوش ہوئے۔

چنانچہ جب وہ جواہرات آپ کے سامنے پیش کیے گئے تو ان جواہرات کو آپ نے

بیت المال میں داخل کرا کر صائب کو واپس جانے کا حکم دیا۔

صائب کوفہ شہر میں داخل ہوئے ہی تھے کہ فاروق اعظمؓ کا ایک قاصد ان کے پیچھے پیچھے پہنچا۔ کوفہ میں داخل ہوا اور صائب کو فاروق اعظمؓ کا یہ پیغام دیا کہ فاروق اعظمؓ نے انہیں فوراً مدینہ میں طلب کیا ہے۔

چنانچہ صائب کوفہ سے نکل کر پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر فاروق اعظمؓ نے صائب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فرشتے ان جواہرات کے رکھ لینے پر مجھ کو عذاب کی دھمکی دیتے ہیں لہٰذا ان کو میں بیت المال میں ہرگز نہ رکھوں گا۔ تم ان سب جواہرات کو لے جاؤ اور فروخت کر کے ان کی قیمت لشکر اسلام میں تقسیم کر دو۔ صائب نے کوفہ میں ان جواہرات کو عمرو بن حریص فخرومی کے ہاتھ دو لاکھ درہم میں فروخت کیا اور وہ رقم مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی جس عمرو بن حریص نے دو لاکھ میں وہ جواہرات خریدے تھے اس نے ان جواہرات کو فارس میں لا کر چار لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔

نہاوند کی جنگ ہی کے دوران ابولولو کو گرفتار کیا گیا تھا اور اس ابولولو کی بدبختی اور بدنصیبی کہ بعد میں یہی فاروق اعظمؓ کا قاتل ثابت ہوا۔

نہاوند کی شاندار فتح کے بعد شکست خوردہ ایرانی تو ہمدان کی طرف بھاگ گئے تھے اس طرح نہاوند شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں کا پڑاؤ پہلے ہی نہاوند شہر کے نواح میں تھا چنانچہ جب ایرانیوں کے ساتھ ٹکراؤ ختم ہو گیا شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تب مسلمان لشکری اپنے پڑاؤ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔

❁ ❁ ❁

عتبہ بن ہشام جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے کے اندر اس کی بیوی رجینا بڑی بے چینی اور بڑے بے تابی سے اس کی منتظر تھی۔ جونہی خیمے کے دروازے پر عتبہ بن ہشام نمودار ہوا وہ بڑی بے تابی سے بھاگتی ہوئی خیمے کے دروازے پر آئی۔ عتبہ بن ہشام کا ہاتھ اپنے نرم ہاتھ میں لیا۔ دونوں میاں بیوی خیمے کے وسط میں آئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے پھر اپنی مٹھاس اور شیرینی بھری آواز میں رجینا عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"باقی لشکری کافی دیر ہوئی پڑاؤ میں داخل ہو چکے ہیں۔ آپ اتنی دیر سے کیوں

آئے۔"

اس پر عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے کچھ دیر رجینا کی طرف دیکھتا رہا۔ اس پر رجینا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ کبھی کبھی آپ ٹکٹکی باندھ کر مجھے کیوں دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ میرے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیتے ہیں کیا......"

رجینا اپنی بات مکمل نہ کر سکی۔ اس سے پہلے ہی عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

"جب میں تھکا ہارا آتا ہوں اور اس طرح تمہارے چہرے پر نگاہیں گاڑتا ہوں تو یقین جانو میری ساری تھکاوٹ، میری ساری تھکان جاتی رہتی ہے۔"

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر رجینا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پیار بھرے انداز میں اس نے عتبہ بن ہشام کا گال تھپتھپایا کہنے لگی۔

"کھانا آیا ہوا ہے۔ پہلے دونوں مل کر کھانا کھائیں پھر باتیں ہوں گی۔"

اس کے ساتھ ہی رجینا نے بڑے پیارے انداز میں کھانا عتبہ بن ہشام کے سامنے چن دیا تھا۔ جب اس نے کھانے کے سارے برتن لگا دیئے تو کھانے میں جو تازہ پنیر رکھا ہوا تھا اس پر عتبہ بن ہشام کی نگاہیں جم گئیں پھر رجینا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ پنیر کہاں سے آ گیا۔ لشکر کے کھانے میں تو کوئی پنیر نہیں دیا جاتا۔"

اس پر رجینا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"جب جنگ ختم ہوئی اور ہمارا لشکر شہر میں داخل ہوا تو لشکر کی کچھ عورتیں بھی شہر کی طرف گئیں۔ میں نے ان میں سے کچھ کو نقدی دی اور یہ پنیر منگوا لیا۔ میں جانتی ہوں آپ پنیر شوق سے کھاتے ہیں۔"

اس پر عتبہ بن ہشام فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اس طرح کھڑے ہوئے پر رجینا فکرمند اور پریشان ہو گئی اور فوراً کہنے لگی۔

"میں نے کھانا لگا دیا ہے اب آپ کدھر جانے لگے ہیں۔ پہلے کھانا کھائیں پھر کوئی کام کریں۔"

عتبہ بن ہشام تقریباً بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر اس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ جو خرجین بندھی ہوئی تھی۔ خرجین اس نے اتاری اور خیمے میں داخل ہو کر

وہ خرجین اس نے رجینا کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگا۔

''تم نے شکوہ کیا تھا کہ باقی لشکری اور سالار کافی دیر پہلے پڑاؤ میں داخل ہو گئے تھے اور میں دیر سے کیوں آیا ہوں۔ دراصل میں اور ہلال بن علقمہ دونوں ہمدان شہر میں چلے گئے تھے۔ ہلال بن علقمہ نے بھی کچھ چیزیں خریدی ہیں، تمہارے لیے کئی قسم کے خشک پھل لے کر آیا ہوں۔ میں جانتا ہوں یہ تم پسند کرتی ہو۔''

رجینا نے غور سے عتبہ بن ہشام کی طرف توصیفی انداز میں دیکھا پھر کہنے لگی۔

''جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں میں وہ بعد میں دیکھوں گی۔ پہلے کھانا کھائیں۔''

اس کے ساتھ ہی دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف شوق سے دیکھتے ہوئے کھانا کھانے لگے تھے۔

رجینا نے جب کھانے کے برتن اٹھا کر ایک طرف رکھ دیئے تب عتبہ بن ہشام نے اسے اپنے پاس بلایا۔ رجینا کسی معصوم اور ممنون بچے کی طرح عتبہ بن ہشام کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ عتبہ بن ہشام نے خرجین پکڑی۔ اس کا منہ کھولا پھر اس خرجین کو اس نے رجینا کے سامنے فرش پر بچھی چادر پر الٹ دیا تھا۔

اس خرجین میں سے طرح طرح کے پھل نکلے تھے جنہیں دیکھ کر رجینا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ دیر تک شوق بھرے انداز میں رجینا خشک پھلوں کو دیکھتی رہی پھر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے پہلے ہی عتبہ بن ہشام اس سے مخاطب ہو کر بول اٹھا۔

''تم نے شکوہ کیا تھا کہ میں باقی لشکریوں اور سالاروں کی نسبت دیر سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں اسی کام کے لیے نہاوند شہر گیا تھا۔ اب بھی تمہیں شکوہ ہے کہ میں تمہارے پاس دیر سے کیوں آیا ہوں۔''

اس پر رجینا مسکرائی۔ پہلے اس نے نفی میں گردن ہلائی پھر کہنے لگی۔

''مجھے آپ سے کوئی شکوہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اس سلسلے میں آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے رجینا کو رک جانا پڑا۔ اس لیے خیمے کے دروازے پر ایک لشکری نمودار ہوا اور عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''... بن ہشام لشکر میں کچھ اجنبی داخل ہوئے ہیں اور وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

لشکر گاہ میں جو خیمہ عموماً نئے آنے والے لشکریوں یا مہمانوں کے لیے استعمال ہوتا

ہے ان کو وہیں بٹھا دیا گیا ہے وہیں جا کر ان سے مل لو۔''

اس پر عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم بیٹھو! میں دیکھتا ہوں یہ ملنے والے کون آئے ہیں۔''

اس پر رجینا فکرمند ہو گئی تھی۔ تڑپ کر اس نے عتبہ بن ہشام کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگی۔

''میں آپ کو اکیلا تو نہیں جانے دوں گی وہ نجانے کون لوگ ہیں اور کیوں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کے لیے خطرے کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ وہ آذرمی دخت کے قاتلوں کے حمایتی بھی ہو سکتے ہیں۔ جنہیں آپ نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ لہٰذا میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔''

عتبہ بن ہشام نے اپنا بازو رجینا کی گرفت میں ہی رہنے دیا اور بڑے پیار اور شوق سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تو کیا میں اسی طرح تمہارے سامنے کھڑا رہوں اور تم میرا بازو پکڑے رہو۔''

اس پر رجینا مسکراتے ہوئے پیار بھرے انداز میں کہنے لگی۔ ''نہیں...... آپ دو کاموں میں سے ایک کام کریں گے۔ پہلا یہ کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ مسلح ہو کر جائیں گے۔ میں بھی مسلح ہوں گی پھر دونوں میاں بیوی جا کر ان سے ملیں گے۔ اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو پھر دونوں میاں بیوی یہیں بیٹھتے ہیں اور انہیں پیغام بھیجتے ہیں کہ جس کسی نے ملنا ہے ہمیں یہاں آ کر مل لے۔ ساتھ ہی میں بھائی ہلال بن علقمہ کو بھی یہاں بلا لیتی ہوں۔''

رجینا کے ان الفاظ کے جواب میں عتبہ بن ہشام کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازے پر ہلال بن علقمہ اور البانہ دونوں میاں بیوی نمودار ہوئے تھے۔ پھر ان دونوں کو دیکھتے ہوئے رجینا خوش ہو گئی تھی۔ البانہ کو مخاطب کر کے ہلال بن علقمہ کہنے لگا۔

''تم اندر جاؤ اور میری بہن رجینا کے پاس بیٹھو۔ پھر عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ کہنے لگا۔

''ابن ہشام میرے بھائی! آؤ کچھ لوگ ہم دونوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ کون لوگ ہیں۔''

اس پر عتبہ بن ہشام، ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''رجینا مجھے خیمے سے نکلنے نہیں دے رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ جو لوگ ہمیں ملنے آئے ہیں وہ آذرمی دخت کے قاتلوں کے حمایتی بھی ہو سکتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بس ہم دونوں میاں بیوی اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ تم دونوں آ گئے ہو۔ میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں۔ رجینا بس میری سلامتی کی خاطر اپنا کر رہی ہے۔''

اس پر ہلال بن علقمہ کہنے لگا۔ ''اگر ایسے کوئی لوگ ہوئے تو ان کی ایسی تیسی بچ کر نہیں جانے پائیں گے۔'' پھر رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے ہلال بن علقمہ کہنے لگا۔

''میری بہن! تمہیں اس سلسلے میں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آنے والے جو بھی ہیں اور ہم سے ملنا چاہتے ہیں وہ اس وقت ہمارے لشکر میں موجود ہیں وہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے کہ لشکر میں مہمانوں کے لیے جو شامیانہ استعمال ہوتا ہے اس کی حفاظت پر مسلح جوان رہتے ہیں لہٰذا وہاں کوئی ہمارے لشکر کے کسی فرد پر حملہ آور نہیں ہو سکتا۔''

ہلال بن علقمہ کی اس گفتگو سے رجینا خوش ہو گئی تھی۔ چنانچہ رجینا اور البانہ دونوں خیمے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھیں جبکہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں اس شامیانے کی طرف ہو لیے تھے جو لشکر میں مہمانوں کے لیے مختص کیا گیا تھا۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ دونوں تیز تیز چلتے ہوئے جب خیمہ گاہ کے اس حصے میں داخل ہوئے جو مہمانوں کے لیے مختص کیا گیا تھا تو اندر داخل ہوتے ہی وہ مسکرا دیئے۔ اس لیے کہ وہاں ان دونوں کے انتظار میں بنو تمیم کے سعد بن قیس اور برق بن اسد بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ وہی دونوں جوان تھے جو آذرمی دخت کے دونوں قاتلوں باریز اور نوذر کے محافظوں میں شامل تھے اور پھر ان سے ناراض ہو کر واپس اپنے قبیلے میں چلے گئے تھے جبکہ نوذر اور باریز کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ان سے جو کچھ مال کی صورت میں ملا تھا عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے ان دونوں کا حصہ نکال کر ان کے قبیلے میں ان تک پہنچایا تھا۔

چنانچہ ان دونوں نے جب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کو دیکھا تو دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے اور پرجوش انداز میں باری باری عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ سے ملے پھر چاروں نشستوں پر بیٹھ گئے۔ گفتگو کا آغاز عتبہ بن ہشام نے کیا اور کہنے لگا۔

''تم دونوں خیریت سے تو ہو۔ ہمیں ملنے کے لیے آئے ہو۔'' اس پر سعد بن قیس بولا اور کہنے لگا۔

''آپ یہ تو جانتے ہیں کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ہمارا پورا قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہے ہم دو کاموں کے لیے ادھر آئے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہم آپ کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں اور آئندہ جنگوں میں آپ لوگوں کے ساتھ حصہ لیں گے۔ دوسرا کام جو اس سے بھی اہم ہے وہ یہ کہ ہم دونوں آپ دونوں کی خدمت میں ایک التماس کرنا

چاہتے ہیں۔"

"کیسی التماس......" تجسس بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے پوچھ لیا تھا۔

اس بار بنوتمیم کا دوسرا جوان برق بن اسد بول اٹھا۔ "ہمارے محترم ساتھیو! آپ لوگوں کی بڑی مہربانی کہ آذرمی دخت کے دونوں قاتلوں باریز اور نوذر کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ان کے ہاں سے جو مال آپ لوگوں کو ملا اس میں ہم دونوں کا حصہ نکال کر تم دونوں نے ہم تک پہنچایا۔ تمہارے اس رویے، اس سلوک سے ہم اتنے متاثر ہوئے کہ اس وقت تو ہم الفاظ میں اس کا اظہار نہ کر سکے لیکن آپ دونوں کے جانے کے بعد ہم نے آپ دونوں سے متعلق تحقیقات کرنا شروع کیں تو پتا چلا کہ آپ کی تو اپنی کوئی رہائشگاہ ہی نہیں ہے۔ آپ دونوں شادی شدہ ہیں اور اس وقت دونوں کی بیویاں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے عزیز بھائیو! میں اور سعد بن قیس نے بنوتمیم کے علاقوں میں آپ دونوں کے لیے دو بہترین حویلیوں کا اہتمام کیا ہے۔ یہ حویلیاں میری اور سعد بن قیس کی رہائشگاہ کے قریب ہی ہیں۔ اب ہم دونوں آپ سے یہ التماس کرنا چاہتے ہیں کہ جب یہ جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جائے تو آپ دونوں اپنی بیویوں کے ساتھ ان حویلیوں میں ہمارے قبیلے کے اندر مستقل رہائش اختیار کریں گے۔ ساتھ ہی ہماری آپ سے مزید التماس ہے کہ اس سلسلے میں ہمیں نہ ٹالیے گا اور نہ انکار کیجیے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد برق بن اسد رکا دوبارہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"ہمیں یہ بھی خبریں ملی ہیں کہ مدائن شہر میں کالاس نام کا ایک شخص ہے اس کی بیوی کا نام انجار ہے۔ آپ دونوں نے اپنی بیویوں کے ساتھ ان کے ہاں ہی قیام کر رکھا تھا۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جب یہ جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جائے اور آپ ہمارے پاس ہمارے قبیلے میں رہائش رکھیں تو کالاس اور انجار دونوں میاں بیوی کو بھی وہاں بلا لیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو اس سے ہماری خوشیاں دوچند ہو جائیں گی۔"

برق بن اسد جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ نے مخصوص انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر عتبہ بن ہشام سعد بن قیس اور برق بن اسد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہمارے عزیز ساتھیو! سب سے پہلے ہم تم دونوں شکر گزار ہیں کہ تم دونوں نے ہمیں بنوتمیم کے اندر رہائش رکھنے کی پیش کش کی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ابھی تک ہم نے اپنے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں بنایا۔ یاد رکھو! ہم دونوں کی بیویاں ہیں۔ جو پیشکش تم نے کی ہے پہلے جا کر ان سے مشورہ کریں گے۔ وہ اس پر رضامند ہو گئیں تو پھر ہم ان کی رضامندی سے آگاہ کر دیں گے۔ جب یہ جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو یقیناً ہم تمہارے قبیلے میں قیام کریں گے لیکن ایک شرط ہے جو حویلیاں تم نے ہم دونوں کے لیے لی ہیں یا تعمیر کروائی ہیں تم دونوں اس کی قیمت وصول کرو گے۔"

اس پر گھورنے کے انداز میں سعد بن قیس نے عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا پھر متاثر کن انداز میں کہنے لگا۔

"قیمت لینے والے پر لعنت۔ آپ ہمارے محسن، ہمارے مربی ہیں۔ نوذر اور باریز کے مال میں سے جس قدر آپ نے ہمیں ہمارا حصہ نکال کر دیا اس میں سے آپ دونوں کی حویلیاں لینے کے بعد بھی ہمارے پاس اس قدر ہے کہ اگر ہم اپنے خاندان والوں کے ساتھ ساری عمر یونہی بیٹھ کر کھاتے رہیں تو بڑے احسن طریقے سے اپنے دن گزار سکتے ہیں لہٰذا تم دونوں کی رہائش کے لیے ہم نے جو خرچ کیا ہے اس کا معاوضہ دینے کی بات نہ کیجیے گا۔ یہ آپ دونوں کا ہم پر احسان ہوگا۔"

اس کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اب جبکہ تم دونوں لشکر میں شامل ہو چکے ہو تم دونوں سے ملاقات ہوتی رہے گی۔ دیکھو میں اور ہلال بن علقمہ اب جاتے ہیں۔ دونوں اپنی بیویوں سے اس سلسلے میں صلاح مشورہ کریں گے اور پھر تمہیں جواب سے مطلع کر دیں گے۔"

سعد بن قیس اور برق بن اسد دونوں عتبہ بن ہشام کے اس جواب پر خوش ہو گئے تھے چنانچہ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ وہاں سے نکل گئے تھے۔

ہلال بن علقمہ کو لے کر عتبہ بن ہشام اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے میں رجینا اور البانہ دونوں بیٹھی ہوئی محو گفتگو تھیں۔ جب وہ خیمے میں داخل ہوئے تو دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس موقع پر عتبہ بن ہشام نے گھورنے کے انداز میں رجینا کی طرف دیکھا کہنے لگا۔

"رجینا! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا جب میں خیمے میں آیا کروں تو کھڑے نہ ہوا کرو۔ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ جب اور جس وقت بھی میں خیمے میں داخل ہو جاؤں تو تم کھڑی ہو جاؤ۔ آخر تم کیوں ایسی زحمت کرتی ہو۔"

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر رجینا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فخریہ سے انداز میں کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر سب جب بیٹھ گئے تب رجینا پرشوق انداز میں عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"جن لوگوں سے آپ دونوں ملنے کے لیے گئے تھے وہ کون تھے اور ان سے کیا گفتگو ہوئی ہے۔"

جواب میں عتبہ بن ہشام بولا اور کہنے لگا۔

"جو ہمیں ملنے کے لیے آئے تھے وہ سعد بن قیس اور برق بن اسد ہیں۔ ان کا تعلق بنو تمیم سے ہے اور وہ دونوں لشکر میں بھی شامل ہو چکے ہیں۔" اس کے بعد سعد بن قیس اور برق بن اسد کے ساتھ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کی جو گفتگو ہوئی تھی وہ عتبہ بن ہشام نے تفصیل کے ساتھ رجینا اور البانہ سے کہہ دی تھی۔

یہ ساری گفتگو سن کر رجینا اور البانہ دونوں خوش اور مطمئن ہو گئی تھیں پھر رجینا عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ نے ان دونوں کو تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ آپ کا یہ کہنا کہ آپ ہم دونوں سے پوچھ کر ان دونوں کو جواب دیں گے یہ طریقہ مناسب نہیں ہے میں اور البانہ دونوں نے آپ کے ساتھ رہنا اور آپ دونوں کا فیصلہ ہی ہمارے لیے محترم اور قابلِ عمل ہونا چاہیے لہٰذا جو کچھ آپ کا دل چاہتا تھا یا دونوں بھائیوں نے مل کر جو فیصلہ کیا تھا آپ کو چاہیے تھا کہ اسی موقع پر انہیں اس فیصلے سے آگاہ کر دیتے۔"

اس پر عتبہ بن ہشام فخریہ سے انداز میں رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"رجینا! تم بھی ٹھیک کہتی ہو لیکن کیونکہ تم دونوں اب ہماری ذات کا ایک حصہ ہو لہٰذا تم دونوں سے مشورہ ضروری ہے۔ اب بولو تم کیا کہتی ہو۔ اس سلسلے میں میری بہن البانہ سے بھی مشورہ کر لو۔"

رجینا اور البانہ کچھ دیر تک کھسر پھسر کرتی رہیں پھر رجینا بولی اور کہنے لگی۔

"ہم دونوں کا فیصلہ یہ ہے کہ جہاں بھی آپ دونوں ہمیں رکھیں گے ہم بخوشی وہاں

رہ لیں گے۔"

تم دونوں کے فیصلے نے ہمیں خوش کر دیا ہے۔ بنو تمیم کے ان دونوں جوانوں سے مل کر ہم واپس آ رہے تھے تو راستے میں اس موضوع پر میں اور ہلال بن علقمہ نے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی اور ہم دونوں اس بات پر متفق تھے کہ جب یہ جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو بنو تمیم کے اندر رہائش رکھنا ہمارے لیے سودمند ہے۔ اب جبکہ تم بھی راضی ہو تو یہ آخری فیصلہ ہے کہ ہم بنو تمیم کی ان حویلیوں کے اندر مستقل رہائش رکھیں گے جو سعد بن قیس اور برق بن اسد نے ہمارے لیے حاصل کی ہیں۔"

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن عاقمہ کے اس فیصلے سے رجینا اور البانہ بھی خوش ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد رجینا کے کہنے پر عتبہ بن ہشام دونوں کو نہاوند کے نواح میں لڑی جانے والی جنگ کی تفصیل بتا رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

نہاوند کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے ایران کے اہم شہر ہمدان کا رخ کیا تھا۔ اس شہر کا محاصرہ کرلیا گیا جس کے جواب میں اہلِ ہمدان نے مسلمانوں سے صلح کر لی تھی۔

اب اسلامی لشکر نے اصفہان کا رخ کیا۔ اس لیے کہ اصفہان میں ایرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اس لشکر کی کمانداری ایرانیوں کا بہترین سالار اسپیدان کر رہا تھا۔ یہ ایرانی لشکر کا سپہ سالارِ اعلیٰ تھا جبکہ ایرانی لشکر کے مقدمۃ الجیش کی کمانداری شہریار بن جادویہ کے ہاتھ میں تھی جو ایرانیوں کا بہترین تیغ زن شمار کیا جاتا تھا اور اس کے مقدمۃ الجیش میں اصفہان کے نامی گرامی جنگ آزمودہ اور تیغ زنوں کو جمع کر دیا گیا تھا۔ اسلامی لشکر ایرانی لشکر کی یہ تیاریاں دیکھتے ہوئے بڑی تیزی سے اصفہان کی طرف بڑھا تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا لشکر بھی کسی حد تک تقسیم ہو چکا تھا اس لیے کہ جس وقت اصفہان کے نواح میں ایرانیوں کے بہت بڑے لشکر کا اجتماع ہوا تھا۔ اس وقت فاروقِ اعظمؓ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے لشکر کے سالار نعیمؓ بن مقرن نے ہمدان کا محاصرہ کر رکھا تھا جبکہ ایک اور لشکر ابن فرقط اور بکر بن عبداللہ کی کمانداری میں آذربائیجان کی طرف بڑھ چکا تھا۔ چنانچہ جو لشکر اصفہان کی طرف بڑھا اس کی کمانداری عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کی سالاری میں دی گئی تھی۔ میمنہ پر عبداللہ بن ورقہ کو رکھا گیا۔ لشکر کے میسرہ کے حصے پر عصمت بن عبداللہ سالار مقرر کیے گئے۔ چنانچہ اصفہان شہر کے نواح میں رستاک کے میدان میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ ایرانی چونکہ تعداد میں مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھے اس لیے کہ مسلمانوں کا لشکر تین حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک ہمدان کی طرف تھا دوسرا آذربائیجان کی

طرف اور تیسرا اصفہان میں ایرانیوں کے سامنے آیا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لشکر کی اس تقسیم کی وجہ سے ایرانی بڑے خوش تھے اور ایرانیوں کے سالار اسپیدان نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اس بار وہ ہر صورت میں مسلمانوں کو شکست دے کے رہیں گے۔ اسپیدان کے تحت شہریار بن جادویہ کام کر رہا تھا وہ بڑا نایاب تیغ زن خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے بھی حوصلے اور ولولے جوان تھے لہٰذا ایرانی لشکر کے سپہ سالارِ اعلیٰ اور مقدمۃ الجیش کے سالار شہریار بن جادویہ نے باہم مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اصفہان کے نواح میں ہر صورت میں اپنی پوری طاقت اور قوت کو استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کو شکست سے دوچار کیا جائے۔

چنانچہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تب اپنے کام کی ابتداء پہلے ایرانیوں نے کی۔ ایرانیوں نے اپنے لشکر کو مایوسی کے ہولناک صحرا میں کھولتی آتش کے مرگ خیز رقص شور و غوغا کی طرح گردش کرتے مناظر کی ہولناک آگ کی طرح آگے بڑھایا۔ اس موقع پر ایرانی بڑے خوفناک انداز میں نعرے بلند کر رہے تھے پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایرانیوں کا لشکر مسلمانوں پر کوچہ کوچہ بستی بستی شعلے اگلتے آتش فشاں ہر شے کا گریبان چاک کرتی غموں بھرے عذابوں کی بارش اور اذیتوں کی بھٹی میں سرخ تمتماتی جوشیلی لہروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے تاخیر اور دیر سے کام نہیں لیا۔ اپنے معمول کے مطابق جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے مسلمانوں نے کذب و کرب کے خونی زیر بم میں قدرت کے قہر کی طرح داخل ہو جانے والی آوازوں، شب کے دھواں دھواں اندھیروں میں جرأت کے چمکتے اجالوں جیسی صداؤں اور دکھ کے کہساروں میں سکھ کے چشموں کی صداؤں جیسے انداز میں تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد مسلمان ایرانیوں پر سرپھری آوازوں خواہشوں کے گھنڈروں بل کھاتے اندھیروں کے جبر پر چھاتے ان گنت بگولوں کی یلغار، موت و زیست کے دھندلکوں اور جلتے بجھتے لمحوں کے الاؤ تک کو ماند کرتے موت کے عذاب اور شام کی پرچھائیوں میں خوف کے جال پھیلاتے برق و شرر کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

یوں اصفہان کے نواح میں رستاک کے میدانوں میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے دشت کے خارزاروں جیسی رزم گاہ میں بھیگی پلکوں کی تحریریں رقم ہونے لگی تھیں۔ بڑے بڑے بے راہ رو تیغ زنوں کو موت اپنے سامنے قاصر اور مجبور کر کے لوہے کی لگام

چڑھانے لگی تھی۔ دل وجاں کی راحت دل کے بوجھ ذہن کی بے زاریوں میں بدلنے لگی تھی۔ بڑے بڑے جابر اور قاہر جنگجو جو دوسروں کو مات کرنے کا فن جانتے تھے ان کی قوت اور ہنر پر موت قدغن لگانے لگی تھی۔ مضطرب اور سرگرداں قضا سازشوں کے کالے بادلوں کی طرح چاروں طرف چھانے لگی تھی۔ میدانِ جنگ میں چاروں طرف ہرسو بے تعبیر سپنے خودغرضی کی داستانیں، اذیت خانوں کی سی گھائل اور مجروح چیخیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ جسم کے ریشے ریشے میں کرب گوندھا جانے لگا تھا۔ بلبلاتی آوازیں چیخیں درد بھری گونجیں اور ابدی للکارسی تکبیروں نے میدان جنگ کو خوف اور وحشت سے بھر کر رکھ دیا تھا۔

جس وقت جنگ اپنے زوروں پر تھی اور ایرانیوں کا سپہ سالار اعلیٰ اسپیدان اور اس کا نائب شہریار بن جادویہ دونوں اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے زور وشور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے انگیخت کر رہے تھے اس موقع پر ایک انقلاب رونما ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس نازک موقع پر جبکہ جنگ کی بھٹی پوری طرح بھڑک اٹھی تھی مسلمانوں کے میمنہ کا سالارِ اعلیٰ عبداللہ بن ورقہ حرکت میں آیا اور ایرانیوں کے مقدمۃ الجیش کے سالار شہریار بن جادویہ کی طرف بڑھا۔ شہریار بن جادیدہ وہ تیغ زن تھا جس پر ایرانی فخر کرتے تھے اور اسے ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ورقہ اپنے دستوں کے ساتھ ایرانیوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے شہریار بن جادویہ تک جا پہنچے۔ دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ شہریار بن جادویہ کی بدقسمتی کہ وہ عبداللہ بن ورقہ کے چند وار بھی برداشت نہ کر سکا اور عبداللہ بن ورقہ نے شہریار بن جادویہ کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

ایرانی مقدمۃ الجیش کے سالار شہریار بن جادویہ کے یوں قتل ہونے سے ایرانی بددل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر ایرانی لشکر کے سپہ سالارِ اعلیٰ اسپیدان نے اپنے لشکر کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ اس میں ناکام رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصفہان کے نواح میں رستاک کے میدانوں میں ایرانیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ایرانی لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بچے کھچے لشکری بھاگ کر اصفہان شہر میں محصور ہو گئے تھے۔

مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اصفہان شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اصفہان میں اس وقت ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی طرف سے فادو نام کا ایک شخص حاکم تھا۔ چنانچہ جس وقت اصفہان شہر کا محاصرہ کیا گیا تب شہر کے اندر سے کچھ لوگ سفید جھنڈے لہراتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر کی طرف بڑھے اس وقت مسلمانوں کے سالار اعلیٰ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان تھے چنانچہ اصفہان شہر سے نکلنے والے وہ ایرانی مسلمانوں کے پڑاؤ میں آئے اور مسلمانوں کے سالار سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر کچھ لشکری انہیں پکڑ کر لشکر کے سالار عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کے پاس لے گئے۔

جب ایرانیوں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا تب ابنِ عبداللہ نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

''ہم نے اصفہان شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اس سے پہلے رستاک کے میدانوں میں تمہارے لشکر کو بدترین شکست دے چکے ہیں۔ اب تم بولو تم کس غرض و غایت کے تحت آئے ہو۔''

اس پر آنے والوں میں سے ایک عبداللہؓ بن عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مسلمانوں کے سالار ہمیں ہمارے اصفہان کے حاکم فادو نے بھیجا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ رستاک کے میدانوں میں ایرانیوں کی شکست کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن اصفہان کے اندر ایرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر موجود ہے لہٰذا تم اصفہان کو آسانی سے فتح نہیں کر پاؤ گے۔ بہتر یہی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان انفرادی مقابلہ ہو جائے۔ اگر اصفہان کا حاکم تیغ زنی کا مقابلہ جیت جائے تو مسلمان اپنے لشکر کو لے کر اصفہان سے ہٹ جائیں گے اور اگر مسلمانوں کا سالارِ اعلیٰ تیغ زنی کا مقابلہ جیت جائے تو شہر کے مالک مسلمان ہوں گے۔ ہمارا حاکم ایسا اس لیے چاہتا ہے کہ اس طرح بہت سے لوگ موت کا لقمہ بننے سے بچ جائیں گے۔''

اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا۔

چنانچہ اس انفرادی مقابلے کی تفصیل بتاتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں۔ فادوسنال نے مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ کی طرف پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جان کیوں ناحق ضائع کی جائے آؤ ہم اور تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں۔ چنانچہ عبداللہ نے اس کو منظور کر لیا۔

دونوں حریف میدان میں آئے۔ فادو نے پہلے عبداللہ بن عبداللہ پر حملہ آور ہونے کی ٹھانی۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے جب ایک انتہائی خطرناک وار مسلمانوں کے سالار اعلیٰ پر کیا تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ عبداللہ نے اس مردانگی سے اس کے حملے کو روکا کہ فادو حیران رہ گیا۔ اس نے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ کو جوابی حملہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ بے اختیار بول اٹھا۔

''میں تم سے نہ لڑ سکتا ہوں نہ تم سے اب لڑوں گا۔'' لہٰذا اس نے بلاحیل و حجت اصفہان شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا۔

اسلامی لشکر نے چند روز تک اصفہان شہر ہی میں قیام کیے رکھا ایک روز اچانک پڑاؤ کے خیمے اکھاڑے جانے لگے۔ اس موقع پر حسین اور خوبصورت رجینا اپنے خیمے میں کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں خیمے کے دروازے پر عتبہ بن ہشام نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہوئے بڑی پیاری اور میٹھی آواز میں رجینا نے اسے مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

''میں دیکھتی ہوں لشکر گاہ کے خیمے اکھاڑے جا رہے ہیں کیا کوئی نیا معرکہ درپیش ہے۔''

اس پر عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ سارے سالار جن میں چھوٹے بڑے سب شامل تھے۔ ایک جگہ جمع تھے۔ لشکر اب یہاں سے کوچ کرے گا۔ اس لیے کہ وادی رود میں ایرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے اور اس لشکر کی کمانداری رستم کے دو بھائی ویلم اور اسفندیار کر رہے ہیں۔ رستم کیونکہ آذرمی دخت کے قاتلوں میں شمار ہوتا ہے اس کے دونوں بھائی ویلم اور اسفندیار بھی رستم کی کارروائیوں میں برابر کے شریک رہے ہیں لہٰذا میں اور ہلال بن علقمہ نے ارادہ کر رکھا ہے کہ پورے جوش اور جذبے کے ساتھ رستم کے دونوں بھائیوں ویلم اور اسفندیار کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ ہلال بن علقمہ اور البانہ دونوں میاں بیوی تھوڑی دیر تک ادھر ہی آ جائیں گے۔ آؤ ہم بھی اپنا سامان سمیٹیں اس لیے کہ تھوڑی دیر بعد لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔''

رجینا نے عتبہ بن ہشام کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا پھر دونوں میاں بیوی بڑی تیزی سے اپنا سامان سمیٹنے اور باندھنے لگے تھے۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہلال بن علقمہ اور البانہ دونوں میاں بیوی بھی اپنا سامان سمیٹ کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ اتنی دیر تک

عتبہ بن ہشام اور رجینا نے بھی اپنا سامان باندھ کر اپنے گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لشکر نے وہاں سے وادی رود کا رخ کیا تھا۔

اس سے پہلے مسلمانوں کا لشکر تین حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اصفہان کے نواح میں رستاک کے میدانوں میں مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر نے ایرانیوں کے خاصے بڑے لشکر کو شکست دے دی تھی لیکن اب جو لشکر رستم کے بھائی ویلم اور اسفندیار نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جمع کیا تھا اس کی تعداد بہت زیادہ تھی لہٰذا مسلمانوں کے سالار نعیمؓ بن مقرن جو اس وقت ہمدان کی طرف مصروفِ کار تھے۔ اس لیے کہ ہمدان والوں نے پہلے صلح کر لی تھی اس کے بعد انہوں نے بغاوت اختیار کر لی تھی۔ ہمدان میں ایرانیوں کے سالار خسرو شنوم نے پہلے صلح کی تھی۔ اطاعت اور فرمانبرداری کی ضمانت دی تھی لیکن زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ خسرو شنوم نے بدعہدی شروع کر دی۔ لہٰذا فاروقِ اعظمؓ نے بھی نعیمؓ بن مقرن کو ہمدان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جب ویلم اور اسفندیار کے لشکر کے جمع ہونے کی خبریں نعیمؓ بن مقرن کے پاس پہنچیں تو ان کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر اکٹھا ہو کر ویلم اور اسفندیار پر حملہ آور ہو اور ان کا مقابلہ کریں لہٰذا انہوں نے ہمدان کا محاصرہ بڑی سختی سے کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمدان میں محصور ایرانیوں کے سالار خسرو شنوم نے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ صلح پر مجبور ہوا اور جذیہ دے کر مسلمانوں سے مصالحت کر لی۔ اس مصالحت کے بعد نعیمؓ بن مقرن بھی اپنے لشکر کو لے کر اس لشکر سے جا ملے تھے جو اصفہان کے نواح سے کوچ کرنے کے بعد ویلم اور اسفندیار کا مقابلہ کرنے کے لیے وادی رود کا رخ کیے ہوئے تھا۔

رستم کے دونوں بھائیوں ویلم اور اسفندیار دونوں کو خبر پہنچ چکی تھی کہ اصفہان کے نواح میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو بدترین شکست دی ہے لہٰذا ان دونوں بھائیوں نے قسم کھائی کہ وادی رود میں وہ نہ صرف اپنی گزشتہ بلکہ اصفہان کے نواح میں جو ایرانی لشکر کو ہزیمت اٹھانا پڑی ہے اس کا انتقام لیں گے۔ ویلم اور اسفندیار کے لشکر میں آذربائیجان کے جنگجو شامل تھے۔ جن کو اپنی تیغ زنی، جن کو اپنی تیر اندازی پر بڑا بھروسہ اور گھمنڈ تھا چنانچہ وادی رود میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے۔

اس موقع پر جبکہ دونوں لشکر اپنی اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔ عتبہ بن ہشام اور

ہلال بن علقمہ دونوں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں لشکر کے سالار نعیمؓ بن مقرن کھڑے تھے اور انہیں دیکھتے ہی عتبہ بن ہشام کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی ہلال بن علقمہ بول اٹھا۔

''امیر ایرانیوں کے سالار ویلم اور اسفندیار دونوں سے ہماری کچھ ذاتی رنجش ہے یہ دونوں رستم کے بھائی ہیں۔ آپ جانتے ہیں رستم کو میں نے ہی موت کے گھاٹ اتارا تھا اور اس کا سر کاٹا تھا ایسا میں نے اس لیے کیا تاکہ اس نے میری ایک ایرانی بہن کو آنکھوں سے محروم کر کے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اب میں انفرادی مقابلے کے لیے اترنا چاہتا ہوں اور ایسا میں ویلم اور اسفندیار سے انتقام لینے کی غرض سے کرنا چاہتا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ہلال بن علقمہ جونہی دم لینے کے لیے رکا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عتبہ بن ہشام بول اٹھا۔

''امیر! ہلال بن علقمہ میرا بھائی ہے اس معاملے میں یہ کچھ زیادتی کر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ رستم کو قتل کرنے اور اس کا سر کاٹنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے جبکہ میں نے اس سے پہلے ایسا کوئی کام نہیں کیا لہٰذا میری خواہش ہے کہ میں انفرادی مقابلے کے لیے میدان میں اتروں اور رستم کے بھائی ویلم اور اسفندیار کو انفرادی مقابلے کی دعوت دوں۔''

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ کے جواب میں نعیمؓ بن مقرن کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کچھ دیر بڑے غور سے ہلال بن علقمہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''ابنِ علقمہ، عتبہ بن ہشام کا کہنا درست ہے۔ دیکھو! میں تم دونوں کے حالات تفصیل سے جانتا ہوں۔ قعقاعؓ بن عمرو مجھے تم دونوں سے متعلق کئی مواقع پر بہت کچھ بتا چکے ہیں۔ ہلال بن علقمہ! تم برا مت ماننا نہ ہی اسے اپنی دل شکنی خیال کرنا۔ میں چاہتا ہوں انفرادی مقابلے کے لیے عتبہ بن ہشام اترے۔ تم اسے خوشی خوشی رخصت کرو تاکہ یہ انفرادی مقابلے کے لیے میدان کی طرف جائے۔''

ہلال بن علقمہ کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا۔ گھوڑے کا رخ موڑا، ہلکی سی چپت بن ہشام کے چہرے پر لگائی پھر کہنے لگا۔

''میرا رب اس انفرادی مقابلے میں تمہیں کامیاب اور سرخرو رکھے گا۔ اب تم جاؤ

میں تمہاری فتح مندی کی دعا مانگوں گا۔'' اس کے ساتھ ہی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور میدان کے وسطی حصے کی طرف بڑھا تھا۔

میدان کے وسطی حصے کی طرف جاتے ہوئے ایک بار بڑی انکساری سے عتبہ بن ہشام نے آسمان کی طرف دیکھا پھر اس کا سر اپنے گھوڑے کی زین کے بنے کی طرف جھک گیا تھا۔ اس کے بعد وہ بڑی عاجزی، بڑی انکساری سے دعا مانگ رہا تھا۔

''اے اللہ ہم اندھیری مسافتوں کے مسافر تھے۔ سلگتی زمین پر جرائم کی فہرست طویل کرنے والے سزاؤں کے دائروں کو پامال کرنے والے تھے۔ اے اللہ خوف کی بازگشت ہوس کی مضراب اور روح کے گرداب میں پھنسے ہم امن کے سوداگروں کے بھیس میں بغض کا پتھر تھے۔ اے اللہ! تاریکی کی دہکتی سانسوں میں اجالوں کو ریزہ ریزہ کرنے والے تھے۔

میرے اللہ! تیری مہربانی کہ تو نے ہمارے اندر اپنے آخری رسولﷺ کو مبعوث کر کے ہمیں حدیثِ مہر و وفا۔ خیر کے گلاب رنگوں، نیکی کی دودھیا چاندنی وحدانیت کے لعل و مرجان سے روشناس کروایا۔ اے اللہ! تیری مہربانی کہ تو نے ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال کر سچائیوں کے در و بام پر کھڑا کیا۔

اے اللہ بھاگتے زمانے کی دہلیز پر تو ہی ذات کی الجھنوں، ندامتوں کی بلندیوں اور درد فرقت کے بگولوں کو محبتوں کے خمار، رسیلی صداؤں، خوشبو بھری تمناؤں میں تبدیل کرتا ہے۔ اے اللہ! تیرے ہی حکم پر راستوں پر دھول اڑاتی آندھیاں، ابتداء سے انتہا کو بھاگتا وقت سمندر کی طرف بھاگتے ساگر آواز و انداز سے ماورا سوچ کی اترتی سنگین کرنیں آسمان پر سرگرداں بادلوں کی کشتیاں، جھینگروں کے گیت گاتی بستیاں، زمین کی تہہ میں گردش کرتے آتش فشانی لاوے تیرے ہی حکم، تیری ہی کُن سے اپنے اپنے کام میں سرگرداں ہیں۔

اے اللہ! تیرے ہی نام کی ابتداء سے تیرا ہی مقدس نام لے کر میں مقابلے کے اس میدان میں اترا ہوں۔ اے اللہ! طبقہ داری کی نفرت رکھنے والوں کے خلاف مجھے کامیاب، بستیوں میں زہر گھولنے والوں کے خلاف مجھے فوزمند واحدنیت پر بت پرستی کا غلاف چڑھانے والوں کے خلاف مجھے سرخرو اور لفظوں میں گناہوں کی حدت پیدا کرنے والوں کے خلاف کامران کر کے نکالنا۔ اے اللہ! اس نشرگاہِ زیست میں تو ہی

خباثتوں کی گہرائیوں میں ہمارا پشت بان تو ہی گناہوں کی تمازت میں ہمارا رکھوالا ہے۔ اے اللہ! میری تم سے التجا اور دعا ہے کہ مجھے دشمن کے مقابلے میں روشنی کے گیتوں سی فوزمندی اور صبح آزادی سی کامیابی عطا کرنا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عتبہ بن ہشام کی گردن سیدھی ہوگئی تھی۔ چھاتی تن گئی تھی پھر اس نے اپنی تلوار ڈھال سنبھال لی تھی۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اس کی رفتار تیز کی۔ میدان کے وسطی حصے میں آیا اور ایرانیوں کے لشکر کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں اس نے پکارتے ہوئے کہا۔

''میں رستم کے دونوں بھائیوں ویلم اور اسفندیار کو انفرادی مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر وہ ہمت اور جرأت رکھتے ہیں، میدان میں اتریں اور میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرتے ہوئے تیغ زنی کے اپنے جوہر دکھائیں۔''

اپنی للکار کے جواب میں تھوڑی دیر تک عتبہ بن ہشام خاموش رہا۔ جب ایرانی لشکر کی طرف سے کسی ردعمل کا اظہار نہ ہوا تب اس نے دوسری بار مقابلے کے لیے للکارا پھر بھی کوئی نہ نکلا۔ تب اس نے تیسری بار آواز دی۔ اس کے جواب میں سفید گھوڑے پر سوار ایک شہسوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا نکلا۔ وہ کیونکہ بار بار اپنے گھوڑے کی باگ کھینچتا تھا لہٰذا اس کا گھوڑا کلیلیں کرتا ہوا آ رہا تھا۔ عتبہ بن ہشام کے قریب آ کر وہ رکا۔ ایک قہر بھری نگاہ اس نے عتبہ بن ہشام پر ڈالی پھر پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

عتبہ بن ہشام نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔ ''عتبہ بن ہشام''

''مسلمانوں کے لشکر میں تمہاری حیثیت کیا ہے۔'' آنے والے اس ایرانی شہسوار نے پھر پوچھ لیا تھا۔

''میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مسلمان لشکری سب برابر ہیں لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں اس لشکر میں سب سے نچلے درجے کا ایک گمنام لشکری ہوں۔''

''اگر تمہاری یہ حیثیت ہے تو پھر تمہیں یہ کیسے جرأت ہوئی کہ تم رستم کے بھائی ویلم اور اسفندیار میں سے کسی کو انفرادی مقابلے کے لیے للکارو۔''

اس ایرانی کی اس رعونت آمیز گفتگو سن کر غصے میں عتبہ بن ہشام کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا لہٰذا جواباً وہ بھی دھاڑتی آواز میں کہنے لگا۔

''تو مجھے پاگل اور باؤلا لگتا ہے...... دیکھ یہ تو ویلم اور اسفندیار ہیں...... کیا تجھے یہ خبر نہیں کہ رستم کو جو نا صرف ایران کے سارے لشکریوں کا سالارِ اعلیٰ بلکہ ایرانی مملکت کا کرتا دھرتا تھا۔ اسے میرے جیسے ہی ایک گمنام لشکری نے موت کے گھاٹ اتارا اور اس کا سر کاٹ کر رکھ دیا۔''

عتبہ بن ہشام کی اس گفتگو سے آنے والا وہ ایرانی شرم سار سا ہوگیا تھا۔ کچھ سوچ رہا تھا کہ عتبہ بن ہشام نے پھر اسے مخاطب کیا۔

''تو گفتگو کو طول نہ دے۔ بتا تیرا نام کیا ہے تو ویلم ہے یا اسفندیار۔ دیکھ! میں نے ان دونوں کو مقابلے کی دعوت دی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ دونوں مقابلے پر اترتے۔ بہرحال اگر تو آیا ہے تو بتا تو ویلم ہے یا اسفندیار۔''

اس پر وہ آنیوالا سورما قہر بھرے انداز میں گھورتے ہوئے عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں ویلم ہوں نہ اسفندیار...... تو نے کیونکہ ان دونوں کو مقابلے کے لیے للکارا تھا لہٰذا اتنے بڑے ایرانی لشکر کو چھوڑ کر ان کا تمہارے مقابلے پر آنا ان کی توہین ہے۔ اس بنا پر میں آذربائیجان کا سورما مقابلے پر اترا ہوں اور تجھے بتائے دیتا ہوں کہ تجھے زیر کیے بغیر اور تیرا سر کاٹے بنا اس میدان سے باہر نہیں نکلوں گا۔''

آذربائیجان کا رہنے والا وہ تیغ زن جب خاموش ہوا تب عتبہ بن ہشام اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر تو ویلم اور اسفندیار نہیں بلکہ آذربائیجان کا رہنے والا کوئی سورما اور تیغ زن ہے تو پھر میں تیرا نام نہیں پوچھوں گا پر یہ سن رکھ کہ تیرے جیسے ستم طرازیاں کرنیوالے ایمان کی کوکھ کی سوداگری کے رسیا، خون کے شعلے بھڑکانے، ایقان کی گود زخمی فکر و اظہار اور جرأت کے چور میں نے اپنی زندگی میں بہت دیکھ رکھے ہیں۔ دیکھ اپنی تلوار کو حرکت میں لا۔ ڈھال بھی آگے بڑھا اور مجھ پر حملہ آور ہو پھر دیکھ تیرے کاسئہ تقدیر میں میں کیسے اور کس طرح محرومیوں کی آتش بدبختیوں کے قصے تاریک شب کی خونی داستانیں بھرتا ہوں۔ آ...... مجھ سے ٹکرا تاکہ وقت کی آنکھ دیکھے کہ میں کیسے اور کس طرح تیری سوچوں کے آنگن میں غموں کی اندھی یلغار تیری شادمانی کی ساعتوں میں بنجر زمین کی بدبختی تیرے تسکینِ دل و جان میں راہوں کا آشوب، تیری کامرانیوں کی کہکشاؤں میں

دہکتی ناکامیاں بھرتا ہوں۔ دیر نہ کر۔ آ...... مقابلے کی ابتداء کریں تاکہ تو ہی نہیں یہ تیرے پیچھے کھڑے ایرانی لشکری بھی دیکھیں گے میں کیسے اور کس طرح وقت کی سلگتی صداؤں میں اپنی شمشیر کی نوک سے اپنے لیے امرت برساتی کامیابی اور فوزمندی کی داستانیں رقم کرتا ہوں۔‘‘

عتبہ بن ہشام کے یہ الفاظ سن کر آذر بائیجان کا وہ تیغ زن تاؤ کھا گیا تھا۔ انتہائی غضب ناک انداز میں اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھا اور پھر وہ ہر شے کی سانسوں کو زہر آلود کرتے شکست ریخت کے قاصد زندگی کی آوازوں کو ناتمام کرتے تباہی کے تلاطم اور زرد صحراؤں کی کوکھ کی کہانیوں کو جنم دیتے سیاہ گھناؤنے عزائم کی طرح عتبہ بن ہشام پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

عتبہ بن ہشام کچھ دیر تک اس کے حملوں کو روکتا رہا۔ اس کے بعد اس نے دفاع کی چادر پھاڑ پھینکی تھی۔ جارحیت پر اترا اور پھر وہ بھی وقت کی اڑتی گرد میں تلخ حقیقتوں کے گہرے زخم دیتے انصاف کے متلاشیوں، ذہن کی شیرازہ بندی تک بکھیر دینے والے موت قضا کے جھکڑوں، خلاؤں کی شہ نشین پر کھڑے ہو کر اپنی فتح مندی کا نعرہ لگانے والے قضا کے نقیبوں اور تباہی کی دہلیز تک کو ویران اور گھن زدہ بوسیدگی دے دینے والے آتش کے جوار بھاٹے کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچے انہیں دائیں بائیں کرتے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہے پھر ایک موقع پر آذر بائیجان کے اس تیغ زن نے ایک ہولناک وار عتبہ بن ہشام پر کیا اور عتبہ بن ہشام نے اس کی تلوار کے وار کو اپنی ڈھال پر روکا ساتھ ہی اپنی تلوار جب اس نے اس سورما پر برسائی تو اس نے بھی اپنی ڈھال پر عتبہ بن ہشام کے وار کو روکا۔ اس موقع پر عتبہ بن ہشام نے ایک نئے کام کی ابتداء کی اس نے چونکہ اپنی ڈھال پر آذر بائیجان کے سورما کی تلوار کو روکا تھا لہٰذا وہ اپنی ڈھال کو تھوڑا سا نیچے لے جا کر ایک دم پوری طاقت اور قوت سے اس نے اپنی ڈھال کو اوپر اٹھا کر مارا اور اس کی ڈھال اس سورما کی کہنی پر اس قدر زور اور سختی سے لگی کہ وہ بلبلا اٹھا۔ اس موقع پر اپنی ڈھال کو عتبہ بن ہشام پھر حرکت میں لایا اور پوری قوت سے اپنی ڈھال اس کے منہ پر دے ماری تھی۔ اس پر وہ لڑکھڑایا اور اپنے گھوڑے سے گر گیا۔ عین اسی لمحہ عتبہ بن ہشام نے جست لگائی اور اس کے دونوں پاؤں اس سورما کی تلوار

پر گرے تھے یہ صورتِ حال اس کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔ چہرہ اس کا پیلا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر عتبہ بن ہشام مسکرایا پھر اس کی تلوار کے اوپر سے وہ ہٹ گیا۔ چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد اس سورما کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

’’جس وقت تو اپنے گھوڑے پر سوار کلیلیں کرتا ہوا میدان میں اترا تھا میں سمجھا تو بڑا نایاب اور بڑا جوشیلہ اور جنگ کی ہنرمندی رکھنے والا تیغ زن ہو گا لیکن تیرے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے تو تو تیغ زنی کے اس فن میں خام کار ہے پھر کس احمق اور بدبخت نے تجھے میدان میں مقابلے کے لیے اتار دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ویلم یا اسفندیار میں سے کوئی اس انفرادی مقابلے کے لیے اترتا۔ اگر ان دونوں میں سے کسی نے تمہیں انفرادی مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں اتارا ہے تو ایسا انہوں نے تجھے موت کا لقمہ بنانے کے لیے بھیجا ہے۔

اور اگر اپنے گھمنڈ، اپنی شیخی، اپنے تمرد اور اپنی ہٹ دھرمی کو سامنے رکھتے ہوئے تو خود انفرادی مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں اترا ہے تو پھر ایسا کر کے تو نے حماقت کا ثبوت دیا ہے۔

دیکھ حقیقت میں اس مقابلے کے دوران میں تجھے زیر کر چکا ہوں جس وقت تو گھوڑے سے گرا تھا میں نے جب جست لگائی تو میں نے اپنے دونوں پاؤں تیری تلوار پر رکھے تھے اور تو میرے سامنے زمین پر بے بس پڑا تھا اس موقع پر اگر میں چاہتا تو اپنی تلوار گرا کر تیرا سر کاٹ سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا ہوں۔ اٹھ...... ایک بار پھر میرے ساتھ مقابلہ کر اور اپنی قسمت کو آزما پھر دیکھ میں کیسے اور کس طرح تیرے جسم پر موت کا غلاف چڑھاتا ہوں۔‘‘

عتبہ بن ہشام کے ان الفاظ پر وہ کپکپا سا گیا تھا۔ بڑی بددلی سے وہ اٹھا۔ اپنی تلوار ڈھال سنبھالی دوسری طرف اس کے سامنے کھڑے ہو کر عتبہ بن ہشام بھی اپنی تلوار اور ڈھال لہرانے لگا تھا۔ اچانک وہ آذر بائیجان کا رہنے والا سورما بھاگ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے بھی بھاگ کر لمبی جست لی اور اپنے گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ اس وقت عتبہ بن ہشام نے یہ سوچا کہ شاید وہ آذر بائیجانی دھوکہ دہی سے کام لے کر اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اس پر ضرب لگائے گا لہٰذا وہ بھی بھاگ کر اپنے گھوڑے پر ہو بیٹھا تھا۔

لیکن اس آذر بائیجانی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ دوبارہ عتبہ بن ہشام سے مقابلے کی ابتداء کرے۔ شاید وہ عتبہ بن ہشام کی تیغ زنی میں مہارت اور اس کے سامنے اپنی خام کاری کا اندازہ لگا چکا تھا لہٰذا گھوڑے پر بیٹھتے ہی اس نے گھوڑے کو سخت ایڑ لگائی اور چاہتا تھا کہ بھاگ کر اپنے لشکر کی طرف چلا جائے۔ اس طرح وہ مقابلے سے پہلو تہی کر کے اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔

اس موقع پر عتبہ بن ہشام کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا پھر بلند آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح گھوڑے کو ایڑھ لگا کر تو اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے گا تو یہ تیری خودفریبی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی اپنی زین کے ساتھ بندھا ہوا چھوٹا لوہے کا نیزہ عتبہ بن ہشام نے سنبھالا۔ فضا میں اسے تولا اور پھر تاک کر ایسا مارا کہ اس کا نیزہ اس آذر بائیجانی سورما کے جسم کو چیرتا ہوا پار نکل گیا تھا۔

اس آذر بائیجانی سورما نے ایک ہولناک چیخ بلند کی پھر وہ اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔ عتبہ بن ہشام آگے بڑھا اس کے جسم سے اپنا نیزہ نکال کر صاف کر کے اپنی زین سے باندھا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ دوبارہ میدان کے وسطی حصے میں آیا اور ایرانی لشکر کی طرف منہ کر کے پوری طاقت اور قوت سے للکارتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں رستم کے بھائی ویلم اور اسفندیار دونوں کو انفرادی مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں رستم کے اور بھی بھائی ہیں وہ بھی اگر اس لشکر میں شامل ہوں تو ان میں سے بھی اگر کوئی انفرادی مقابلے پر نکلنا چاہے تو میدان میں اترے۔“

عتبہ بن ہشام کے دو تین بار کی پکار کے جواب میں جب کوئی انفرادی مقابلے کے لیے میدان میں نہ اترا تو وہ اپنے لشکر کی طرف واپس چلا گیا تھا۔

یہ معاملہ ایرانیوں کے لیے بڑا اندیشہ ناک تھا کہ انفرادی مقابلے میں ان کے آذر بائیجانی سورما کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور عتبہ بن ہشام نے اسے میدانِ جنگ میں کاٹ کر رکھ دیا تھا لہٰذا ایرانیوں نے جنگ کی ابتداء کرنے میں جلدی سے کام لیا کہ کہیں انفرادی مقابلہ ہارنے کی وجہ سے ان کے لشکریوں کے حوصلے پست نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ رستم کے بھائی ویلم اور اسفندیار نے اپنے پورے لشکر کو رات کے بجھتے

الاؤ میں سنسان اور ویران کر دینے والی سلگتی بربادیوں کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ صحرا کی اُویرانیوں پر پھیلی وحشت بھری تنہائیوں میں نمودار ہو کر ہر شے کی سلوٹیں نکالتی آندھیوں، جسم کے ہر ریشہ ہر رگ کی کانٹ چھانٹ کی ابتداء کرتی ہولناک بربادیوں اور موسموں کے کرب کی طرح سوچوں اور گمان کو منجمند کرتی چبھتی برفیلی ہواؤں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ایرانیوں کے لشکر کی تعداد گو زیادہ تھی مسلمان ان کے مقابلے میں تعداد میں کم تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے بھی دہکتے سورج تلے فنا کی قہرمانیت اور وقت کے بیابانوں میں ریاکاری کی بستیاں برباد کرتی۔ احساس کی بھڑکتی آگ کی طرح پیش قدمی شروع کی اس کے بعد مسلمان ایرانیوں پر قوت کے آگے سر جھکا کر اسیری کی نفرت کا شکار کرتی بے انت کڑوی داستانوں، دلوں میں کرب، ذہنوں میں آگ، خیالات میں اندیشے، لفظوں میں حدت تن من میں زہر جذبات میں تھکاوٹ احساسات میں بیزاری ولولوں میں اکتاہٹ عزائم میں زوال پذیری اور انا میں ذلت کے نقوش بھر دینے والی زمستانی ہواؤں اور سراسیمہ کر دینے والی اذیتوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے موت کے ان میدانوں میں موت کی شدت ہر گھمنڈ ہر بے نیازی کی ردا پھاڑتے ہوئے چاروں طرف جور و جبر زیست کی گھٹن، اعضاء شکنی پھیلانے لگی تھی۔ تاریکیوں و ریزہ ریزہ کرتے کھولتے آتش فشانی دھارے وقت کے پاؤں شل کرنے لگے تھے۔ امنگوں میں لپٹی خواہشوں پر درد کے طوفان زیست کے بادلوں پر المناک عذابوں کی اذیتوں کا نزول شروع ہو گیا تھا۔

رستم کے بھائی ویلم اور اسفندیار نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنی کامیابی کو یقینی بنائیں لیکن مسلمان لمحہ بالمحہ اس پر چھاتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں بھائیوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

جنگ شروع کرنے سے پہلے قزوین کے اندر جو لشکر تھا وہاں کے حاکم نے اس لشکر سے ویلم اور اسفندیار کی مدد کی تھی اور شرط یہ رکھی تھی کہ اگر کسی دور میں مسلمان قزوین پر حملہ آور ہوں گے تو ویلم اور اسفندیار بھی ان کی مدد کریں گے۔

چنانچہ رود کے میدانوں میں بدترین شکست اٹھانے کے بعد جب ویلم اور اسفندیار بھاگ کھڑے ہوئے تب مسمانوں نے قزوین شہر کا رخ کیا۔ قزوین شہر کے لوگوں کو

امید تھی کہ ویلم او اسفندیار بے شک رود کے میدانوں میں شکست اٹھا کر بھاگے ہیں لیکن جب مسلمان قزوین کا محاصرہ کریں گے تو باہر سے ویلم اور اسفندیار ضرور ان پر ضرب لگائیں گے۔

چنانچہ جب مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کیا تو ویلم او اسفندیار دونوں بھائیوں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ قزوین کے ساتھ معاہدہ طے ہونے کے مطابق ان کی مدد کرتے بلکہ بقول مؤرخین جس وقت مسلمانوں نے قزوین کا محاصرہ کیا ویلم اور اس کا بھائی اسفندیار ایک بلند کوہستانی سلسلے پر کھڑے ہو کر یہ تماشا دیکھتے رہے۔ آخر قزوین شہر بھی مسلمانوں کے آگے سرنگوں ہو گیا۔

قزوین کے فتح ہونے کے بعد مسلمانوں کے لشکر نے شہر کے باہر پڑاؤ کر لیا تھا۔ اب مسلمانوں کے لشکر میں ایران کی سرزمینوں سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ بھی اسلام قبول کرنے کے بعد لشکر میں شامل ہو چکے تھے۔ چنانچہ قزوین کی فتح کے دوسرے روز جس وقت حضرت قعقاعؓ بن عمرو، دیگر اصحاب کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ کے علاوہ بنو تمیم کے دونوں جوان سعد بن قیس اور برق بن سعد کے علاوہ بہت سے سرکردہ اصحاب اور سالار بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نو مسلم ایرانی حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نے مختلف جنگوں میں حصہ لیتے ہوئے یہ اندازہ لگایا ہے کہ جنگ کے دوران جو غیر مسلم گرفتار ہوتے ہیں انہیں غلام بنا لیا جاتا ہے۔ کیا غلام صرف غیر مسلموں کو ہی بنایا جاتا ہے یا غیر عربوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے یا خود عربوں کے اندر بھی غلامی کا رواج ہے۔''

اس نو مسلم کے اس سوال پر قعقاعؓ بن عمرو نے کچھ سوچا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''سن میرے عزیز! جنگ کے دوران دوسروں کو غلام بنانے کا دستور مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ مشرق قدیم اور اسلام سے پیشتر یہ دستور عرب کے علاوہ دوسری اقوام میں بھی موجود تھا۔ اکثر غلام اصل و نسل کے اعتبار سے باہر کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ عرب غلام بھی موجود تھے۔ عربوں کے دستور کے مطابق وہ زرِ فدیہ ادا کر کے آزاد ہو سکتے تھے۔ اس سلسلے میں جو اسلامی قانون تیار ہوا ہے اس کی بنیاد بھی اسلام سے پیشتر

عربی مراسم پر قائم کی گئی ہے یعنی اس کے مطابق غلامی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ اصولاً اور قانوناً غلاموں کا اخلاقی درجہ بلند کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے لیے آزادی کے حاصل کرنے کے امکانات باہم پہنچائے گئے ہیں۔ خداترس مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ غلام آزاد کریں تو اس نیک کام کا بدلہ انہیں بہشت میں ملے گا۔ (تاہم غلامی اسلامی معاشرے کا جز اس وقت تک بنی رہی جب تک انیسویں صدی میں تقریباً تمام اسلامی ملکوں نے اسے منسوخ نہ کر دیا)

غلام یا تو خریدے جاتے ہیں یا جنگ میں غنیمت کے طور پر آتے ہیں۔ آخری قسم کے بارے میں ہمیں اسلام کے جنگی قانون کی حیثیت پر غور کرنا ہے۔ پہلی قسم ہمارے موضوع سے خارج ہے اور اس پر قانونِ فروخت کے سلسلے میں بحث کی جا سکتی ہے۔

دشمن پر فتح پانے کے بعد مسلمانوں کا سرکردہ یا خلیفہ مفتوح علاقے کی آبادی کے ایک حصے کو غلام قرار دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلام قبول نہ کریں اور ان سے کام کرنے اور اخراج دینے کا مطالبہ نہ کریں یہ لوگ عنائم جنگ کے ساتھ مجاہدوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جس شخص کو غلام ملتا ہے وہ شرعاً اپنے آپ کو آقا اور مالک سمجھتا ہے لیکن اس پر یہ پابندی عائد ہے کہ غلام کے ساتھ نرمی اور ملائمت کا برتاؤ کرے۔ اس کے ساتھ حقیقی مہربانی سے پیش آئے۔ اگر مرد کی جگہ عورت بطورِ کنیز آتی تو مرد کو اس سے تمتع کا حق ہوتا لیکن وعدہ رہے کہ شوہر اور بیوی دونوں غلام بن کر آتے تو انہیں الگ الگ کرنا ممنوع تھا اور بچوں کو بھی والدین سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عمروؓ بن عمرو رکے پھر دوبارہ اس نو مسلم کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے۔

''جہاں تک تمہارا یہ سوال ہے کہ کیا عربوں کو بھی غلام بنایا جاتا رہا ہے تو عربوں کو غلام بنایا جاتا رہا ہے۔ حضورؐ اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بعض مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً بنو مصطلق کے لوگ غلام بنائے گئے تھے جبکہ حضورؐ کا نکاح اسی قبیلے کی صاحبزادی ام المومنین جویریہؓ سے ہوا تھا تو قبیلے کے ایک سو غلام آزاد کر دیئے گئے۔ قبیلہ ہوازن کے افراد بھی غلام بنائے گئے تھے لیکن وہ حضورؐ کی رضائی والدہ حلیمہ سعدیہؓ کی وجہ سے نیز طلب لطف کی وجہ سے رہا کر دیئے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی بنو ناجمہ کو غلام بنایا تھا لیکن فاروق اعظمؓ عربوں کو غلام بنانے کے خلاف ہیں اس لیے کہ ایک موقع پر انہوں

نے فرمایا۔

''عربوں کو مملوک بنانے کا حق کسی کو نہیں۔'' ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ عرب اسلام کے مددگار ہیں۔ فاروق اعظمؓ عربیت سے بہت متاثر ہیں۔ وہ غیر عربوں کو بھی غلام بنانے کے حق میں نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ شام اور عراق کی آبادی کھیتی باڑی کا کام کرے اور خراج دے اور اسے غلام بنانے کی نوبت نہ آئے۔

اسلام میں غلام کے لیے آزادی حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں۔ وہ اپنے آقا سے بطور احسان یا فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ غلاموں کو آزاد کریں اس کے لیے دنیا میں بھی ثمر پائیں گے اور آخرت میں بھی۔ پس یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں غلام کو ہمیشہ کے لیے غلامی کی مصیبت میں مبتلا نہ کیا گیا تھا۔ اسے اپنی زندگی میں آزادی حاصل کر لینے کا موقع ملتا ہے۔ ہمارے موجودہ زمانے میں بھی یہی دستور رائج ہے کہ جنگ میں قیدی بنائے جاتے ہیں اور انہیں رکھنے کا دستور یہی ہے کہ مختلف آدمیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے وہ کام بھی لیتے اور کھانا بنانے کے ذمہ دار ہوتے لیکن انہیں احسان رکھ کر یا فدیے دے کر چھوڑنے کی بھی راہ بتائی گئی بلکہ اسلام نے لوگوں کو یہ بھی وصیت کی کہ غلاموں سے کھانے پینے میں برابر کا برتاؤ کیا جائے اور کام ایسا نہ لیا جائے جو طاقت سے زیادہ ہو۔''

بن عمرو کے جب اس نومسلم نے دوسرا سوال داغ دیا۔ ''کیا سب مسلمانوں کو ایک جیسا خیال کیا جاتا ہے اور ان میں مساوات قائم کی جاتی ہے؟''

اس پر حضرت قعقاعؓ بن عمرو کہنے لگے۔ ''مسلمان حقوق کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ اس سلسلے میں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور یہی اسلامی معاشرے کی فوقیت ہے۔ میرے عزیز! اس کے باوجود یہ دنیا کا دستور ہے کہ ہر نوع کو کمال ان اوصاف کے حصول سے میسر آتا ہے جو اس نوع کے ساتھ مخصوص ہو اور ان آثار کے صدور سے عمل سے آتا ہے جو اس نوع سے مطلوب ہوں۔ ان ہی اوصاف کی کمی یا بیشی کی وجہ سے بعض افراد بعض پر فضیلت حاصل کر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک کو آسمان دوسرے کو پستی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

انسان باقی تمام اجسام کے ساتھ جگہ گھیرنے اور فضاء میں موجود ہونے کے اعتبار

سے برابر کا شریک ہے۔ اسی طرح غذا حاصل کرنے اور نشوونما پانے کی رو سے یہ نباتات کا شریک ہے اور سانس لے کر زندہ رہنے، حرکت ارادی اور احساس کی رعایت سے یہ بے زبان جانوروں کے زمرے میں آتا ہے اسے اگر امتیاز حاصل ہے تو صرف اس قوت گویائی کی وجہ سے جو اسے عطا کی گئی ہے اور ان امور کی وجہ سے جو اس کے تابع ہیں۔ مثلاً عقل علوم ضروریہ، پسندیدہ نیک اعمال نظر و استقلال کی اہلیت اس نظر و استقلال کے ذریعے مدارج کمال میں ترقی کرنے اور نیز یہ جاننے کی وجہ سے وہ کون سی بات ممکن ہے اور کون سی ناممکن ہے لہٰذا اس کا کمال اس بات پر مظہر ہے کہ وہ معقولات کا تصور کرے۔ نامعلوم امور کو پالے اور ان حسنہ پہلو کو اپنا لے جو نیک اعمال کے تابع ہیں۔ چنانچہ انسان کو اپنی ذات اور جسم کے معاملے میں باقی تمام حیوانات پر فضیلت حاصل ہے۔ تاہم انسان کی ذاتی فضیلت اس قوت مفکرہ کی بدولت ہے جس کے ساتھ عقل علم حکمت تدبیر اور رائے وابستہ ہوتی ہے۔ اگرچہ حس تمام چوپائیوں میں بھی پائی جاتی ہے بعض میں تو قوت متخیلہ بھی ہوتی ہے تاہم نہ ان میں قوت متفکرہ ہوتی ہے اور نہ سوچنے کا مادہ نہ ہی معلوم اور نامعلوم کے درمیان امتیاز رکھنے کی قوت نہ وہ اشیاء کی علت اور اسباب کو جانتے ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ ایسی صفتوں کو سیکھ سکیں جن میں غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

میرے عزیز! انسان ساری مخلوقات میں افضل ہے لیکن اسلامی معاشرے میں انسانوں کے اندر فضیلت اسے ہی حاصل ہے جو تقویٰ میں دوسروں کی نسبت بازی لے جاتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قعقاعؓ بن عمرو جب خاموش ہوئے تو وہ نومسلم کہنے لگا۔

''آپ نے میرے دو سوالوں کا بڑا تسلی بخش اور عمدہ جواب دیا۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں ایک اور سوال پوچھ سکتا ہوں۔''

جواب میں قعقاعؓ بن عمرو مسکرائے اور کہنے لگے۔

''ایک چھوڑ کئی سوال پوچھ سکتے ہو۔ بولو اب کیا پوچھنا ہے؟''

اس پر وہ نومسلم مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''آپ لوگ لفظ عرب کا اطلاق کن پر کرتے ہیں۔''

قعقاعؓ بن عمرو مسکرائے پھر کہنے لگے۔ ''دراصل عرب ایک ایسی قوم کا نام ہے

جس میں چند اوصاف جمع ہو گئے ہیں۔

پہلا یہ کہ ان کی زبان عربی ہو دوسرا یہ کہ وہ عربوں کی اولاد میں سے ہوں۔

تیسرے یہ کہ ان کا مسکن عرب کی زمین ہو یعنی جزیرۃ العرب کے رہنے والے ہوں۔

جزیرۃ العرب بحرہ قلزم سے لے کر بصرہ تک اور یمن میں حجر کی آخری حدود سے لے کر شام کی اولین حدود تک ہے۔ اس طرح کہ یمن کا علاقہ تو اس میں آ جائے مگر شام کا علاقہ شامل نہ ہو۔ عرب لوگ اس علاقے میں حضورؐ کی آمد سے پہلے بھی آباد تھے اور حضورؐ کی آمد کے وقت بھی۔

مگر جب اسلام آیا اور مختلف علاقے فتح ہوئے تو عربوں نے دیگر علاقوں میں بھی سکونت اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ (اس طرح مشرق کی آخری حدود سے لے کر مغرب کی آخری حدود اور شام کے ساحلی علاقوں اور آرمینیا تک عرب آباد ہو گئے حالانکہ اصلاً یہ علاقے ایرانی رومن اور بربری وغیرہ قوموں کی آبادی پر مشتمل تھے پھر یہ علاقے دو قسموں میں منقسم ہو گئے کچھ علاقے ایسے تھے جہاں کے باشندوں کی اکثریت عربی زبان بولتی تھی چنانچہ وہاں کے لوگ یا تو عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان جانتے ہی نہ تھے یا عرب زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبان بھی جانتے تھے مگر ان کی عربیت میں غیر عربی محاورہ داخل ہو گیا تھا۔ یہ عالم شام عراق مصر اور اندلس وغیرہ کی بیشتر بستیوں کا تھا۔ فارس اور خراسان کے علاقے کا حال بھی مدتوں سے ایسا ہی چلا آ رہا تھا۔ کچھ علاقوں میں عربی زبان کی اکثریت تھی اور اسی کا غلبہ تھا۔ مثلاً ترکستان خراسان آرمینیا اور آذربائیجان وغیرہ پھر یہ علاقے تین حصوں میں تقسیم ہو گئے وہ جو ابتداً عربی تھے وہ عربی بن گئے اور وہ جو عجمی تھے)''

اس کے بعد قعقاعؓ بن عمرو پھر مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''تیرے علم میں اضافہ کرنے کے لیے میں تم سے ایک اور بات بھی کہتا ہوں۔ دیکھ عربوں کے لیے عرب کی سرزمین میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں عرب اور اعراب عموماً شہر کے رہنے والوں کے لیے عرب بولا جاتا ہے اور صحرا کے رہنے والوں کے لیے اعراب مگر عرف عام میں لفظ عرب کا اطلاق دونوں پر ہی ہوتا ہے۔ اس بات کو تم یوں کہہ سکتے ہو کہ اعراب کا لفظ دراصل صحرا نشین عربوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ہر قوم میں شہری بھی ہوتے ہیں اور صحرا نشین بھی چنانچہ عرب بادیہ نشینوں کو اعراب کہتے

ہیں جیسے رومنوں کے بادیہ نشین ارمن وغیرہ کہلاتے ہیں اور ایران کے بادیہ نشین کردی وغیرہ اور ترکستان کے تاتاری کہلاتے ہیں۔''

قعقاعؓ بن عمرو جب خاموش ہوئے تب وہ نومسلم آپؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہاں رہتے ہوئے لشکر میں کام کرتے ہوئے میں نے اکثر سنا ہے کہ عرب ایک ایسی قوم ہے جو دیگر اقوام میں از روئے گویائی، فساد، گفتار اور بلاغت بیان مشہور چلی آتی ہے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔''

جواب میں ابن عمرو کہنے لگے۔ ''جو کچھ تو نے سنا ہے درست ہے۔ یہ بات دوسری اقوام میں بھی مشہور ہے کہ تمام قوموں میں عربوں کی فصیح البیانی ایک مخصوص علامت ہے۔ میرے عزیز یہ بھی یاد رکھنا عرب ایک قدیم قوم ہے یہ قوم طوفانِ نوحؑ کے بعد اور نوح علیہ السلام کے زمانے میں عادِ اولیٰ، ثمود، عمالقہ طسم، جدیس، جرہم کی اولاد میں سے ان عرب اعراب کی صورت میں موجود تھی جنہیں ان سے نسبت ہے۔ پھر جب یہ زمانہ بھی گزر گیا تو یہ قومیں بھی ختم ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جس طرح چاہا انہیں ہلاک کر دیا۔ ازاں بعد عرب قوم ان اقوام کی شکل میں رونما ہوئی جن کا نسب حمیر، کہلان اور تبع کی نسل کے لوگوں کے علاوہ ان عرب متعربہ سے بھی قریب تھا جو عابر بن شالخ بن ارتخشند بن سام کی اولاد میں سے تھے اور جن کی طرف منسوب تھے۔

پھر اس حالت میں بھی عرصہ دراز بیت گیا مگر کیونکہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے شالخ بن عابر کی اولاد اوروں کے مقابلے میں زیادہ صاحبِ علم تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ابراہیمؑ بن تارح کو نبوت کے لیے مخصوص کر لیا۔ تارح کا اصلی نام آذر بن ناحور بن ساروخ بن ارغوب بن فالغ ہے۔ نمرود کے ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو واقعہ پیش آیا اس کا ذکر ہماری مقدس کتاب میں ملتا ہے پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کر کے حجاز کی طرف چلے آنے کا واقعہ ہوا تو آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حاجرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے حجر ہی میں رہ گئے تھے۔ اس بیابان میں سے جرہم قوم کے کچھ لوگوں کا گزر ہوا جن سے ان کا میل جول ہو گیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے بنو جرہم ہی کے درمیان پرورش پائی، ان ہی کے قبائل میں تربیت حاصل کی اور ان ہی کی زبان سیکھ لی حالانکہ آپ کے والد عجمی تھے۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر عمل میں آئی پھر اللہ تعالیٰ نے بنو جرہم اور عمالقہ کی

طرف حضرت اسماعیلؑ کو مبعوث کیا جو ان دنوں حجاز میں آباد تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کے تابع ہو گئے اس کے بعد ان کی نسل بڑھ گئی کہ آپ ایک نئی نسل کے ابواعلیٰ بن گئے۔ مثلاً مضر، ایاد، لقنار اور عدنان میں سے وہ لوگ جو ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں حضرت اسماعیلؑ کی ساری باقی اولاد ان سب کو العرب تابع للعرب کہتے ہیں۔

تم جانتے ہو کہ حضرت اسماعیلؑ ہی کی اولاد سے خداوندِ قدوس نے ہمارے اندر ہمارے محترم نبیؐ کو ہم مبعوث کیا جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جن کی تعلیمات کو ہم اپنے سینوں میں محفوظ کر چکے ہیں۔ سن میرے عزیز ہم عربوں پر خداوندِ قدوس کا بڑا احسان بڑا کرم ہے وہ اللہ جو ہر قسم کی تعریف کا سزاوار ہے اور جس کی شان بلند ہے۔ اقتدارِ عظیم جس نے اپنی قدرت سے تمام زمانوں اور موجودات میں تصرف کیا جس کی حکمت نے تمام عقلوں اور ذہنوں کو متحیر کر دیا وہ جو کچھ بھی چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہی اللہ ہم پر مہربان ہے اور اسی خدائے محترم نے ہمارے اندر ہمارے حضورؐ کو مبعوث کیا جن کی وجہ سے آج ہمیں یہ فضیلت حاصل ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قعقاعؓ بن عمرو جب خاموش ہوئے تو وہ نومسلم ایک مومنیت سے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جو کچھ میں نے پوچھا اس کا بڑی تفصیل کے ساتھ آپ نے مجھے جواب دیا۔ اس کے لیے میں آپ کا انتہا درجہ کا ممنون ہوں اور شکرگزار ہوں۔''

جواب میں قعقاعؓ بن عمرو کچھ کہنے لگے تھے کہ ایک شخص تیز تیز چلتا ہوا آیا اور کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی۔ اس پر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے خیموں کا رخ کر رہے تھے۔

قزوین شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ایک بہت اہم واقعہ تھا۔ اس لیے کہ قزوین قدیم ایران کے نامور شہروں میں شمار کیا جاتا تھا یہ موجودہ تہران کے مغرب میں واقع تھا اور ایک قدیم ترین شہر خیال کیا جاتا تھا۔ یہ شہر تہران سے اشک بغداد اور تبریز جانے والی شاہراہوں پر واقع تھا۔ اس شہر کو شاہ پور شاہ ایران نے تیسری صدی میں بسایا تھا سن چھ سو چونسٹھ میں اس پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور اس کو اپنا اہم مقام بنایا سن دس سو نوے میں قزوین کے قریب قلعہ الموت پر حسن بن صباح نے قبضہ کر لیا جبکہ شاہ طہماسپ اول نے یہاں بہت سی عمارتیں تعمیر کیں سن پندرہ سو اڑتالیس میں اس پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا جو تھوڑا عرصہ پہلے جنگِ عظیم میں یہ روس کے قبضے میں چلا گیا اور انیس سو اکیس میں روسی طیاروں نے بمباری کی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اس پر روس نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ قزوین ایک مردم خیز خطہ رہا ہے۔ یہاں کئی نامور شخصیات پیدا ہوئیں۔ جن میں مشہور و معروف محدث اور جامع حدیث اور سنن ابن ماجہ کے مصنف ابن ماجہ شامل ہیں۔

بہر حال قزوین پر قبضہ کرنے کے بعد اب مسلمانوں نے شہر کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی۔

جن دنوں مسلمانوں نے قزوین شہر پر قبضہ کیا تھا ان دنوں ایران کا شہنشاہ یزدگرد مرو شہر میں قائم کیے ہوئے تھا اسے جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں نے قزوین شہر پر بھی قبضہ کر لیا ہے تب بڑے بڑے ایرانی سپہ سالار اس وقت مختلف شہروں کے اندر لشکر لیے بیٹھے تھے۔ ان سارے سالاروں کو یزدگرد نے مرو شہر میں طلب کر لیا تھا۔ ان سالاروں میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے والے ایرانیوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ رستم کے تین

بھائی بہرام، ولیم اور اسفندیار کے علاوہ بڑے سالاروں میں سے اسپیدان، فیزان، ساؤخش، خسرو شنوم، زیلبی، بیکان، ارین بن ہرمزان اور کچھ چھوٹے سالار بھی شامل تھے۔ جب سب یزدگرد کے پاس جمع ہو گئے تب یزدگرد نے پہلے ان کا جائزہ لیا پھر انتہائی بے بسی میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! خسرو پرویز کے دور سے لے کر اب تک ہمیں مسلمانوں کے ہاتھوں لگاتار شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ عرب جو انتہائی بے بسی کے عالم میں صحرا کے اندر مقید تھے اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے ان کے اندر ان کے نبیؐ کے مبعوث ہونے سے یہ کیسے اور کس طرح کا انقلاب برپا ہو گیا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی عسکری طاقت اور قوت ان کے سامنے ٹھہرتی نہیں۔ ہم ہی نہیں اور بہت سی قوتوں کو انہوں نے پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں لگاتار شکستوں سے دوچار کیا ہے۔ ہمارے علاوہ انہوں نے رومنوں کو بھی اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے شام کے وسیع علاقوں سے انہوں نے رومنوں کو مار بھگایا ہے حتیٰ کہ اب مسلمان ارضِ شام کے چپے چپے پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ارضِ فلسطین کی طرف بھی متوجہ ہو رہے ہیں اور ان ساری زمینوں پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ ہماری مزید بدبختی کہ ہمارا کوئی بھی سالار مسلمانوں کے چھوٹے سے چھوٹے سالار کے سامنے جم کو مقابلہ نہ کر سکا۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کئی مواقع پر ہمارے ان کے ساتھ انفرادی مقابلے بھی ہوئے اور ایرانیوں کی بدقسمتی کہ ہر انفرادی مقابلے میں عربوں کا سورما ہی غالب اور ہمارا تیغ زن مغلوب رہا۔ کیا تم میں سے مجھے کوئی یہ بتائے گا کہ مسلمانوں کی اِن کامیابیوں ان کی اِن فتوحات کی کیا وجہ ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد یزدگرد جب خاموش ہوا تب بڑے سالاروں میں سے خسرو شنوم بولا اور یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''گزشتہ جنگوں میں میں نے کچھ مسلمانوں کو گرفتار کیا تھا۔ ان کا تعلق بنو ایاد سے تھا یہ عربوں کا قبیلہ ہے جو اس سے پہلے ہمارا ہمنوا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ انہیں ان کی راہ سے ہٹا دوں۔ میں نے بڑی ترغیب دی انہیں مال و دولت کا بھی لالچ دیا کہ وہ اسلام کو ترک کر کے پہلے کی طرح اپنے پرانے بت پرستی کے دین کی طرف آئیں او اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو انہیں مالا مال کر دیا جائے گا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میری

بات کو ماننے کی حامی تک نہیں بھری۔ انہوں نے دولت کے بڑے سے بڑے لالچ کو بھی اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا کر رکھ دیا۔ میں نے ان کو یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو تمہاری گردن بھی اڑائی جا سکتی ہے اور انہوں نے بخوشی مجھے مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں ان کی گردن کاٹ دوں گا تو یہ ان کی خوش قسمتی ہو گی۔ اس لیے کہ انہیں شہادت کا درجہ ملے گا جو مسلمانوں کے ہاں ایک اعلیٰ پائے کا رتبہ شمار کیا جاتا ہے۔

میں نے ایک موقع پر بڑے پیار اور بڑی محبت سے ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ان سے پوچھا تھا کہ ان کی ان ساری کامیابیوں کا کیا راز ہے تو انہوں نے مجھے کچھ تفصیل بتائی تھی وہ تفصیل ان کے مذہب سے وابستہ ہے۔ جسے میں تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ کہیں تو میں بنو ایاد کے ایک ایسے شخص کو پیش کر سکتا ہوں جو آپ کے اس سوال کا بہترین انداز میں جواب دے سکتا ہے۔''

خسرو شنوم جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر یزدگرد کہنے لگا۔ ''اس عرب کو میرے سامنے پیش کرو جس کے ساتھ تم نے یہ معاملہ کیا تھا۔''

اس پر خسرو شنوم اپنی جگہ سے اٹھا۔ باہر چلا گیا تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور ایک عرب کو اس نے یزدگرد کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

یزدگرد نے پہلے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا تعلق عربوں کے قبیلے بنو ایاد سے ہے۔ تم ذرا اپنی حالت دیکھو میں دیکھتا ہوں تمہارا لباس بھی بوسیدہ ہے۔ اپنے سر پر جو عمامہ تم نے باندھ رکھا ہے وہ لباس سے بھی زیادہ بوسیدہ ہے اور جوتے تم نے جو پہن رکھے ہیں وہ بوسیدہ تر ہیں۔ اس کے باوجود تم اپنی موجودہ حالت پر خوش ہو۔''

اس عرب کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر وہ یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''اے بادشاہ! آپ ایران کے چند بچے کھچے علاقوں کے حکمران ہیں اگر آپ اور مجھے دونوں کو کسی میزان کے پلڑے میں کھڑا کر دیا جائے تو میں اپنے آپ کو تم سے بہت بھاری خیال کروں گا۔ میرا تعلق اس قوم سے ہے جس کے اندر خداوند قدوس نے نبی مبعوث کیے ایسے نبیؐ ایسے رسولؐ جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہم اس خداوند

قدوس کے شکر گزار ہیں جس نے ساری قوموں پر عربوں کو فضیلت دیتے ہوئے پیغمبر کو ہمارے اندر مبعوث کیا۔ ہمارے اس محترم پیغمبرؐ نے جو پیغام ہمیں دیا وہ پیغام ہمارے خون، ہمارے جسم کی نس نس میں دوڑتا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے مجھے اس لیے بلایا ہے کہ مجھے دھونس دھمکی دے کر مجھے میری راہ سے ہٹانے کی کوشش کریں گے یا مجھے قتل کی دھمکی دیں گے تو میں پہلے سے آپ لوگوں سے کہے دیتا ہوں کہ اس میں آپ لوگوں کو ناکامی ہو گی۔ میں اپنی گردن کٹوا سکتا ہوں اپنے جسم کی ہر نس سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر دے سکتا ہوں لیکن اپنے ایمان کا کوئی سودا نہیں کروں گا۔''

اس عرب کی یہ گفتگو سن کر کچھ دیر تک حیرت اور تعجب بھرے انداز میں یزدگرد اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر تم نے اس سوال کا سچائی پر رہتے ہوئے جواب دیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نا صرف تمہیں رہا کر دیا جائے گا بلکہ تمہارے ساتھ میرے سالار خسرو شنوم کے پاس جو عرب قیدی ہیں میں سب کی آزادی کا اعلان کر دوں گا۔''

اس پر اس عرب کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا کہنے لگا۔''پوچھیں کیا پوچھتے ہیں۔''

جواب میں یزدگرد بولا اور کہنے لگا۔''یہ بتاؤ کہ ایرانیوں، رومنوں اور شام کے عرب نصرانی قبائل کے خلاف مسلمانوں کی لگاتار کامیابیوں اور ان کی کامرانیوں کی وجہ کیا ہے۔''

جواب میں وہ عرب مسکرایا اور کہنے لگا۔''سن بادشاہ! ہمارے اندر ایک جذبہ ہے جسے ہم جذبہ جہاد کہتے ہیں۔ یہی جذبہ ہمیں ہر رزم گاہ میں کامران رکھتا ہے ہم نے اپنے ذہن کے اندر یہ بات لکھ رکھی ہے کہ ہمارے خداوندِ قدوس نے ہماری موت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ موت اس سے پہلے آ سکتی ہے نہ بعد میں اور اگر ہم جہاد میں حصہ لیتے ہوئے شہید ہوتے ہیں تو یہ ہماری خوش قسمتی اور ہماری کامیابی اور فلاح کا باعث ہے۔''

وہ عرب یہاں تک کہنے کے بعد جب خاموش ہوا تب یزدگرد نے پھر اسے مخاطب کیا۔''یہ جہاد آخر چیز کیا ہے۔''

عرب مسکرایا اور کہنے لگا۔''اے بادشاہ! جہاد عربی کے لفظ جاہد سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے سعی بلیغ کرنا ہماری شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں اپنی بساط کے مطابق انتہائی کوشش اللہ کا دین پھیلائے اور اس کے کلمے کو دنیا بھر میں بلند کرے جو شخص جہاد کرے اس کا اجر یہ ہے کہ نجات حاصل کرے گا۔ اس لیے کہ جہاد بہشت کی جانب خدا کی مقرر کی ہوئی راہِ مستقیم ہے۔ اے بادشاہ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جہاد کے صرف ازم و پیکار کے معنی نہیں نکلتے اس لیے کہ اللہ کی راہ میں سعی بلیغ پرامن ذرائع سے بھی ہو سکتی ہے اور متشددانہ ذرائع سے بھی۔

جہاد کو مذہبی تبلیغ کی ایک شکل بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تبلیغ رضامندانہ طریقے سے بھی ہو سکتی ہے اور............''

اس عرب کو کہتے کہتے رک جانا پڑا کیونکہ بیچ میں یزدگرد بول اٹھا کہنے لگا۔

''تمہارے اس جہاد کا طریقہ کار کیا ہے؟''

اس پر وہ عرب مخاطب کر کے کہنے لگا۔''اے بادشاہ! ایک مومن کے لیے فریضہ جہاد کی بجا آوری کے لیے چار طریقے بتائے جا سکتے ہیں۔

اول جہاد بالقلب دوئم جہاد بالسان سوئم جہاد باالله جہارم جہاد بالسیف

پہلا یعنی قلبی جہاد یہ ہے کہ انسان شیطان کا مقابلہ کرے اور برائی کی طرف مائل کرنے کی جو کوشش کرتا رہتا ہے اس سے بچے۔ ہمارے رسول ﷺ محترم کے نزدیک یہ جہاد اس درجہ عام تھا کہ اسے جہاد اکبر قرار دیا گیا۔

دوسرا زبان سے جہاد اور تیسرا ہاتھ سے جہاد ہے۔ یہ جہاد حق کی تائید اور پشت بانی اور باطل کو مٹانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ چوتھا جہاد جنگ کے مترادف ہے اس کا تعلق غیر مومنوں دشمنانِ دین کے خلاف لڑنے سے ہے۔ مومنوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی جانیں اور مال جہاد کے لیے قربان کرتے رہیں۔

اے بادشاہ! جنگ خواہ کسی قانونی نظام کے رسمی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے شروع ہو اور جاری رکھی جائے یا کسی خاص مذہب کے احکام یا کسی معاشرے کے معمولات کے مطابق معقول وجوہ کی بناء پر اس کا آغاز ہو یقیناً جائز اور مشروع سمجھی جاتی ہے۔

(کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جب جنگیں معاشرے کے معمولات کے مطابق قاعدہ

اور مستقل بن جائیں تو یہ شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک گروہ کے خلاف دوسرے گروہ سے خون کا بدلہ لینے کے جوش خروش میں بھی یہی خیال کارفرما ہے۔ ارسطو اپنی کتاب سیاسیات میں بعض جنگجوں کو طبعاً جائز ومشروع قرار دیتا ہے۔ رومنوں نے اجراء جنگ کے لیے ایک مجلس بنا لی تھی جو بیس ممبروں سے مرتب ہوتی تھی اور ایک آدمی اس کا صدر یا کارفرما ہوتا۔ اس کے لیے جنگ کے تمام اصول مرتب کر دیئے گئے تھے تاکہ کہیں راہ حق انصاف سے انحراف کا مقام باقی نہ رہے۔ قرونِ وسطیٰ کے نصرانی ملکوں میں سینٹ آگسٹس، آسودر اور اشبیلی مشروعی جنگ کے متعلق سسرو کے نظریات سے متاثر تھے۔ سسرو قدیم رومنوں کا نمائندہ قانونی فلسفی سمجھا جاتا تھا اس نے اپنی کتاب میں جنگ مشروع کرنے کے قواعد اور رسمیات پر بحث کی تھی۔

نصرانیوں کا سینٹ ٹامس بھی اسلامی تصنیفات سے آگاہ تھا۔ اس نے شروع جنگ کے متعلق جو نظریہ قائم کیا وہ اسلامی نظریہ جہاد کے اصول پر قائم کیا تھا۔ سینٹ ٹامس اور قرونِ متوسطہ کو دوسرے مصنفین نے سولہویں سترہویں اور اٹھارویں صدی کے نظریات کے قانون طبعی پر اثر ڈالا۔

اگرچہ انیسویں صدی کا نظریہ جنگ سابقہ صدیوں کے نظریات کے مقابلے میں طبعی قانون سے کم متاثر ہوا تاہم جنگ مشروم کا تصور پہلی عالمگیر جنگ کے بعد جنگ کو خلاف قانون قرار دینے کی شکل میں نمایاں ہوا اور کہا گیا کہ صرف جارحانہ اقدام کرنے والے کے خلاف جنگ کی اجازت ہونی چاہیے)''

عرب دم لینے کے لیے رکا اس کے بعد یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! مسلمانوں کے نظریہ قانون میں اسلام اور شرک خدا کے ساتھ دوسری چیزوں کو شامل کرنا اس دنیا میں پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے ہر ممکن کا فرض ہے کہ وہ کلمہ حق کے اعلاء کا سروسامان کرے اور یہ بھی دیکھے کہ نہ کوئی کافر خدا کا منکر ہو اور وہ نہ خدا کی نعمتوں کا ناشکرگزار بنے اور انجام کار یہ دنیا مومنوں کا گھر بن جائے۔ باقی رہے غیر مومن تو ان کی جگہ جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہاد شرک کے خلاف ایک دستاویز ہے اور تمام غیر مسلموں کو اس کا ہدف بننا چاہیے جو اسلام کو مسترد کر دیں نیز ذمیوں کو جو جزیہ نہ دیں لہٰذا جہاد کو اسلام اور شرک کے درمیان ایک مستقل حد قرار دیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ اسلام کے دشمنوں اور دین سے پھر جانے والوں

کے لیے ایک سزا بھی ہے۔

اے بادشاہ! جہاد کو اسلام میں نا صرف مشرکین کی تادیب کے لیے رکھا جاتا ہے بلکہ مصالح سلطنت کے لیے بھی اس لیے کہ عملِ جہاد میں بجائے خود مسلمانوں کی برتری اور تسلط مضمر ہے اور کلمہ حق کی سربلندی کے ساتھ خدا کا سیاسی اقتدار بھی قائم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد اگرچہ بہت عام ہے تاہم اسے ہمارے پانچ بنیادی ارکان میں شامل نہیں کیا گیا۔

اے بادشاہ! اس کے علاوہ جہاد انفرادی فریضہ کے بجائے اجتماعی فریضہ ہے اور اسے اجتماعی فرض قرار دینا خاص توجہ کا مستحق ہے۔ اس سلسلے میں دو نقطے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

اول مدعا یہ ہے کہ یہ فرض تمام مومنوں کے لیے لازماً ادا کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ تمام مومنوں کی لشکر میں بھرتی ناممکن عمل ہے اور نہ قرین مصلحت بعض مومنوں کے لیے سامان غذا اور اسلحہ تیار کرنے میں مصروف ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ لنگڑے اندھے اور بیمار جہاد کے لیے بلائے نہیں جا سکتے۔ اس کے علاوہ عورتیں بچے ویسے ہی اہل جنگ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ بعض عورتیں بالواسطہ جنگی مساعی اور کوششوں میں حصہ لیتی ہیں۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ جہاد کو شخصی فریضہ کی جگہ اجتماعی بنا دینے سے اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ جہاد پہلے امت، پھر حکومت کے ہاتھ میں ایک مؤثر حربہ بن گیا لہٰذا اس کا نظم ونسق انفرادی نہ رہا بلکہ حکومت کے واجبات میں شامل ہو گیا اس طرح قوم کے مشترکہ مصالح کی خدمات بہتر طریقے پر انجام دے سکتی ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ عام مومنوں پر فرداً فرداً چھوڑ دیا جاتا تو یہ صورت پیدا نہ ہو سکتی (اس عام فرض عامہ کے ادا کرنے کا جو اجر ہے اس پر مذہب کے ہر ماخذ نے زور دیا ہے)''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ عرب رکا دوبارہ یزدگرد کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔''اے بادشاہ! دیارِ عرب میں جنگ اسلام نے جاری نہیں کی بلکہ یہ پہلے بھی چلی آتی تھی لیکن یہ جنگ اصلاً قبائلی تھی یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وقت کے معاشرتی نظام کے لیے خاص تھی اور اس کے قواعد اور طریقے عربوں کے عرفی قوانین میں منضبط تھے چونکہ عموماً قبیلہ یا بعض حالتوں میں اس کی ایک شاخ سیاسی وحدت کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے

جنگوں نے چھاپوں کی شکل اختیار کر لی۔ ان کا مقصد یا تو غارت گری ہوتا یا خون کا بدلہ۔

اسلام میں جہاد کی اہمیت کا اصل راز یہ ہے کہ قبائل کی توجہ باہمی رزم و پیکار سے بیرونی دنیا کی طرف پھیر دی گئی۔ اسلام نے جہاد کے سوا تمام لڑائیوں کو غیر آئینی قرار دیا اور جہاد کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جنگ کی جائے۔ اگر تمام قبائلی چھاپوں کو روک کر جہاد کا اصول پیش نہ کر دیا جاتا اور قبائل کی بے پناہ قوت کو ناگزیر داخلی کشمکش کے بجائے متحد ہو کر نئے مذہب کے نام پر بیرونی دنیا کے خلاف جنگ میں نہ لگا دیا جاتا تو اسلام کے لیے مشکلات پیدا ہوتیں لہٰذا اے بادشاہ! ہمارے اندر یہ جذبہ جہاد ہی ہے جو ہمیں دشمن کے مقابلے میں پچھلی صفوں سے اگلی صفوں کی طرف بھاگنے کے لیے ایک انوکھا جذبہ اور ایک انوکھا ولولہ پیدا کرتا ہے لہٰذا بادشاہ! میں یہ کہوں کہ جب تک مسلمانوں کے اندر جہاد کا جذبہ نمایاں ہے اور وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرتے ہوئے جب تک اسے سعادت سمجھیں گے دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اے بادشاہ! مسلمانوں کے مقابلے میں یہ جو ایرانیوں اور رومنوں کو لگاتار شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ ہمارا جذبہ جہاد ہی ہے جو بڑی بڑی اور بڑی پرانی حکومتوں اور بڑی بڑی طاقت رکھنے والی سلطنتوں کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر رکھ رہا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ عرب جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک یزدگرد توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے سالار خسرو شنوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خسرو شنوم اس عرب کو اپنے ساتھ لے جاؤ اس کے ساتھ جو تمہارے پاس دوسرے قیدی ہیں سب کو آزاد کر دو۔ اس لیے کہ انہیں اگر ہم اپنا قیدی بنا کر رکھیں گے تو اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ سچ پر رہتے ہوئے میرے سوال کا جواب دے گا تو رہا کر دیا جائے گا۔ اس نے یقیناً سچائی پر رہتے ہوئے میرے سوال کا جواب دیا ہے لہٰذا جاؤ اسے اور اس کے سارے ساتھیوں کو رہا کر دو۔''

اس پر خسرو شنوم اس عرب کو ساتھ لے گیا اور سب کو رہا کرنے کے بعد دوبارہ وہ یزدگرد کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔

خسرو شنوم کے آنے کے بعد یزدگرد کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر

سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! اس موقع پر میں دو فیصلے کرنے لگا ہوں۔ اگر تم میں سے کسی کو میرے ان فیصلوں سے اختلاف ہو تو بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کرے۔

میں پہلا قدم یہ اٹھانے لگا ہوں کہ تیز رفتار قاصد چین کے خاقان کی طرف روانہ کرنے لگا ہوں اور اسے اس بات پر آمادہ کروں گا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہماری مدد کرے تا کہ ہم مسلمانوں سے اپنی سلطنت واپس لینے میں کامیاب ہو جائیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد یزدگرد رکا پھر کہنے لگا۔

''جو تجویز میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے اگر تم میں سے کسی کو اختلاف ہو تو کہے۔''

جواب میں یزدگرد کی اس گفتگو پر نہ صرف سب نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا بلکہ خوشی کا اظہار کیا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہا کہ اسی روز تیز رفتار قاصد چین کے خاقان کی طرف روانہ کیے جائیں اور اس سے مسلمانوں کے خلاف مدد مانگی جائے۔

پہلی تجویز کے مانے جانے کے بعد یزدگرد نے خوشی کا اظہار کیا پھر اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں چاہتا ہوں کہ مختلف شہروں کی طرف ہمارے سالار بکھر جائیں وہاں لشکر جمع کریں اور ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ انہیں اپنے ساتھ مصروف رکھیں۔ یہاں تک کہ چین کی طرف سے ہمیں مسلمانوں کے خلاف مدد مل جائے اور ہم مسلمانوں کے خلاف اپنی شکستوں کو اپنی کامیابیوں کامرانیوں میں تبدیل کر دیں۔

مسلمان قزوین فتح کر چکے ہیں اب وہ رے شہر کا رخ کریں گے۔ لہٰذا میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میاؤخش بن مہران بن بہرام چوبین رے شہر کا رخ کرے اور وہاں کے حاکم کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں رے شہر کی حفاظت کرے۔

آذربائیجان کی طرف رستم کا بھائی اسفندیار جائے وہاں اپنی طاقت اور قوت کو مضبوط اور مستحکم کرے اور مسلمانوں کو اپنے ساتھ جنگ میں مصروف رکھے۔ اسفندیار کے ساتھ اس کا بھائی بہرام بھی آذربائیجان کا رخ کرے گا تا کہ یہ دونوں بھائی مل کر اپنی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ کریں۔

جرجان اور طبرستان کا اسپیدار رخ کرے اور وہاں اپنی قوت کو مضبوط اور مستحکم

کرنے کی کوشش کرے۔

باب شہر میں اس وقت ہمارا سالار شہریار قیام کیے ہوئے ہے۔ یہ کام خسروشنوم کے سپرد کرتا ہوں کہ اس کی مدد کے لیے کسی سالار کو بھیجے اور اس کے ساتھ اس کی مدد اور کمک کے لیے کچھ دستے بھی روانہ کر دیئے جائیں۔ خسروشنوم میں تمہارے ذمے یہ بھی کام لگاتا ہوں کہ ایک اچھا اور خاصا بڑا لشکر تیار رکھو اور جہاں کہیں بھی مسلمان حملہ آور ہوں وہاں کا سالار تو مسلمانوں کا مقابلہ کرے گا ہی خسروشنوم جو لشکر تمہاری کمانداری میں رہے گا اسے تم لے کر ہر شہر میں اپنے لشکر کی مدد کو پہنچو گے۔ میرے خیال میں اگر ہم ایسا کریں تو مسلمانوں کے خلاف ہمیں کامیابی نصیب ہوگی اور اگر کامیابی نہ بھی ملی تو کچھ عرصہ ہم جنگ کو طول دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو اپنے ساتھ مصروف جنگ رکھیں گے۔ اتنی دیر تک ہوسکتا ہے میرا پیغام جب چین کے خاقان کے پاس پہنچے اور وہ ہماری مدد پر آمادہ ہو جائے اگر چین کا خاقان اپنا لشکر لے کر ہماری مدد کے لیے مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تو یاد رکھنا مسلمان پھر ہمارا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اور جس طرح انہوں نے عرب کے صحراؤں سے اٹھ کر آندھی اور بگولوں کی طرح ہر چیز کو اپنے سامنے تنکوں کی طرح اڑاتے ہوئے پامال کر دیا ہے اسی طرح انہیں ہم شکست سے دوچار کرتے ہوئے عرب کے صحراؤں میں پہلے کی طرح محصور کر دیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد یزدگرد خاموش ہوگیا اس نے اپنا وہ اجلاس بھی ختم کر دیا چنانچہ جو فیصلے ہوئے تھے ان کے تحت اسی روز تیز رفتار قاصد چین کے خاقان کی طرف بھی روانہ کر دیئے گئے اور مختلف سالار یزدگرد کے حکم کے مطابق اپنے مختلف شہروں کا دفاع کرنے کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔

نعیمؓ بن مقرن کی سرکردگی میں اسلامی لشکر قزوین کو فتح کرنے کے بعد ایران کے اہم شہر رے کی طرف بڑھا تھا۔ رے میں اس وقت ایرانیوں کا نامور سالار سیاوُخش ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لیے موجود تھا چنانچہ سیاوُخش کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر رے شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے تب اس نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کے لشکر کی آمد سے پہلے اس نے اپنے لشکر کو رے شہر سے باہر استوار کر لیا تھا۔

چنانچہ جب اسلامی لشکر رے شہر کے نواح میں پہنچا تو سیاوُخش مسلمانوں سے ٹکرانے کے لیے بالکل تیار اور مستعد تھا اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی سیاوُخش نے لشکر کے اندر بڑے بڑے جنگی طبل بجوانے اور دفوں پر چوٹ لگانے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ حکم ملتے ہی ایرانی لشکر کے اندر بڑے خوفناک انداز میں طبل اور دفیں گونج اٹھی تھیں۔ اس حالت کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے بھی اپنے لشکر کو استوار کرنا شروع کر دیا تھا۔ لشکر کے اندر جو عورتیں تھیں انہیں پڑاؤ کے اندر رکھا گیا پڑاؤ کی حفاظت کے لیے دستے مقرر کر دیئے گئے اس کے بعد اسلامی لشکر نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

سیاوُخش ایرانی سالاروں میں اپنے آپ کو بڑا اہم بڑا نامور کماندار خیال کرتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ رے شہر سے باہر نکل کر اگر وہ مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا تو ایرانیوں کی فتوحات کا در کھولنے میں وہ کامیاب ہو جائے گا اور آنے والے دور میں ایرانیوں کے خلاف مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ تقریباً ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اپنے انہی ارادوں کے تحت اس نے حملہ آور ہونے میں پہل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے اہل جفا کی پستیوں سے لیس روح فرسا الجھنوں، نفرت کی سرابی لہروں موت و

مرگ کے سناٹے میں لمحوں کے فاصلوں کو صدیوں میں تبدیل کر کے ادہام کے کالے بادلوں کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا پھر سیاؤخش اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر پر بے حقیقت اور بے دست پا کرتے رقابوں کے گہرے اندھیروں، اپنے خونی بل سے نکل کر بشریت کو حادثات سے دوچار کرتی احساس کی مہیب، تشنگی اور ڈوبتی شام کے دامن میں ہوس کی بارش کے گرم چھینٹوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے بھی اپنے کام کی ابتداء اپنے معمول کے مطابق کی۔ پہلے انہوں نے برسوں کی تشنگی میں شبنم کی خنک پھوار زرد تعبیروں میں اڑتی کالی راکھ کو ہونٹوں حلاوت و تمازت میں تبدیل کرنے والی آوازوں اور اجنبی سرزمینوں اور ہواؤں کے سمندر میں تازگی کے موسم کی شگفتگی پھیلا دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں اس کے بعد مسلمان بھی ایرانیوں پر ستم کے اندھیروں میں فولادی قوتوں کی دھمک، زیست کی عبارتوں میں شکست کے حروف رقم کرتے موت و قضا کے جھکڑوں، دل کی راہ گزر پر ہزیمت کے نقوش بناتے سیاہ رنگ تقدیر کے بے روگ لاوے کی طرح آگے بڑھے پھر وہ حبس رتوں کے قہر لاچارگی اور بدنصیبی و بدبختی کے وسوسوں، زنگ آلود کراہتوں، بے مہر آوازوں سر کراہتی بکھرتی دھول، کرب کے لحات اور ٹوٹتی سانسوں کا سا سماں باندھ دینے والے زیست کی گرہیں کھولتے موت کے بھنور اور قضا کے پھیلتے دھوئیں کی طرح ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔

رے شہر سے باہر ایرانیوں اور مسلمانوں کے اس ٹکراؤ کی وجہ سے رزم گاہ میں وہموں کے سانپ ناچ اٹھے تھے۔ بے قرار امنگیں آندھیوں کی یورش کی طرح زندگی کے حصار کو ٹوٹنے اور بدنوں کی دھجیاں اڑانے لگی تھیں۔ ہونٹ پتھریلے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ نطق پر مہریں لگنے لگی تھیں۔ آنکھوں آنکھوں میں گرتی شمشیروں کا غضب نمایاں ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سینوں میں برق کے تلاطم اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے سورماؤں کے پرشوک لہجے توانا آواز میں بارعب نوائیں خراشوں کی جلن اجنبیت کے زہر کا شکار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا اس دوران ایرانی سالار سیاؤخش نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ رے شہر کے نواح میں مسلمانوں کو شکست دے کر مار بھگائے وہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد خاصی زیادہ ہے اس

بناء پر اسے پکی امید تھی کہ رے شہر میں فتح مندی اسی کے قدم چومے گی۔

لیکن جوں جوں جنگ طول پکڑنے لگی توں توں سیاؤخش کی امیدیں ناامیدیوں میں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ سیاؤخش جنگ کی ابتداء میں بڑا خوش مطمئن تھا اور جب اس نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ابتداء کی تھی۔ تب بھی اسے پوری امید تھی کہ کامیابی اسی کے دامن میں آئے گی اس لیے کہ ایرانیوں کا پہلا حملہ بڑا زوردار تھا لیکن ایرانیوں کی بدقسمتی کہ عربوں نے ان کے پہلے زور دار حملے کو روکنے کے بعد جب جوابی حملے شروع کیے تو ایرانیوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسکنا شروع ہو گئی تھی سیاؤخش نے جب اندازہ لگایا کہ عرب تو آہستہ آہستہ ایرانیوں پر غالب آتے چلے جا رہے ہیں اور مسلمان آندھی اور طوفان کی طرح ایرانی لشکر کے اگلے حصے سے وسطی حصے کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں تب اس نے زور زور سے چلاتے ہوئے اپنے لشکریوں کو انگیخت کیا کہ وہ اپنے حملوں میں تیزی پیدا کریں۔ سیاؤخشن کی اس انگیخت پر تھوڑی دیر کے لیے ایرانیوں نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ان کے حملے مسلمانوں کے مقابلے میں پرماندہ اور بے اثر سے ہونے لگے تھے۔

اس کے بعد سیاؤخش نے دیکھا مسلمانوں کے تیز حملوں کے مقابلے میں سیاؤخش کے لشکریوں کی حالت اب روندھی روحوں بھٹکے بادلوں حقارت بھری ٹھوکروں مردہ الفاظ کی بے وقعتی اعصابی درد سیاہ رنگ تقدیر اجاڑ پیڑوں کے زرد چہروں، خزاں آلود ثمر اداس لمحوں کی کہانیوں اور پت جھڑ کے بدتر ساعتوں سے بھی زیادہ ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

آخر سیاؤخش اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس نے جب اندازہ لگایا کہ مسلمان تو اب اس کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر چکے ہیں تب اس نے شکست قبول کرتے ہوئے پسپائی اختیار کی اور اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگ کر وہ رے شہر میں محصور ہو گیا تھا۔

جب سیاؤخش بن مہران بن بہرام چوبین جو رے شہر کا حاکم اور ایران کے بہترین سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد رے شہر میں محصور ہو گیا تب اس کے سالاروں میں سے ایک نام جس کا فرخان تھا وہ اس جگہ آیا جہاں سیاؤخش اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کچھ دیر بڑی خاموشی سے فرخان سیاؤخش کی طرف دیکھتا رہا گھورتا رہا اس موقع پر سیاؤخش اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آج تم کس انداز میں مجھے دیکھ رہے ہو ایسا لگتا ہے جیسے تم میرے خلاف بغاوت کھڑی کرنا چاہتے ہو۔"

فرخان کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا کہنے لگا۔

"بغاوت کھڑی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں سب کے سامنے ایک انتہائی اہم مسئلے پر گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

"کیسی گفتگو" سیاؤخش نے گھورنے کے انداز میں فرخان سے پوچھا تھا۔

اس پر فرخان نے اپنے لبوں پر زبان پھیری کہنے لگا۔ "یہ ایک حقیقت ہے کہ رے شہر کے نواح میں ہمیں شکست ہو چکی ہے۔ اس حقیقت کو بھی ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہمارے مقابلے میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کے باوجود وہ ہم پر غالب آنے میں کامیاب رہے ہیں۔ جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ خسرو پرویز کے دور سے لے کر اب تک بدبختیاں اور شکستیں ہی ہمارا پیچھا کرتی رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ شکست اٹھانے کے بعد ہم رے شہر میں محصور ہو گئے ہیں اور کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو ہم نے مسلمانوں کی یلغار اور ان کے حملوں سے محفوظ کر لیا ہے لیکن یہ تحفظ زیادہ دیر قائم نہیں رہے گا۔"

یہاں تک کہتے کہتے فرخان کو رک جانا پڑا اس لیے کہ اس کی طرف پہلے سے بھی زیادہ خوفناک انداز میں گھورتے ہوئے سیاؤخش نے پوچھ لیا۔

"اس سے تمہارا کیا مطلب ہے کہ ہمارا یہ تحفظ زیادہ دیر قائم نہیں رہے گا۔"

اس پر فرخان پہلے سے لہجے میں کہنے لگا۔

"دیکھو سیاؤخش مسلمان رے شہر سے باہر کھلے میدانوں میں ہمیں شکست دے چکے ہیں اب یہ تو ناممکن ہے کہ ہمیں شکست دینے کے بعد وہ ہمیں اور رے شہر کو اپنے حال پر چھوڑ کر یہاں سے چلتے بنیں گے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کے سالار ایک رات یا صرف ایک دن کے لیے اپنے لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کریں گے اس کے بعد وہ نئے انداز میں شہر پر حملہ آور ہونا شروع ہو جائیں گے۔ شہر کا محاصرہ کر لیں گے۔ محاصرے میں ایسی سختی پیدا کریں گے کہ ہم ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔ میں یہ بھی کہوں کہ یہ عرب اب پہلے جیسے بے بس نہتے نہیں رہے پہلے ان کے پاس صرف تلوار تھی جسے وہ اپنی وراثت خیال کرتے تھے لیکن اب تو انہوں نے شہروں کے

محاصرہ کرنے اور محاصرہ کر کے بڑے قلعوں تک کو فتح کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں سے مصالحت کر لی جائے جذیہ یا خراج دینے کے عوض ہم ان سے امان طلب کر لیں اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر ہمارے لیے بڑی خواری اٹھے گی۔ مسلمانوں نے اگر شہر کو بزور شمشیر فتح کیا تو شہر کے اندر وہ کہرام اور بربادی مچے گی جو اس سے پہلے رے شہر کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔"

اپنے سالار فرخان کی اس تجویز کو سیاؤخش نے ناپسند کیا اور تلخی میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"گویا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم رے شہر طشت میں سجا کر مسلمانوں کو پیش کر دیں۔ کیا تم جنگ سے جی چرانے کی بنا پر ایسا کر رہے ہو۔ اگر ایسا معاملہ ہے تو پھر تم اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور دیکھو میں ان مسلمانوں کا مقابلہ کیسے کرتا ہوں۔"

سیاؤخش کی اس گفتگو کو فرخان نے بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا لہٰذا خفگی کے انداز میں کہنے لگا۔

"سیاؤخش! تم جانتے ہو میں جنگ سے جی چرانے والا نہیں ہوں۔ لیکن حقیقت سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔ سچائی کو سچائی سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے۔ کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ رے شہر سے باہر مسلمان ہمیں بدترین شکست دے چکے ہیں وہ ہمارے لشکر کے ایک خاصے بڑے حصے کو کاٹ کر ہماری طاقت اور قوت پر ناقابل تلافی ضرب لگا چکے ہیں اس کے باوجود تم یہ کہتے ہو کہ تم شہر کے اندر محصور ہو کر شہر کی حفاظت کا سامان کرو گے میں مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے انداز کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ یاد رکھنا جب مسلمانوں نے رے شہر کا محاصرہ کیا تو تم زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں شہر کا دفاع نہیں کر پاؤ گے۔"

فرخان کی اس گفتگو سے سیاؤخش غضبناک ہو گا ہی۔ وحشی پن میں فرخان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اب اس موضوع پر مزید مجھ سے گفتگو نہ کرنا۔ جاؤ اپنے گھر چلے جاؤ آرام کرو اور پھر دیکھو میں مسلمانوں کا مقابلہ کیسے کرتا ہوں۔"

فرخان نے سیاؤخش کے ان الفاظ کو ناپسند کیا تھا چنانچہ وہاں سے وہ ہٹ گیا تھا۔ آنے والی شب میں بڑی رازداری سے وہ شہر سے نکلا۔ مسلمانوں سے اس نے رابطہ

قائم کیا۔ شہر میں داخل ہونے کا ایک خفیہ راستہ مسلمانوں کو بتایا جس راستے سے مسلمان داخل ہوئے اور رے شہر پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لیا گیا اس طرح قزوین کے بعد رے شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

رے شہر کی فتح سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سیاؤخش بن مہران بن بہرام چوبین نے طبرستان قومس او جرجان والوں سے امداد طلب کی تا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ ایک عظیم لشکر جمع کیا اور خم ٹھونک کر مسلمانوں کے مقابلے پر آیا لیکن بعد میں اس کے سالار فرخان او رسیاؤخش میں تلخ کلامی ہو گئی جس پر فرخان نے مسلمانوں سے سازش کر لی اور شب کے وقت اسلامی لشکر شہر میں داخل ہوا۔ صبح کو لشکر اسلام نے شہر پر حملہ کیا۔ حملے کے ساتھ شہر فتح ہو گیا۔ بے حد اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا ایسے ہی جیسے مدائن کی فتح کے وقت مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تھا چنانچہ اس شاندار کامیابی کے بعد مسلمانوں نے ایرانی سالار فرخان سے رے کے سلسلے میں مصالحت کر لی رے شہر کی حکومت فرخان کے حوالے کر دی گئی۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک عرصہ رے شہر کی حکومت فرخان اور اس کے خاندان میں قائم رہی۔ ساتھ ہی یہاں مسلمانوں نے پرانے شہر کو برباد کر کے ایک نیا شہر بھی آباد کرنے کا حکم دیا اور رے شہر کی فتح اور کامیابی کی خبر دربار خلافت میں فاروق اعظمؓ کی خدمت میں ارسال کی گئی۔

رے شہر کو فتح کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے شہر کے باہر خیموں کا شہر آباد کر لیا تھا۔ اس فتح کے چند روز بعد ایک روز عتبہ بن ہشام شہر کے بازار سے لوٹا اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس وقت خیمے کے وسط میں رجینا بیٹھی شاید بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

عتبہ بن ہشام جونہی خیمے میں داخل ہوا۔ شکووں بھرے انداز میں رجینا اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ تو دوپہر سے پہلے نکلے ہوئے ہیں اور اب ظہر کا وقت ہو گیا ہے آپ کہاں رہ گئے تھے۔''

مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام آگے بڑھا جس نشست پر رجینا بیٹھی ہوئی تھی اس کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا جبکہ رجینا بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی نشست

پر ہو بیٹھی جس پر وہ عتبہ بن ہشام کی آمد سے پہلے بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر رجینا دوبارہ گفتگو کا آغاز کرنا چاہتی تھی کہ عتبہ بن ہشام نے اپنے کندھے سے لٹکتی ہوئی چرمی خرجین اتار کر رجینا کی گود میں رکھ دی تھی۔

رجینا نے خرجین لے لی ساتھ ہی اپنی نگاہیں عتبہ بن ہشام کے چہرے پر گاڑھ دیں مٹھاس اور شیرینی بھری آواز میں کہنے لگی۔

''اس میں کیا ہے۔؟''

عتبہ بن ہشام مسکرایا اور کہنے لگا۔ ''خود ہی کھول کر دیکھ لو۔ رجینا بھی مسکرا دی تھی جلدی جلدی اس نے اس خرجین کا منہ کھولا اور جب اس نے جرجین کو الٹا تو اس کے اندر رجینا کے لیے کئی قیمتیں لباس کے علاوہ آرائش اور ضروریات کا دوسرا سامان بھی تھا۔

رجینا پہلے ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی اس کے بعد اس نے ایک لمبا سانس لیا اور وہ عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ جو چیزیں آپ لے کر آئے ہیں یہ ساری کی ساری بہت اچھی ہیں۔ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو اپنی بیوی رجینا سے کس قدر محبت اور چاہت ہے لیکن آپ نے کسی موقع پر یہ بھی سوچا کہ آپ کی بیوی رجینا کو آپ سے کس قدر محبت اور چاہت ہے۔ اس خرجین میں، میں دیکھتی ہوں صرف میرا سامان ہے اس میں میرے شوہر میرے حبیب عتبہ بن ہشام کے لیے تو کوئی چیز ہی نہیں۔''

اس پر عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''رجینا میرا کیا ہے میرے پاس پہلے ہی بہت لباس ہیں۔ دیکھو شادی سے پہلے تم نے جس ماحول میں زندگی بسر کی ہے اس ماحول سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میں آج تک تمہیں اس ماحول کے مطابق آسائش فراہم نہ کر سکا۔''

جواب میں رجینا فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ ایک دم سے کہہ اٹھی۔

''میں اس ماحول پر لعنت بھیجتی ہوں اب میں مسلمان ہوں۔ عتبہ بن ہشام کی بیوی ہوں اور ابنِ ہشام کی بیوی کی حیثیت سے میری میرے شوہر سے کوئی مانگ نہیں ہے۔ آپ یہ جو کپڑے اور دوسری چیزیں صرف میرے لیے لے کر آئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر

مجھے خوشی ضرور ہوئی ہے لیکن اگر ان کپڑوں کے ساتھ میں اپنے شوہر کے لباس بھی دیکھتی تو یاد رکھیے میری خوشیاں دو چند ہو جاتیں۔

آپ یہ مت سمجھئے گا۔ یہ آپ کی بیوی بننے سے پہلے جو میں نے اپنی بہن شیریں کے ساتھ آسائش بھری زندگی بسر کی تھی میں اس کی عادی ہو چکی تھی آپ خود بتایئے کہ شادی کے بعد کیا میں نے آپ سے کسی بات کا تقاضا کیا۔ کیا میں نے آج تک آپ سے کوئی چیز مانگی میں اس لحاظ سے بھی آپ کی شکرگزار ہوں کہ آپ ہر چیز مجھے مہیا کرتے ہیں لیکن یہ مت بھولیے یہ نہ فراموش کیجئے گا کہ آپ میری منزل اور میری زندگی کا محور اور مدار ہیں۔ اگر آپ خوش ہیں تو رجینا خوش ہے اگر آپ کسی تلخی اور ہیجان کا شکار ہوتے ہیں تو پھر یہ یاد رکھیے گا کہ رجینا کا زندہ رہنا ہی بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اگر آپ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیوی خوشیوں بھری زندگی بسر کرے تو اٹھیے ابھی اسی وقت میرے ساتھ رے شہر کے بازار کی طرف چلیے آپ یہ میرے لیے چیزیں خرید کر لائے ہیں اب آپ کی ضروریات کی چیزیں میں خود خرید کر لاؤں گی۔''

رجینا کی اس گفتگو پر عتبہ بن ہشام بڑے پیارے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ عین اسی لمحہ خیمے کے دروازے پر البانہ نمودار ہوئی پھر وہ خیمے میں داخل ہوئی اور عتبہ بن ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بھائی ہم سب لوگ کچھ سامان کی خریداری کے لیے رے شہر کے بازار کی طرف جانے لگے ہیں لہٰذا آپ اور رجینا بھی ہمارے ساتھ چلیے۔''

البانہ کے ان الفاظ کے جواب میں مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام نے پوچھ لیا۔

''سب لوگوں سے تمہارا کیا مطلب ہے''

اس پر البانہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بھائی سب لوگوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں، میرے شوہر ہلال بن علقمہ، بنو تمیم کے دونوں سعد بن قیس، برق بن اسد اور ان دونوں کی بیویاں۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو سامان کی خریداری کے لیے رے شہر کے بازار کی طرف جانا چاہتے ہیں لہٰذا آپ دونوں بھی اٹھیے اور ہمارے ساتھ چلیے۔''

البانہ کے ان الفاظ کے جواب میں رجینا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فوراً اٹھ کھڑی

ہوئی اور البانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''البانہ میری بہن! تم بڑے اچھے وقت پر آئی ہو۔ تمہاری آمد سے پہلے میں ان سے اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھی اور ہم دونوں میاں بیوی بھی یہی ارادہ کر رہے تھے کہ رے شہر کے بازار کی طرف جائیں۔ اس لیے کہ میں ان کے لیے کچھ چیزیں خریدنا چاہتی ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی رجینا نے اپنے سامنے بکھری اشیاء کی طرف اشارہ کیا اور البانہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''دیکھو! یہ بازار سے میرے لیے خریداری کر کے لائے ہیں۔''

اس پر مسکراتے ہوئے البانہ آگے بڑھی۔ ایک ایک چیز کا جائزہ لیا پھر فخریہ انداز میں رجینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ساری چیزیں بہت اچھی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایک ایک چیز سے بھائی عتبہ بن ہشام کی محبت تمہارے لیے ٹپکتی ہے۔ اب تم دونوں کا کیا ارادہ ہے۔''

اس پر رجینا کہنے لگی۔ ''ہم دونوں تمہارے ساتھ چلیں گے۔ رجینا کے ان الفاظ کے ساتھ ہی عتبہ بن ہشام اٹھ کھڑا ہوا دونوں میاں بیوی البانہ کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر نکل گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد سب خیمہ گاہ سے نکل کر رے شہر کے بازار کا رخ کر رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

رے شہر کی فتح کے بعد ایران کے ایک اور شہر دماوند نے جزیہ دے کر مسلمانوں سے مصالحت کر لی چنانچہ نعیم بن مقرن نے فاروق اعظمؓ کے حکم کے مطابق اپنے بھائی سوید کو قوس شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ سوید نے قوس شہر پر بغیر کسی جنگ کے قبضہ کر لیا۔ قوس اور اس کے اردگرد کا علاقہ ایک وسیع صوبہ خیال کیا جاتا تھا۔ یہاں سے جرجان، طبرستان بالکل قریب تھے۔

سوید اور اہل تبر طبرستان سے نامہ اور پیام ہونے کے بعد جزیہ پر صلح ہو گئی چنانچہ قوس کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں کے سالار سوید بن مقرن نے جرجان کا رخ کیا جو طبرستان کا مشہور ضلع تھا وہاں کے حاکم نے بھی جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی اس طرح رے شہر کو فتح کرنے کے بعد جرمان اور طبرستان جیسے اہم علاقوں پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اب اسلامی لشکر نے آذربائیجان کی طرف توجہ کی تھی آذربائیجان پر حملہ آور ہونے کے لیے مسلمانوں کے ایک سالار بکیر بن عبداللہ کا انتخاب کیا گیا اور وہ ایک لشکر لے کر آذربائیجان پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ چنانچہ بکیر بن عبداللہ اپنے دیگر ساتھی سالاروں کے ساتھ لشکر لے کر آذربائیجان کی طرف روانہ ہوئے۔

ان علاقوں کی حفاظت کے لیے یزدگرد نے اپنے بہترین اور نامور سالار اسفندیار بن فرخ زاد اور اس کے بھائی ویلم کو مقرر کر رکھا تھا۔ یہ دونوں رستم کے بھائی تھے اور بقول ایرانیوں کے یہ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اسفندیار اور ویلم دونوں کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک سالار بکیر بن عبداللہ ایک لشکر لے کر آذربائیجان پر حملہ

آور ہونے کے لیے بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے تو انہوں نے مسلمانوں سے بھی بڑے لشکر کا اہتمام کیا چنانچہ رستم کا بھائی اسفندیار اور دوسرا بھائی ویلم لشکر لے کر آذربائیجان سے نکلے اور ایک محفوظ اور جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اچھے مقام پر دونوں بھائیوں نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا اور وہیں وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان چکے تھے۔

جیسا کہ ایرانیوں کی عادت تھی کہ مسلمانوں کے اپنے سامنے آنے کے ساتھ ہی وہ جنگ کی ابتداء کر دیتے تھے۔ آذربائیجان کے نواح میں یہی معاملہ ہوا۔ اسفندیار اور ویلم دونوں بھائیوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ جونہی مسلمانوں کا لشکر سامنے آئے گا تو وہ جنگ کی ابتداء کر دیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے اسفندیار اور ویلم دونوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانا پڑی تھی۔ بہرحال دونوں اپنی فتح اور کامیابی کی امید میں ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ایک محفوظ جگہ پر پڑاؤ کر گئے اور مسلمانوں کے لشکر کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف مسلمانوں کے سالار بکیر بن عبداللہ جب اپنے لشکر کے ساتھ اسفندیار اور ویلم کے لشکر کے سامنے گئے تو اسلامی لشکر کی آمد کے ساتھ ہی ایرانیوں نے جنگ کی ابتداء کرنے کی ٹھانی اور اپنے لشکر کے اندر انہوں نے طبل پر ضرب لگانے کا حکم دے دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک ایرانی لشکر میں اسی انداز سے طبل بجتے رہے۔ ایرانی لشکری بڑے خوفناک انداز میں لشکر کے اندر جوش اور جذبہ پیدا کرنے کے لیے وحشی انداز میں نعرے بلند کرتے رہے اس کے بعد رستم کے دونوں بھائیوں اسفندیار اور ویلم نے اپنے کام کی ابتداء کی اپنے لشکر کو انہوں نے راستوں پر جہنم سجاتے کرب کے جلتے الاؤ، سمندر کے کھولتے فسوں میں چیختی جھاگ، اگلتی لہروں کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں پر تلخ مزاجی کی تعمیر کرتی مسلسل جلتی غصیلی آگ جرائم کے تمغے سجاتی تخریب کے سائبانوں کی چھاؤں اور موسموں کی شدت میں قضا کا زہر اُگلتی عقوبتوں اور نوجہ بردار ساعتوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

مسلمانوں نے بھی اپنے سالار بکیر بن عبداللہ کی سرکردگی میں معمول کے مطابق اپنے کام کی ابتدا کی پہلے انہوں نے سوکھے ہونٹوں کی خشک پیاس کو شبنم کی سی کومل

تازگی، سوچوں کی مٹی پھانکتے لمحوں کو چاند سی اجلی سوچوں اور اندھیری بستیوں کی مسافتوں کو روشنی کے لازوال خدوخال میں تبدیل کر دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں اس کے بعد وہ بھی آنسوؤں کو درد کی آگ، پتھر کو موم کر دینے والے احساس کی بھڑکتی آتش، سوختہ سوختہ چراغوں، بجھتی بجھتی مشعلوں، بے اطمینانی کے سایوں زخم زخم بدنوں خواب خیالوں، نیند نیند خواہشوں انتظار کے داغوں کی سی کیفیت طاری کرتی خاموشی کے قفل توڑتی قہرمانیت کی ان گنت شور کرتی لہروں اور بستی بستی حاصلی پھیلاتی بے بسی اور لاچارگی کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا اس رن کے دوران مسلمانوں نے ایرانی لشکریوں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچنا شروع کر دی تھی۔ ماضی کی طرح عددی فوقیت کو پس پشت ڈالتے ہوئے مسلمانوں نے اپنے سامنے والے ایرانیوں کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

اسفندیار اور اس کے بھائی ویلم نے دیکھا کہ مسلمان تو آہستہ آہستہ ان پر غالب آتے چلے جا رہے ہیں تب انہوں نے اپنے لشکریوں کو للکارا ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے انہیں ترغیب دی کہ وہ مسلمانوں پر جان لیوا حملہ کریں ایسی ہی صورت میں کامیابی اور کامرانی ان کے قدم چوم سکتی ہے۔

اسفندیار اور ویلم کے اس طرح انگیخت کرنے پر تھوڑی دیر کے لیے ایرانیوں نے وقت کی کالی سیاست میں بے یقینی کے موسموں اور لمحوں کے نگارخانے میں نوحوں کا کرب کھڑا کرنے کی کوشش کی لیکن جب مسلمانوں نے بھی پینترے بدل بدل کر جذبوں کی صداقت، احساسات کی ندرت اور فکر کی رفعت کے ساتھ تکبیریں بلند کرتے ہوئے درد کی گھائیوں، دکھ کی چھلنیوں نوحہ گری کے کہرام اور خوفناک سسکتے جذبوں کی سی کیفیت طاری کرنا شروع کی۔ تب ایرانی ماند پڑنے لگے۔ اگلی صفیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ اس لیے کہ اگلی صفوں کی اکثریت موت کے گھاٹ اتر چکی تھی۔ بچے کھچے لشکری اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنے لشکر کے وسطی حصے کی طرف لپکنے لگے تھے۔ اس طرح بڑی تیزی سے ایرانی لشکر کی حالت بے بسی کی اٹھتی کالی رات، سوگ کے بدترین شمشانوں، ٹوٹتے لرزاں خیالات، سوچوں کی خونی دہلیزوں، نفی کے تاریک کنوؤں تڑپ کی آہٹوں اجڑے مناظر کی بستیوں ندامتوں کی پستیوں سے بھی زیادہ ہولناک ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یوں آذربائیجان کے ان میدانوں میں لڑی جانے والی جنگ میں ایرانیوں کو بدترین شکست ہوئی اور مسلمان فاتح کی حیثیت سے ایرانیوں کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

آذربائیجان کی اس شاندار فتح کے بعد مسلمانوں کے سالار بکیر بن عبداللہ ایرانیوں کے ایک اور شہر کی طرف بڑھے جس کا نام باب تھا۔ مؤرخین کے مطابق باب کا حاکم ان دنوں ایک شخص شہریار تھا یہ شہریار ایران کے حکمران شہریار کی نسل سے تھا جس نے کسی دور میں بنی اسرائیل کو پامال کیا تھا اور شام کی سرزمینوں کو اس کے قبضے سے نکال لیا تھا۔ چنانچہ باب شہر کے حاکم شہریار کو خبر ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آذربائیجان کے ایک لشکر کو بدترین شکست دینے اور آذربائیجان کی فتح کے بعد اس کے شہر باب کا رخ کر رہا ہے تو اس نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر صلح کا پیغام بھیجا۔ مسلمانوں کے لشکر کی کمانداری اس وقت عبدالرحمٰن کر رہے تھے انہوں نے باب کے حاکم شہریار کو پیغام بھیجا۔

"تم کو امان دی جاتی ہے جو کہنا ہو خود حاضر ہو کر کہو۔"

چنانچہ باب شہر کا حاکم شہریار خود مسلمانوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے بعوض جذیہ کے امان دی جائے اور میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر عسکری خدمات دینے کے لیے بھی تیار ہوں اور ہر وقت مسلمانوں کا مطیع اور فرمانبردار رہوں گا۔

چنانچہ اس شرط کے عوض شہریار کو امان دے دی گئی اور اس امان کی اطلاع فاروق اعظمؓ کی خدمت میں مدینہ بھی روانہ کر دی گئی تھی۔

اسی دوران مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ایران کے بادشاہ یزدگرد نے جو اپنے قاصد چین کے خاقان کی طرف مسلمانوں کے خلاف مدد کے لیے روانہ کیے تھے تو وہ قاصد کامیاب رہے۔

چین کے خاقان نے مسلمانوں کے خلاف ایرانیوں کی مدد کا وعدہ کیا اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لیے نکلا۔ خاقان کے تحت جس قدر لشکری تھے ان میں اکثریت منگولوں یعنی ترکوں کی تھی۔ یہ لوگ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے اور دشمن کے لشکر کی صفوں کو الٹنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ اسی دوران مسلمانوں کے لیے

ایک اور خطرہ اٹھا یہ خطرہ بھی منگولوں یعنی ترکوں کی طرف سے تھا۔ بلنجر منگولوں کا یعنی ترکوں کا پایۂ تخت تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کشمکش کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ باب شہر کے فاتح عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو ایک لشکر دے کر ان منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان ترکوں یا منگولوں پر ضرب لگانے کے لیے تیاری کرنے لگے تھے۔ اس لیے کہ ترک ہن اور منگول تقریباً ایک ہی نسل سے خیال کیے جاتے تھے۔

عام مؤرخین کا خیال ہے کہ ترک ایک قوم ہے جس کا ذکر سب سے پہلے چھٹی صدی عیسوی میں ایک خانہ بدوش کی حیثیت سے آتا ہے۔

اس قوم نے چھٹی صدی میں منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے بحر اسود تک ایک بدوی سلطنت قائم کی تھی۔ اس کا بانی یاتوس تھا اس کے بھائی استیمی نے مغرب میں فتوحات حاصل کیں۔ چینی ان دونوں سلطنتوں کو شمالی ترکوں اور مغربی ترکوں کی سلطنت کے نام سے یاد کرتے تھے۔ سن پانچ سو اکیاسی میں جب چینی خاندان سوئی برسرِ اقتدار آیا تو ان دونوں سلطنتوں میں اس خاندان کے زیراثر بُعد پیدا ہو گیا سن چھ سو تیس میں شمالی ترک سلطنت اور چھ سو انسٹھ میں مغربی ترک سلطنت کو ایک بار پھر آزادی نصیب ہو گئی اور ترکوں نے اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر لیا۔

چینی ترکوں کا تعلق ہیونگ نو کی اولاد کے ساتھ جوڑتے ہیں جو ہن نسل سے تھا۔ ایرانیوں کا خیال ہے کہ منگول، ترک اور ہن ایک ہی چیز تھے اور شروع میں انہیں مغربی ہن اور مشرقی ہن کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔

مؤرخ ٹامس ترک معنی قوت کے بتاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ نام پہلے قبیلے کا تھا بلکہ ایک حکمران خاندان کا نام کہنا بہتر ہوگا۔ قدیم دور میں ان ترکوں کے ساتھ ساتھ دو اور نام بھی تاریخ میں سامنے آتے ہیں اغور اور توغوز۔ کبھی تو ان کی حیثیت ترک حکمرانوں کے دشمنوں کی ہوتی اور کبھی ان کی حیثیت خوانین کی ہوتی تھی۔

سن سات سو پینتالیس میں منگولیا کی حکومت اغوز کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس پر اویغور کا قبضہ ہو گیا ان کے قبیلوں کی تعداد نو تھی چنانچہ کچھ اغوز تو منگولیا ہی میں اویغور حکومت کے ماتحت رہ گئے اور بعض مغرب اور جنوب کی طرف جا کر آباد ہو گئے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں ایک قبیلہ شادو بھی شامل تھا جو ابتداً مغربی ترکوں میں سے

تھا۔

یہ لوگ ساتویں صدی عیسوی میں جھیل برسکوں کے کنارے آباد تھے۔ سن آٹھ سو آٹھ کے بعد تبتیوں نے انہیں وہاں سے نکال دیا تو یہ اوگ چین میں چلے گئے جہاں انہیں ہوانگ چاؤ کی بغاوت کو فرو کرنے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ دسویں صدی میں ہونان کے صوبے میں ان ترکوں نے تین حکمران خاندانوں کی بنیاد ڈالی جو تھوڑے عرصے میں قائم رہی اس کے بعد سفدیوں نے چینیوں اور ترکوں کے درمیان ایران کے مانوی مذہب کی اشاعت کی۔

سن آٹھ سو چالیس میں ان اویغوروں نے جو منگولیا سے نکال دیئے گئے تھے دو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھی ایک کانچو میں دوسری بلخ میں اس علاقے کو اب چینی ترکستان کہا جاتا ہے۔ ترکی تہذیب میں ڈھالنے والے سب سے پہلے اویغور ہیں۔

عرب کاشغر اور ان سب ممالک کو جو اس کے مشرق میں واقع ہیں شروع سے خالص ترکی علاقے سمجھتے رہے ہیں چنانچہ ان دو ترکی سلطنتوں میں سے دس سو اٹھائیس میں کانچو پر قبیلہ تنگ کا قبضہ ہو گیا اور دوسری انہیں ترکوں کے بھائی بدو بند منگولوں کے طاقت پکڑنے کے عہد تک رہی۔

اس سے پہلے کتائی خاندان کے حکمران اپاؤ کی نے کرغیزوں کو منگولیا سے نکلنے والے یہ آخری ترک تھے اور منگولیا سے ان کا نکلنا گویا منگولیا میں ترکی حکومت کے خاتمے کی علامت تھی۔

بزنطینی ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ سن پانچ سو چھہتر میں ترکوں نے خاکنائے کریمیا کو فتح کر لیا تھا لیکن یہاں ان کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ سن پانچ سو نوے کے قریب اس علاقے پر بزنطینی دوبارہ قابض ہو گئے۔

اس کے چند سال بعد ترکوں کی بزنطینی او رایرانیوں سے جنگ چھڑ گئی۔ جب ترکوں نے قوم عیلام کو فتح کر لیا تو ترکی سلطنت کی سرحدیں ساسانی سلطنت کی نا صرف وسطی ایشیا میں بلکہ بحیرہ خزر کے مغرب میں بھی آ ملیں۔ ترکوں نے ساتویں صدی میں بہت زیادہ قوت حاصل کر لی چنانچہ ایران کے ساسانی حکمرانوں نے ترکوں کے خلاف دربند کی دیوار تعمیر کی اس کے علاوہ انہوں نے اپنے ترک ہمسایوں کے خلاف بحرہ خزر کے مشرقی علاقوں میں بھی مدافعتی قلعے تعمیر کیے۔

ہجری اٹھانوے اور سن سات سو سترہ میں عربوں اور ترکوں کے درمیان جنگ میں جرجان کے ترکوں کی قیادت دیلستان کے سوی نامی ایک دہقان نے کی تھی۔ ایک کتاب الاغانی کی رو سے دریائے آمو کے قریب بسنے والے ترکوں نے ایرانیوں کی زبان اور مذہب اختیار کرلیا تھا اس لیے غالباً چھٹی صدی عیسوی میں ساسانیوں کے ہی زمانے میں وہ اس علاقے کو فتح کر چکے تھے۔

دریائے آمو کے جنوب میں ماضی میں جو جنگیں ایرانیوں کے ساتھ ہوئیں ان میں ترک ہی غالب ہوتے رہے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد آخری ساسانی بادشاہ اور ان کے سرپرست ترکوں کو اب عربوں کے خلاف کسی قسم کی کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی اور اب مسلمانوں نے انہیں ترکوں کے خلاف حرکت میں آنے کا فیصلہ کرلیا تھا جنہوں نے ماضی میں بن سیتھین اور کچھ دوسرے ناموں سے دنیا کے ایک وسیع خطے میں ہلچل برپا کر کے رکھ دی تھی۔

آذربائیجان کے وسیع میدانوں میں خیموں کے شہر کے اندر عتبہ بن ہشام تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ دھیمی دھیمی مسکراہٹ میں رجینا نے اس کا استقبال کیا پھر دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے سامنے نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد فکر گیری آواز میں رجینا عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میں نے سنا ہے لشکر کل محترم عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی سرکردگی میں یہاں سے کوچ کرے گا اور ترکوں پر ضرب لگائے گا۔''

رجینا کے اس سوال پر مسکراتے ہوئے عتبہ بن ہشام کہنے لگا۔ ''تم نے درست سنا ہے لشکر کل یہاں سے کوچ کرے گا اور ترکوں کے مرکزی شہر بلنجر کا رخ کرے گا۔''

جواب میں رجینا کچھ اداس اور افسردہ سی ہوگئی دھیمے سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

''کیا یہ ایک خطرناک مہم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ قدیم ایرانی دور میں یہ ترک جنہیں ایرانی مختلف ناموں سے یاد کرتے رہے ہیں ہمیشہ ایرانیوں پر ہی نہیں بلکہ دوسرے لشکروں پر بھی غالب آتے رہے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ بڑے جنگجو اور وحشی ہیں۔ ان کے لوگ زیادہ تر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کے خلاف جنگ پر اترتے ہیں تو اپنی فتح تک پیچھے نہیں ہٹتے۔

جبکہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ محترم عبدالرحمٰن بن ربیعہ ایک درمیانے درجے کا لشکر

لے کر ترکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوں گے۔ اس لشکر کو نہ جرار یا بڑا کہا جا سکتا ہے نہ ہی مختصر جبکہ میں نے یہ بھی سن رکھا ہے کہ ترک جب کسی کے خلاف حرکت میں آتے ہیں تو حشرات الارض کی طرح نمودار ہوتے ہیں اور اپنی فتح تک چھاتے چلے جاتے ہیں۔''

رجینا کی اس گفتگو کے جواب میں عتبہ بن ہشام نے کچھ سوچا پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''دیکھ رجینا! ہم اپنے ہر حال کو اپنے رب کے سپرد کر کے رکھتے ہیں اور ہر حال میں اسی سے مدد طلب کرتے ہوئے اپنے کام کی ابتداء کرتے ہیں۔ ہم گداز سینوں میں اپنے پیغام سے اخوت کی روشنی بھرتے ہیں۔ کشور ذہن و دل میں انسانی چاہتوں کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ ہم اسلام کا پیغام پھیلا کر انسانیت کے لہو کو رشتوں میں پرونا چاہتے ہیں۔ جبر کی آغوش میں پلتے لمحوں کی چاپ کو انسانیت سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ رجینا! ہمارے لیے کیسی ہی بے سروسامانی کی مسافت کیوں نہ ہو، ہر حال میں ہم اپنے رب کو یاد کرتے ہوئے نیک عمل کی خواہش اور خیر کی ہر سعی اور کوشش کرتے ہیں ہم اپنی صداقتوں، سطوتوں، دیانتوں، امانتوں، سچائیوں اور شرافتوں میں صرف اپنے اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور ہمارے اللہ کا نام ہی ہمارے لیے اسم اعظم ہے اور اسی اسم اعظم کے طفیل ہم ہر میدان میں کامیاب اور کامران رہتے ہیں۔

ہمارے محترم رسولؐ نے ہمارے دل کی دھڑکنوں کی سرگرشیوں میں ایک نیا پیغام اجاگر کر دیا ہے جس کی بنا پر ہم اپنی منزل میں امید کی نئی روشنی لیے ہوئے ہیں اور ہمارے رسولؐ کا پیغام ہی اب ہمارے لیے ہماری آخری پونجی، ہماری آخری امید ہے۔ رجینا! چونکہ ہم خداوند قدوس کے علاوہ نہ کسی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں اور نہ ہی کسی کو مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا ایمان ہے کہ جس خداوند قدوس کو ہمارے رسولؐ اپنی مدد کے لیے پکارتے رہے ہیں ہم بھی انہیں ہی اپنی مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ جب ہم ایسا کرتے ہیں تو دریاؤں، کہساروں، ہواؤں، فضاؤں میں کوئی قوت ہم پر غالب نہیں آ سکتی اور ہمارا محترم رب ہمیں آدمیت کو شرف سے گرانے والوں اوراق کے اوہام پر کھڑے والوں الفاظ سے معانی چھیننے والے بت پرستوں، بصارتوں میں اندھیرا پھیلانے والے مجوسیوں، ساعتوں میں بے حسی کھڑی کرنے والے مشرکوں کے

خلاف ہمیں کامیاب اور کامران رکھتا ہے۔

ہمارے جسم کے ہر مسام میں صرف یہی پیغام ہوتا ہے کہ جب بھی ہم پر مشکل پڑتی ہے ہم نے اپنی مدد کے لیے صرف اپنے خالق اپنے رب کو پکارنا ہوتا ہے۔ یہی پیغام ہمارے رسولؐ نے دیا تھا۔ عرب کے سلگتے صحراؤں کی نکھری صبح میں فطرت کے رازوں کی کتاب ہمارے رب نے ہمارے رسولؐ پر نازل کی اور اسی پیغام کو سامنے رکھتے ہوئے ہم روشنی کے قرطاس پر نیکی کے حروف کشید کرتے ہیں دل ونظر کے خوابوں میں نور کے کوندوں سے معتبر نقیب بنتے ہیں۔

رجینا زندگی کے سفر میں تنگنائے زیست ہو۔ مشقت اور ریاضت ہو صبر اور عزیمت ہو تھکن کی لڑکھڑاہٹ ہو جب ہم اپنی مدد کے لیے صرف اپنے خدا اپنے اللہ کو پکارتے ہیں اس کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس کے سوا کسی اور کو مدد کے لیے نہیں پکارتے تو اس کے ہمیں دو فائدے ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ خدا ہمیں اس پکار کے جواب میں ہمارے دشمنوں کے خلاف فتح مندی عطا کرتا ہے اور دوسری یہ کہ ایسا کرنے سے ہمارا اپنا ضمیر بھی مطمئن رہتا ہے۔''

عتبہ بن ہشام کی اس گفتگو سے رجینا بڑی متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ہلال بن علقمہ اور البانہ وہاں آ گئے چنانچہ چاروں وہاں بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے تھے۔ دو دن بعد لشکر نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ربیعہ کی سرکردگی میں غیر مسلم ترکوں پر حملہ آور ہونے کے لیے کوچ کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے ترکوں کے مرکزی شہر بلنجر کا رخ کیا تھا۔ یہ ترکوں کا پایہ تخت تھا۔ اس موقع پر ایران کے باب شہر کا حاکم شہریار بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا۔ چنانچہ جب شہریار کو خبر ہوئی کہ مسلمان تو غیر مسلم ترکوں کے مرکزی شہر بلنجر پر حملہ آور ہونے کے لیے کوچ کر رہے ہیں تو اس نے بڑی حیرت تعجب فکرمندی اور خوف کا اظہار کرتے ہوئے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں...... کہاں کا قصد ہے یہ شمال کے وحشی ترک تو ناقابل تسخیر خیال کیے جاتے ہیں ان کے مقابلے میں ہم لوگ تو یہی سمجھتے تھے کہ ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔

گویا ہم ان ترکوں سے آج تک بچتے رہے ہیں ان سے کوئی معرکہ آرائی نہیں کی اس لیے کہ ان ترکوں کو زیر کرنا آسان نہیں۔''

شہریار کے ان الفاظ کے جواب میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جب تک میرا نیزہ ترکوں کے سینوں میں نہ گھس جائے مجھے صبر نہ آئے گا۔''

الغرض مسلمانوں نے ترکوں ے کے مرکزی شہر بلنجر کی طرف پیش قدمی جاری رکھی چنانچہ بلنجر شہر کے نواح میں ترکوں کے ساتھ ایک خوفناک معرکہ ہوا اور اس معرکے میں مسلمانوں نے غیر مسلم ترکوں کو بدترین شکست دی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح ایرانیوں پر جو منگولوں ہنوں ترکوں اور شمال کی وحشی اقوام کا خوف طاری تھا وہ مسلمانوں کی اس فتح کے باعث جاتا رہا تھا۔

یہاں مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ترکوں کا یہ اعتقاد تھا کہ مسلمانوں کو کوئی قتل نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے ساتھ ملائکہ رہتے ہیں۔ ساتھ ہی مؤرخین اس بات کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ اتفاق سے ان لڑائیوں میں ترکوں نے ایک مسلمان کو گرفتار کر لیا جس کو ان لوگوں نے لے جا کر شہید کر دیا پھر کیا تھا ترکوں کا مسلمانوں سے متعلق اعتقاد بدل گیا جس سے ان کی جرأت اور دلیری میں اضافہ ہو گیا چنانچہ ایک بار وہ پھر عبدالرحمٰن بن ربیعہ سے ٹکراتے ہوئے اپنی پوری طاقت اور قوت کو صرف کیا لیکن پھر بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

ترکوں کے خلاف اس شاندار کامیابی پر مسلمانوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے تھے۔

اسی دوران مسلمان مخبروں نے اپنے سالاروں کو یہ اطلاع دی کہ ایران کا شہنشاہ یزدگرد بلخ شہر میں مقیم ہے اور وہاں اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان گنت جنگجو بلخ میں اس کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں اور ہر روز اس کے لشکر میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ان واقعات کی اطلاع جب فاروق اعظمؓ کو ہوئی تو انہوں نے یزدگرد پر ضرب لگانے کے لیے اسلامی لشکر کا سالار احنف بن قیس کو مقرر کیا اور اس کے لیے حکم تھا کہ وہ یزدگرد پر لشکر کشی کریں۔

احنف بن قیس نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے لشکر کے ساتھ خراسان میں داخل ہونے کے بعد پہلے ہرات کا رخ کریں گے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے وہ بلخ میں یزدگرد

سے ٹکرائیں گے اسی دوران مسلمانوں کے ایک اور لشکر مطرب بن عبداللہ کی سرکردگی میں نیشاپور پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا گیا۔ ایک اور لشکر حارث بن حصام کی کمانداری میں سرخس شہر پر ضرب لگانے کے لیے کوچ کر گیا تھا اس طرح مسلمانوں کے کئی لشکر اب ایرانی سلطنت کے بچے کھچے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ، رجینا اور البانہ کے ساتھ احنف بن قیس کے لشکر میں شامل تھے۔ بنوتمیم کے لوگ بھی اسی لشکر میں شامل ہو چکے تھے۔ چنانچہ احنف بن قیس اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے اور پہلے انہوں نے ہرات شہر کا رخ کیا۔ ہرات میں شہر کی مدافعت کے لیے جو لشکر تھا اس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے اور انہیں ہرات پر قبضہ نہ کرنے دیا جائے لیکن مسلمانوں نے اپنی ترک تاز اور اپنی یلغار اور پیش قدمی کو اس شدت کے ساتھ جاری رکھا کہ ہرات کی مدافعاتی قوت مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکی اور دوسرے شہروں کی طرح ایرانیوں کے ہرات شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا چنانچہ ہرات کو فتح کرنے اور چند روز وہاں قیام کر کے وہاں کے نظم و نسق کو درست کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے اب بلخ شہر کا رخ کیا تھا جہاں اس وقت ایران کے بھگوڑے اور سرگرداں رہنے والے بادشاہ یزدگرد نے قیام کر رکھا تھا۔

یزدگرد یونہی بلخ شہر میں پناہ لینے کے لیے نہیں پڑا ہوا تھا بلکہ بلخ شہر میں قیام کے دوران اس نے آس پاس کے شہروں ادھر اُدھر بکھرے ہوئے ایرانی لشکریوں اور ان حکمرانوں سے بھی مدد طلب کر لی تھی جو ماضی میں ایرانیوں کے تحت تھے لیکن بعد میں انہوں نے ایک طرح سے خودمختاری حاصل کر لی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے یزدگرد نے بلخ شہر میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا اور اس لشکر کی پرواہ کیے بغیر اسلامی لشکر ہرات کو فتح کرنے کے بعد بڑی برق رفتاری سے بلخ شہر کی طرف بڑھا تھا۔

جہاں تک بلخ شہر کا تعلق ہے تو موجودہ دور میں یہ شہر ایران کے بجائے افغانستان

میں شامل ہے۔ ایک قدیم شہر ہے جنوب میں واقع پہاڑوں کے دامن میں دریائے جیحوں سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے آثار اب بھی مزار شریف شہر کے ایک گاؤں کے اطراف میں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سکندرِ اعظم کی فتوحات کے بعد بلخ نام کا شہر ایک یونانی باختری ریاست کے صدر مقام کی حیثیت سے تاریخ کے اوراق میں سامنے آیا۔ سن چھ سو اٹھائیس میں ایک چینی بدھ بھکشو ہوانگ سانگ یہاں آیا اس کے قول کے مطابق اس شہر میں بدھوں کی ایک سو عبادت گاہیں تھیں۔

اس کے علاوہ اس شہر میں بدھ مت والوں کا ایک بہت بڑا مندر تھا بلکہ مندروں کا ایک سلسلہ تھا جسے نوبہار کہتے تھے نوبہار مندروں کے اس سلسلے کا سربراہ برمک ہوا کرتا تھا یہ وہی برمک تھا جس کی اولاد خلیفہ ہارون رشید کے دور میں برامکہ کہلائی۔

عربوں نے جب اس شہر کو فتح کرلیا تو اس کے بعد ہجری دو سو ستاسی میں بلخ پر سامانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سامانیوں کے دورِ حکومت میں اس شہر نے بہت ترقی کی اور بلخ ماورا نہر، ترکستان اور ہندوستان کی باہمی تجارت کا مرکز بن گیا، اس دور میں یہ شہر ،، حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ اندرون شہر اور مضافاتی شہر دوسرے ایرانی شہروں کی نسبت بلخ کی سڑکیں زیادہ جوڑی تھیں۔ اس کی مسجدیں خوبصورتی میں بے نظیر و بے عدیل تھیں۔

اس کے گھروں کے صحن خراسان کے تمام شہروں کے صحنوں سے زیادہ کشادہ تھے۔

مسلمانوں کی فتوحات کے بعد جب سامانیوں نے اس پر قبضہ کرلیا تو سامانیوں کے بعد سلوجوقی قبیلے نے جب طاقت اور قوت پکڑی تو اس شہر پر سلجوقیوں کا قبضہ ہو گیا۔ سلجوقیوں کی طاقت جب کمزور ہوگئی تو غز ترکوں نے اسے تباہ و برباد کر دیا اور بلخ کے گورنر امیر قماچؒ نے ایک نئی جگہ اس شہر کو از سرِ نو آباد کیا اس کے بعد شہر خراغنائیوں کے قبضے میں چلا گیا لیکن بہت جلد شہاب الدین غوری حرکت میں آیا اور اس شہر پر غوریوں کا قبضہ ہو گیا۔ غوریوں کی طاقت اور قوت جب کمزور پڑ گئی تب خوارزم شاہ جیسے تاریخ کے اوراق میں علاؤالدین خوارزم شاہ بھی کہتے ہیں وہ اس شہر پر قابض ہو گیا بعد میں چنگیز خان نے اس شہر کو تباہ و برباد کر دیا لیکن آٹھویں صدی ہجری میں ایک شخص کپک خان نے اسے پھر سے تعمیر کیا۔ جب اس شہر پر تیمور کا قبضہ ہوا تو شہر از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔ ان تعمیرات سے ہرات اور سمرقند کے بعد بلخ وسط ایشیا کا سب سے بڑا اور اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ ازبکوں کے دورِ حکومت میں پرائے بلخ کے شمال مشرق میں بلخ کے نام

سے ایک قصبہ تعمیر ہوا۔

بدقسمتی سے دسویں صدی ہجری اور سولہویں صدی ہجری میں بلخ شہر کو زوال آنا شروع ہوگیا اور آہستہ آہستہ یہ شہر ویران ہوتا چلا گیا۔ شہر کی آبادی کا بڑا حصہ قریبی شہر مزار شریف کی طرف منتقل ہونا شروع ہوگیا اور بلخ ایک بڑے شہر کے بجائے بوسیدہ ہونے لگا۔ یوں بلخ کی حیثیت ایک چھوٹے سے قصبے کی رہ گئی تھی جس میں صرف چند سو مکان تھے۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خان نے بلخ بدخشاں کے علاقے یعنی افغانستان کے شمالی حصے کو سلطنتِ احمد شاہی میں شامل کرلیا اور وہاں افغانی احکام متعین کر دیئے۔

جہاں یہ شہر بنتا رہا مٹتا رہا وہاں ہجری تیرہ سو بارہ میں افغانستان کے وزیر گل محمد خان نے نئے انداز سے بلخ شہر کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ بازار، حکومتی مراکز اور تجارت خانے قائم کیے گئے۔

بلخ شہر کا مشہور پھل خربوزہ ہے جو بہت شیریں ہوتا ہے۔ قراقلی قالین شال ریشمی چیزیں یہاں کی مشہور مصنوعات ہیں۔ یہاں کے پالتو جانوروں میں گھوڑا بہت مشہور ہوا کرتا تھا لوگوں کا پیشہ زراعت اور قراقلی بھیڑیں پالنا، قالین بافی اور گھوڑے پالنا ہوتا تھا۔ یہاں کا موسم گرمی میں سخت گرم موسم سرما میں سخت سرد ہوتا تھا۔ بلخ میں بہت سے قدیم بزرگانِ اسلام کے مزار بھی موجود ہیں جن میں خواجہ ابونصر پارسا خواجہ عکاشہ، امام محمد حنیفہ، امام ابوحفظ شیخ اسلام امام عبداللہ اسماعل ابوقاسم انصاری وغیرہ۔

بہرحال مسلمانوں کا لشکر جب بلخ کے نواح میں پہنچا تو ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یزدگرد نے لگاتار کوششوں سے جو لشکر بلخ میں جمع کیا تھا وہ بلخ کے نواح میں مسلمانوں سے ٹکرانے کے لیے موجود تھا۔ اب تک جو ایرانیوں کے خلاف مسلمانوں نے کامیابیاں حاصل کی تھیں ان کا یزدگرد کو بڑا قلق بڑا غصہ تھا اور وہ اسی کوشش میں تھا کہ کوئی ایسا لمحہ آئے کہ وہ مسلمانوں کو شکست سے دوچار کرنے کا سلسلہ شروع کر دے۔ اپنی سلطنت کی پہلی سی عظمت کو بحال کر دے۔ اسی سلسلے میں اس نے چین کے خاقان سے بھی مسلمانوں کے خلاف مدد طلب کر رکھی تھی۔ یزدگرد کا ارادہ یہی تھا کہ بلخ میں قیام کے دوران وہ ایک بہت بڑا لشکر جمع کرے گا اتنی دیر تک چین کا خاقان بھی اس کے حق میں مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لیے لشکر لے آئے گا اور اس طرح جب

دو بڑی قوتیں متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آئیں گی تو یقیناً مسلمانوں کی ناکامیوں اور ان کی شکستوں کے در کھل جائیں گے لیکن یہاں شاید قدرت کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔

چونکہ چین کا خاقان ابھی تک اپنے لشکر کے ساتھ یزدگرد کی مدد کے لیے نہیں پہنچا تھا تاہم یہ افواہیں اڑی ہوئی تھیں کہ چین کا خاقان ایک بہت بڑا لشکر لے کر یزدگرد کی مدد کے لیے بڑی برق رفتاری سے ان علاقوں کا رخ کیے ہوئے ہے اور ان افواہوں اور خبروں نے ایک طرح سے ایران کے شکست خوردہ لشکریوں کے حوصلے پھر جوان اور مضبوط اور مستحکم کر دیئے تھے۔ چنانچہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے تب سب سے پہلے ایرانی لشکر نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ ماضی کی طرح بلخ کے نواح میں بھی ایرانی لشکر کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی چنانچہ ایرانی لشکر خوشی کے علم چھین کر دکھوں کے جمود میں نفرت کیے جانے والے جہنم، روح روح کو دہلاتے روشن چہروں کو سلگاتے قلب ونظر کو جلاتے لاتختم نوحوں کی طرح حرکت میں آیا۔ اس کے بعد ایرانی مسلمانوں پر ذات کے حصار میں گھس کر ڈنگ مارتے زہریلے حروف ظاہر داری اور منافقت سے لیس آلات کے خوف و جبر، سکوت اور آسودگی کے سارے بندھن ضبط اور پندار کے سارے بند توڑ دینے والے حرص و ہوس کی یلغار کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ایرانیوں کی اس یلغار ان کے ان حملوں کے باعث محبت اور عقیدت کے پیکر دکھائی دینے والے مجاہد کرب کے کھولتے سموں میں تبدیل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ دردمندی اور غم گساری اور ہمدردی رکھنے والے مسلمان جنگجو چیختے چلاتے بگولوں کی وحشت ناکی کی ردا اوڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ افتادی خاکساری انکساری اور عاجزی کو اپنا شعار بنانے والے تباہی کی طرف لے جانے والی آندھیوں کی صورت اختیار کرنے لگے تھے۔ روح فرسا مناظر سے بے ضرر مسلمان تیغ زن ایرانیوں کے ان حملوں کے باعث شعلوں کے خوفناک رقص کی سی کیفیت اختیار کرتے چلے گئے تھے پھر مسلمانوں نے بھی جوابی کارروائی کی ابتداء کی اور وہ بھی نفس نفس میں زہر بھر دینے والے رنج وغم کے اڑتے بگولوں ہر شے کی ذات کے غار میں سلگتی ریت بھڑکتی ہواؤں کی طرح داخل ہو جانے والے طوفانوں، خود فریب خواہشوں کے سلسلوں پر شکست اور ریخت کی طرح

ضربیں لگانے والے اضطراب اندیشوں بھرے نعروں اور زمین فضا اور ہواؤں تک کو محرومیوں مجبوریوں کے ڈھیر سے بھر دینے والے فنا کے چڑھتے بگولوں کی طرح ایرانیوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

یوں بلخ کے نواح میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدان جنگ میں تلخی بھرے بگولے زہراب آنچل اڑنے لگے تھے۔ زیست کی آرائش تزئین پر تھکن کی لڑکھڑاہٹیں اور کھولتے خون کا رقص شروع ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے سورماؤں، بڑے بڑے جنگجوؤں کو موت بیڑیوں میں جکڑے زنجیروں میں باندھے اپنے سامنے مجبور اور بے بس کرنے لگی تھی۔ سنہرے ارادے جدائی کے زخموں کی صورت اختیار کرتے چلے گئے تھے۔ بڑے بڑے جنگجو بڑے بڑے سورما بڑے بڑے شمشیر زن جو اپنے آپ کو ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے وہ جنگ کی بھڑکتی بھٹی کے سامنے ایسی صورت اختیار کرتے چلے گئے تھے جیسے صدف جس میں موتی نہ ہو، صحرا جس میں کشفِ حقائق نہ ہو، صہبا جس میں تلخی نہ ہو پھول جس میں خوشبو نہ ہو، لب جن میں حلاوت نہ ہو، پتھر جن میں گوہر نہ ہو، میدانِ جنگ میں بڑی تیزی سے ان گنت لشکریوں کے نفس کا عمل موقوف ہونا شروع ہو گیا تھا۔ زندگی کے عذاب تباہی اور بربادی کے شعلے فنا کے پرندے زوال کے لمحات چاروں طرف اپنا رنگ دکھانا شروع ہو گئے تھے۔

بلخ شہر کے نواح میں ایرانیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو کسی نہ کس یطرح ایک بار ہی شکست سے دوچار کر کے اپنی ماضی کی شکستوں اور ناکامیوں کا در بند کر کے اپنی کامیابیوں اور فوزمندیوں کا باب کھولنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ کچھ دیر تک جب گھمسان کا رن پڑا تو ایرانیوں نے خود دیکھا مسلمانوں نے ان کی اگلی صفوں کو چیر کر رکھ دیا تھا اور اب وہ دائیں بائیں کے علاوہ ایرانیوں کے لشکر کے مرکزی حصے کو اپنا ہدف بنانا شروع ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد ایرانی لشکر کی حالت ذرّہ ذرّہ ہو کر بکھرتی رات، دھواں دھواں فضاؤں، انجان راستوں کی سنسانیوں خون سے احوال لکھتی شام، دھیرے دھیرے سلگتی ذلتِ نفس، ملامت بھرے استعاروں سوختہ فکر کی راکھ اور رگ رگ میں سلگتے جذبوں سے بھی زیادہ الم ناک ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ یزدگرد کے سالاروں نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں

ایک بار پھر ان کے مقدر میں شکست اور بدبختی لکھی جا رہی ہے چنانچہ انہیں یقین ہو گیا کہ اب وہ مزید مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اگر انہوں نے جنگ جاری رکھی تو نا صرف ان کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے گا بلکہ ان کی پوری قوت کو کچل دیا جائے گا۔ چنانچہ ان اندیشوں کے تحت ایرانی شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

یزدگرد کو جب اس خبر کی اطلاع ملی تو وہ بلخ شہر سے نکل کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح ہرات کے بعد مسلمان بلخ شہر کو بھی فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اس دوران یہ خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں کہ چین کا خاقان ایک بہت بڑا لشکر لے کر یزدگرد کی مدد کے لیے بڑی برق رفتاری سے دریائے جیجوں کا رخ کیے ہوئے ہے یہ خبریں سننے کے بعد یزدگرد نے ادھر اُدھر بکھرے ہوئے اپنے لشکریوں کو پھر جمع کر کے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے لشکر کے سالارِ اعلیٰ احنف ان دنوں بلخ شہر کو فتح کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے نواح میں ہی خیمہ زن تھے۔ اسی خیمہ گاہ میں ایک روز عتبہ بن ہشام اور رجینا دونوں میاں بیوی خیمے میں اپنا سامان سمیٹ رہے تھے کہ خیمے کے دروازے پر ہلال بن علقمہ اور البانہ دونوں میاں بیوی کے علاوہ بنو تمیم کے سعد بن قیس اور برق بن اسد بھی اپنے اہلخانہ کے ساتھ نمودار ہوئے اس لئے کہ وہ دونوں بھی اپنے بیوی بچوں سمیت لشکر میں شامل تھے۔ سب خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر بڑے غور سے عتبہ بن ہشام اور رجینا دونوں میاں بیوی کو دیکھتے رہے سب سے پہلے رجینا کو احساس ہوا کہ وہ دروازے پر کھڑے ہیں چنانچہ اس نے چونک کر خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا پھر عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

''آپ ذرا خیمے کے دروازے کی طرف تو دیکھیں۔''

عتبہ بن ہشام نے جب خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں سب کو کھڑا دیکھ کر مسکرایا۔ اس پر سب خیمے میں داخل ہوئے اور ہلال بن علقمہ بڑی اپنائیت میں عتبہ بن ہشام کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں تم دونوں میاں بیوی کو اپنا سامان سمیٹتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ چین کا خاقان ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر ضرب لگانے کے لئے

قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر پہلے لشکر کو یہاں سے کوچ کا حکم ملا ہے۔ میں تو یہ سمجھا تھا ابھی تمہیں اس کی خبر نہیں ہو گی لیکن تم دونوں میاں بیوی کو سامان سمیٹتے دیکھ کر میں خوش ہوا اور اندازہ لگا لیا کہ تمہیں بھی خبر پہنچ گئی ہے کہ لشکر یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔''

جواب میں عتبہ بن ہشام مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابن علقمہ! میرے بھائی! تمہارا اندازہ درست ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ہم دونوں میاں بیوی کو خبر ہوئی کہ لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ لہٰذا ہم نے تیزی سے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ سامان تو اب ہم سمیٹ چکے ہیں۔''

اس کے بعد سارے حرکت میں آئے۔ ہشام اور رجینا جب اپنا سامان لے کر باہر نکلے اور سامان سے بھری خرجینیں گھوڑوں کی زینوں سے باندھ دیں تب ہلال بن علقمہ، سعد بن قیس اور برق بن اسد نے خیمہ اکھیڑ کر تہہ کر دیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں لشکر نے چین کے خاقان کا مقابلہ کرنے کے لئے دریائے جیجوں کا رخ کیا تھا۔

چین کے خاقان نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جیجوں کے قریب پڑاؤ کیا تھا۔ وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر آیا تھا۔ اس کی آمد پر ایرانی خوش تھے اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب مسلمانوں کو شکست دینا آسان ہو جائے گا۔ دوسری طرف یزدگرد بھی خاقانِ چین کے ساتھ اپنا معاملہ طے کرنے کے بعد مرو کی طرف چلا گیا تھا جہاں اس نے ایک اور لشکر تیار کر رکھا تھا۔ دراصل یزدگرد بیک وقت مسلمانوں کے لئے دو محاذ کھولنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف اس موقع کو یزدگرد آخری موقع کے طور پر استعمال کرنے کا خواہش مند تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر چین کے خاقان کی آمد کے باوجود عربوں کے خلاف ایرانیوں کو فتح نہ ہوئی تو پھر کبھی بھی وہ عربوں کے خلاف اپنی فتح مندی اور کامیابی کا در نہ کھول پائیں گے۔ اس بناء پر اس نے مرو میں بھی ایرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا۔

دوسری طرف مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ احنف چین کے خاقان کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ دریائے جیجوں کو پار کر کے ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا، صف آراء ہوئے۔ ان کے لشکر کی تعداد اس وقت بیس ہزار تھی۔ چونکہ چین کا خاقان ٹڈی دل سا لشکر لے کر آیا تھا لہٰذا مسلمانوں نے احتیاطاً ضرورت کے مطابق اپنی حفاظت اور اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے خندقیں بنا لیں اور مورچے قائم کر لئے۔

چند دن اسی تیاری میں گزر گئے۔ اس کے بعد وہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔

قدیم ترکوں کے اندر یہ دستور تھا کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے تین بہادر یکے بعد دیگرے طبل اور علم لے کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔ اس کے بعد سارا لشکر حرکت میں آتا تھا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔

جس روز دونوں لشکر جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے، ترک اپنے دستور کے مطابق حرکت میں آئے۔ ایک ترک طبل و علم لئے دونوں لشکروں کے درمیان آیا اور مسلمانوں کے سالار کو انفرادی مقابلے کے لئے پکارا۔

اس موقع پر کئی مسلمان سالار میدان میں اتر کر چین کے خاقان کے اس جنگجو کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں کے سپہ سالار نے کسی کو بھی میدان میں اُترنے کی اجازت نہ دی بلکہ اپنے آپ کو لیس کر کے وہ خود انفرادی مقابلے کے لئے میدان میں اُترے چنانچہ دونوں لشکریوں کے وسط میں احنف کچھ دیر تک میدان میں اترے والے چین کے اس سورما کے ساتھ برسرِ پیکار رہے اور پھر تھوڑی دیر کے رد و بدل کے بعد احنف نے اس پر اپنے نیزے کا ایسا وار کیا کہ اس سورما کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہ اپنے گھوڑے سے گر گیا۔ اس کے بعد ترکوں نے اپنے قاعدے کے موافق پھر اپنے کام کی ابتداء کی۔ اس مرتبہ دو جنگجو خاقانِ چین کی طرف سے میدان میں آئے۔ پہلے سورما کو زیر کرنے کے بعد مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ احنف واپس لشکر میں نہیں آئے، وہیں کھڑے رہے۔ جب دوسری بار دو جنگجو میدان میں اترے تب وہ ان دونوں کے مقابلے پر جم گئے اور ان دونوں کو بھی بیک وقت انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یزدگرد کی مدد کے لئے آنے والا چین کا خاقان مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی ضرب لگانا چاہتا تھا اور یزدگرد کو اس نے وعدہ دے رکھا تھا کہ وہ اس کے لئے مسلمانوں کو اپنے سامنے زیر کر لے گا لیکن جب چین کے خاقان نے دیکھا کہ مسلمانوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ نے کسی اور کو انفرادی مقابلے کے لئے نہیں اتارا بلکہ وہ خود آیا ہے اور پہلے ایک سورما کا مقابلہ کرنے اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد واپس نہیں گیا بلکہ میدان ہی میں جما رہا۔ جب دو جنگجو میدان میں اترے تو ان دونوں کا بھی اس نے خاتمہ کر دیا تب اس کے دل میں وسوسات اور خدشات اُٹھ کھڑے

ہوئے اور اس نے سوچا کہ جس لشکر کے سپہ سالارِ اعلیٰ کی یہ حالت ہو کہ وہ اپنے دوسرے سالاروں اور لشکریوں کو منع کر کے انفرادی مقابلے کے لئے خود میدان میں اُترے، خود زندگی بن کر موت کا تعاقب کرے تو اس کے دوسرے سالاروں اور لشکریوں کا کیا عالم ہو گا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ چین کا خاقان اپنے تین بہادروں کو مقتول دیکھ کر ایسا خوفزدہ، ایسا پریشان ہوا کہ اسی وقت اپنے لشکر کو سمیٹتا ہوا اور واپسی کا حکم دیتا ہوا جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو بھاگ گیا۔

یزدگرد کو جب خبر ملی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں چین کا خاقان بھی ناکامی اور شکست کا سامنا کرتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا ہے تب اس نے اپنا سارا خزانہ، جواہرات اور دیگر مال جمع کر کے چین کے خاقان کے پاس جانے کا قصد کیا۔ اُس کے اس ارادے کی اس کے امراء دربار نے سخت مخالفت کی اور اسے مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کر لے۔ کیونکہ مسلمان ایفائے وعدہ اور پابندیٔ عہد میں چین کے خاقان سے بدرجہ اچھے ہیں۔

یزدگرد نے جب اپنے امراء کا کہنا نہ مانا تو انہوں نے بلوہ کر دیا اور سارا مال اسباب چھین لیا۔ یزدگرد تھوڑا بہت سامان لے کر دریائے جیحوں کو عبور کر کے بھاگا۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ بچے کھچے مال کو لے کر خاقانِ چین کے پاس چلا گیا جبکہ ایرانی مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ راستے میں اس نے ایک آسیہ ساز کے ہاں پناہ لی اور جب اس نے دیکھا کہ اس شخص کے پاس جواہرات اور مال ہے تو اس نے یزدگرد کو راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چنانچہ یزدگرد کے چلے جانے کے بعد اس کے اراکین مملکت نے صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ قدم اٹھایا کہ وہ سب مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ احنف کی خدمت میں باریاب ہوئے اور جو کچھ جواہرات، مال اسباب ایرانی مملکت کا تھا وہ دے کر مصالحت کر لی۔ احنف نے یہ جواہرات وغیرہ دوسرے مالِ غنیمت کے ساتھ اپنے لشکر میں تقسیم کر دیئے۔ مالِ غنیمت میں سواروں کو اس قدر حصہ ملا جس قدر قادسیہ میں ملا تھا۔ اس کے بعد احنف نے بلخ میں قیام کے بعد فاروقِ اعظمؓ کو ان فتوحات کی بشارت کا نامہ لکھا۔

فاروقِ اعظمؓ نے یہ خبریں پا کر اہل مدینہ کو جمع کر کے ان فتوحات کا مژدہ سنایا۔

اس موقع پر آپ نے ایک پُر اثر تقریر کی جس سے سامعین کے دل دہل گئے۔ آپ نے فرمایا۔

"آگاہ ہو جاؤ۔ بے شک آج مجوسیوں کی حکومت جاتی رہی۔ پس وہ اپنے ملک میں ایک بالشت زمین کے بھی مالک نہیں رہے جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکیں۔ آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کی زمین ان کے ملک ان کے اموال اور ان کے قیدیوں کا وارث اور مالک تمہارے اعمال جانچنے کی غرض سے بنا دیا ہے۔ پس تم لوگ اپنی حالت تبدیل نہ کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا۔ مجھ کو اس امت پر اسی کا خوف ہے کہ مبادا ان پر ہی حالت نہ طاری ہو جو ان سے پیشتر والوں کا ہوا ہے۔"

یزدگرد کے مارے جانے کے بعد گویا ایرانی سلطنت میں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ایرانی یہ خیال کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے حکمرانوں کو خدا کی طرف سے بادشاہت یزدان کی طرف سے ورثے میں ملی ہے۔ چنانچہ ایک کے بعد دوسرا بادشاہ اس ورثے کا مالک بنتا تھا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ گویا بادشاہت ایک مقدس حق تھا جو خدا کی طرف سے ملتا تھا اور نسل در نسل ایک دوسرے کو منتقل ہو جاتا تھا۔

ایرانی بادشاہ کو چونکہ وراثت سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے یہ انہیں یزدان کی طرف سے ملتا ہے۔ لہٰذا بادشاہوں کی نسل کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جو بادشاہوں کی نسل سے نہ ہوتا بادشاہ نہیں بن سکتا تھا کیونکہ بادشاہت کے لئے اس خاندان میں سے ہونا لازمی تھا جیسے یزدان کی طرف سے بادشاہت ایک طرح سے وراثت میں ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی سلطنت میں حکومت کا کوئی باغی خواہ تدبیر اور طاقت میں اس کا کتنا ہی مرتبہ بلند ہوتا، بادشاہ نہیں بن سکتا تھا۔ ایرانی بادشاہ مطلق العنان ہونے کے باوجود آئین زرتشتی کی پیروی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مذہب کے سب سے بڑے پیشوا یعنی معبد معبدان کو اگرچہ بادشاہ خود مقرر کرتا تھا لیکن تمام معبدوں کا تقرر معبد معدبان کے ہاتھ میں ہوتا تھا اس لئے دربارِ شاہی میں اسے بڑا اثر و رسوخ ہوتا تھا۔ ایرانی بادشاہ جس عظمت اور جلال سے زندگی بسر کرتے تھے تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ہی پیش آ سکتی ہے۔ بادشاہ لوگوں کے سامنے عموماً نہیں آیا کرتے تھے۔ بادشاہ اور درباریوں

کے درمیان پردہ حائل ہوتا تھا۔ پردے کی نگرانی ندیم خاص کو سونپی جاتی تھی جس کا لقب خرم باش ہوتا تھا۔ اکثر بادشاہ کسی کو شرف پذیرائی بخشتا تو خرم باش سے اطلاع کر دیتا۔ جب وہ قصر میں داخل ہوتا تو آدابِ شاہی بجا لانے کے لئے ایک بلند آواز سنائی دیتی۔

"ہوشیار! احتیاط ملحوظ رہے۔ اب آپ شہنشاہ کے حضور ہیں۔"

رسم مجالس یا بزم آرائی کے وقت بھی آدابِ خسروانہ ملحوظ رکھنے پڑتے تھے۔ درباری اپنے مقام اور منصب کے مطابق صف باندھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ کسی کو بات کرنے کا یارا نہیں ہوتا تھا۔ خرم باش ساز بجا کر کہتا۔

"اب مجلس کا آغاز ہوتا ہے۔"

پردہ جب اٹھتا تو حاضرین دیکھتے کہ شہنشاہ لباسِ فاخرہ میں ملبوس ہے۔ جوہرات سے سجے ہوئے طلائی تخت پر جاں فروز ہوتا تھا اور مروارید و جواہرات سے مزین تاج اس کے سر پر آویزاں ہوتا تھا جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اہلِ دربار دم بخود ہو جاتے تھے اور ان کا سر آپ سے آپ اپنے بادشاہ کے سامنے جھک جاتا تھا۔

مشہور مؤرخ مسعودی لکھتے ہیں کہ دربار کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ سپہ سالار اور شہزادے تخت شاہی سے تیس قدم کے فاصلے پر دائیں طرف بیٹھتے تھے۔ بائیں طرف اسی قدر فاصلے پر مختلف صوبوں کے حکمرانوں کی نشستیں ہوتی تھیں۔ موسیقار اور نقال وغیرہ ساتھ ہوتے تھے۔

شاہی دربار میں انعام و اکرام اور خلعتیں بھی عطا کی جاتی تھیں۔ نوشیروان اوّل کو معبد معبدان نے ایک خوشخبری سنائی تو اس کا منہ جواہرات سے بھر دیا گیا۔

غیر ملکی سفیروں کا خیر مقدم بڑے تپاک سے کیا جاتا تھا۔ جب کوئی سفیر سرحدِ ایران پر پہنچتا تو وہاں کے حکام فوراً شاہی دربار میں اطلاع دیتے پھر اسے پورے تزک و احتشام کے ساتھ دربار میں لایا جاتا تھا۔ بادشاہ رسمی مجمع میں اسے شرفِ پذیرائی بخشتا تھا۔

شہنشاہِ ایران کے تحت تین طرح کے حکمران ہوا کرتے تھے۔ ایک وہ جو حکومت ایران کی سرحدوں پر حکامت کرتے تھے۔ یہ حکمران یوں تو خود مختار تھے لیکن خارجی

معاملات میں انہیں بادشاہ کے مشورے پر چلنا پڑتا تھا۔

دوسرے حکمران وہ ہوتے تھے جو شہنشاہ کی پناہ میں ہوتے تھے۔ اگر کسی دوسرے ملک کا بادشاہ ان پر حملہ آور ہوتا تو شہنشاہ ان کی مدد کرتا۔ ان حکمرانوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ جب شاہ ایران کو غیر ملکی حملے یا داخلی شورش کو دور کرنے کے لئے لشکر کی ضرورت ہو تو وہ اپنے اپنے لشکر اس کی مدد کے لئے بھیجیں اور اس کے اخراجات کی خود کفالت کریں۔ ان بین النہر، آرمینیا اور گرجستان کے حکمران شامل تھے۔

تیسرے حکمران وہ تھے جنہیں بادشاہ مختلف صوبوں کی حکومت سونپتا تھا۔ یہ حکمران عموماً شہزادوں میں سے چنے جاتے تھے۔ بادشاہ کے ولی عہد کے لئے ضروری ہوتا کہ وہ کسی اہم صوبے کا حاکم رہ چکا ہو۔ شہزادوں کے یہ حقوق موروثی نہیں ہوتے تھے بلکہ بادشاہ مصلحت وقت کے مطابق انہیں تبدیل بھی کر دیتا تھا۔

اسلام سے پہلے ایرانی معاشرہ چار طبقوں پر مشتمل تھا۔ پہلا طبقہ مذہبی علماء کا، دوسرا ملکی محافظوں کا، تیسرا کسانوں کا اور چوتھا صنعت کاروں کا تھا۔ علماء مذہب کی جو جماعت مقدمات اور معاملات میں فیصلے دیتی تھی، جماعتِ قضا تھی۔ انہیں دادور کہتے تھے۔ علماء کے ایک طبقے کے ذمے تبلیغ اور اشاعت کا کام تھا۔ اس طبقے کے رئیس کو معبد معبدان کہتے تھے۔ یہ حقیقت میں زرتشتی دنیا کا پیشوائے اعظم ہوتا تھا۔

معبد معبدان کے تحت کئی مذہبی پیشوا ہوتے تھے جو معبد کہلاتے تھے۔ معبد کے تحت چھوٹے معبد ہوتے تھے جو آتش کدوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ علماء کا سب سے نچلا طبقہ مغوں کا تھا جن کے رئیس کو مغِ مغاں کہتے تھے۔

مذہبی عہدے داروں کی زندگی زہد اور پاکیزگی کا نمونہ ہوتی تھی۔ یہ لوگ دن میں چار مرتبہ آفتاب کی پرستش کرتے اور مناجاتیں پڑھتے تھے۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز نے جو آتش کدے تعمیر کروائے تھے ان میں بارہ ہزار معبد زمزمہ اور مناجات کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ کسی موت پر جو رسوم ادا کی جاتی تھیں ان میں علماء کی شمولیت ضروری سمجھی جاتی تھی۔

دوسرا طبقہ جس میں عسکری سپاہی اور سالار ہوتے تھے اس کی بھی کئی شاخیں ہوتی تھیں مثلاً سوار اور پیدل لشکر کے سپاہی وغیرہ۔

تیسرا طبقہ کسانوں کے طبقے پر مشتمل تھا۔ اس پر بادشاہ کی خاص توجہ ہوتی تھی

کیونکہ مالیہ انہی لوگوں سے حاصل ہوتا تھا۔

اہل حرفہ کی بھی حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی ہوتی تھی جو چوتھے طبقے میں شمار ہوتے تھے۔

خاقانِ چین کے شکست اور ناکامی اٹھانے کے بعد چلے جانے اور پھر ایران کے شہنشاہ یزدگرد کے دریائے جیحوں کو پار کر کے بھاگ جانے کے بعد اسلامی لشکر نے کچھ روز تک بلخ شہر سے باہر قیام کئے رکھا اس کے بعد یہاں سے بھی کوچ ہوا اور دو بڑے معرکوں کی ابتداء کی۔

ایک معرکہ توج اور دوسرا معرکہ استخر تھا۔ یہ دونوں بڑے اہم شہر تھے جن پر مسلمانوں نے حملہ آور ہونا تھا۔ چنانچہ لشکر بلخ سے پہلے توج کی طرف روانہ ہوا۔ عتبہ بن ہشام اور ہلال بن علقمہ اور بنو تمیم کے جنگجو اس لشکر میں شامل تھے۔ توج شہر میں جو محافظ لشکر تھا وہ مسلمانوں کی اس یلغار اور ترک تاز کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ شہر بھی مسلمانوں کے سامنے بزور تیغ فتح ہو گیا۔

توج کی فتح کے بعد مسلمانوں نے استخر کا رخ کیا۔ استخر پر حملہ آور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مختلف جگہوں پر جہاں ایرانیوں کو شکست ہوئی تھی وہاں سے شکست خوردہ ایرانی لشکری یہاں آ کر جمع ہو گئے تھے چنانچہ جب اسلامی لشکر استخر کی طرف بڑھا تو استخر میں جو شکست خوردہ ایرانی لشکر تھے انہوں نے استخر سے باہر جور کے مقام پر مسلمان لشکریوں کو روکا لیکن ان کی بدقسمتی کہ مسلمانوں کے عسکری سیلاب کو وہ روک نہ سکے اور میدانِ جنگ سے شکست کھا کر بھاگے۔

استخر کے لشکر کی اس بدترین شکست کا علم جب استخر کے حاکم حربز کو ہوا تو اس نے جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور اس صلح کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد استخر کے لوگ جو بھاگے تھے وہ بھی واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں مملکت ایران کی تسخیر کا دشوار گزار کام مکمل ہوا۔

استخر کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے شہر سے باہر پڑاؤ کر لیا تھا۔ اس پڑاؤ میں عتبہ بن ہشام، رجینا، ہلال بن علقمہ اور البانہ چاروں نے ستانے کی خاطر چند روز اپنی خیمہ گاہ میں بسر کئے۔ بنو تمیم کے لوگ بھی اس خیمہ گاہ میں شامل تھے۔ اب چونکہ ایرانی

مملکت کی تسخیر کا کام مکمل ہو چکا تھا لہٰذا چند یوم تک استخر شہر سے باہر ستانے اور آرام کرنے کے بعد ایک روز عتبہ بن ہشام، رجینا، ہلال بن علقمہ اور البانہ چاروں بنو تمیم کے سعد بن قیس، برق بن رسد اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ اس شاہراہ پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے جو دریائے جیحوں سے طالقان، سرخست، طوس، ریوند، ترشیز، اصفہان اور اردشیر سے ہوتی ہوئی دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے سنگم سے نیچے بنو تمیم کی بستیوں کی طرف جاتی تھی۔

(تمت بالخیر)